آسان ترجمۂ قرآن

تشریحات کے ساتھ

2

از

مفتی محمد تقی عثمانی

www.islamicbookslibrary.wordpress.com

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
Karachi - Pakistan.

توضیح القرآن

آسان ترجمۂ قرآن

تشریحات کے ساتھ

جلد دوم

سورۂ یونس تا سورۂ العنکبوت

از

مفتی محمد تقی عثمانی

www.islamicbookslibrary.wordpress.com

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
Karachi, Pakistan.

فہرست

سورۃ یونس	۶۲۹
سورۃ ہود	۶۶۵
سورۃ یوسف	۷۰۵
سورۃ الرعد	۷۵۱
سورۃ ابراہیم	۷۷۷
سورۃ الحجر	۷۹۷
سورۃ النحل	۸۱۵
سورۃ بنی اسرائیل	۸۵۳
سورۃ الکہف	۸۸۹
سورۃ مریم	۹۲۹
سورۃ طٰہٰ	۹۵۱
سورۃ الانبیاء	۹۸۳
سورۃ الحج	۱۰۱۱
سورۃ المومنون	۱۰۳۹

سورۃ النور ۱۰۶۱
سورۃ الفرقان ۱۰۹۳
سورۃ الشعراء ۱۱۱۳
سورۃ النمل ۱۱۴۳
سورۃ القصص ۱۱۶۷
سورۃ العنکبوت ۱۱۹۹

سُورَةُ يُونُس

تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔ البتہ بعض مفسرین نے اس کی تین آیتوں (آیت نمبر ۴۰ اور ۹۴ اور ۹۵) کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن اس کا کوئی یقینی ثبوت موجود نہیں ہے۔ سورت کا نام حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا ہے جن کا حوالہ آیت نمبر ۹۸ میں آیا ہے۔ مکہ مکرمہ میں سب سے اہم مسئلہ اسلام کے بنیادی عقائد کو ثابت کرنا تھا، اس لئے اکثر مکی سورتوں میں بنیادی زور توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین پر دیا گیا ہے۔ اس سورت کے بھی مرکزی موضوعات یہی ہیں۔ اس کے ساتھ اسلام پر مشرکین عرب کے اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں، اور اُن کے غلط طرز عمل کی مذمت کی گئی ہے، اور انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر انہوں نے اپنی ضد جاری رکھی تو دُنیا اور آخرت دونوں میں اُن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آسکتا ہے۔ اسی سلسلے میں پچھلے انبیائے کرام میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کے نتیجے میں فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ اور حضرت نوح اور حضرت یونس علیہما السلام کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان میں کافروں کے لئے تو یہ سبق ہے کہ انہوں نے پیغمبر کی مخالفت میں جو روّیہ اختیار کیا ہوا ہے، اُس کے نتیجے میں اُن کا انجام بھی ایسا ہی ہوسکتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے یہ تسلی کا سامان بھی ہے کہ ان ساری مخالفتوں کے باوجود آخری انجام ان شاء اللہ اُنہی کے حق میں ہوگا۔

آیاتها ۱۰۹ ۱۰ سُوْرَةُ یُوْنُسَ مَکِّیَّةٌ ۵۱ رکوعاتها ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ
مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ
قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۗ

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو نو آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓرٰ۔[1] یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حکمت سے بھری ہوئی ہے ﴿۱﴾ کیا لوگوں کے لئے یہ تعجب کی بات ہے کہ ہم نے خود اُنہی میں کے ایک شخص پر وحی نازل کی ہے کہ: "لوگوں کو (اللہ کی خلاف ورزی سے) ڈراؤ، اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اُن کو خوش خبری دو کہ اُن کے رَبّ کے نزدیک اُن کا صحیح معنی میں بڑا پایہ ہے۔"[2] (مگر جب اُس نے لوگوں کو یہ پیغام دیا تو) کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادوگر ہے ﴿۲﴾ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر اُس نے عرش پر اس طرح استواء فرمایا[3] کہ وہ ہر چیز کا انتظام کرتا ہے۔

---

(۱) جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا، یہ الگ الگ حروف جو سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، "حروفِ مقطعات" کہلاتے ہیں۔ ان کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔

(۲) یعنی بڑا درجہ ہے۔

(۳) "استواء" کے لفظی معنی سیدھا ہونے، قابو پانے اور بیٹھ جانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی طرح نہیں ہیں، اس لئے اُن کا استواء بھی مخلوقات جیسا نہیں۔ اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے ہم نے اس لفظ کا اُردو میں ترجمہ کرنے کے بجائے اسی لفظ کو برقرار رکھا ہے۔ کیونکہ ہمارے لئے اتنا

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ أَفَلَا
تَذَكَّرُونَ ﴿٣﴾ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ
يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٤﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ
الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ
مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥﴾

کوئی اُس کی اجازت کے بغیر (اُس کے سامنے) کسی کی سفارش کرنے والا نہیں۔ وہی اللہ ہے جو تمہارا پروردگار ہے، لہٰذا اُس کی عبادت کرو۔ کیا تم پھر بھی دھیان نہیں دیتے؟ ﴿۳﴾ اُسی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ یقیناً ساری مخلوق کو شروع میں بھی وہی پیدا کرتا ہے، اور دوبارہ بھی وہی پیدا کرے گا، تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اُن کو انصاف کے ساتھ اُس کا صلہ دے۔ اور جنہوں نے کفر اپنا لیا ہے، ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی کا مشروب ہے، اور دُکھ دینے والا عذاب ہے، کیونکہ وہ حق کا انکار کرتے تھے۔ ﴿۴﴾ اور اللہ وہی ہے جس نے سورج کو سراپا روشنی بنایا، اور چاند کو سراپا نور، اور اُس کے (سفر) کے لیے منزلیں مقرر کردیں، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور (مہینوں کا) حساب معلوم کرسکو۔ اللہ نے یہ سب کچھ بغیر کسی صحیح مقصد کے پیدا نہیں کردیا۔[۲] وہ یہ نشانیاں اُن لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کرتا ہے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ ﴿۵﴾

ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر اس طرح استواء فرمایا جو اُن کی شان کے لائق ہے۔ اس سے زیادہ کسی بحث میں پڑنے کی نہ ضرورت ہے، نہ ہماری محدود عقل اس کا احاطہ کرسکتی ہے۔

(۲) اس کائنات کے جن حقائق کی طرف قرآن کریم اشارہ فرماتا ہے، اُس سے دو باتیں ثابت کرنی مقصود ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کائنات کا یہ محیر العقول نظام جس میں چاند سورج اپنے نپے تلے حساب کے پابند ہو کر اپنا کام کر

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ
لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ ۝٦ إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ
اطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۝٧ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا
يَكْسِبُونَ ۝٨ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝٩

حقیقت یہ ہے کہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں اور اللہ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے، اُس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جن کے دِل میں خدا کا خوف ہو۔ ﴿۶﴾ جو لوگ ہم سے (آخرت میں) آملنے کی کوئی توقع ہی نہیں رکھتے، اور دُنیوی زندگی میں مگن اور اُسی پر مطمئن ہوگئے ہیں، اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ﴿۷﴾ اُن کا ٹھکانا اپنے کرتوت کی وجہ سے دوزخ ہے ﴿۸﴾ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کے ایمان کی وجہ سے اُن کا پروردگار انہیں اس منزل تک پہنچائے گا کہ نعمتوں سے بھرے باغات میں اُن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ ﴿۹﴾

رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی نشانی ہے۔ اس بات کو مشرکینِ عرب بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ جو ذات اتنے عظیم الشان کاموں پر قادر ہو، اُسے اپنی خدائی میں آخر کسی اور شریک کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے؟ لہٰذا یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ ساری کائنات بے مقصد پیدا نہیں کی گئی۔ اگر اس دُنیوی زندگی کے بعد آخرت کی ابدی زندگی نہ ہو جس میں نیک لوگوں کو اچھا صلہ اور بُرے لوگوں کو بُرائی کا بُرا بدلہ نہ ملے تو اس کائنات کی پیدائش بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔ لہٰذا یہی کائنات توحید کے ساتھ ساتھ آخرت کی ضرورت بھی ثابت کرتی ہے۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ
ع اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ
بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ
طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ
قَاعِدًا اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ

اُس میں (داخلے کے وقت) اُن کی پکار یہ ہوگی کہ: "یا اللہ! تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے۔" اور ایک دوسرے کے خیر مقدم کے لئے جو لفظ وہ بولیں گے، وہ سلام ہوگا، اور اُن کی آخری پکار یہ ہوگی کہ: "تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔" ﴿۱۰﴾ اور اگر اللہ (ان کافر) لوگوں کو برائی (یعنی عذاب) کا نشانہ بنانے میں بھی اتنی ہی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ اچھائیاں مانگنے میں مچاتے ہیں تو اُن کی مہلت تمام کردی گئی ہوتی۔(۵) (لیکن ایسی جلد بازی ہماری حکمت کے خلاف ہے) لہٰذا جو لوگ ہم سے (آخرت میں) ملنے کی توقع نہیں رکھتے، ہم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں۔ ﴿۱۱﴾ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لیٹے بیٹھے اور کھڑے ہوئے (ہر حالت میں) ہمیں پکارتا ہے۔

(۵) یہ دراصل کفارِ عرب کے ایک سوال کا جواب ہے۔ جب انہیں کفر کے نتیجے میں عذابِ الٰہی سے ڈرایا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ اگر یہ بات سچ ہے تو وہ عذاب ابھی کیوں نہیں آجاتا؟ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ عذاب آنے کے لئے اس طرح جلدی مچا رہے ہیں جیسے وہ کوئی اچھی چیز ہو۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے مطابق ابھی عذاب نازل کردے تو ان کو سوچنے سمجھنے کی جو مہلت دی گئی ہے وہ ختم ہوجائے گی، اور پھر ان کا ایمان لانا معتبر بھی نہیں ہوگا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اُن کے اس مطالبے کو اپنی حکمت کی بنا پر پورا نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ فی الحال ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے، تاکہ جو لوگ سرکش ہیں، وہ گمراہی میں بھٹکتے رہیں، اور ان پر حجت تمام ہوجائے، اور جو سمجھ سے کام لینا چاہتے ہوں، انہیں راہِ راست پر آنے کا موقع مل جائے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ
مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ
جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ
عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ
بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ
إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾

پھر جب ہم اُس کی تکلیف دور کردیتے ہیں، تو اس طرح چل کھڑا ہوتا ہے جیسے کبھی اپنے آپ کو پہنچنے والی کسی تکلیف میں ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ جو لوگ حد سے گذر جاتے ہیں، اُنہیں اپنے کرتوت اسی طرح خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ ﴿۱۲﴾ اور ہم نے تم سے پہلے (کئی) قوموں کو اُس موقع پر ہلاک کیا جب اُنہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا تھا، اور اُن کے پیغمبر اُن کے پاس روشن دلائل لے کر آئے تھے، اور وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے۔ ایسے مجرم لوگوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ ﴿۱۳﴾ پھر ہم نے اُن کے بعد زمین میں تم کو جانشین بنایا ہے تاکہ یہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ ﴿۱۴﴾

اور وہ لوگ جو (آخرت میں) ہم سے آملنے کی توقع نہیں رکھتے جب اُن کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، جبکہ وہ بالکل واضح ہوتی ہیں، تو وہ یہ کہتے ہیں کہ: "یہ نہیں، کوئی اور قرآن لے کر آؤ، یا اس میں تبدیلی کردو۔" (اے پیغمبر!) ان سے کہہ دو کہ: "مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کروں۔ میں تو کسی اور چیز کی نہیں، صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔ اگر کبھی میں اپنے رب کی نافرمانی کر بیٹھوں تو مجھے ایک زبردست دن کے عذاب کا خوف ہے۔" ﴿۱۵﴾

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا
مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ
بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّھُمْ وَلَا
يَنْفَعُھُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾

کہہ دو کہ: "اگر اللہ چاہتا تو میں اس قرآن کو تمہارے سامنے نہ پڑھتا، اور نہ اللہ تمہیں اس سے واقف کراتا۔[6] آخر اس سے پہلے بھی تو میں ایک عمر تمہارے درمیان بسر کر چکا ہوں۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟"[7] ﴿۱۶﴾ پھر اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے، یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے؟ یقین رکھو کہ مجرم لوگ فلاح نہیں پاتے۔" ﴿۱۷﴾ اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر اُن (من گھڑت خداؤں) کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں، نہ ان کو کوئی فائدہ دے سکتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: "کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دے رہے ہو جس کا کوئی وجود اللہ کے علم میں نہیں ہے، نہ آسمانوں میں نہ زمین میں؟" (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ ان کی مشرکانہ باتوں سے بالکل پاک اور کہیں بالا و برتر ہے۔ ﴿۱۸﴾

(۶) یعنی یہ قرآن میرا بنایا ہوا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے۔ اگر وہ نہ چاہتا تو نہ میں تمہارے سامنے پڑھ سکتا تھا، نہ تمہیں اس کا علم ہو سکتا تھا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرما کر مجھے حکم دیا کہ تمہیں سناؤں، اس لئے سنا رہا ہوں۔ لہٰذا اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۷) یعنی تمہارا یہ مطالبہ کہ میں اس قرآن کو بدل دوں، در اصل میری نبوت کا انکار اور مجھ پر (معاذ اللہ) جھوٹ کا الزام ہے، حالانکہ میں نے عمر کا بڑا حصہ تمہارے درمیان گذارا ہے، اور میری ساری زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح تمہارے سامنے رہی ہے۔ قرآن کریم کے نازل ہونے سے پہلے تم سب مجھے سچا اور امانت دار کہتے رہے

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ
لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٩﴾ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ
فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾ ع ۲

اور (شروع میں) تمام انسان کسی اور دین کے نہیں، صرف ایک ہی دین کے قائل تھے۔ پھر بعد میں وہ آپس میں اختلاف کرکے الگ الگ ہوئے۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہوچکی ہوتی تو جس معاملے میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں، اُس کا فیصلہ (دنیا ہی میں) کردیا جاتا۔(۸) ﴿۱۹﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: "اس نبی پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں کی گئی؟" تو (اے پیغمبر! تم جواب میں) کہہ دو کہ: "غیب کی باتیں تو صرف اللہ کے اختیار میں ہیں۔ لہٰذا تم انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔"(۹) ﴿۲۰﴾

ہو، اور چالیس سال کے طویل عرصے میں کبھی کسی ایک شخص نے بھی مجھ پر جھوٹ کا الزام نہیں لگایا، اب نبوت جیسے معاملے میں مجھ پر یہ الزام لگانا بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے؟

(۸) مطلب یہ ہے کہ جب پہلے پہل حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے تو تمام انسان توحید ہی کے دینِ برحق پر چلتے تھے۔ بعد میں کچھ لوگوں نے الگ الگ مذہب ایجاد کرلئے۔ اللہ تعالیٰ یہیں دنیا میں ان کے اختلافات کا فیصلہ کرسکتا تھا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے ہی یہ طے فرمایا ہوا تھا کہ دنیا انسانوں کے امتحان کے لئے پیدا کی جائے گی، اور ہر شخص کو یہ موقع دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر بھیجے جائیں گے جو لوگوں کو دنیا میں آنے کا مقصد بتائیں، اور دینِ برحق کو واضح دلائل سے بیان کردیں، پھر وہ اپنی آزاد مرضی سے جو راستہ چاہیں اختیار کریں، اور آخرت میں فیصلہ کیا جائے کہ کس کا راستہ صحیح اور انعام کے قابل تھا، اور کس کا غلط اور قابلِ سزا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس فیصلے کا مشاہدہ نہیں کروایا۔

(۹) اس آیت میں نشانی سے مراد معجزہ ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات عطا فرمائے تھے، اور آپ کے اُمّی ہونے کے باوجود قرآن کریم کا آپ کی زبان مبارک پر جاری ہونا بذاتِ خود بہت بڑا معجزہ تھا، لیکن کفارِ مکہ آپ سے نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے جن کا کچھ بیان سورۂ بنی اسرائیل (۱۷: ۹۳) میں آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ کافروں کے اس قسم

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْۤ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ
اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِیْ يُسَيِّرُكُمْ فِی
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا
جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ

اور انسانوں کا حال یہ ہے کہ جب اُن کو پہنچنے والی کسی تکلیف کے بعد ہم اُن کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو ذرا سی دیر میں وہ ہماری نشانیوں کے بارے میں چالبازی شروع کر دیتے ہیں۔[10] کہہ دو کہ: "اللہ اس سے بھی جلدی کوئی چال چل سکتا ہے۔[11]" یقیناً ہمارے فرشتے تمہاری ساری چالبازیوں کو لکھ رہے ہیں (۲۱) وہ اللہ ہی تو ہے جو تمہیں خشکی میں بھی اور سمندر میں بھی سفر کراتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو، اور یہ کشتیاں لوگوں کو لے کر خوشگوار ہوا کے ساتھ پانی پر چلتی ہیں، اور لوگ اس بات پر مگن ہوتے ہیں، تو اچانک اُن کے پاس ایک تیز آندھی آتی ہے، اور ہر طرف سے اُن پر موجیں اُٹھتی ہیں، اور وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ ہر طرف سے گھر گئے،

کے ہر مطالبے کو پورا کریں، اور ہر کس و ناکس کی فرمائش پر ہر روز نئے معجزات دکھایا کریں، بالخصوص جب یہ بات معلوم ہو کہ مطالبہ کرنے والے محض وقت گذاری اور بہانہ بازی کے لئے ایسی فرمائشیں کر رہے ہوں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی فرمائشوں کا یہ مختصر جواب دینے کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ غیب کی ساری باتیں، جن میں معجزات کا ظاہر کرنا بھی داخل ہے، میرے قبضے اور اختیار میں نہیں، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ وہ تمہاری کونسی فرمائش پوری کرتا ہے، اور کونسی پوری نہیں کرتا، اس کا تم بھی انتظار کرو، میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

(۱۰) جب تک مصیبت کا سامنا تھا، اُس وقت تک تو بس اللہ ہی یاد آتا تھا، لیکن جب اُس کی رحمت سے مصیبت دور ہو جاتی ہے، اور اچھا وقت آتا ہے تو اُس کی اطاعت سے منہ موڑنے کے لئے حیلے بہانے شروع ہو جاتے ہیں، جس کی مثال آگے آیت نمبر ۲۲ میں آرہی ہے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ کے لئے "چال" کا لفظ ایک طنز کے طور پر ہے، اور اُس سے مراد اُن کی چالبازیوں کی سزا دینا ہے۔

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
الشّٰكِرِيْنَ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا
النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ
فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ
السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ
اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ

تو اُس وقت وہ خلوص کے ساتھ صرف اللہ پر اعتقاد کر کے صرف اُسی کو پکارتے ہیں، (اور کہتے ہیں کہ:) "(یا اللہ!) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت سے) نجات دے دی تو ہم ضرور بالضرور شکر گذار لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔" ﴿۲۲﴾ لیکن جب اللہ اُن کو نجات دے دیتا ہے تو زیادہ دیر نہیں گذرتی کہ وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ ارے لوگو! تمہاری یہ سرکشی درحقیقت خود تمہارے اپنے خلاف پڑ رہی ہے۔ اب تو دنیوی زندگی کے مزے اُڑا لو، آخر کو ہمارے پاس ہی تمہیں لوٹ کر آنا ہے۔ اُس وقت ہم تمہیں بتائیں گے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔ ﴿۲۳﴾

دنیوی زندگی کی مثال تو کچھ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا جس کی وجہ سے زمین سے اُگنے والی وہ چیزیں خوب گھنی ہو گئیں جو انسان اور مویشی کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا زیور پہن لیا، اور سنگھار کر کے خوشنما ہو گئی، اور اُس کے مالک سمجھنے لگے کہ بس اب یہ پوری طرح اُن کے قابو میں ہے،

أَتٰهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ۚ كَذٰلِكَ
نُفَصِّلُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا إِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۖ وَيَهْدِي مَن
يَشَآءُ إِلٰى صِرٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢٥﴾ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ
وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٢٦﴾

تو کسی رات یا دن کے وقت ہمارا حکم آگیا (کہ اس پر کوئی آفت آجائے)، اور ہم نے اس کو کٹی ہوئی کھیتی کی سپاٹ زمین میں اس طرح تبدیل کر دیا جیسے کل وہ تھی ہی نہیں۔(۱۲) اسی طرح ہم نشانیوں کو ان لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں ﴿۲۴﴾ اور اللہ لوگوں کو سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے تک پہنچا دیتا ہے۔(۱۳) ﴿۲۵﴾ جن لوگوں نے بہتر کام کیے ہیں، بہترین حالت انہی کے لئے ہے، اور اس سے بڑھ کر کچھ اور بھی!(۱۴) نیز ان کے چہروں پر نہ کبھی سیاہی چھائے گی، نہ ذلت۔ وہ جنت کے باسی ہیں! وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۲۶﴾

(۱۲) دنیا کی حالت بھی ایسی ہی ہے کہ اس وقت وہ بڑی خوبصورت اور بنی سجی معلوم ہوتی ہے، لیکن اول تو کبھی قیامت سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے کسی عذاب کی وجہ سے اس کی ساری خوبصورتی ملیامیٹ ہو جاتی ہے، دوسرے جب انسان کی موت کا وقت آتا ہے، تب بھی اس کے لئے یہ دنیا اندھیری ہو جاتی ہے، اور اگر ایمان اور عمل صالح کی پونجی پاس نہ ہو تو پتہ چلتا ہے کہ یہ ساری خوبصورتی درحقیقت ایک عذاب تھی۔ اور جب قیامت آئے گی تب تو یہ ظاہری زیب و زینت بھی پوری دنیا سے ختم ہو جائے گی۔

(۱۳) سلامتی کے گھر سے مراد جنت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت تو تمام انسانوں کے لئے عام ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کے ذریعے جنت حاصل کریں، لیکن اس تک پہنچنے کا جو سیدھا راستہ ہے اس تک اللہ تعالیٰ اسی کو پہنچاتا ہے جسے وہ اپنی حکمت سے چاہتا ہے۔ اور اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اسی کو پہنچایا جائے جو اپنے اختیار اور ہمت کو کام میں لا کر جنت کی ضروری شرائط پوری کرے۔

(۱۴) وعدے کا یہ اجمالی لطیف پیرایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس "کچھ اور" کو کھول کر بیان نہیں فرمایا، بلکہ پردے

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ
اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا
مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَاۗؤُكُمْ ۚ

رہے وہ لوگ جنہوں نے برائیاں کمائی ہیں، تو (ان کی) برائی کا بدلہ اُسی جیسا برا ہوگا۔(۱۵) اور اُن پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، اللہ (کے عذاب) سے انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ ایسا لگے گا جیسے اُن کے چہروں پر اندھیری رات کی تہیں چڑھادی گئی ہیں۔ وہ دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۲۷﴾ اور (یاد رکھو) وہ دن جب ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے، پھر جن لوگوں نے شرک کیا تھا، اُن سے کہیں گے کہ: ”ذرا اپنی جگہ ٹھہرو، تم بھی اور وہ بھی جن کو تم نے اللہ کا شریک مانا تھا!“

میں رکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں تمام بہترین نعمتوں کے علاوہ کچھ نعمتیں ایسی ہوں گی کہ اگر اللہ تعالیٰ اُن کو بیان بھی فرمادیں تو اُن کی لذت اور حلاوت کو انسان اِس وقت محسوس کرہی نہیں سکتا۔ بس انسان کے سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اضافی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو انہی کی شان کے مطابق ہوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر یہ منقول ہے کہ جب تمام جنتی جنت کی نعمتوں سے سرشار اور اُن میں مگن ہوچکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا، اب ہم اُسے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ جنت کے لوگ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں دوزخ سے بچا کر اور جنت عطا فرما کر سارے وعدے پورے کردیے ہیں۔ اب کونسا وعدہ رہ گیا؟ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنا حجاب ہٹا کر اپنی زیارت کرائیں گے، اور اُس وقت جنت والوں کو محسوس ہوگا کہ یہ نعمت اُن تمام نعمتوں سے زیادہ لذیذ اور محبوب ہے جو انہیں اب تک عطا ہوئی ہیں (روح المعانی بحوالہ صحیح مسلم وغیرہ)۔

(۱۵) یعنی نیکیوں پر تو ثواب کئی کئی گنا دیا جائے گا جس میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی وہ نعمت بھی داخل ہے جس کا ابھی ذکر ہوا، لیکن برائی کی سزا اُسی برائی کے برابر ملے گی، اُس سے زیادہ نہیں۔

فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاۤؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٨﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّا
أَسْلَفَتْ وَرُدُّوْا إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾ قُلْ
مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۤءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ
الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْأَمْرَ ۭ

پھر اُن کے درمیان (عابد اور معبود کا) جو رشتہ تھا، ہم وہ ختم کردیں گے، اور اُن کے وہ شریک کہیں گے کہ: "تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے۔[16] ﴿۲۸﴾ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ بننے کے لئے کافی ہے (کہ) ہم تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔" ﴿۲۹﴾ ہر شخص نے ماضی میں جو کچھ کیا ہوگا، اس موقع پر وہ خود اُس کو پرکھ لے گا،[17] اور سب کو اللہ کی طرف لوٹا دیا جائے گا جو اُن کا مالکِ حقیقی ہے، اور جو جھوٹ اُنہوں نے تراش رکھے تھے، اُن کا کوئی سراغ انہیں نہیں ملے گا۔ ﴿۳۰﴾ (اے پیغمبر! ان مشرکوں سے) کہو کہ: "کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ یا بھلا کون ہے جو سننے اور دیکھنے کی قوتوں کا مالک ہے؟ اور کون ہے جو جاندار کو بے جان سے اور بے جان کو جاندار سے باہر نکال لاتا ہے؟ اور کون ہے جو ہر کام کا انتظام کرتا ہے؟"

---

(۱۶) جن بتوں کو انہوں نے خدا مان رکھا تھا، وہ تو بے جان تھے، اس لئے انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ ان کو زبان عطا فرمائیں گے تو شروع میں تو وہ صاف انکار کردیں گے کہ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ پھر جب بعد میں انہیں پتہ چلے گا کہ یہ واقعی ان کی عبادت کرتے تھے تو وہ کہیں گے کہ اگر کرتے بھی تھے تو ہمیں اس کا پتہ نہیں تھا۔

(۱۷) یعنی ہر عمل کی قلعی کھل جائے گی کہ اس کی حقیقت کیا تھی؟

فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾ فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ
الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴿٣٢﴾ كَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ
فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ
يُعِيدُهُ ۚ قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٣٤﴾

تو یہ لوگ کہیں گے کہ: "اللہ!"(١٨) تو تم ان سے کہو کہ: "کیا پھر بھی تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟" ﴿٣١﴾ پھر تو لوگو! وہی اللہ ہے جو تمہارا مالک برحق ہے۔ پھر حق واضح ہو جانے کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ اس کے باوجود تمہیں کوئی کہاں اُلٹا لئے جارہا ہے؟"(١٩) ﴿٣٢﴾ اسی طرح جن لوگوں نے نافرمانی کا شیوہ اپنالیا ہے، اُن کے بارے میں اللہ کی یہ بات سچی ہوگئی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔(٢٠) ﴿٣٣﴾ کہو کہ: "جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہو، کیا اُن میں کوئی ایسا ہے جو مخلوقات کو پہلی بار پیدا کرے، پھر (اُن کی موت کے بعد) اُنہیں دوبارہ پھر پیدا کردے؟" کہو کہ: "اللہ ہے جو مخلوقات کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اُن (کی موت کے بعد) اُنہیں دوبارہ پھر پیدا کردے گا۔ پھر آخر کوئی تمہیں کہاں اوندھے منہ لئے جارہا ہے؟" ﴿٣٤﴾

---

(١٨) عرب کے مشرکین یہ مانتے تھے کہ ساری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ اُس نے بیشتر اختیارات مختلف دیوتاؤں کو سونپ دیئے ہیں جو خدائی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہیں، اور اب اُن کو راضی رکھنے کے لئے اُن کی عبادت کرنی چاہئے۔ اس لئے یہ آیتِ کریمہ اُن پر یہ حقیقت واضح کر رہی ہے کہ جب تم خود مانتے ہو کہ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو پھر کسی اور کی عبادت کرنا کیسی بے عقلی کی بات ہے۔

(١٩) قرآنِ کریم نے مجہول کا جو صیغہ استعمال فرمایا ہے، آیت نمبر ٣٢ اور ٣٤ کے ترجمے میں اُس کا مفہوم "کوئی" کا لفظ بڑھا کر ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور بظاہر قرآنِ کریم نے مجہول کا صیغہ یہ اشارہ کرنے کے لئے استعمال فرمایا ہے کہ درحقیقت اُن کی نفسانی خواہشات ہیں جو انہیں اُلٹی سمت لے جارہی ہیں۔

(٢٠) یعنی ان کی تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے جو بات لکھی ہوئی تھی کہ یہ لوگ اپنی سرکشی کی وجہ سے اپنے اختیار کو صحیح استعمال نہیں کریں گے، اور ایمان نہیں لائیں گے، وہ بات سامنے آگئی۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ
يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ
تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ
تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾

کہو کہ: "جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہو، کیا اُن میں کوئی ایسا ہے جو تمہیں حق کا راستہ دکھائے؟" کہو کہ: "اللہ حق کا راستہ دکھاتا ہے۔ اب بتاؤ کہ جو حق کا راستہ دکھاتا ہو، کیا وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اُس کی بات مانی جائے، یا وہ (زیادہ حق دار ہے) جس کو خود اُس وقت تک راستہ نہ سوجھے جب تک کوئی دوسرا اُس کی رہنمائی نہ کرے؟ بھلا تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ تم کس طرح کی باتیں طے کر لیتے ہو؟" ﴿۳۵﴾ اور (حقیقت یہ ہے کہ) ان (مشرکین) میں سے اکثر لوگ کسی اور چیز کے نہیں، صرف وہمی اندازے کے پیچھے چلتے ہیں، اور یہ یقینی بات ہے کہ حق کے معاملے میں وہمی اندازہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتا۔ یقین جانو، جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں، اللہ اُس کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ ﴿۳۶﴾ اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اُسے کسی نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہو، اللہ نے نہ اُتارا ہو، بلکہ یہ (وحی کی) اُن باتوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے آچکی ہیں، اور اللہ نے جو باتیں (لوحِ محفوظ میں) لکھ رکھی ہیں، اُن کی تفصیل بیان کرتا ہے۔[۲۱] اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ اُس ذات کی طرف سے ہے جو تمام جہانوں کی پرورش کرتی ہے۔ ﴿۳۷﴾

---

(۲۱) اس فقرے میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ قرآن کریم کا ماخذ کوئی انسانی دماغ نہیں، بلکہ وہ لوحِ محفوظ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے تشریعی اور تکوینی احکام ازل سے لکھے ہوئے ہیں۔ ان احکام میں سے جن کی انسانوں کو ضرورت ہے، یہ قرآن اُن کی تفصیل بیان فرماتا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ
إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ
كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٣٩﴾ وَمِنْهُم مَّن يُؤْمِنُ
بِهِ وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٤٠﴾ وَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل لِّي ع
عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۖ أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾
وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٢﴾

کیا پھر بھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ: "پیغمبر نے اسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟" کہو کہ: "پھر تو تم بھی
اس جیسی ایک ہی سورت (گھڑ کر) لے آؤ، اور (اس کام میں مدد لینے کے لئے) اللہ کے سوا جس
کسی کو بلا سکو بلا لو، اگر سچے ہو۔" ﴿۳۸﴾ بات دراصل یہ ہے کہ جس چیز کا احاطہ یہ اپنے علم سے
نہیں کر سکے، اُسے انہوں نے جھوٹ قرار دے دیا، اور ابھی اس کا انجام بھی ان کے سامنے نہیں
آیا۔(۲۲) اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے، انہوں نے بھی (اپنے پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا۔ پھر دیکھو
کہ ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۳۹﴾ اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان
لے آئیں گے، اور کچھ وہ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے، اور تمہارا پروردگار فساد پھیلانے
والوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۴۰﴾ اور (اے پیغمبر!) اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو (ان سے) کہہ دو کہ:
"میرا عمل میرے لئے ہے، اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔ جو کام میں کرتا ہوں، اُس کی ذمہ داری تم پر
نہیں ہے، اور جو کام تم کرتے ہو، اُس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں۔" ﴿۴۱﴾ اور ان میں کچھ ایسے بھی
ہیں جو تمہاری باتوں کو (بظاہر) کان لگا کر سنتے ہیں (مگر دل میں حق کی طلب نہیں رکھتے، اس لئے
درحقیقت بہرے ہیں) تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے، چاہے وہ کچھ سمجھتے نہ ہوں؟ ﴿۴۲﴾

---

(۲۲) یعنی ان کے جھٹلانے کا انجام جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہونے والا ہے، ابھی تک ان
کے سامنے نہیں آیا، لیکن پچھلی قوموں کے انجام سے ان کو عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۚ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ
كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو تمہاری طرف دیکھتے ہیں، (مگر دل میں انصاف نہ ہونے کی وجہ سے وہ اندھوں جیسے ہیں) تو کیا تم اندھوں کو راستہ دکھاؤ گے، چاہے انہیں کچھ بھی سجھائی نہ دیتا ہو؟[۲۳] ﴿۴۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا، لیکن انسان ہیں جو خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ﴿۴۴﴾ اور جس دن اللہ ان کو (میدانِ حشر میں) اکٹھا کرے گا، تو انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ (دنیا میں یا قبر میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے (اسی لئے) وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔[۲۴] حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے بڑے گھاٹے کا سودا کیا ہے جنہوں نے اللہ سے (آخرت میں) جا ملنے کو جھٹلایا ہے، اور جو راہ راست پر نہیں آئے۔ ﴿۴۵﴾

---

(۲۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت پر جو غیر معمولی شفقت تھی، اس کی وجہ سے آپ اکثر اس بات سے غمگین رہتے تھے کہ یہ کافر لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ یہ آیت آپ کو تسلی دے رہی ہے کہ آپ اُسی شخص کو راہِ راست پر لا سکتے ہیں جو دل میں حق کی طلب رکھتا ہو، لیکن جن لوگوں میں اس طلب ہی کا فقدان ہے، ان کی مثال تو بہروں اور اندھوں کی سی ہے کہ آپ کتنا ہی چاہیں، نہ انہیں کوئی بات سنا سکتے ہیں، نہ کوئی راستہ دکھا سکتے ہیں۔ ان کی ذمہ داری آپ پر نہیں، خود انہی پر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں کہ دوزخ کا راستہ اپنا رکھا ہے۔

(۲۴) یعنی دنیوی زندگی انہیں اتنی قریب معلوم ہوگی کہ انہیں ایک دوسرے کو پہچاننے میں وہ دشواری پیش نہیں آئے گی جو کسی کو عرصہ دراز کے بعد دیکھنے کی وجہ سے پیش آیا کرتی ہے۔

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ
شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿٤٦﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ
بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾
قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا
جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾

اور (اے پیغمبر!) جن باتوں کی ہم نے ان (کافروں کو) دھمکی دی ہوئی ہے، چاہے اُن میں سے کوئی بات ہم تمہیں (تمہاری زندگی میں) دکھادیں، یا (اس سے پہلے) تمہاری روح قبض کرلیں، بہرصورت ان کو آخر میں ہماری طرف ہی لوٹنا ہے،(۲۵) پھر (یہ تو ظاہر ہی ہے کہ) جو کچھ یہ کرتے ہیں، اللہ اس کا پورا پورا مشاہدہ کر رہا ہے۔ (لہٰذا وہاں ان کو سزا دے گا) ﴿۴۶﴾ اور ہر اُمت کے لئے ایک رسول بھیجا گیا ہے۔ پھر جب اُن کا رسول آجاتا ہے تو اُن کا فیصلہ پورے انصاف سے کیا جاتا ہے، اور اُن پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ ﴿۴۷﴾ اور یہ (کافر) لوگ (مسلمانوں سے مذاق اُڑانے کے لئے) کہتے ہیں کہ: "اگر تم سچے ہو تو (اللہ کی طرف سے عذاب کا) یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟" ﴿۴۸﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: "میں تو خود اپنی ذات کو بھی نہ کوئی نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں، نہ فائدہ پہنچانے کا، مگر جتنا اللہ چاہے۔ ہر اُمت کا ایک وقت مقرر ہے۔ چنانچہ جب اُن کا وہ وقت آجاتا ہے تو وہ اُس سے نہ ایک گھڑی پیچھے جاسکتے ہیں، نہ آگے آسکتے ہیں۔" ﴿۴۹﴾

(۲۵) یہ اس شبہہ کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو عذاب کی دھمکی تو دی ہوئی ہے، لیکن اب تک اُن کی سرکشی اور مسلمانوں کے ساتھ کفر و دشمنی کے رویے کے باوجود اُن پر کوئی عذاب نازل نہیں ہوا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ان کو عذاب اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق اپنے وقت پر ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی میں ان کو دُنیا میں سزا مل جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی زندگی میں کوئی عذاب نہ آئے، لیکن بہرصورت یہ بات طے ہے کہ جب یہ آخرت کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جائیں گے تو انہیں ابدی عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ۝٥٠
أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ۝٥١ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ
ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝٥٢
وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝٥٣ وَلَوْ
أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ۗ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا
الْعَذَابَ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝٥٤ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ ۗ أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝٥٥

ان سے کہو کہ: ”ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر رات کے وقت آئے یا دن کے وقت تو اُس میں کونسی ایسی (اشتیاق کے قابل) چیز ہے جس کے جلد آنے کا یہ مجرم لوگ مطالبہ کر رہے ہیں؟ ﴿۵۰﴾ کیا جب وہ عذاب آ ہی پڑے گا، جب اُسے مانوگے؟ (اُس وقت تو تم سے یہ کہا جائے گا کہ:) ”اب مانے؟ حالانکہ تم ہی (اس کا انکار کر کے) اس کی جلدی مچایا کرتے تھے!“ ﴿۵۱﴾ پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ: ”اب ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ تمہیں کسی اور چیز کا نہیں، صرف اُس (بدی) کا بدلہ دیا جارہا ہے جو تم کماتے رہے ہو“ ﴿۵۲﴾ اور یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ: ”کیا یہ (آخرت کا عذاب) واقعی سچ ہے؟“ کہہ دو کہ: ”میرے پروردگار کی قسم! یہ بالکل سچ ہے، اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کرسکتے۔“ ﴿۵۳﴾ اور جس جس شخص نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے، اگر اُس کے پاس روئے زمین کی ساری دولت بھی ہوگی تو وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے اُس کی پیشکش کردے گا۔ اور جب وہ عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اپنی شرمندگی کو چھپانا چاہیں گے۔ اور اُن کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا، اور اُن پر ظلم نہیں ہوگا ﴿۵۴﴾ یاد رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۵۵﴾

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ
وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ
تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۱۱

وہی زندہ کرتا ہے، اور وہی موت دیتا ہے، اور اُسی کے پاس تم سب کو لوٹایا جائے گا ﴿۵۶﴾ لوگو! تمہارے پاس ایک ایسی چیز آئی ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک نصیحت ہے، اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفا ہے، اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان ہے۔ ﴿۵۷﴾ (اے پیغمبر!) کہو کہ: "یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہوا ہے، لہٰذا اسی پر تو انہیں خوش ہونا چاہئے۔ یہ اُس تمام دولت سے کہیں بہتر ہے جسے یہ جمع کر کر کے رکھتے ہیں" ﴿۵۸﴾ کہو کہ: "بھلا بتاؤ، اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا تھا، تم نے اپنی طرف سے اُس میں سے کسی کو حرام اور کسی کو حلال قرار دے دیا (۳۳)" ان سے پوچھو کہ: "کیا اللہ نے تمہیں اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہو؟" ﴿۵۹﴾ اور جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں، روزِ قیامت کے بارے میں اُن کا کیا گمان ہے؟ اس میں شک نہیں کہ اللہ انسانوں کے ساتھ فضل کا معاملہ کرنے والا ہے، لیکن اُن میں سے اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ ﴿۶۰﴾

(۳۳) عرب کے مشرکین نے مختلف جانوروں کو بتوں کے ناموں پر کر کے انہیں خواہ مخواہ حرام قرار دے دیا تھا، جس کی تفصیل سورۂ انعام (۵: ۱۳۸ و ۱۳۹) میں گذری ہے۔ یہاں اسی بدعملی کی طرف اشارہ ہے۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِن قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا
عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي
الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٦١﴾
أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

اور (اے پیغمبر!) تم جس حالت میں بھی ہوتے ہو، اور قرآن کا جو حصہ بھی تلاوت کرتے ہو، اور (اے لوگو!) تم جو کام بھی کرتے ہو، تو جس وقت تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو، ہم تمہیں دیکھتے رہتے ہیں۔ اور تمہارے رب سے کوئی ذرہ برابر چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے، نہ زمین میں، نہ آسمان میں، نہ اس سے چھوٹی، نہ بڑی، مگر وہ ایک واضح کتاب میں درج ہے۔(۲۷) ﴿۶۱﴾
یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں، اُن کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے۔(۲۸) ﴿۶۲﴾

---

(۲۷) قیامت میں انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کو مشرکین عرب اس وجہ سے ناممکن سمجھتے تھے کہ اربوں انسان جب مر کر مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو چکے ہوں گے، اُس کے بعد اُن سب کو اکٹھا کر کے دوبارہ زندگی کیسے دی جا سکتی ہے؟ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ مٹی کا کونسا ذرہ دراصل کس انسان کے جسم کا حصہ تھا۔ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم کو اپنے اُوپر قیاس مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کا علم اتنا وسیع ہے کہ اُس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

(۲۸) اللہ کے دوست کی تشریح اگلی آیت میں کر دی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کی صفات رکھتے ہوں۔ ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ انہیں نہ آئندہ کا کوئی خوف ہوگا، اور نہ ماضی کی کسی بات کا کوئی غم ہوگا۔ کہنے کو یہ مختصری بات ہے، لیکن دیکھا جائے تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ دُنیا میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ دُنیا میں ہر انسان کو، خواہ وہ کتنا خوشحال ہو، ہر وقت مستقبل کا کوئی نہ کوئی خوف اور ماضی کا کوئی نہ کوئی رنج پریشان کرتا ہی رہتا ہے۔ یہ نعمت صرف جنت ہی میں حاصل ہوگی کہ انسان ہر طرح کے خوف اور صدمے سے بالکل آزاد ہو جائے گا۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ
قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي
السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِي
جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ
يَسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۖ

یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، اور تقویٰ اختیار کیے رہے۔ ﴿۶۳﴾ اُن کے لیے خوشخبری ہے دُنیوی زندگی میں بھی، اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۶۴﴾ اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں، وہ تمہیں رنجیدہ نہ کریں۔ یقین رکھو کہ اقتدار تمام تر اللہ کا ہے، اور وہ ہر بات سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ ﴿۶۵﴾ یاد رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں، وہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں، وہ کوئی اللہ کے (حقیقی) شریکوں کی پیروی نہیں کر رہے، وہ کسی اور چیز کی نہیں، بلکہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور ان کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ اندازوں کے تیر چلاتے رہیں۔ ﴿۶۶﴾ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی، تاکہ تم اُس میں سکون حاصل کرو، اور دن کو ایسا بنایا جو تمہیں دیکھنے کی صلاحیت دیتا ہے۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ ﴿۶۷﴾ (بعض) لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ پاک ہے اُس کی ذات!

هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ۚ
أَتَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا
يُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا
كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ ۘ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ
عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ
وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ﴿٧١﴾

وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ (۲۹) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے۔ تمہارے پاس اس بات کی ذرا بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا تم اللہ کے ذمے وہ بات لگاتے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں؟ ﴿۶۸﴾ کہہ دو کہ: "جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں، وہ فلاح نہیں پائیں گے۔" ﴿۶۹﴾ (ان کے لیے) بس دُنیا میں تھوڑا سا مزہ ہے۔ پھر ہمارے پاس ہی انہیں لوٹ کر آنا ہے۔ پھر کفر کا جو رویہ انہوں نے اپنا رکھا تھا، اُس کے بدلے ہم انہیں شدید عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ ﴿۷۰﴾ اور (اے پیغمبر!) ان کے سامنے نوح کا واقعہ پڑھ کر سناؤ، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: "میری قوم کے لوگو! اگر تمہارے درمیان میرا رہنا، اور اللہ کی آیات کے ذریعے خبردار کرنا تمہیں بھاری معلوم ہو رہا ہے تو میں نے تو اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ اب تم اپنے شریکوں کو ساتھ ملا کر (میرے خلاف) اپنی تدبیروں کو خوب پختہ کرلو، پھر جو تدبیر تم کرو وہ تمہارے دل میں کسی گھٹن کا باعث نہ بنے، بلکہ میرے خلاف جو فیصلہ تم نے کیا ہو، اُسے (دل کھول کر) کر گذرو، اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ ﴿۷۱﴾

---

(۲۹) یعنی اولاد کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ یا تو وہ زندگی کے کاموں میں باپ کی مدد کرے، یا کم از کم اُسے نفسیاتی طور پر صاحبِ اولاد ہونے کی خواہش ہو۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں باتوں سے بے نیاز ہے، اس لیے اُسے کسی اولاد کی ضرورت نہیں ہے۔

فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ
مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٧٢﴾ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ
وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ
بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا
كَذَّبُوا بِهِ مِن قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴿٧٤﴾

پھر بھی اگر تم نے منہ موڑے رکھا تو میں نے تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اُجرت تو نہیں مانگی۔(۳۰) میرا اجر کسی اور نے نہیں، اللہ نے ذمے لیا ہے، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل رہوں" ﴿۷۲﴾ پھر ہوا یہ کہ اُن لوگوں نے نوح کو جھٹلایا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے نوح کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ کشتی میں تھے اُنہیں بچالیا، اور اُن کو کافروں کی جگہ زمین میں بسایا، اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، انہیں (طوفان میں) غرق کر دیا۔ اب دیکھو کہ جن لوگوں کو خبردار کیا گیا تھا، اُن کا انجام کیسا ہوا؟(۳۱) ﴿۷۳﴾ اس کے بعد ہم نے مختلف پیغمبر اُن کی اپنی اپنی قوموں کے پاس بھیجے، وہ اُن کے پاس کھلے کھلے دلائل لے کر آئے، لیکن اُن لوگوں نے جس بات کو پہلی بار جھٹلا دیا تھا اُسے مان کر ہی نہ دیا۔ جو لوگ حد سے گذر جاتے ہیں، اُن کے دلوں پر ہم اسی طرح مہر لگا دیتے ہیں۔ ﴿۷۴﴾

---

(۳۰) مطلب یہ ہے کہ اگر مجھے اپنی تبلیغ پر کوئی اُجرت وصول کرنی ہوتی تو تمہارے جھٹلانے سے میرا نقصان ہوسکتا تھا کہ میری اُجرت ماری جاتی۔ لیکن مجھے تو کوئی اُجرت وصول کرنی ہی نہیں ہے، اس لئے تمہارے جھٹلانے سے میرا کوئی ذاتی نقصان نہیں ہے۔

(۳۱) حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کی مزید تفصیل اگلی سورت یعنی سورۂ ہود (۲۵:۱۱ تا ۴۹) میں آنے والی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا
وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ
مُبِينٌ ﴿٧٦﴾ قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ ۖ أَسِحْرٌ هَٰذَا وَلَا يُفْلِحُ
السَّاحِرُونَ ﴿٧٧﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا
الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ﴿٧٨﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ
سَاحِرٍ عَلِيمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿٨٠﴾

اس کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا، تو انہوں نے تکبر کا معاملہ کیا، اور وہ مجرم لوگ تھے۔ ﴿۷۵﴾ چنانچہ جب اُن کے پاس ہماری طرف سے حق کا پیغام آیا تو وہ کہنے لگے کہ ضرور یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ ﴿۷۶﴾ موسیٰ نے کہا: "کیا تم حق کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس آچکا ہے؟ بھلا کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پایا کرتے۔" ﴿۷۷﴾ کہنے لگے: "کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جس طور طریقے پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، اُس سے ہمیں برگشتہ کردو، اور اس سرزمین میں تم دونوں کی چودھراہٹ قائم ہوجائے؟ ہم تو تم دونوں کی بات ماننے والے نہیں ہیں۔" ﴿۷۸﴾ اور فرعون نے (اپنے ملازموں سے) کہا کہ: "جتنے ماہر جادوگر ہیں، اُن سب کو میرے پاس لے کر آؤ۔" ﴿۷۹﴾ چنانچہ جب جادوگر آگئے، تو موسیٰ نے اُن سے کہا: "پھینکو جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے۔"(۳۲) ﴿۸۰﴾

---

(۳۲) جادو کی یوں تو بہت سی قسمیں ہوتی ہیں، لیکن چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ دکھایا تھا، اُس میں انہوں نے اپنی لاٹھی زمین پر پھینکی تھی، اور وہ سانپ بن گئی تھی، اس لئے مقابلے پر جو جادوگر بلائے گئے اُن کے بارے میں ظاہر یہی تھا کہ وہ اسی قسم کا کوئی جادو دکھائیں گے کہ کوئی چیز پھینک کر سانپ بنادیں، تاکہ یہ باور کرایا جاسکے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ بھی اسی قسم کا کوئی جادو ہے۔

فَلَمَّآ اَلۡقَوۡا قَالَ مُوۡسٰى مَا جِئۡتُمۡ بِهِ ۙ السِّحۡرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبۡطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يُصۡلِحُ عَمَلَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الۡحَـقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَمَاۤ ع ۱۲ ۱۴
اٰمَنَ لِمُوۡسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنۡ قَوۡمِهٖ عَلٰى خَوۡفٍ مِّنۡ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهِمۡ اَنۡ
يَّفۡتِنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ فِرۡعَوۡنَ لَعَالٍ فِى الۡاَرۡضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ
مُوۡسٰى يٰقَوۡمِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ فَعَلَيۡهِ تَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِيۡنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوۡا
عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّـلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۙ﴿۸۵﴾

پھر جب اُنہوں نے (اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو) پھینکا (اور وہ سانپ بن کر چلتی ہوئی نظر آئیں) تو موسیٰ نے کہا کہ: ”یہ جو کچھ تم نے دِکھایا ہے، جادو ہے۔ اللہ ابھی اس کو ملیامیٹ کیے دیتا ہے۔ اللہ فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا ﴿۸۱﴾ اور اللہ حق کو اپنے حکم سے سچ کر دکھاتا ہے، چاہے مجرم لوگ کتنا برا سمجھیں۔“ ﴿۸۲﴾ پھر ہوا یہ کہ موسیٰ پر کوئی اور نہیں، لیکن خود اُن کی قوم کے کچھ نوجوان فرعون اور اپنے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے ایمان لائے کہ کہیں فرعون اُنہیں نہ ستائے۔(۳۳) اور یقیناً فرعون زمین میں بڑا زورآور تھا، اور وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو کسی حد پر قائم نہیں رہتے۔ ﴿۸۳﴾ اور موسیٰ نے کہا: ”اے میری قوم! اگر تم واقعی اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو پھر اسی پر بھروسہ رکھو، اگر تم فرماں بردار ہو۔“ ﴿۸۴﴾ اس پر اُنہوں نے کہا کہ ”اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کرلیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالم لوگوں کے ہاتھوں آزمائش میں نہ ڈالیے۔ ﴿۸۵﴾

---

(۳۳) شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بنو اسرائیل کے کچھ نوجوان ایمان لائے تھے، اور وہ بھی فرعون اور اُس کے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے، اور فرعون کے سرداروں کو ان نوجوانوں کا سردار اس لئے کہا گیا ہے کہ عملاً وہ ان کے حاکم تھے۔

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ
لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۗ وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى
قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٨٨﴾

اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات دے دیجئے۔" ﴿۸۶﴾ اور ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی پر وحی بھیجی کہ: "تم دونوں اپنی قوم کو مصر ہی کے گھروں میں بساؤ، اور اپنے گھروں کو نماز کی جگہ بنالو، اور (اس طرح) نماز قائم کرو،(۳۴) اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو۔" ﴿۸۷﴾ اور موسیٰ نے کہا: "اے ہمارے پروردگار! آپ نے فرعون اور اُس کے سرداروں کو دُنیوی زندگی میں بڑی سج دھج اور مال و دولت بخشی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ وہ لوگوں کو آپ کے راستے سے بھٹکا رہے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! اُن کے مال و دولت کو تہس نہس کر دیجئے، اور اُن کے دلوں کو اتنا سخت کر دیجئے کہ وہ اُس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔"(۳۵) ﴿۸۸﴾

(۳۴) اس آیت میں ایک تو بنو اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ابھی وہ مصر سے ہجرت نہ کریں، بلکہ اپنے گھروں میں ہی رہیں۔ دوسری طرف بنو اسرائیل کو اصل حکم یہ تھا کہ وہ نمازیں مسجد میں ادا کیا کریں۔ گھروں میں نماز پڑھنا اُن کے لئے عام حالات میں جائز نہیں تھا، لیکن چونکہ اُس وقت فرعون کی طرف سے پکڑ دھکڑ کا سلسلہ جاری تھا، اس لئے اس خاص مجبوری کی حالت میں اس حکم کے ذریعے انہیں گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔

(۳۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کرتے ہوئے مدت گذر چکی تھی جس کے بعد نہ صرف وہ مایوس ہو چکے تھے، بلکہ فرعون نے جو مظالم ڈھائے تھے، وہ اتنے انسانیت سوز تھے کہ کوئی انصاف پسند انسان اُس کو سزا کے بغیر چھوڑ دینا پسند نہیں کرسکتا تھا۔ نیز شاید اُن کو وحی سے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ فرعون کی قسمت میں ایمان نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے آخر میں یہ بد دعا فرمائی۔

قَالَ قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا
يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾ وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَّ
عَدْوًا ؕ حَتَّىٰ إِذَآ أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنتُ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا الَّذِيٓ اٰمَنَتْ بِهِ
بَنُوٓا إِسْرَآءِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩٠﴾ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ
الْمُفْسِدِينَ ﴿٩١﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَإِنَّ كَثِيرًا
مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُونَ ﴿٩٢﴾ ع ۱۳

اللہ نے فرمایا: ''تمہاری دُعا قبول کرلی گئی ہے۔ اب تم دونوں ثابت قدم رہو، اور اُن لوگوں کے پیچھے ہرگز نہ چلنا جو حقیقت سے ناواقف ہیں۔'' ﴿۸۹﴾ اور ہم نے بنو اسرائیل کو سمندر پار کرادیا، تو فرعون اور اُس کے لشکر نے بھی ظلم اور زیادتی کی نیت سے اُن کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ جب ڈوبنے کا انجام اُس کے سر پر آپہنچا تو کہنے لگا: ''میں مان گیا کہ جس خدا پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں بھی فرماں برداروں میں شامل ہوتا ہوں'' ﴿۹۰﴾ (جواب دیا گیا کہ:) ''اب ایمان لاتا ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا، اور مسلسل فساد مچاتا رہا ﴿۹۱﴾ لہٰذا آج ہم تیرے (صرف) جسم کو بچائیں گے، تاکہ تو اپنے بعد کے لوگوں کے لئے عبرت کا نشان بن جائے،(۳۶) (کیونکہ) بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل بنے ہوئے ہیں'' ﴿۹۲﴾

(۳۶) قانونِ قدرت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب سر پر آکر آنکھوں سے نظر آنے لگے، یا جب کسی پر نزع کی حالت طاری ہوجائے، تو توبہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے، اور اُس وقت کا ایمان معتبر نہیں ہوتا۔ اس لئے اب فرعون کے عذاب سے نجات پانے کی تو کوئی صورت نہیں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کو محفوظ رکھا۔ وہ لاش سمندر کی تہہ میں جانے کے بجائے پانی کی سطح پر تیرتی رہی، تاکہ سب دیکھنے والے اُسے دیکھ سکیں۔ اتنی بات

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ ۚ فَمَا ٱخْتَلَفُوا۟
حَتَّىٰ جَآءَهُمُ ٱلْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِى بَيْنَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ فِيمَا كَانُوا۟ فِيهِ
يَخْتَلِفُونَ ﴿٩٣﴾ فَإِن كُنتَ فِى شَكٍّ مِّمَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْـَٔلِ ٱلَّذِينَ يَقْرَءُونَ
ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾

اور ہم نے بنو اسرائیل کو ایسی جگہ بسایا جو صحیح معنی میں بسنے کے لائق جگہ تھی، اور اُن کو پاکیزہ چیزوں کا رزق بخشا۔ پھر انہوں نے (دینِ حق کے بارے میں) اُس وقت تک اختلاف نہیں کیا جب تک اُن کے پاس علم نہیں آگیا۔[۳۷] یقین رکھو کہ جن باتوں میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے، اُن کا فیصلہ تمہارا پروردگار قیامت کے دن کرے گا۔ ﴿۹۳﴾ پھر (اے پیغمبر!) اگر (بفرضِ محال) تمہیں اُس کلام میں ذرا بھی شک ہو جو ہم نے تم پر نازل کیا ہے تو اُن لوگوں سے پوچھو جو تم سے پہلے سے (آسمانی) کتاب پڑھتے ہیں۔ یقین رکھو کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہی آیا ہے، لہٰذا تم کبھی بھی شک کرنے والوں میں شامل نہ ہونا۔[۳۸] ﴿۹۴﴾

تو اس آیت سے واضح ہے۔ اب آخری زمانے کے مؤرخین نے یہ تحقیق کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا، اُس کا نام منفتاح تھا، اور اُس کی لاش صحیح سلامت دریافت ہوگئی ہے۔ اب تک یہ لاش قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے، اور سامانِ عبرت بنی ہوئی ہے۔ اگر یہ تحقیق درست ہے تو یہ آیتِ کریمہ قرآنِ کریم کی حقانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے، کیونکہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب لوگوں کو یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ فرعون کی لاش اب بھی محفوظ ہے۔ سائنسی طور پر اس کا انکشاف بہت بعد میں ہوا۔

(۳۷) یعنی بنی اسرائیل کا عقیدہ ایک مدت تک دینِ حق کے مطابق ہی رہا۔ تورات اور انجیل میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی جو خبر دی گئی تھی، اُس کے مطابق وہ یہ بھی مانتے تھے کہ آخر میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں۔ لیکن جب آسمانی کتابوں میں مذکور نشانیوں کے ذریعے یہ علم آگیا کہ وہ نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اُس وقت انہوں نے دینِ حق سے اختلاف شروع کر دیا۔

(۳۸) اس آیت میں اگرچہ بظاہر خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ کو

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ
الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ
حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا
قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ
مَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٩٨﴾

نیز کبھی ہرگز اُن لوگوں میں شامل نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا ہے، ورنہ تم اُن لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے جنہوں نے گھاٹے کا سودا کر لیا ہے۔ ﴿۹۵﴾ یقیناً جن لوگوں کے بارے میں تمہارے رَبّ کی بات طے ہو چکی ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے، ﴿۹۶﴾ چاہے ہر قسم کی نشانی اُن کے سامنے آ جائے، یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ ﴿۹۷﴾ بھلا کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایسے وقت ایمان لے آتی کہ اُس کا ایمان اُسے فائدہ پہنچا سکتا؟ البتہ صرف یونس کی قوم کے لوگ ایسے تھے۔(۳۰) جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دُنیوی زندگی میں رُسوائی کا عذاب اُن سے اُٹھا لیا، اور اُن کو ایک مدت تک زندگی کا لطف اُٹھانے دیا۔ ﴿۹۸﴾

قرآنِ کریم کی سچائی میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے درحقیقت سنانا دوسروں کو مقصود ہے کہ جب آپ کو یہ اشارہ کیا جا رہا ہے تو دوسروں کو تو اور زیادہ محتاط ہونا چاہئے۔

(۳۰) پچھلی آیتوں میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی تھی کہ کسی انسان کے لئے ایمان لانا اسی وقت کارآمد ہوتا ہے جب وہ موت سے پہلے اور عذابِ الٰہی کا مشاہدہ کرنے سے پہلے ایمان لائے۔ جب عذاب آ جاتا ہے تو اُس وقت ایمان لانا کارآمد نہیں ہوتا۔ اسی اُصول کے مطابق اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ پچھلی جتنی قوموں پر عذاب آیا، اُن سب کا حال یہ تھا کہ وہ عذاب کو دیکھنے سے پہلے ایمان نہیں لائے، اس لئے عذاب کا شکار ہوئے۔ البتہ ایک یونس علیہ السلام کی قوم ایسی تھی کہ وہ عذاب کے نازل ہونے سے ذرا پہلے ایمان لے آئی تھی، اس لئے اُس کا

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى
يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ
الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو روئے زمین پر بسنے والے سب کے سب ایمان لے آتے۔[٢٠] تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کروگے تاکہ وہ سب مومن بن جائیں؟ ﴿٩٩﴾ اور کسی بھی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر مومن بن جائے، اور جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے، اللہ ان پر گندگی مسلط کردیتا ہے۔[٢١] ﴿١٠٠﴾ (اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: "ذرا نظر دوڑاؤ کہ آسمانوں اور زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں؟"[٢٢] لیکن جن لوگوں کو ایمان لانا ہی نہیں ہے، اُن کے لئے (زمین وآسمان میں پھیلی ہوئی) نشانیاں اور آگاہ کرنے والے (پیغمبر) کچھ بھی کارآمد نہیں ہوتے۔ ﴿١٠١﴾

ایمان منظور کرلیا گیا، اور اس کی وجہ سے اُن پر آنے والا عذاب ہٹالیا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب وہ اپنی قوم کو عذاب کی پیشگوئی کرکے بستی سے چلے گئے تو ان کی قوم کو ایسی علامتیں نظر آئیں جن سے انہیں حضرت یونس علیہ السلام کے اجتہاد کے سچے ہونے کا یقین ہوگیا، چنانچہ وہ عذاب کے آنے سے پہلے ہی ایمان لے آئے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے واقعے کی پوری تفصیل ان شاء اللہ سورۂ صافات (۳۷:۱۴۸ تا ۱۴۸) میں آئے گی۔ ان کے واقعے کا مختصر ذکر سورۂ انبیاء (۲۱:۸۷) اور سورۂ قلم (۶۸:۴۸) میں بھی آیا ہے۔

(٢٠) یعنی اللہ تعالیٰ زبردستی سب کو مومن بنا سکتا تھا، لیکن چونکہ دُنیا کے دارالامتحان میں ہر شخص سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی اور اختیار سے ایمان لائے، اس لئے کسی کو زبردستی مسلمان کرنا نہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے، نہ کسی اور کے لئے جائز ہے۔

(٢١) اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کائنات میں کچھ نہیں ہوسکتا، لہٰذا اُس کے بغیر کسی کا ایمان لانا بھی ممکن نہیں، لیکن جو شخص اپنی سمجھ اور اختیار کو صحیح استعمال کرکے ایمان لانا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے ایمان کی توفیق دے دیتا ہے، اور جو شخص عقل اور اختیار سے کام نہ لے، اُس پر کفر کی گندگی مسلط ہوجاتی ہے۔

(٢٢) اس کائنات کی ہر چیز کو اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا شاہکار

فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ
مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ
الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ ع ۱۵
تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ
الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٤﴾ وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٥﴾

بھلا بتاؤ کہ یہ لوگ (ایمان لانے کے لیے) اس کے سوا کس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اُس طرح کے دن یہ بھی دیکھیں جیسے ان سے پہلے کے لوگوں نے دیکھے تھے؟ کہہ دو کہ: ''اچھا! تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں'' ﴿۱۰۲﴾ پھر (جب عذاب آتا ہے تو) ہم اپنے پیغمبروں کو اور جو لوگ ایمان لے آتے ہیں، ان کو نجات دے دیتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے یہ بات اپنے ذمے لے رکھی ہے کہ ہم تمام (دوسرے) مؤمنوں کو بھی نجات دیں۔ ﴿۱۰۳﴾ (اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: ''اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی شک میں مبتلا ہو تو (سن لو کہ) تم اللہ کے سوا جن جن کی عبادت کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ میں اُس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روح قبض کرتا ہے۔ اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں مؤمنوں میں شامل رہوں۔ ﴿۱۰۴﴾ اور (مجھ سے) یہ (کہا گیا ہے) کہ: ''اپنا رُخ یکسوئی کے ساتھ اس دین کی طرف قائم رکھنا، اور ہرگز اُن لوگوں میں شامل نہ ہونا جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مانتے ہیں۔ ﴿۱۰۵﴾

ہے۔ اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ محیر العقول کارخانہ خود بخود وجود میں نہیں آگیا، اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، بلکہ اس سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جو ذات اتنی عظیم کائنات پیدا کرنے پر قادر ہے، اُسے اپنی خدائی کے لئے کسی شریک یا مددگار کی حاجت نہیں ہے، لہٰذا وہ ہے، اور ایک ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔

اس آئنہ خانے میں سبھی عکس ہیں تیرے
اس آئنہ خانے میں تو یکتا ہی رہے گا

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ
فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾
قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ
لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا
ع يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ ۱۱

اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی ایسے (من گھڑت معبود) کو مت پکارنا جو تمہیں نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے، نہ کوئی نقصان۔ پھر بھی اگر تم (بفرضِ محال) ایسا کر بیٹھے تو تمہارا شمار بھی ظالموں میں ہوگا۔" ﴿۱۰۶﴾ اور اگر تمہیں اللہ کوئی تکلیف پہنچادے تو اُس کے سوا کوئی نہیں ہے جو اُسے دُور کردے، اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچانے کا ارادہ کرلے تو کوئی نہیں ہے جو اُس کے فضل کا رُخ پھیر دے۔ وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، پہنچادیتا ہے، اور وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۰۷﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: "لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس حق آگیا ہے۔ اب جو شخص ہدایت کا راستہ اپنائے گا، وہ خود اپنے فائدے کے لئے اپنائے گا، اور جو گمراہی اختیار کرے گا، اُس کی گمراہی کا نقصان خود اُسی کو پہنچے گا، اور میں تمہارے کاموں کا ذمہ دار نہیں ہوں۔(۴۳)" ﴿۱۰۸﴾ اور جو وحی تمہارے پاس بھیجی جارہی ہے، تم اُس کی اتباع کرو، اور صبر سے کام لو، یہاں تک کہ اللہ کوئی فیصلہ کردے،(۴۴) اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ ﴿۱۰۹﴾

(۴۳) یعنی میرا کام دعوت اور تبلیغ ہے، ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے، اور تمہارے کفر اور بداعمالیوں کی مجھ سے پوچھ نہیں ہوگی۔

(۴۴) مکی زندگی میں حکم یہ تھا کہ کفار کی طرف سے پہنچنے والی ہر تکلیف پر صبر کیا جائے، ہاتھوں سے انتقام لینے کی اجازت نہیں تھی۔ اس آیت میں بھی حکم دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ وہی ان کے بارے میں مناسب فیصلہ کرے گا، چاہے اس طرح کہ دنیا میں ان کو عذاب دے یا آخرت میں، اور چاہے اس طرح کہ مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دے جس کے ذریعے ان کی زیادتیوں کا بدلہ لیا جاسکے۔

الحمد للہ، سورۂ یونس کا ترجمہ اور حواشی آج جمادی الاولیٰ ۲ ۱۴۲۷ھ کی پہلی رات مطابق ۳۰ مئی ۲۰۰۶ء کو دبئی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمالیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنے فضل و کرم سے اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

ސޫރަތު ހޫދު

تعارف

یہ سورت بھی مکی ہے، اور اس کے مضامین پچھلی سورت کے مضامین سے ملتے جلتے ہیں، البتہ سورۂ یونس میں جن پیغمبروں کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان ہوئے تھے، اس سورت میں انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ خاص طور پر حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور حضرت لوط علیہم السلام کے واقعات زیادہ تفصیل سے انتہائی بلیغ اور مؤثر اسلوب میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بڑی بڑی زور آور قوموں کو تباہ کر چکی ہے، اور جب انسان اس نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قہر اور عذاب کا مستحق ہو جائے تو چاہے وہ کتنے بڑے پیغمبر سے قریبی رشتہ رکھتا ہو، اس کا یہ رشتہ اُسے عذابِ الٰہی سے نہیں بچا سکتا، جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو نہیں بچا سکا۔ اس سورت میں عذابِ الٰہی کے واقعات اتنے مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں اور دین پر استقامت کا حکم اتنی تاکید سے فرمایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود اور اُس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔ ان سورتوں میں جو تنبیہ کی گئی ہے، اُس کی بنا پر آپ کو اپنی اُمت کے بارے میں بھی یہ خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ بھی اپنی نافرمانی کی وجہ سے اسی طرح کے کسی عذاب کا شکار نہ ہو جائے۔

آیاتھا ۱۲۳ ۱۱ سُوْرَۃُ هُوْدٍ مَکِّیَّۃٌ ۵۲ رکوعاتھا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا
اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ﴿۲﴾ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا
اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو تئیس آیتیں اور دس رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الرٰ۔[1] یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتوں کو (دلائل سے) مضبوط کیا گیا ہے،[2] پھر ایک ایسی ذات کی طرف سے اُن کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو حکمت کی مالک اور ہر بات سے باخبر ہے۔ ﴿۱﴾ (یہ کتاب پیغمبر کو حکم دیتی ہے کہ وہ لوگوں سے یہ کہیں) کہ: "اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں اُس کی طرف سے تمہیں آگاہ کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔" ﴿۲﴾ اور یہ (ہدایت دیتا) کہ: "اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اُس کی طرف رُجوع کرو،[3] وہ تمہیں ایک مقرر وقت تک (زندگی سے) اچھا لطف اُٹھانے کا موقع دے گا، اور ہر اُس شخص کو جس نے زیادہ عمل کیا ہوگا، اپنی طرف سے زیادہ اجر دے گا۔

(۱) جیسا کہ پچھلی سورت میں عرض کیا گیا، ان حروف کو مقطعات کہتے ہیں، اور ان کے صحیح معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہیں۔

(۲) مضبوط کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ دلائل کے لحاظ سے مکمل ہیں اور ان میں کوئی نقص نہیں ہے۔

(۳) یہاں رُجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف معافی مانگ لینا کافی نہیں، آئندہ کے لئے گناہوں سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے کا عزم بھی ضروری ہے۔

وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ۝٣ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ ۖ وَهُوَ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝٤ أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا
حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ
الصُّدُورِ ۝٥ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ
مُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝٦

اور اگر تم نے منہ موڑا تو مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ ﴿۳﴾ اللہ ہی کے پاس تمہیں لوٹ کر جانا ہے، اور وہ ہر چیز کی پوری قدرت رکھتا ہے۔" ﴿۴﴾ دیکھو، یہ (کافر) لوگ اپنے سینوں کو اُس سے چھپنے کے لئے دُہرا کر لیتے ہیں۔ یاد رکھو جب یہ اپنے اُوپر کپڑے لپیٹتے ہیں، اللہ اُن کی وہ باتیں بھی جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں، اور وہ بھی جو یہ علی الاعلان کرتے ہیں۔[۲] یقیناً اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کا (بھی) پورا پورا علم رکھتا ہے ﴿۵﴾ اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ نے اپنے ذمے نہ لے رکھا ہو۔ وہ اُس کے مستقل ٹھکانے کو بھی جانتا ہے، اور عارضی ٹھکانے کو بھی۔ ہر بات ایک واضح کتاب میں درج ہے۔ ﴿۶﴾

---

(۲) بہت سے مشرک لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنے سے اپنے آپ کو بچاتے تھے، تاکہ آپ کی کوئی بات ان کے کان میں نہ پڑے، چنانچہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نظر آتے تو وہ اپنے سینوں کو دُہرا کرکے اور اپنے اُوپر کپڑے لپیٹ کر وہاں سے کھسک جاتے تھے۔ اسی طرح بعض احمق کوئی گناہ کا کام کرتے تو اُس وقت بھی اپنے آپ کو چھپانے کے لئے دُہرے ہوجاتے، اور اپنے اُوپر کپڑے لپیٹ لیتے، اور اس طرح یہ سمجھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ گئے۔ یہ آیت ان دونوں قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ کررہی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ

لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ

اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ۗ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸﴾ ع ۱

اور وہی ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا(۵) تاکہ تمہیں آزمائے کہ عمل کے اعتبار سے تم میں کون زیادہ اچھا ہے۔(۶) اور اگر تم (لوگوں سے) یہ کہو کہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ یہ کہیں گے کہ یہ کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔(۷) ﴿۷﴾ اور اگر ہم ان لوگوں سے کچھ عرصے کے لئے عذاب کو مؤخر کردیں تو وہ یہ بھی کہتے رہیں گے کہ: "آخر کس چیز نے اس (عذاب) کو روک رکھا ہے؟"(۸) ارے جس دن وہ عذاب آگیا، تو وہ ان سے ٹلائے نہیں ٹلے گا، اور جس چیز کا یہ مذاق اڑا رہے ہیں، وہ ان کو چاروں طرف سے گھیر لے گی۔ ﴿۸﴾

---

(۵) اس سے معلوم ہوا کہ عرش اور پانی کی تخلیق زمین اور آسمانوں سے پہلے ہوچکی تھی۔ اور مفسرین نے فرمایا ہے کہ آسمانوں سے مراد عالم بالا کی تمام چیزیں ہیں، اور زمین سے مراد نیچے کی تمام چیزیں ہیں، اور سورۂ حٰم السجدہ (آیت: ۱۰ و ۱۱) میں اس تخلیق کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔

(۶) اس آیت نے واضح فرمادیا ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے کا اصل مقصد انسان کی آزمائش ہے۔ اور آزمائش یہ ہے کہ کون اچھا عمل کرتا ہے، یہ نہیں کہ کون زیادہ عمل کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفلی اعمال کی گنتی سے زیادہ انسان کو اس کی فکر کرنی چاہئے کہ اس کا عمل اخلاص اور خضوع وخشوع کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہو۔

(۷) یعنی یہ قرآن جو آخرت کی زندگی کی خبر دے رہا ہے، یہ (معاذ اللہ) جادو ہے۔

(۸) یہ بات کہہ کر وہ دراصل آخرت اور عذاب الٰہی کا مذاق اڑاتے تھے۔

وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ﴿٩﴾ وَلَئِنْ
أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ
فَخُورٌ ﴿١٠﴾ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ
كَبِيرٌ ﴿١١﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَن يَقُولُوا
لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ كَنزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ إِنَّمَا أَنتَ نَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٢﴾

اور جب ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں، پھر وہ اس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ مایوس (اور) ناشکرا بن جاتا ہے ﴿۹﴾ اور اگر اُسے کوئی تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اُسے نعمتوں کا مزہ چکھا دیں تو وہ کہتا ہے کہ ساری برائیاں مجھ سے دور ہوگئیں۔ (اس وقت) وہ اترا کر شیخیاں بگھارنے لگتا ہے۔ ﴿۱۰﴾ ہاں! مگر جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں، اور نیک عمل کرتے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں۔ ان کو مغفرت اور بڑا اجر نصیب ہوگا۔ ﴿۱۱﴾ پھر (اے پیغمبر!) جو وحی تم پر نازل کی جارہی ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس کا کوئی حصہ چھوڑ بیٹھو؟ اور اس سے تمہارا دل تنگ ہو جائے؟[1] کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ: "ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں ہوا، یا کوئی فرشتہ ان کے ساتھ کیوں نہیں آیا؟" تم تو ایک خبردار کرنے والے ہو! اور اللہ ہے جو ہر چیز کا مکمل اختیار رکھتا ہے۔ ﴿۱۲﴾

---

(۱) مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں تو ہمارا آپ سے کوئی جھگڑا نہیں رہے گا۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ آپ کے لئے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ جو وحی آپ پر نازل کی جارہی ہے، اُس کا کوئی حصہ آپ ان لوگوں کو راضی کرنے کے لئے چھوڑ بیٹھیں۔ لہٰذا ان کی ایسی باتوں سے آپ زیادہ رنجیدہ نہ ہوں، کیونکہ آپ کا کام تو یہ ہے کہ انہیں حقیقت سے

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ
اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٣﴾ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا
أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٤﴾ مَن كَانَ يُرِيدُ
الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾

بھلا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ وحی اس (پیغمبر) نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہے؟ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: "پھر تو تم بھی اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں بنا لاؤ،[10] اور (اس کام میں مدد کے لئے) اللہ کے سوا جس کسی کو بلا سکو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔" ﴿۱۳﴾ اس کے بعد اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو (اے لوگو!) یقین کر لو کہ یہ وحی صرف اللہ کے علم سے اتری ہے، اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ تو کیا اب تم فرماں بردار بنو گے؟ ﴿۱۴﴾ جو لوگ (صرف) دُنیوی زندگی اور اُس کی سج دھج چاہتے ہیں، ہم اُن کے اعمال کا پورا پورا صلہ اسی دُنیا میں بھگتا دیں گے، اور یہاں اُن کے حق میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔[11] ﴿۱۵﴾

آگاہ فرما دیں۔ اس کے بعد یہ لوگ مانیں یا نہ مانیں، یہ آپ کی نہیں، خود ان کی ذمہ داری ہے۔ اور یہ لوگ جو فرمائشیں کر رہے ہیں کہ آپ پر کوئی خزانہ نازل ہو، تو بھلا نبوت کا اُس سے کیا تعلق ہے؟ تمام تر اختیار اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ وہ اپنی حکمت کے تحت فیصلہ فرماتا ہے کہ کونسی فرمائش پوری کرنی چاہئے اور کونسی نہیں۔ واضح رہے کہ یہ ترجمہ بعض مفسرین کے اس قول پر مبنی ہے: "قیل: إن لعلّ هنا ليست للترجي بل للتبعيد ....
وقيل: إنها للاستفهام الإنكاري." (روح المعانی ج:۱۲ ص:۲۷، ۳۰۶)

(۱۰) شروع میں ان کو دس سورتیں قرآن جیسی بنا کر لانے کا چیلنج دیا گیا تھا۔ بعد میں اس چیلنج کو مزید آسان کر دیا گیا، اور سورۂ بقرہ (۲:۲۳) اور سورۂ یونس (۱۰:۳۸) میں صرف ایک سورت بنا کر لانے کو کہا گیا۔ مگر مشرکین عرب جو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز کرتے تھے، ان میں سے کوئی بھی اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔

(۱۱) کافر لوگ جو آخرت پر تو ایمان نہیں رکھتے، اور جو کچھ کرتے ہیں، دُنیا ہی کی خاطر کرتے ہیں، اُن کی نیکیوں، مثلاً صدقہ خیرات وغیرہ کا صلہ دُنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہیں ملتا، کیونکہ ایمان کے بغیر آخرت میں کوئی نیکی معتبر نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کوئی نیک کام صرف دُنیوی شہرت یا دولت

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ
كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ
الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ ۚ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلَٰكِنَّ
أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٧﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں ہے، اور جو کچھ کارگذاری انہوں نے کی تھی، وہ آخرت میں بیکار ہو جائے گی، اور جو عمل وہ کر رہے ہیں، (آخرت کے لحاظ سے) کالعدم ہیں۔ ﴿۱۶﴾ بھلا بتاؤ کہ وہ شخص (ان کے برابر کیسے ہو سکتا ہے) جو اپنے رب کی طرف سے آئی ہوئی روشن ہدایت (یعنی قرآن) پر قائم ہو، جس کے پیچھے اس کی حقانیت کا ایک ثبوت تو خود اسی میں آیا ہے،[۱۳] اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی (اس کی حقانیت کا ثبوت ہے) جو لوگوں کے لئے قابل اتباع اور باعث رحمت تھی۔ ایسے لوگ اس (قرآن پر) ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان گروہوں میں سے جو شخص اس کا انکار کرے، تو دوزخ ہی اس کی طے شدہ جگہ ہے۔ لہٰذا اس (قرآن) کے بارے میں کسی شک میں نہ پڑو۔ یقین رکھو کہ یہ حق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لا رہے۔ ﴿۱۷﴾

وغیرہ حاصل کرنے کے لئے کرے تو اسے دنیا میں تو وہ شہرت یا دولت مل سکتی ہے، لیکن اس نیکی کا ثواب آخرت میں نہیں ملتا۔ بلکہ واجب عبادتوں میں اخلاص کے فقدان کی وجہ سے الٹا گناہ ہوتا ہے۔ آخرت میں وہی نیکی معتبر ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کی گئی ہو۔

(۱۳) یعنی قرآن کریم کی حقانیت کا ایک ثبوت تو خود قرآن کریم کا اعجاز ہے جس کا مظاہرہ پیچھے آیت نمبر ۱۳ میں ہو چکا ہے کہ ساری دنیا کو اس جیسا کلام بنا لانے کا چیلنج دیا گیا، مگر کوئی آگے نہ بڑھ سکا۔ اور دوسرا ثبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تورات ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر اور آپ کی علامتیں واضح طور پر بتائی گئی تھیں۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ
الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٨﴾
الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ
كَافِرُونَ ﴿١٩﴾ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ
مِنْ أَوْلِيَاءَ ۘ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا
يُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾

اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ ایسے لوگوں کی اُن کے رَبّ کے پاس پیشی ہوگی، اور گواہی دینے والے کہیں گے کہ: "یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹی باتیں لگائی تھیں۔"(۱۳) سب لوگ سن لیں کہ اللہ کی لعنت ہے ان ظالموں پر ﴿۱۸﴾ جو اللہ کے راستے سے دوسروں کو روکتے تھے، اور اس میں کجی تلاش کرتے تھے،(۱۴) اور آخرت کے تو وہ بالکل ہی منکر تھے۔ ﴿۱۹﴾ ایسے لوگ روئے زمین پر کہیں بھی اللہ سے بچ کر نہیں نکل سکتے، اور اللہ کے سوا انہیں کوئی یار و مددگار میسر نہیں آسکتے۔ اُن کو دُگنا عذاب دیا جائے گا۔(۱۵) یہ (حق بات کو نفرت کی وجہ سے) نہ سن سکتے تھے، اور نہ اُن کو (حق) سجھائی دیتا تھا ﴿۲۰﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کے لئے گھاٹے کا سودا کرلیا تھا، اور جو معبود انہوں نے گھڑ رکھے تھے، انہیں اُن کا کوئی سراغ نہیں ملے گا۔ ﴿۲۱﴾

---

(۱۳) گواہی دینے والوں میں وہ فرشتے بھی شامل ہیں جو انسانوں کے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں، اور وہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی جو اپنی اپنی اُمتوں کے بارے میں گواہی دیں گے۔

(۱۴) یعنی دینِ حق کے بارے میں طرح طرح کے اعتراضات نکال کر اس کو ٹیڑھا ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

(۱۵) ایک عذاب خود اُن کے کفر کا، اور دوسرا اس بات کا کہ وہ دوسروں کو حق کے راستے سے روکتے تھے۔

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾
مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ
ع أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٢٥﴾
أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٢٦﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا
الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ

لامحالہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ ﴿۲۲﴾ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اور وہ اپنے پروردگار کے آگے جھک کر مطمئن ہوگئے ہیں، تو وہ جنت کے بسنے والے ہیں۔ وہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔ ﴿۲۳﴾ ان دو گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو، اور دوسرا دیکھتا بھی ہو، سنتا بھی ہو۔ کیا یہ دونوں اپنے حالات میں برابر ہوسکتے ہیں؟ کیا پھر بھی تم عبرت حاصل نہیں کرتے؟ ﴿۲۴﴾

اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ: "میں تمہیں اس بات سے صاف صاف آگاہ کرنے والا پیغمبر ہوں ﴿۲۵﴾ کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ یقین جانو مجھے تم پر ایک دُکھ دینے والے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔" ﴿۲۶﴾ اس پر اُن کی قوم کے وہ سردار لوگ جنہوں نے کفر اختیار کرلیا تھا، کہنے لگے کہ: "ہمیں تو اس سے زیادہ (تم میں) کوئی بات نظر نہیں آرہی کہ تم ہم جیسے ہی ایک انسان ہو۔ اور ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ صرف وہ لوگ تمہارے پیچھے لگے ہیں جو ہم میں سب سے زیادہ بے حیثیت ہیں، اور وہ بھی سطحی طور پر رائے قائم کرکے۔

وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ
اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا
عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا
تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾
وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ

اور ہمیں تم میں کوئی ایسی بات بھی دکھائی نہیں دیتی جس کی وجہ سے ہم پر تمہیں کوئی فضیلت حاصل ہو، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم سب جھوٹے ہو۔" ﴿۲۷﴾ نوح نے کہا: "اے میری قوم! ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی ایک روشن ہدایت پر قائم ہوں، اور اُس نے مجھے خاص اپنے پاس سے ایک رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہے، پھر بھی وہ تمہیں سجھائی نہیں دے رہی، تو کیا ہم اس کو تم پر زبردستی مسلط کردیں جبکہ تم اُسے ناپسند کرتے ہو؟ ﴿۲۸﴾ اور اے میری قوم! میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا۔ میرا اجر اللہ کے سوا کسی اور نے ذمے نہیں لیا۔ اور جو لوگ ایمان لاچکے ہیں، میں ان کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔ ان سب کو اپنے رب سے جاملنا ہے۔ لیکن میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسے لوگ ہو جو نادانی کی باتیں کررہے ہو۔ ﴿۲۹﴾ اور اے میری قوم! اگر میں ان لوگوں کو دھتکار دوں تو کون مجھے اللہ (کی پکڑ) سے بچائے گا؟ کیا تم پھر بھی دھیان نہیں دوگے؟ ﴿۳۰﴾ اور میں تم سے یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ میرے قبضے میں اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کی ساری باتیں جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہہ رہا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں۔ (۱۹)

(۱۹) یہ اس جاہلانہ خیال کی تردید ہے کہ اللہ کے کسی پیغمبر یا مقرب بندے کے پاس ہر قسم کے اختیارات ہونے

وَلَآ أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِيٓ أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ ٱللَّهُ خَيْرًا ۖ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِيٓ
أَنفُسِهِمْ ۖ إِنِّيٓ إِذًا لَّمِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالُواْ يَٰنُوحُ قَدْ جَٰدَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَٰلَنَا
فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُم بِهِ ٱللَّهُ إِن شَآءَ وَ
مَآ أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِيٓ إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ
ٱللَّهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ ۚ

اور جن لوگوں کو تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں، اُن کے بارے میں بھی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ انہیں کبھی کوئی بھلائی عطا نہیں کرے گا۔ ان کے دلوں میں جو کچھ ہے، اُسے اللہ سب سے زیادہ جانتا ہے۔ اگر میں ان کے بارے میں ایسی باتیں کہوں تو میرا شمار یقیناً ظالموں میں ہوگا۔" ﴿۳۱﴾ انہوں نے کہا کہ: "اے نوح! تم ہم سے بحث کر چکے، اور بہت بحث کر چکے۔ اب اگر تم سچے ہو تو لے آؤ وہ (عذاب) جس کی دھمکی ہمیں دے رہے ہو۔" ﴿۳۲﴾ نوح نے کہا کہ: "اُسے تو اللہ ہی تمہارے پاس لے کر آئے گا، اگر چاہے گا، اور تم اُسے بے بس نہیں کر سکتے۔ ﴿۳۳﴾ اگر میں تمہاری خیر خواہی کرنا چاہوں تو میری خیر خواہی اُس صورت میں تمہارے کوئی کام نہیں آسکتی جب اللہ ہی نے (تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے) تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہو۔

چاہئیں، اور اسے غیب کی ساری باتوں کا علم ہونا چاہئے، یا اُسے انسان کے بجائے فرشتہ ہونا چاہئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے واضح فرمادیا کہ کسی نبی یا اللہ کے کسی ولی کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ دُنیا کے خزانے لوگوں میں تقسیم کرے، یا غیب کی ہر بات بتائے۔ اُس کا مقصد تو لوگوں کے عقائد اور اعمال و اخلاق کی اصلاح ہوتا ہے۔ اُس کی ساری تعلیمات اسی مقصد کے گرد گھومتی ہیں، لہٰذا اُس سے اس قسم کی توقعات رکھنا سری جہالت ہے۔ اس طرح اس آیت میں اُن لوگوں کی ہدایت کا بڑا سامان ہے جو بزرگوں کے پاس اپنے دُنیوی مقاصد کے لئے جاتے ہیں، اور انہیں دُنیوی اور تکوینی اُمور میں اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں، اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ انہیں مستقبل کی ہر بات بتادیا کریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کا اتنا برگزیدہ پیغمبر ان باتوں کو اپنے اختیار سے باہر قرار دے رہا ہے تو کون ہے جو ان اختیارات کا دعویٰ کرسکے؟

هُوَ رَبُّكُمْ ۗ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٣٤﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ
إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ﴿٣٥﴾ وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن ع ۳ ۴
قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا
وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٣٧﴾

وہی تمہارا پروردگار ہے، اور اُسی کے پاس تمہیں واپس لے جایا جائے گا۔" ﴿۳۴﴾
بھلا کیا (عرب کے یہ کافر) لوگ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: "اگر میں نے اسے گھڑا ہوگا تو میرے جرم کا وبال مجھی پر ہوگا، اور جو جرم تم کر رہے ہو، میں اُس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔"(۱۷) ﴿۳۵﴾ اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی کہ: "تمہاری قوم میں سے جو لوگ اب تک ایمان لا چکے ہیں، اُن کے سوا اب کوئی اور ایمان نہیں لائے گا۔ لہٰذا جو حرکتیں یہ لوگ کرتے رہے ہیں، تم اُن پر صدمہ نہ کرو۔ ﴿۳۶﴾ اور ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کی مدد سے کشتی بناؤ،(۱۸) اور جو لوگ ظالم بن چکے ہیں، اُن کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا۔ یہ اب غرق ہو کر رہیں گے۔" ﴿۳۷﴾

اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھیوں کے بارے میں کافروں نے جو کہا تھا کہ یہ حقیر لوگ ہیں، اور دل سے ایمان نہیں لائے، اُس کا آگے یہ جواب دیا ہے کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دل سے ایمان نہیں لائے، اور اللہ تعالیٰ انہیں کوئی بھلائی یعنی ثواب نہیں دے گا۔

(۱۷) حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کے درمیان یہ آیت جملہ معترضہ کے طور پر آئی ہے۔ توجہ اس طرف دلائی گئی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا یہ واقعہ جس تفصیل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے ہیں، اُسے معلوم کرنے کا آپ کے پاس کوئی ذریعہ وحی کے سوا نہیں ہے، اور جس انداز و اسلوب میں وہ بیان ہو رہا ہے، وہ من گھڑت نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس کے باوجود کفارِ عرب کا انکار کرنا محض ہٹ دھرمی پر مبنی ہے۔

(۱۸) حضرت نوح علیہ السلام نے تقریباً ایک ہزار سال عمر پائی، اور صدیوں تک اپنی قوم کو نہایت دردمندی سے

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۗ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٣٨﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۙ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ

چنانچہ وہ کشتی بنانے لگے۔ اور جب بھی اُن کی قوم کے کچھ سردار اُن کے پاس سے گذرتے تو اُن کا مذاق اُڑاتے تھے۔[19] نوح نے کہا کہ: "اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو جیسے تم ہنس رہے ہو، ویسی طرح ہم بھی تم پر ہنستے ہیں۔[20] ﴿۳۸﴾ عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر وہ عذاب آرہا ہے جو اُسے رُسوا کر کے رکھ دے گا، اور کس پر وہ قہر نازل ہونے والا ہے جو کبھی ٹل نہیں سکے گا۔" ﴿۳۹﴾ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آگیا، اور تنور اُبل پڑا،[21]

تبلیغ فرماتے رہے، اور اس کے بدلے سخت اذیتیں برداشت کیں۔ مگر بہت تھوڑے لوگوں کے سوا باقی سب لوگ اپنے کفر اور بداعمالیوں پر قائم رہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بتادیا کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اور اب ان پر طوفان کا عذاب آنے گا، اس لئے آپ کو کشتی بنانے کا حکم دیا تاکہ آپ اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے اُس میں سوار ہو کر طوفان کی تباہی سے بچ سکیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ کشتی سازی کی صنعت سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے وحی کے ذریعے شروع فرمائی تھی، اور پہلی بار تین منزلہ جہاز تیار کیا تھا۔

(۱۹) وہ مذاق اس بات کا اُڑاتے تھے کہ اب انہوں نے دوسرے کام چھوڑ کر کشتی بنانی شروع کر دی ہے، حالانکہ پانی کا کہیں دُور دُور پتہ نہیں ہے۔

(۲۰) یعنی ہمیں اس بات پر ہنسی آتی ہے کہ عذاب تمہارے سر پر آچکا ہے، اور تمہیں دل لگی سوجھی ہے۔

(۲۱) عربی زبان میں "تنور" سطح زمین کو بھی کہتے ہیں، اور روٹی پکانے کے چولھے کو بھی۔ بعض روایات میں ہے کہ طوفانِ نوح کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ ایک تنور سے پانی اُبلنا شروع ہوا، اور پھر کسی طرح نہ رُکا، اور بعض مفسرین نے تنور کو سطح زمین کے معنی میں لیا ہے، اور مطلب یہ بتایا ہے کہ زمین کی سطح سے پانی اُبلنا شروع ہوگیا، اور پھر ساری زمین میں پھیل گیا، اور اُوپر سے تیز بارش شروع ہوگئی۔

قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ
مَنْ آمَنَ ۚ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرٖىهَا وَ
مُرْسٰىهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۟
وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ﴿۴۲﴾

تو ہم نے (نوح سے) کہا کہ: "اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں میں سے دو دو کے جوڑے سوار کرلو،(۲۲) اور تمہارے گھر والوں میں سے جن کے بارے میں پہلے کہا جاچکا ہے (کہ وہ کفر کی وجہ سے غرق ہوں گے) اُن کو چھوڑ کر باقی گھر والوں کو بھی، اور جتنے لوگ ایمان لائے ہیں اُن کو بھی (ساتھ لے لو)۔" اور تھوڑے ہی سے لوگ تھے جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے! ﴿۴۰﴾ اور نوح نے (ان سب سے) کہا کہ: "اس کشتی میں سوار ہوجاؤ۔ اس کا چلنا بھی اللہ ہی کے نام سے ہے، اور لنگر ڈالنا بھی۔ یقین رکھو کہ میرا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔" ﴿۴۱﴾ اور وہ کشتی پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان چلی جاتی تھی۔ اور نوح نے اپنے اُس بیٹے کو جو سب سے الگ تھا، آواز دی کہ: "بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہوجاؤ، اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔"(۲۳) ﴿۴۲﴾

---

(۲۲) چونکہ طوفان میں وہ جانور بھی ہلاک ہونے والے تھے جن کی انسانوں کو ضرورت پڑتی ہے، اس لئے حکم دیا گیا کہ کشتی میں ضرورت کے تمام جانوروں کا ایک ایک جوڑا سوار کرلو، تاکہ ان کی نسل باقی رہے، اور طوفان کے بعد اُن سے کام لیا جاسکے۔

(۲۳) حضرت نوح علیہ السلام کے اور بیٹے تو کشتی میں سوار ہوگئے تھے، مگر ایک بیٹا جس کا نام کنعان بتایا جاتا ہے، کافر تھا، اور کافروں ہی کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا تھا، وہ کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو یا تو یہ علم نہیں تھا کہ وہ کافر ہے، اور وہ محض یہ سمجھتے تھے کہ اس کی صحبت خراب ہے، یا کافر ہونے کا علم تھا، مگر یہ چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہوجائے، اس لئے پہلے اُسے کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی، پھر وہ دُعا فرمائی جو آگے آیت نمبر ۴۵ میں آرہی ہے کہ اس کو بھی کشتی میں سوار ہونے کی اجازت مل جائے، یعنی اگر کافر ہے تو اسے ایمان

قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا
مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ
مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ
قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

وہ بولا: "میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔" نوح نے کہا: "آج اللہ کے حکم سے کوئی کسی کو بچانے والا نہیں ہے، سوائے اُس کے جس پر وہی رحم فرمادے۔" اس کے بعد اُن کے درمیان موج حائل ہوگئی، اور ڈوبنے والوں میں وہ بھی شامل ہوا۔ ﴿۴۳﴾ اور حکم ہوا کہ: "اے زمین! اپنا پانی نگل لے، اور اے آسمان! تھم جا" چنانچہ پانی اُتر گیا، اور سارا قصہ چکا دیا گیا، (۲۴) کشتی جودی پہاڑ پر آٹھہری، (۲۵) اور کہہ دیا گیا کہ: "بربادی ہے اُس قوم کی جو ظالم ہو!" ﴿۴۴﴾

کی توفیق ہو جائے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے سارے گھر والے جو صاحبِ ایمان ہوں گے، انہیں عذاب سے نجات ملے گی، اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے اس وعدے کا حوالہ بھی دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ وہ کافر ہے، اور اُس کے مقدر میں ایمان نہیں ہے، اس لئے وہ درحقیقت تمہارے گھر والوں میں شامل ہی نہیں ہے۔ یہ بات تمہارے علم میں نہیں تھی کہ اُس کے مقدر میں ایمان نہیں، اس لئے تم نے اس کی نجات یا ایمان کی دُعا مانگی۔ اگلی آیت میں جو ارشاد ہے کہ: "مجھ سے ایسی چیز نہ مانگو جس کی تمہیں خبر نہیں" اُس کا یہی مطلب ہے۔

(۲۴) یعنی قوم کے تمام افراد طوفان میں غرق کردیئے گئے۔

(۲۵) یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو شمالی عراق میں واقع ہے، اور اُس پہاڑی سلسلے کا ایک حصہ ہے جو کردستان سے آرمینیا تک پھیلا ہوا ہے۔ بائبل میں اس پہاڑ کا نام "اراراٹ" مذکور ہے۔

وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ
أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ
فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٤٦﴾ قَالَ
رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي
أَكُن مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٤٧﴾ قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ
مِّمَّن مَّعَكَ ۚ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٨﴾

اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ: "اے میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے گھر ہی کا ایک فرد ہے، اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے، اور تو سارے حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے!"(٢٦) ﴿٤٥﴾ اللہ نے فرمایا: "اے نوح! یقین جانو وہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ تو ناپاک عمل کا پلندہ ہے۔ لہٰذا مجھ سے ایسی چیز نہ مانگو جس کی تمہیں خبر نہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادانوں میں شامل نہ ہو۔" ﴿٤٦﴾ نوح نے کہا: "میرے پروردگار! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آئندہ آپ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں۔ اور اگر آپ نے میری مغفرت نہ فرمائی، اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں بھی اُن لوگوں میں شامل ہوجاؤں گا جو برباد ہوگئے ہیں۔" ﴿٤٧﴾ فرمایا گیا کہ: "اے نوح! اب (کشتی سے) اُتر جاؤ، ہماری طرف سے وہ سلامتی اور برکتیں لے کر جو تمہارے لئے بھی ہیں، اور تمہارے ساتھ جتنی قومیں ہیں، اُن کے لئے بھی! اور کچھ قومیں ایسی ہیں جن کو ہم (دُنیا میں) لطف اُٹھانے کا موقع دیں گے، پھر ان کو ہماری طرف سے ایک دردناک عذاب آپکڑے گا۔"(٢٧) ﴿٤٨﴾

---

(٢٦) یعنی آپ کو ہر چیز پر قدرت ہے، اگر چاہیں تو اسے ایمان کی توفیق دے دیں، اور پھر ایمان والوں کے حق میں آپ کا جو وعدہ ہے، وہ اس کے حق میں بھی پورا ہوجائے۔

(٢٧) سلامتی اور برکتوں کا وعدہ جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھیوں کے لئے کیا گیا، اس میں "قوموں" کا

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ
قَبْلِ هَٰذَا ۖ فَاصْبِرْ ۖ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٩﴾ ع وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ
يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی کچھ باتیں ہیں جو ہم تمہیں وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔ یہ باتیں نہ تم اس سے پہلے جانتے تھے، نہ تمہاری قوم۔ لہٰذا صبر سے کام لو، اور آخری انجام متقیوں ہی کے حق میں ہوگا۔(۲۸) ﴿۴۹﴾ اور قومِ عاد کے پاس ہم نے اُن کے بھائی ہود کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔(۲۹) انہوں نے کہا: "اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم نے جھوٹی باتیں تراش رکھی ہیں۔ ﴿۵۰﴾

لفظ استعمال کر کے یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ یہ لوگ اگرچہ اس وقت تھوڑے سے ہیں، لیکن ان کی نسل سے بہت سی قومیں پیدا ہوں گی، اور دینِ حق پر قائم رہیں گی، اس لئے سلامتی اور برکتوں میں وہ بھی شریک ہوں گی۔ البتہ آخر میں یہ فرمایا گیا کہ کچھ قومیں ان کی نسل میں ایسی آئیں گی کہ جو دینِ برحق پر قائم نہیں رہیں گی، لہٰذا انہیں دُنیا میں کچھ عرصے لطف اُٹھانے کا موقع دیا جائے گا، لیکن ان کا آخری انجام ان کے کفر کی وجہ سے یہی ہوگا کہ وہ دُنیا یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

(۲۸) حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس آیت نے دو حقیقتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک یہ کہ یہ واقعہ نہ صرف آپ کو بلکہ قریش اور عرب کے غیر اہلِ کتاب میں سے کسی کو پہلے معلوم نہیں تھا، اور آپ کے پاس اس کو اہلِ کتاب سے سیکھنے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے معلوم ہوا ہے۔ اس سے آپ کی نبوت اور رسالت کی دلیل ملتی ہے۔ دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے جس تکذیب اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اس واقعے کے ذریعے آپ کو اوّل تو صبر سے کام لینے کی تلقین فرمائی گئی ہے، اور دوسرے یہ تسلی دی گئی ہے کہ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کو شروع میں سخت مشکلات پیش آئیں، مگر آخری انجام انہی کے حق میں ہوا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالآخر ان لوگوں پر غالب آئیں گے۔

(۲۹) قومِ عاد کا مختصر تعارف سورۂ اعراف (۶۵:۷) میں گزر چکا ہے۔

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى الَّذِىْ فَطَرَنِىْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾
وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا
وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّ
مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

اے میری قوم! میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ میرا اَجر کسی اور نے نہیں، اُس ذات نے اپنے ذمے لیا ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۵۱﴾ اے میری قوم! اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اُس کی طرف رُجوع کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائے گا، (۳۰) اور تمہاری موجودہ قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا، اور مجرم بن کر منہ نہ موڑو۔" ﴿۵۲﴾ انہوں نے کہا: "اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی روشن دلیل لے کر نہیں آئے، (۳۱) اور ہم اپنے خداؤں کو صرف تمہارے کہنے سے چھوڑنے والے نہیں ہیں، اور نہ ہم تمہاری بات پر ایمان لاسکتے ہیں۔ ﴿۵۳﴾

---

(۳۰) شروع میں اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط میں مبتلا فرمادیا تھا، تاکہ وہ اپنی غفلت سے کچھ ہوش میں آئیں۔ اس موقع پر حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تازیانہ ہے، اور اگر اب بھی تم ہٹ دھرمی سے باز آجاؤ تو یہ قحط تم سے دُور ہوسکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہیں بارشوں سے نہال کرسکتا ہے۔

(۳۱) روشن دلیل سے اُن کی مراد اُن کے فرمائشی معجزات تھے۔ عقلی اور نقلی دلائل تو حضرت ہود علیہ السلام نے ہر قسم کے پیش کردیئے تھے، لیکن ان کا کہنا تھا کہ ہم جس جس معجزے کی فرمائش کرتے جائیں، وہ ہمیں دکھاتے جاؤ۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر کرشمے دکھانے کے لئے وقف نہیں ہوسکتا، اس لئے ان کی یہ فرمائشیں پوری نہ ہوئیں تو انہوں نے کہہ دیا کہ تم کوئی روشن دلیل ہی ہمارے پاس نہیں لائے۔

إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا
أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿۵۴﴾ مِن دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ﴿۵۵﴾ إِنِّي
تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي
عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۵۶﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ
وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ

ہم تو اس کے سوا کچھ اور نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے خداؤں میں سے کسی نے تمہیں بری طرح چپیٹے میں لے لیا ہے۔"(۴۲) ہود نے کہا: "میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں، اور تم بھی گواہ رہو کہ تم اللہ کے سوا جس جس کو اس کی خدائی میں شریک مانتے ہو، میں اس سے بری ہوں۔ ﴿۵۴﴾ اب تم سب کے سب مل کر میرے خلاف چالیں چل لو، اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ ﴿۵۵﴾ میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے، جو میرا بھی پروردگار ہے، اور تمہارا بھی پروردگار۔ زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی چوٹی اس کے قبضے میں نہ ہو۔ یقیناً میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔(۴۳) ﴿۵۶﴾ پھر بھی اگر تم منہ موڑتے ہو، تو جو پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا گیا تھا، میں نے وہ تمہیں پہنچا دیا ہے۔ اور (تمہارے کفر کی وجہ سے) میرا پروردگار تمہاری جگہ کسی اور قوم کو یہاں بسا دے گا، اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔

---

(۴۲) یعنی تم ہمارے جن بتوں کی خدائی کا انکار کرتے ہو، ان میں سے کسی نے تم سے ناراض ہو کر تم پر آسیب مسلط کر دیا ہے جس کے نتیجے میں تم (معاذ اللہ) ہوش وحواس کھو بیٹھے ہو۔

(۴۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے سیدھا راستہ مقرر کر دیا ہے، اور اسی پر چلنے سے خدا ملتا ہے۔

إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا
مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِآيَاتِ
رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا
لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾
وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ

بیشک میرا پروردگار ہر چیز کی نگرانی کرتا ہے۔" ﴿۵۷﴾ اور (آخرکار) جب ہمارا حکم آگیا (۳۴) تو ہم نے اپنی رحمت کے ذریعے ہود کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے، اُن کو بچا لیا، اور انہیں ایک سخت عذاب سے نجات دے دی۔ ﴿۵۸﴾ یہ تھے عاد کے لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا، اور اُس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی، اور ہر ایسے شخص کا حکم مانا جو پرلے درجے کا جابر اور حق کا پکا دشمن تھا! ﴿۵۹﴾ اور (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اس دُنیا میں بھی پھٹکار اُن کے پیچھے لگا دی گئی، اور قیامت کے دن بھی۔ یاد رکھو کہ قومِ عاد نے اپنے ربّ کے ساتھ کفر کا معاملہ کیا تھا! یاد رکھو کہ بربادی عاد ہی کی ہوئی، جو ہود کی قوم تھی! ﴿۶۰﴾ اور قومِ ثمود کے پاس ہم نے اُن کے بھائی صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ (۳۵) انہوں نے کہا: "اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

---

(۳۴) "حکم" سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا عذاب ہے۔ جیسا کہ سورۂ اعراف میں عرض کیا گیا، اُن پر تیز آندھی اور ہوا کا طوفان بھیجا گیا تھا۔ یہ قد و قامت کے اعتبار سے غیر معمولی قوم تھی، لیکن اس عذاب کے نتیجے میں ان کی ساری قوت دھری رہ گئی، اور پوری قوم تباہ ہوگئی۔

(۳۵) قومِ ثمود اور اس کے واقعے کا مختصر تعارف اور تذکرہ سورۂ اعراف (۷:۷۳) کے حاشیے میں گذر چکا ہے۔

هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ
رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن
نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾ قَالَ يَا قَوْمِ
أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ
اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۖ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿٦٣﴾

اُسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا، اور اُس میں تمہیں آباد کیا۔ لہٰذا اُس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اُس کی طرف رُجوع کرو۔ یقین رکھو کہ میرا رَبّ (تم سے) قریب بھی ہے، دُعائیں قبول کرنے والا بھی۔" ﴿۶۱﴾ وہ کہنے لگے: "اے صالح! اس سے پہلے تو تم ہمارے درمیان اس طرح رہے ہو کہ تم سے بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں۔(۳۶) جن (بتوں) کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں کیا تم ہمیں اُن کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہو؟ جس بات کی تم دعوت دے رہے ہو، اُس کے بارے میں تو ہمیں ایسا شک ہے جس نے ہمیں اِضطراب میں ڈال دیا ہے۔" ﴿۶۲﴾ صالح نے کہا: "اے میری قوم! ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی ایک روشن ہدایت پر قائم ہوں، اور اُس نے مجھے خاص اپنے پاس سے ایک رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہے، پھر بھی اگر میں اُس کی نافرمانی کروں تو کون ہے جو مجھے اللہ (کی پکڑ) سے بچالے؟ لہٰذا تم (میرے فرائض سے روک کر) بربادی میں مبتلا کرنے کے سوا مجھے اور کیا دے رہے ہو؟ ﴿۶۳﴾

---

(۳۶) اس سے صاف واضح ہے کہ نبوت کے اعلان سے پہلے حضرت صالح علیہ السلام کو پوری قوم بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم نے انہیں اپنا سردار یا بادشاہ بنانے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ
فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ
ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ ۙ

اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اُونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی بن کر آئی ہے۔ لہٰذا اس کو آزاد چھوڑ دو کہ یہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے، اور اس کو بُرے ارادے سے چھونا بھی نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں عنقریب آنے والا عذاب آ پکڑے۔" ﴿۶۴﴾ پھر ہوا یہ کہ انہوں نے اُس کو مار ڈالا۔ چنانچہ صالح نے کہا کہ: "تم اپنے گھروں میں تین دن اور مزے کرلو، (۳۷) (اُس کے بعد عذاب آئے گا، اور) یہ ایسا وعدہ ہے جسے کوئی جھوٹا نہیں کرسکتا۔" ﴿۶۵﴾ پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے صالح کو اور ان کے ساتھ جو ایمان لائے تھے، اُن کو اپنی خاص رحمت کے ذریعے نجات دی، اور اُس دن کی رُسوائی سے بچالیا۔ یقیناً تمہارا پروردگار بڑی قوت کا، بڑے اقتدار کا مالک ہے۔ ﴿۶۶﴾ اور جن لوگوں نے ظلم کا راستہ اپنایا تھا، اُن کو ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا، (۳۸) جس کے نتیجے میں وہ اپنے گھروں میں اس طرح اوندھے پڑے رہ گئے ﴿۶۷﴾

---

(۳۷) عذاب سے پہلے ان کو تین دن کی مہلت دی گئی تھی۔

(۳۸) اس عذاب کا تفصیلی واقعہ سورۂ اعراف سورت نمبر ۷ اور آیت نمبر ۷۳ کے تحت حاشیہ نمبر ۳۹ میں گزر چکا ہے۔

كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴿۶۸﴾ وَلَقَدْ
جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَن جَاءَ
بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ
قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ﴿۷۰﴾

جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ یاد رکھو کہ ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کا معاملہ کیا تھا! یاد رکھو کہ بربادی ثمود ہی کی ہوئی ﴿۶۸﴾

اور ہمارے فرشتے (انسانی شکل میں) ابراہیم کے پاس (بیٹا پیدا ہونے کی) خوشخبری لے کر آئے۔(۳۹) انہوں نے سلام کہا، ابراہیم نے بھی سلام کہا، پھر ابراہیم کو کچھ دیر نہیں گذری تھی کہ وہ (ان کی مہمانی کے لئے) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ ﴿۶۹﴾ مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس (بچھڑے) کی طرف نہیں بڑھ رہے، تو وہ ان سے کھٹک گئے، اور ان کی طرف سے دل میں خوف محسوس کیا۔(۴۰) فرشتوں نے کہا: "ڈریے نہیں، ہمیں (آپ کو بیٹے کی خوشخبری سنانے اور) لوط کی قوم کے پاس بھیجا گیا ہے۔" ﴿۷۰﴾

---

(۳۹) اللہ تعالیٰ نے یہ فرشتے دو کاموں کے لئے بھیجے تھے۔ ایک یہ کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خوشخبری دیں کہ ان کے یہاں ایک بیٹا ہوگا، یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ اور ان کا دوسرا کام یہ تھا کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کریں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دینے کے بعد وہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کی طرف جانے والے تھے۔

(۴۰) چونکہ فرشتے انسانی شکل میں آئے تھے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام شروع میں انہیں انسان ہی سمجھے، اور ان کی مہمانی کے لئے بھنے ہوئے بچھڑے کا گوشت لے کر آئے۔ لیکن چونکہ وہ فرشتے تھے، اور کچھ کھا نہیں سکتے تھے، اس لئے انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اس زمانے میں رسم یہ تھی کہ اگر کوئی شخص میزبان کے یہاں کھانا پیش ہونے کے بعد نہ کھائے تو یہ اس بات کی علامت سمجھی جاتی تھی کہ وہ کوئی دشمن ہے جو کسی بری نیت سے آیا ہے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خوف محسوس کیا۔ اس موقع پر فرشتوں نے واضح کردیا کہ وہ فرشتے ہیں، اور ان دو کاموں کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾
قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾
قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ
حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ
قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾

اور ابراہیم کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں، وہ ہنس پڑیں،(۴۱) تو ہم نے انہیں (دوبارہ) اسحاق کی، اور اسحاق کے بعد یعقوب کی پیدائش کی خوشخبری دی۔ ﴿۷۱﴾ وہ کہنے لگیں: "ہائے! کیا میں اس حالت میں بچہ جنوں گی کہ میں بوڑھی ہوں، اور یہ میرے شوہر ہیں جو خود بڑھاپے کی حالت میں ہیں؟ واقعی یہ تو بڑی عجیب بات ہے!" ﴿۷۲﴾ فرشتوں نے کہا: "کیا آپ اللہ کے حکم پر تعجب کر رہی ہیں؟ آپ جیسے مقدس گھرانے پر(۴۲) اللہ کی رحمت اور برکتیں ہی برکتیں ہیں۔ بیشک وہ ہر تعریف کا مستحق، بڑی شان والا ہے۔" ﴿۷۳﴾ پھر جب ابراہیم سے گھبراہٹ دور ہوئی، اور ان کو خوشخبری مل گئی تو انہوں نے ہم سے لوط کی قوم کے بارے میں (ناز کے طور پر) جھگڑنا شروع کر دیا۔(۴۳) ﴿۷۴﴾

---

(۴۱) ہنسنے کی وجہ بعض مفسرین نے تو یہ بیان کی ہے کہ جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ یہ فرشتے ہیں، اور خطرے کی کوئی بات نہیں ہے، تو خوشی کی وجہ سے وہ ہنس پڑیں۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ بیٹے کی خوشخبری سن کر ہنسی تھیں۔ سورۂ حجر (۱۵: ۵۳) اور سورۂ ذاریات (۵۱: ۲۴-۳۰) میں بیان فرمایا گیا ہے کہ فرشتوں نے بیٹے کی خوشخبری پہلے دے دی تھی، اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کا ذکر بعد میں کیا تھا۔ اس پر انہیں تعجب بھی ہوا، اور خوشی بھی۔ اور ان کو ہنستا دیکھ کر فرشتوں نے دوبارہ خوشخبری دی۔

(۴۲) یہ ترجمہ "اہل البیت" کو عربی گرامر کے قاعدے سے منصوب علیٰ سبیل المدح قرار دے کر کیا گیا ہے۔ ترجمے میں "مقدس" کا لفظ بھی اسی لئے بڑھایا گیا ہے۔ اس کا دوسرا ترجمہ اس طرح بھی ممکن ہے کہ:
"اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں۔"

(۴۳) جیسا کہ سورۂ اعراف (۷: ۸۰) کے حاشیہ میں بیان کیا جا چکا ہے، حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ﴿٧٥﴾ يٰٓإِبْرٰهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ إِنَّهُ قَدْ جَآءَ
أَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَإِنَّهُمْ اٰتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿٧٦﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا
سِيٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿٧٧﴾

حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑے بردبار، (اللہ کی یاد میں) بڑی آہیں بھرنے والے، (اور) ہر وقت ہم سے لو لگائے ہوئے تھے۔(۴۴) ﴿۷۵﴾ (ہم نے اُن سے کہا:) "ابراہیم! اس بات کو جانے دو۔ یقین کرلو کہ تمہارے رَبّ کا حکم آچکا ہے، اور ان لوگوں پر ایسا عذاب آکر رہے گا جس کو کوئی پیچھے نہیں لوٹا سکتا۔" ﴿۷۶﴾

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ اُن کی وجہ سے گھبرائے، اُن کا دل پریشان ہوا، اور وہ کہنے لگے کہ: "آج کا یہ دن بہت کٹھن ہے۔"(۴۵) ﴿۷۷﴾

علیہ السلام کے بھتیجے تھے جو عراق میں ہی ان پر ایمان لاکر اُن کے ساتھ وطن سے ہجرت میں اُن کے ساتھ شریک تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی پیغمبر بنا کر سدوم کے شہر میں بھیجا۔ اس شہر کے لوگ شرک کے علاوہ ہم جنس پرستی کی خباثت میں مبتلا تھے۔ جب انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بات نہیں مانی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے ان فرشتوں کو بھیجا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ اُمید تھی کہ شاید یہ لوگ سنبھل جائیں، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے فرمائش کررہے تھے کہ ابھی ان پر عذاب نازل نہ کیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ کے لاڈلے پیغمبر تھے، اس لئے انہوں نے ناز کے انداز میں بار بار جس طرح عذاب کو مؤخر کرنے کی فرمائش کی، اُسے اس آیت میں پیار بھرے اُسلوب میں جھگڑنے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

(۴۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ فرمائش تو منظور نہیں فرمائی گئی کہ قوم لوط سے عذاب کو مؤخر کردیا جائے، لیکن جس جذبے اور جس انداز سے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رجوع فرمایا تھا، اس فقرے میں اُس کی بڑے بلیغ الفاظ میں تعریف فرمائی گئی ہے۔

(۴۵) حضرت لوط علیہ السلام کے پاس یہ فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے، اور انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ فرشتے ہیں۔ دوسری طرف وہ اپنی قوم کی بدفطرت بے حیائی سے واقف تھے۔ اس لئے ان کی

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ
هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ
رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا
نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾

اور اُن کی قوم کے لوگ اُن کے پاس دوڑتے ہوئے آئے، اور اس سے پہلے وہ برے کام کیا ہی کرتے تھے۔ لوط نے کہا: "اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، یہ تمہارے لئے کہیں زیادہ پاکیزہ ہیں، (۴۶) اس لئے اللہ سے ڈرو، اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے رُسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی ایک بھی بھلا آدمی نہیں ہے؟" ﴿۷۸﴾ کہنے لگے: "تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بیٹیوں سے ہمیں کچھ مطلب نہیں، اور تم خوب جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں؟" ﴿۷۹﴾ لوط نے کہا: "کاش کہ میرے پاس تمہارے مقابلے میں کوئی طاقت ہوتی، یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے سکتا!" (۴۷) ﴿۸۰﴾

پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ ان کی قوم ان مہمانوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کرے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا گیا ہے، وہ لوگ ان نوجوانوں کی آمد کی خبر سنتے ہی اسی مقصد سے دوڑتے ہوئے آئے، اور حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ ان مہمانوں کو ان کے حوالے کر دیں۔

(۴۶) کسی نبی کی اُمت میں جتنی عورتیں ہوتی ہیں، وہ اس نبی کی رُوحانی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان بدقماش لوگوں کو نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی کہ تمہاری عورتیں جو میری رُوحانی بیٹیاں ہیں، تمہارے گھروں میں موجود ہیں۔ تم اپنی نفسانی خواہشات ان سے پوری کر سکتے ہو، اور یہی فطرت کا پاکیزہ طریقہ ہے۔

(۴۷) سدوم کی اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام کے خاندان یا قبیلے کا کوئی آدمی نہیں تھا۔ وہ تو عراق کے باشندے تھے، اور اس قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ سدوم کے لوگوں کو ان کی قوم بھی قرآن کریم نے اس معنی میں کہا ہے کہ وہ ان کی اُمت تھے جن کی طرف ان کو بھیجا گیا تھا۔ اس موقع پر انہوں نے انتہائی بے چارگی محسوس کی کہ اگر میرے خاندان کا کوئی فرد یہاں ہوتا تو شاید میری کچھ مدد کر سکتا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں بتایا

قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ ۖ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَلَا
يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ
الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿٨١﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا
وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ مَنْضُودٍ ﴿٨٢﴾

(اب) فرشتوں نے (لوط سے) کہا: "اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ (کافر) لوگ ہرگز تم تک رسائی حاصل نہیں کرسکیں گے۔ لہٰذا تم رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے روانہ ہو جاؤ، اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ ہاں مگر تمہاری بیوی (تمہارے ساتھ نہیں جائے گی) اُس پر بھی وہی مصیبت آنے والی ہے جو اور لوگوں پر آرہی ہے۔ یقین رکھو کہ ان (پر عذاب نازل کرنے) کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے۔ کیا صبح بالکل نزدیک نہیں آگئی؟" ﴿۸۱﴾ پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس زمین کے اُوپر والے حصے کو نیچے والے حصے میں تبدیل کردیا، (۴۸) اور ان پر پکی مٹی کے تہ بر تہ پتھر برسائے ﴿۸۲﴾

گیا ہے، اس موقع پر فرشتوں نے بات کھول دی کہ ہم فرشتے ہیں، اس لئے آپ بالکل نہ گھبرائیں، یہ آپ کا بال بیکا نہیں کرسکیں گے، اور ہمیں ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ صبح تک ان کا قلع قمع ہونے والا ہے۔ آپ اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر بستی سے راتوں رات نکل جائیں، تاکہ اس عذاب سے محفوظ رہیں۔ البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافر تھی، اور اپنی قوم کی بداعمالیوں میں ان کا ساتھ دیا کرتی تھی، اس لئے حکم ہوا کہ وہ آپ کے ساتھ نہیں جائے گی، بلکہ دوسروں کے ساتھ وہ بھی عذاب کا شکار ہوگی۔

(۴۸) روایات میں ہے کہ یہ کل چار بستیاں تھیں جن میں یہ بدقماش لوگ بستے تھے۔ ان ساری بستیوں کو فرشتوں نے جوں کا توں اُوپر اٹھا کر زمین پر اوندھا پٹخ دیا، اور ان کا نام و نشان مٹ گیا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ بحرِ میّت (Dead Sea) جسے "بحرِ مردار" بھی کہا جاتا ہے، ان بستیوں کے اُلٹنے سے پیدا ہوا ہے، ورنہ کسی بڑے سمندر سے اس کا رابطہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جس مقام پر یہ بستیاں واقع تھیں، یعنی بحرِ مردار کے آس پاس کا علاقہ، اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ پورے کرۂ زمین کا سب سے نچلا حصہ ہے، یعنی زمین کا کوئی

مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿٨٣﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ
شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ
وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿٨٤﴾

جن پر تمہارے رَبّ کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے۔ اور یہ بستی (مکہ کے ان) ظالموں سے کچھ دُور نہیں ہے۔(۴۹) ﴿۸۳﴾ اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔(۵۰) انہوں نے (ان سے) کہا کہ: "اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور ناپ تول میں کمی مت کیا کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ خوشحال ہو،(۵۱) اور مجھے تم پر ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تمہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا۔ ﴿۸۴﴾

اور حصہ سطح سمندر سے اتنا نیچا نہیں ہے جتنا نیچا یہ ہے۔ قرآن کریم نے جو فرمایا ہے کہ "ہم نے اس زمین کے اُوپر والے حصے کو نیچے والے حصے میں تبدیل کر دیا" کچھ بعید نہیں کہ ان الفاظ میں اس جغرافیائی حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہو، اور ان کی انتہائی نچلی حرکتوں کو یہ محسوس شکل دے دی گئی ہو۔

(۴۹) حضرت لوط علیہ السلام کے واقعے کے آخر میں اب رُوئے سخن مکہ مکرمہ کے کافروں کی طرف موڑا گیا ہے، اور ان کو توجہ دلائی گئی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا یہ علاقہ تم سے زیادہ دُور نہیں ہے۔ جب تم تجارت کے لئے شام جاتے ہو تو یہ علاقہ تمہارے راستے میں پڑتا ہے، اور اگر تم میں ذرا بھی معقولیت ہو تو تمہیں اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

(۵۰) مدین اور حضرت شعیب علیہ السلام کے مختصر تعارف کے لئے سورۂ اعراف (۷:۸۵) کا حاشیہ ملاحظہ فرمایئے۔

(۵۱) مدین کا علاقہ بڑا زرخیز تھا، اور یہاں کے لوگ بحیثیت مجموعی خوش حالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کی خوشحالی کا دو وجہ سے خاص طور پر ذکر فرمایا۔ ایک یہ کہ اتنی خوشحالی کے بعد تمہیں دھوکا بازی کر کے کمائی کرنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے، اور دوسرے یہ کہ اس خوشحالی کے نتیجے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہونا چاہئے، نہ یہ کہ اس کی نافرمانی پر آمادہ ہو جاؤ۔

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا
تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ
اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ
اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ

اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ تول پورا پورا کیا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو، (۵۲) اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔ (۵۳) ﴿۸۵﴾ اگر تم میری بات مانو تو (لوگوں کا حق ان کو دینے کے بعد) جو کچھ اللہ کا دیا بچ رہے، وہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے۔ اور (اگر نہ مانو تو) میں تم پر پہرہ دار مقرر نہیں ہوا ہوں۔" ﴿۸۶﴾ وہ کہنے لگے: "اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے تھے، ہم انہیں بھی چھوڑ دیں، اور اپنے مال و دولت کے بارے میں جو کچھ ہم چاہیں، وہ بھی نہ کریں؟ (۵۴)

---

(۵۲) قرآن کریم نے یہاں جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں، وہ بڑے جامع ہیں، اور ان میں ہر قسم کے حقوق داخل ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم پر کسی بھی شخص کا کوئی حق واجب ہو تو اس میں ڈنڈی مار کر یا تاویلات کر کے اُسے کم کرنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ ہر حق دار کو اس کا حق پورا پورا ادا کرو۔

(۵۳) جیسا کہ سورۂ اعراف میں عرض کیا گیا تھا، اس قوم کے بعض افراد راستوں پر چوکیاں لگا کر بیٹھ جاتے، اور مسافروں سے زبردستی ٹیکس وصول کرتے تھے، اور بعض لوگ مسافروں پر ڈاکا ڈالا کرتے تھے۔ اس فقرے میں ان کی اسی بدعنوانی کی طرف اشارہ ہے۔

(۵۴) یہ در حقیقت وہ سرمایہ دارانہ ذہنیت ہے کہ جو کچھ مال ہے، وہ ہماری مکمل ملکیت میں ہے، اس لئے ہمیں پورا اختیار حاصل ہے کہ اس میں جو چاہیں تصرف کریں، کسی کو اس میں رکاوٹ ڈالنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس کے برعکس قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ ہر مال پر اصل ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے، البتہ اس نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو عارضی ملکیت عطا فرمائی ہے (دیکھئے سورۂ یٰس ۳۶:۷۱)، لہٰذا اسی کو یہ حق ہے کہ وہ اس ملکیت پر کچھ پابندیاں عائد کرے (دیکھئے سورۂ قصص ۲۸:۷۷)، اور جہاں مناسب سمجھے، وہاں خرچ کرنے کا حکم دے

إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴿٨٧﴾ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن
رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ
عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿٨٨﴾

واقعی تم تو بڑے عقل مند، نیک چلن آدمی ہو!"(۵۵) ﴿۸۷﴾ شعیب نے کہا: "اے میری قوم کے لوگو! ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں، اور اُس نے خاص اپنے پاس سے مجھے اچھا رزق عطا فرمایا ہے(۵۶) (تو پھر میں تمہارے غلط طریقے پر کیوں چلوں؟) اور میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ میں جس بات سے تمہیں منع کر رہا ہوں، تمہارے پیچھے جا کر وہی کام خود کرنے لگوں۔ میرا مقصد اپنی استطاعت کی حد تک اصلاح کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے، صرف اللہ کی مدد سے ہوتی ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، اور اُسی کی طرف میں (ہر معاملے میں) رُجوع کرتا ہوں۔ ﴿۸۸﴾

(دیکھئے سورۂ نور ۲۴: ۳۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پابندیاں اس لئے عائد کی جاتی ہیں، تاکہ ہر شخص اپنی دولت کا حصول اور خرچ ایسے صحت مند طریقے پر کرے کہ معاشرے میں ہر ایک کو یکساں مواقع حاصل ہوں، کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے، اور معاشرے میں دولت کی تقسیم منصفانہ ہو سکے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے "اسلام کا نظامِ تقسیمِ دولت" از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵۵) یہ جملہ انہوں نے طنز کے طور پر بولا تھا۔ البتہ بعض مفسرین نے اسے حقیقی معنی میں قرار دے کر اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم تو ہمارے درمیان ایک عقل مند اور نیک چلن آدمی کی حیثیت سے مشہور ہو۔ تم نے ایسی باتیں کیوں شروع کر دی ہیں؟

(۵۶) اس رزق سے مراد کھانے پینے وغیرہ کا سامان بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدھے طریقے سے مجھے رزق عطا فرمایا ہے تو میں اس کے حصول کے لئے وہ غلط طریقے کیوں اختیار کروں جو تم کرتے ہو؟ اور رزق سے یہاں مراد نبوت بھی ہو سکتی ہے۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ
اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٩﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا
اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ
اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾
قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ
اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٩٢﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ

اور اے میری قوم! میرے ساتھ ضد کا جو معاملہ تم کر رہے ہو، وہ کہیں تمہیں اس انجام تک نہ پہنچادے کہ تم پر بھی ویسی ہی مصیبت نازل ہو جیسی نوح کی قوم پر یا ہود کی قوم پر یا صالح کی قوم پر نازل ہو چکی ہے۔ اور لوط کی قوم تو تم سے کچھ دور بھی نہیں ہے۔ ﴿۸۹﴾ تم اپنے رب سے معافی مانگو، پھر اسی کی طرف رجوع کرو۔ یقین رکھو کہ میرا رب بڑا مہربان، بہت محبت کرنے والا ہے۔" ﴿۹۰﴾ وہ بولے: "اے شعیب! تمہاری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہمارے درمیان ایک کمزور آدمی ہو، اور اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کردیتے۔ ہم پر تمہارا کچھ زور نہیں چلتا۔" ﴿۹۱﴾ شعیب نے کہا: "اے میری قوم! کیا تم پر میرے خاندان کا دباؤ اللہ سے زیادہ ہے؟ اور اس کو تم نے بالکل ہی پس پشت ڈال رکھا ہے! یقین جانو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، میرا پروردگار اس سب کا پورا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ﴿۹۲﴾ اور اے میری قوم! تم اپنے حال پر رہ کر (جو چاہو) عمل کیے جاؤ، میں بھی (اپنے طریقے کے مطابق) عمل کر رہا ہوں۔(۵۷)

(۵۷) یعنی میری تبلیغ کے باوجود اگر تم اپنی ضد پر قائم رہتے ہو تو آخری چارۂ کار یہی ہے کہ تم اپنے طریقے پر قائم رہو اور میں اپنے طریقے پر۔ پھر دیکھو کہ کس کا انجام کیا ہوتا ہے؟

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ
مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ
مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ
يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى
بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ
اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ
الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾

عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر وہ عذاب نازل ہوگا جو اُسے رُسوا کر کے رکھ دے گا، اور کون ہے جو جھوٹا ہے؟ اور تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔" ﴿۹۳﴾ اور (آخر کار) جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے شعیب کو اور اُن کے ساتھ جو ایمان لائے تھے، ان کو اپنی خاص رحمت سے بچالیا، اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، انہیں ایک چنگھاڑ نے آپکڑا، (۵۸) اور وہ اپنے گھروں میں اس طرح اوندھے منہ گرے رہ گئے ﴿۹۴﴾ جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ یاد رکھو! مدین کی بھی ویسی ہی بربادی ہوئی جیسی بربادی ثمود کی ہوئی تھی۔ ﴿۹۵﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ پیغمبر بنا کر ﴿۹۶﴾ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا، تو انہوں نے فرعون ہی کی بات مانی، حالانکہ فرعون کی بات کوئی ٹھکانے کی بات نہیں تھی ﴿۹۷﴾ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا، اور ان سب کو دوزخ میں لا اُتارے گا۔ اور وہ بدترین گھاٹ ہے جس پر کوئی اُترے۔ ﴿۹۸﴾

---

(۵۸) اس کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف (۷:۹۱) کا حاشیہ۔

وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ﴿٩٩﴾ ذَٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ
الْقُرَىٰ نَقُصُّهُ عَلَيْكَ ۖ مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيدٌ ﴿١٠٠﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ ظَلَمُوا
أَنْفُسَهُمْ ۖ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ لَمَّا جَاءَ
أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتْبِيبٍ ﴿١٠١﴾ وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ
وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ﴿١٠٢﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِمَنْ خَافَ عَذَابَ
الْآخِرَةِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمٌ مَجْمُوعٌ لَهُ النَّاسُ وَذَٰلِكَ يَوْمٌ مَشْهُودٌ ﴿١٠٣﴾

اور پھٹکار اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لگادی گئی ہے، اور قیامت کے دن بھی۔ یہ بدترین صلہ ہے جو کسی کو دیا جائے۔ ﴿۹۹﴾ یہ ان بستیوں کے کچھ حالات ہیں جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ (بستیاں) وہ ہیں جو ابھی اپنی جگہ کھڑی ہیں، (۵۹) اور کچھ کٹی ہوئی فصل (کی طرح بے نشان) بن چکی ہیں ﴿۱۰۰﴾ اور ان پر ہم نے کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب تمہارے پروردگار کا حکم آیا تو جن معبودوں کو وہ اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے، وہ ان کے ذرا بھی کام نہ آئے، اور انہوں نے ان کو تباہی کے سوا اور کچھ نہیں دیا۔ ﴿۱۰۱﴾ اور جو بستیاں ظالم ہوتی ہیں، تمہارا رب جب ان کو گرفت میں لیتا ہے تو اس کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔ واقعی اس کی پکڑ بڑی دردناک، بڑی سخت ہے۔ ﴿۱۰۲﴾ ان ساری باتوں میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو۔ وہ ایسا دن ہوگا جس کے لئے تمام لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا، اور وہ ایسا دن ہوگا جسے سب کے سب کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔ ﴿۱۰۳﴾

---

(۵۹) مثلاً فرعون کا ملک مصر فرعون کے غرق ہونے کے بعد بھی باقی رہا، اور عاد و ثمود اور قوم لوط علیہ السلام کی بستیاں ایسی تباہ ہوئیں کہ بعد میں آباد نہ ہو سکیں۔

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ
شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ
فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

ہم نے اُسے ملتوی کیا ہے تو بس ایک گنی چنی مدت کے لئے ملتوی کیا ہے ﴿۱۰۴﴾ جب وہ دن آجائے گا تو کوئی اللہ کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا۔ پھر اُن میں کوئی بدحال ہوگا، اور کوئی خوش حال۔ ﴿۱۰۵﴾ چنانچہ جو بدحال ہوں گے، وہ دوزخ میں ہوں گے جہاں ان کی چیخنے چلانے کی آوازیں آئیں گی۔ ﴿۱۰۶﴾ یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں،(۶۰) اِلا یہ کہ تمہارا ربّ ہی کچھ اور منظور ہو۔(۶۱) یقیناً تمہارا ربّ جو ارادہ کرلے، اس پر اچھی طرح عمل کرتا ہے۔ ﴿۱۰۷﴾

---

(۶۰) اس سے موجودہ زمین اور آسمان مراد نہیں ہیں، کیونکہ یہ تو قیامت کے ساتھ ختم ہوجائیں گے۔ البتہ قرآن کریم ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں وہاں کے حالات کے مطابق دوسرے زمین و آسمان پیدا کئے جائیں گے (دیکھئے سورۂ ابراہیم ۱۴: ۴۸ اور سورۂ زُمر ۳۹: ۷۴) اور چونکہ وہ زمین و آسمان ہمیشہ رہیں گے، اس لئے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ بھی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۶۱) اسی قسم کا استثناء سورۂ انعام (۶: ۱۲۸) میں بھی گذرا ہے۔ جیسا کہ وہاں ہم نے عرض کیا تھا، اس کی ٹھیک ٹھیک مراد تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ لیکن اس سے بظاہر ایک تو یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ کسی کے عذاب و ثواب کا تمام تر فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے، کسی کی فرمائش یا سفارش کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ کافروں کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کی کوئی مجبوری نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ اگر کسی کو کفر کے باوجود عذاب سے نکالنا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کی مشیت کافروں کو ہمیشہ عذاب ہی میں رکھے، جیسا کہ قرآن کریم کی اکثر آیات سے معلوم ہوتا ہے۔

وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ
إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۖ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ﴿١٠٨﴾ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ
هَٰؤُلَاءِ ۚ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُم مِّن قَبْلُ ۚ وَإِنَّا لَمُوَفُّوهُمْ
نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنقُوصٍ ﴿١٠٩﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ۚ وَلَوْلَا
كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿١١٠﴾ وَإِنَّ
كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١١﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَا
أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ

اور جو لوگ خوش حال ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں، الا یہ کہ تمہارے رب ہی کو کچھ اور منظور ہو۔ یہ ایک ایسی عطا ہوگی جو کبھی ختم ہونے میں نہیں آئے گی۔ ﴿۱۰۸﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) یہ (مشرکین) جن (بتوں) کی عبادت کرتے ہیں، ان کے بارے میں ذرا بھی شک میں نہ رہنا۔ یہ تو اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسے ان کے باپ دادے پہلے ہی عبادت کیا کرتے تھے، اور یقین رکھو کہ ہم ان سب کو ان کا حصہ پورا پورا چکا دیں گے، جس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ ﴿۱۰۹﴾ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا تھا۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ ہو چکی ہوتی (کہ ان کو پورا عذاب آخرت میں دیا جائے گا) تو ان کا فیصلہ (یہیں دنیا میں) ہو چکا ہوتا۔ اور یہ لوگ اس کے بارے میں (ابھی تک) سخت قسم کے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۱۱۰﴾ اور یقین رکھو کہ سب لوگوں کا معاملہ یہی ہے کہ تمہارا پروردگار اُن کے اعمال کا بدلہ پورا پورا دے گا۔ یقیناً وہ ان کے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۱۱﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے، اُس کے مطابق تم بھی سیدھے راستے پر ثابت قدم رہو، اور وہ لوگ بھی جو توبہ کر کے تمہارے ساتھ ہیں، اور حد سے آگے نہ نکلو۔

إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا
لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ
زُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَ
اصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ
أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۗ

یقین رکھو کہ جو عمل بھی تم کرتے ہو، وہ اُسے پوری طرح دیکھتا ہے ﴿۱۱۲﴾ اور (مسلمانو!) ان ظالم لوگوں کی طرف ذرا بھی نہ جھکنا، کبھی دوزخ کی آگ تمہیں بھی آپکڑے، اور تمہیں اللہ کو چھوڑ کر کسی قسم کے دوست میسر نہ آئیں، پھر تمہاری کوئی مدد بھی نہ کرے۔ ﴿۱۱۳﴾ اور (اے پیغمبر!) دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو۔ (۶۲) یقیناً نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ (۶۳) یہ ایک نصیحت ہے اُن لوگوں کے لئے جو نصیحت مانیں۔ ﴿۱۱۴﴾ اور صبر سے کام لو، اس لئے کہ اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ﴿۱۱۵﴾ تم سے پہلے جو اُمتیں گذری ہیں، بھلا اُن میں ایسے لوگ کیوں نہ ہوئے جن کے پاس اتنی بچی کھچی سمجھ تو ہوتی کہ وہ لوگوں کو زمین میں فساد مچانے سے روکتے؟ ہاں تھوڑے سے لوگ تھے جن کو ہم نے (عذاب سے) نجات دی تھی۔

---

(۶۲) دن کے دونوں سروں سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں، اور بعض مفسرین نے ان سے فجر اور مغرب کی نمازیں مراد لی ہیں۔ اور رات کے حصوں کی نماز سے مراد مغرب، عشاء اور تہجد کی نمازیں ہیں۔

(۶۳) برائیوں سے یہاں مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ قرآن وسنت کے بہت سے دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ انسان سے جو صغیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں، ان کا کفارہ ان نیک کاموں سے ہوتا رہتا ہے جو انسان اُن کے بعد کرتا ہے۔ چنانچہ وضو، نماز اور دوسرے تمام کاموں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو مٹاتے رہتے ہیں۔ سورۂ نساء (۴:۳۱) میں یہ مضمون گذر چکا ہے کہ: "اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کا ہم خود کفارہ کردیں گے۔"

وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ
لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً
وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿۱۱۸﴾ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ
وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۱۹﴾

اور جو لوگ ظالم تھے، وہ جس عیش و عشرت میں تھے، اُسی کے پیچھے لگے رہے، اور جرائم کا ارتکاب کرتے رہے۔ ﴿۱۱۶﴾ اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ بستیوں پر ظلم کرکے اُنہیں تباہ کردے جبکہ اُن کے باشندے صحیح روش پر چل رہے ہوں۔ ﴿۱۱۷﴾ اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طریقے کا پیرو بنادیتا، (مگر کسی کو زبردستی کسی دین پر مجبور کرنا حکمت کا تقاضا نہیں ہے، اس لئے انہیں اپنے اختیار سے مختلف طریقے اپنانے کا موقع دیا گیا ہے) اور وہ اب ہمیشہ مختلف راستوں پر ہی رہیں گے۔ ﴿۱۱۸﴾ البتہ جن پر تمہارا پروردگار رحم فرمائے گا، اُن کی بات اور ہے (کہ اللہ انہیں حق پر قائم رکھے گا) اور اسی (امتحان) کے لئے اس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ (۷۳) اور تمہارے رَبّ کی وہ بات پوری ہوگی جو اُس نے کہی تھی کہ: "میں جہنم کو جنات اور اِنسانوں دونوں سے بھردوں گا۔" ﴿۱۱۹﴾

---

(۷۳) یہ بات قرآن کریم نے بار بار واضح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام انسانوں کو زبردستی ایک ہی دین کا پابند بنادیتا۔ لیکن اس کائنات کی تخلیق اور اِنسان کو اس میں بھیجنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان کو اچھے برے کی تمیز سکھا کر اسے یہ موقع دیا جائے کہ وہ اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے جو راستہ چاہے اختیار کرے۔ اسی میں اس کا امتحان ہے کہ وہ اپنی مرضی اور اختیار کو ٹھیک استعمال کرتا ہے، اور اس کے نتیجے میں جنت کماتا ہے، یا اس کا غلط استعمال کرکے دوزخ کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس امتحان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کسی کو اس کے اختیار کے بغیر زبردستی کسی ایک راستے پر نہیں رکھا۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِى هَٰذِهِ
الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ
مَكَانَتِكُمْ ۖ إِنَّا عَٰمِلُونَ ﴿۱۲۱﴾ وَانتَظِرُوٓا ۖ إِنَّا مُنتَظِرُونَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَٰوَٰتِ
وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُۥ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَٰفِلٍ
عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۳﴾ ع ۱۰

اور (اے پیغمبر!) گزشتہ پیغمبروں کے واقعات میں سے وہ سارے واقعات ہم تمہیں سنا رہے ہیں جن سے ہم تمہارے دل کو تقویت پہنچائیں، اور ان واقعات کے ضمن میں تمہارے پاس جو بات آئی ہے، وہ خود بھی حق ہے، اور تمام مومنوں کے لیے نصیحت اور یاد دہانی بھی ہے۔ ﴿۱۲۰﴾ اور جو لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں، اُن سے کہو کہ: ''تم اپنی موجودہ حالت پر عمل کیے جاؤ، ہم بھی (اپنے طریقے پر) عمل کر رہے ہیں۔ ﴿۱۲۱﴾ اور تم بھی (اللہ کے فیصلے کا) انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔'' ﴿۱۲۲﴾ آسمانوں اور زمین میں جتنے پوشیدہ بھید ہیں، وہ سب اللہ کے علم میں ہیں، اور اُسی کی طرف سارے معاملات لوٹائے جائیں گے۔ لہٰذا (اے پیغمبر!) اُس کی عبادت کرو، اور اُس پر بھروسہ رکھو۔ اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو تمہارا پروردگار اُس سے بے خبر نہیں ہے۔ ﴿۱۲۳﴾

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۵ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۲ ؍ جون ۲۰۰۶ء کو شبِ جمعہ میں بمقام کراچی سورۂ ہود کا ترجمہ اور اُس کے حواشی کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق بعافیت تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ يُوسُف

تعارف

یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کروایا تھا کہ بنو اسرائیل کے لوگ جو فلسطین کے باشندے تھے، مصر میں جا کر کیوں آباد ہوئے؟ ان لوگوں کا خیال تھا کہ آپ کے پاس چونکہ بنو اسرائیل کی تاریخ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس لئے آپ اس سوال کا جواب نہیں دے پائیں گے، اور اس طرح آپ کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقع مل جائے گا کہ آپ (معاذ اللہ) سچے نبی نہیں ہیں۔ اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورۂ یوسف نازل فرمادی جس میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔ دراصل بنو اسرائیل کے جدِ امجد حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، انہی کا دوسرا نام "اسرائیل" بھی تھا۔ ان کے بارہ صاحبزادے تھے، انہی کی نسل سے بنو اسرائیل کے بارہ قبیلے پیدا ہوئے۔ اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے صاحبزادوں کے ساتھ فلسطین میں مقیم تھے جن میں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین بھی شامل تھے۔ ان دونوں کے سوتیلے بھائیوں نے سازش کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں میں ڈال دیا، جہاں سے ایک قافلے نے انہیں اُٹھا کر مصر کے ایک سردار کے ہاتھ بیچ دیا، شروع میں وہ غلامی کی زندگی گذارتے رہے، لیکن اُس واقعے کے تحت جس کی تفصیل اس سورت میں آرہی ہے، اُس سردار کی بیوی زلیخا نے انہیں گرفتار کر کے جیل بھجوادیا۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مصر کے بادشاہ کے ایک خواب کی صحیح تعبیر دینے پر بادشاہ ان پر مہربان ہوا، اور انہیں نہ صرف جیل سے نکال کر باعزت بری کردیا، بلکہ انہیں اپنا وزیر خزانہ مقرر کیا، اور بعد میں حکومت کے سارے اختیارات انہی کو سونپ دیئے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو فلسطین سے مصر بلوالیا۔ اس طرح بنو اسرائیل فلسطین سے مصر منتقل ہوگئے۔

سورۂ یوسف کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ ایک ہی تسلسل میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور تقریباً پوری سورت اسی کے لئے وقف ہے۔ اور یہ واقعہ کسی اور سورت میں نہیں آیا۔ اس واقعے کو اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کافروں پر ایک حجت قائم فرمادی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ یہ بات ان پر بھی واضح تھی کہ اس واقعے کا علم ہونے کا آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا، لہٰذا یہ تفصیل آپ کو وحی کے علاوہ کسی اور طریقے سے حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کے علاوہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام کو کفارِ مکہ کی طرف سے جن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اُن کے پیشِ نظر اس واقعے میں آپ کے لئے تسلی کا بھی بڑا سامان تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کی سازش کے نتیجے میں بڑے سخت حالات سے گذرے، لیکن آخرکار اللہ تعالیٰ نے اُنہی کو عزت، شوکت اور سربلندی عطا فرمائی، اور جن لوگوں نے انہیں تکلیفوں کا نشانہ بنایا تھا، اُن سب کو اُن کے آگے جھکنا پڑا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ مکہ مکرمہ میں تکلیفیں اُٹھانی پڑ رہی ہیں، لیکن آخرکار یہ سازشی لوگ آپ ہی کے سامنے جھکیں گے، اور حق غالب ہوکر رہے گا۔ اس کے علاوہ بھی اس واقعے میں مسلمانوں کے لئے بہت سے سبق ہیں، اور شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو بہترین قصہ قرار دیا ہے۔

ایاتها ۱۱۱ (۱۲) سورة يوسف مكية ۵۳ ركوعاتها ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۱ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ۝۲ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا
الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝۳ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ
اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝۴ قَالَ يٰبُنَيَّ
لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓرٰ۔ یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق واضح کرنے والی ہے ﴿۱﴾ ہم نے اس کو ایسا قرآن بنا کر اُتارا ہے جو عربی زبان میں ہے، تاکہ تم سمجھ سکو۔ ﴿۲﴾ (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر یہ قرآن جو وحی کے ذریعے بھیجا ہے، اُس کے ذریعے ہم تمہیں ایک بہترین واقعہ سناتے ہیں، جبکہ تم اس سے پہلے اس (واقعے سے) بالکل بے خبر تھے۔ ﴿۳﴾ (یہ اُس وقت کی بات ہے) جب یوسف نے اپنے والد (یعقوب علیہ السلام) سے کہا تھا کہ: "ابا جان! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔" ﴿۴﴾ اُنہوں نے کہا: "بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لئے کوئی سازش تیار کریں، کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔"(۱) ﴿۵﴾

---

(۱) حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا ہے، اُس کی تعبیر یہ ہے کہ

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ
وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝۷

ع ۱

اور اسی طرح تمہارا پروردگار تمہیں (نبوت کے لئے) منتخب کرے گا،(۲) اور تمہیں تمام باتوں کا صحیح مطلب نکالنا سکھائے گا (جس میں خوابوں کی تعبیر کا علم بھی داخل ہے،) اور تم پر اور یعقوب کی اولاد پر اپنی نعمت اسی طرح پوری کرے گا جیسے اس نے اس سے پہلے تمہارے ماں باپ پر اور ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی۔ یقیناً تمہارا پروردگار علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔" ﴿۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ (تم سے یہ واقعہ) پوچھ رہے ہیں، ان کے لئے یوسف اور ان کے بھائیوں (کے حالات میں) بڑی نشانیاں ہیں۔(۳) ﴿۷﴾

یوسف علیہ السلام کو اتنا اونچا مقام ملنے والا ہے کہ ان کے گیارہ بھائی اور ماں باپ کسی وقت ان کے مطیع اور فرماں بردار ہو جائیں گے۔ دوسری طرف صورت حال یہ تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے کل بارہ بیٹے تھے۔ ان میں سے دو بیٹے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین ایک والدہ سے تھے، اور باقی صاحب زادے ان کی دوسری اہلیہ سے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ دوسرے سوتیلے بھائیوں کو اس خواب کی وجہ سے حسد نہ ہو، اور شیطان کے بہکانے میں آکر وہ یوسف علیہ السلام کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر بیٹھیں۔

(۲) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس خواب کے ذریعے یہ بشارت دی ہے کہ سب تمہارے فرماں بردار بنیں گے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں نبوت سے سرفراز کر کے تمہیں بہت سے مزید نعمتوں سے نوازے گا۔

(۳) یہ بظاہر ان کافروں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال پوچھا تھا کہ بنو اسرائیل کس وجہ سے فلسطین چھوڑ کر مصر میں آباد ہوئے تھے؟ یعنی اگرچہ ان کے پوچھنے کا اصل مقصد تو اپنے خیال کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے بس کرنا ہے، لیکن اگر ان میں ذرا بھی عقل ہو تو اس واقعے میں ان کے لئے بہت سی عبرتیں ہیں۔ اول تو یہ سبق ہی کیا کم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اس واقعے کا جاری ہونا آپ کی نبوت کی کھلی دلیل ہے۔ دوسرے حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف جتنی سازشیں

إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي
ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝٨ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ
وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝٩ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ
وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۝١٠

(یہ اُس وقت کا واقعہ ہے) جب یوسف کے ان (سوتیلے) بھائیوں نے (آپس میں) کہا تھا کہ: "یقینی طور پر ہمارے والد کو ہمارے مقابلے میں یوسف اور اُس کے (حقیقی) بھائی (بنیامین) سے زیادہ محبت ہے، حالانکہ ہم (اُن کے لئے) ایک مضبوط جتھہ بنے ہوئے ہیں۔[۴] ہمیں یقین ہے کہ ہمارے والد کسی کھلی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ﴿۸﴾ (اب اس کا حل یہ ہے کہ) یوسف کو قتل ہی کر ڈالو، یا اُسے کسی اور سرزمین میں پھینک آؤ، تاکہ تمہارے والد کی ساری توجہ خالص تمہاری طرف ہو جائے، اور یہ سب کرنے کے بعد پھر (توبہ کرکے) نیک بن جاؤ۔[۵]" ﴿۹﴾ انہی میں سے ایک کہنے والے نے کہا: "یوسف کو قتل تو نہ کرو، البتہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو اُسے کسی اندھے کنویں میں پھینک آؤ، تاکہ کوئی قافلہ اُسے اٹھا کر لے جائے۔" ﴿۱۰﴾

کی گئیں، چاہے وہ اُن کے بھائیوں نے کی ہوں، یا زلیخا اور اُس کی سہیلیوں نے، آخرکار ان ساری سازشوں کا پول کھل گیا، اور عزت اور فتح تمام تر حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے حصے میں آئی۔

(۴) مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ عمر اور طاقت میں بھی زیادہ ہیں، اور تعداد میں بھی، چنانچہ ہم اپنے باپ کی قوت بازو ہیں۔ جب کبھی انہیں کسی مدد کی ضرورت پڑے، ہم ہی ان کی مدد کرنے کے لائق ہیں، اس لئے ہم سے محبت زیادہ ہونی چاہئے۔

(۵) یہ ترجمہ اس آیت کی ایک تفسیر کے مطابق ہے۔ گویا اُن کا خیال یہ تھا کہ یہ زیادہ سے زیادہ ایک گناہ ہوگا، اور ہر گناہ کی معافی توبہ سے ہوسکتی ہے، چنانچہ توبہ مانگ کر پھر ساری عمر نیکی کرتے رہنا۔ حالانکہ کسی بندے پر اگر ظلم کیا جائے تو اُس کی معافی صرف توبہ سے نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ مظلوم معاف نہ کرے۔ اس جملے کی ایک اور تفسیر بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم بعد میں نیک بن جائیں گے، بلکہ ان الفاظ کا ترجمہ یہ

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا
غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ
اَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَىِٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ
نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

(چنانچہ) ان بھائیوں نے (اپنے والد سے) کہا کہ: "ابا! یہ آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ آپ یوسف کے معاملے میں ہم پر اطمینان نہیں کرتے؟ حالانکہ اس میں کوئی شک نہ ہونا چاہئے کہ ہم اُس کے سچے خیر خواہ ہیں۔"(۶) ﴿۱۱﴾ کل آپ اُسے ہمارے ساتھ (تفریح کے لئے) بھیج دیجئے، تاکہ وہ کھائے پیئے، اور ذرا کھیل کود لے۔ اور یقین رکھئے کہ ہم اُس کی پوری حفاظت کریں گے۔" ﴿۱۲﴾ یعقوب نے کہا: "تم اُسے لے جاؤ گے تو مجھے (اُس کی جدائی کا) غم ہوگا،(۷) اور مجھے یہ اندیشہ بھی ہے کہ کسی وقت جب تم اُس کی طرف سے غافل ہو، تو کوئی بھیڑیا اُسے کھا جائے۔"(۸) ﴿۱۳﴾ وہ بولے: "ہم ایک مضبوط جتھے کی شکل میں ہیں، اگر پھر بھی بھیڑیا اُسے کھا جائے تو ہم تو بالکل ہی گئے گذرے ہوئے!" ﴿۱۴﴾

ہے کہ: "یہ سب کرنے کے بعد تمہارے سارے کام درست ہو جائیں گے" یعنی والد کی طرف سے کسی امتیازی سلوک کا کوئی اندیشہ نہیں رہے گا۔ قرآن کریم کے الفاظ میں اس معنی کی بھی گنجائش موجود ہے۔

(۶) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی اس سے پہلے بھی انہیں ساتھ لے جانے کی کوشش کر چکے تھے، لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے منع فرمادیا تھا۔

(۷) یعنی اگر کوئی اور حادثہ بھی پیش نہ آئے تو ان کا میری نظروں سے دور چلا جانا بھی میرے لئے باعث رنج ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبوب اولاد کو کسی خاص ضرورت کے بغیر جدا کرنا بھی ماں باپ کے لئے تکلیف دہ ہے۔

(۸) بعض روایات میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا تھا کہ بھیڑیے حضرت یوسف علیہ السلام پر حملہ کر رہے ہیں۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ
بِأَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٥﴾ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ﴿١٦﴾ قَالُوا
يٰأَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ۖ وَمَا أَنْتَ
بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِينَ ﴿١٧﴾ وَجَاءُوا عَلٰى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ

پھر ہوا یہ کہ جب وہ اُن کو ساتھ لے گئے، اور انہوں نے یہ طے کر ہی رکھا تھا کہ انہیں ایک اندھے کنویں میں ڈال دیں گے، (چنانچہ ڈال بھی دیا) تو ہم نے یوسف پر وحی بھیجی کہ: (ایک وقت آئے گا جب) تم ان سب کو جتلاؤ گے کہ انہوں نے یہ کیا کام کیا تھا،(۹) اور اُس وقت انہیں پتہ بھی نہ ہوگا (کہ تم کون ہو؟) ﴿۱۵﴾ اور رات کو وہ سب اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے پہنچ گئے۔ ﴿۱۶﴾ کہنے لگے: "ابا جی! یقین جانیے، ہم دوڑنے کا مقابلہ کرنے چلے گئے تھے، اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا، اتنے میں ایک بھیڑیا اُسے کھا گیا۔ اور آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے، چاہے ہم کتنے ہی سچے ہوں۔" ﴿۱۷﴾ اور وہ یوسف کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا کر لے آئے۔(۱۰)

(۹) حضرت یوسف علیہ السلام اُس وقت بچے تھے، روایات میں اُن کی عمر سات سال بتائی گئی ہے۔ اس لئے یہ وحی نبوت کی وحی نہیں تھی، بلکہ یہ اُس قسم کی وحی تھی جیسی قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ یا حضرت مریم کے لئے بیان فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کسی ذریعے سے یہ بتا دیا کہ گھبراؤ نہیں، ایک وقت آنے والا ہے کہ یہ لوگ تمہارے آگے جھکیں گے، اور تم انہیں ان کی ساری حرکتوں کے بارے میں اُس وقت سب کچھ جتلا دو گے جب یہ تمہیں پہچانتے بھی نہیں ہوں گے۔ چنانچہ آگے آیت:۸۹ میں آرہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کا حاکم بننے کے بعد انہیں جتلایا تھا۔

(۱۰) بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے قمیص پر خون تو لگا دیا، لیکن قمیص صحیح سالم تھا، اس پر پھٹن کے کوئی آثار

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا
تَصِفُونَ ﴿١٨﴾ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ
هَٰذَا غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ
بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿٢٠﴾ ع ۲

اُن کے والد نے کہا: "(حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے۔ اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔ اور جو باتیں تم بنا رہے ہو، اُن پر اللہ ہی کی مدد درکار ہے۔" ﴿۱۸﴾ اور (دوسری طرف جس جگہ انہوں نے یوسف کو کنویں میں ڈالا تھا، وہاں) ایک قافلہ آیا۔ قافلے کے لوگوں نے ایک آدمی پانی لانے کے لئے بھیجا، اور اس نے اپنا ڈول (کنویں میں) ڈالا تو (وہاں یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر) پکار اُٹھا: "لو خوشخبری سنو! یہ تو ایک لڑکا ہے۔"[۱۱] اور قافلے والوں نے اُنہیں ایک تجارت کا مال سمجھ کر چھپالیا، اور جو کچھ وہ کر رہے تھے، اللہ کو اس کا پورا پورا علم تھا۔ ﴿۱۹﴾ اور (پھر) انہوں نے یوسف کو بہت کم قیمت میں بیچ دیا جو گنتی کے چند درہموں کی شکل میں تھی، اور اُن کو یوسف سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔[۱۲] ﴿۲۰﴾

نہیں تھے۔ اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ بھیڑیا بڑا مہذب تھا کہ بیٹے کو کھا گیا، اور قمیص جوں کی توں صحیح سالم رہی۔ خلاصہ یہ کہ ان کو یہ بات یقین سے معلوم ہوگئی کہ بھیڑیے کے کھانے کی بات محض افسانہ ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ یہ بات تم نے اپنی طرف سے گھڑی ہے۔

(۱۱) روایات میں ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ ایک پتھر پر جا بیٹھے تھے۔ جب قافلے کے اس آدمی نے پانی نکالنے کے لئے ڈول کنویں میں ڈالا تو وہ اُس ڈول میں سوار ہوگئے، اُس نے ڈول کھینچا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اُس کے منہ سے بے ساختہ وہ الفاظ نکلے جو اس آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۱۲) قرآن کریم کے الفاظ سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیچنے والے قافلے ہی کے لوگ تھے، اور حضرت

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ
نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ
الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾

اور مصر کے جس آدمی نے اُنہیں خریدا، اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ: "اس کو عزت سے رکھنا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے گا، یا پھر ہم اسے بیٹا بنالیں گے۔"(۳) اس طرح ہم نے اُس سرزمین میں یوسف کے قدم جمائے، تاکہ اُنہیں باتوں کا صحیح مطلب نکالنا سکھائیں، اور اللہ کو اپنے کام پر پورا قابو حاصل ہے، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے ﴿۲۱﴾

یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنے سے دلچسپی نہیں تھی، بلکہ ان کو بیچ کر جو بھی قیمت ہاتھ آجائے، وہ اُسے غنیمت سمجھتے تھے، کیونکہ مفت حاصل ہو رہی تھی۔ اس لئے جب کوئی خریدار ملا، انہوں نے اُسے تھوڑی سی قیمت ہی پر بیچ دیا۔ البتہ بعض روایات میں واقعے کی یہ تفصیل آئی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی انہیں کنویں میں ڈال تو گئے تھے، لیکن بڑا بھائی یہودا روزانہ ان کی خبر گیری کے لئے آتا تھا، اور کچھ کھانا بھی انہیں پہنچا دیتا تھا۔ تیسرے دن جب انہیں کنویں میں نہ پایا تو تلاش کرنے سے وہ قافلے والے مل گئے۔ اس موقع پر دوسرے بھائی بھی آگئے، اور انہوں نے قافلے والوں سے کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ گیا تھا، اور اگر تم چاہو تو ہم اُسے تمہارے ہاتھ فروخت کرسکتے ہیں۔ چونکہ ان بھائیوں کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ وہ ان کے والد کی سرزمین سے دُور چلے جائیں، قیمت لینا اصل مقصد نہیں تھا، اس لئے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قافلے والوں کے ہاتھ معمولی قیمت پر بیچ دیا۔ بائبل میں بھی یہ مذکور ہے کہ بیچنے والے اُن کے بھائی ہی تھے، اور انہوں نے قافلے والوں کے ہاتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کیا تھا۔

(۳) قرآن کریم کا خاص اُسلوب یہ ہے کہ وہ کسی واقعے کو بیان کرتے ہوئے غیر ضروری تفصیلات کا ذکر نہیں کرتا، بلکہ واقعے کے اہم حصوں کو بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ جن لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو فلسطین کے جنگل سے خریدا تھا، چاہے وہ خود قافلے والے ہوں، جیسا کہ اُوپر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، یا وہ ہوں جنہوں نے قافلے والوں سے خریدا، بہر صورت وہ انہیں مصر لے گئے، اور وہاں جاکر انہیں بھاری قیمت پر فروخت کیا۔ وہاں جس شخص نے خریدا، وہ مصر کا وزیر خزانہ تھا جسے اُس وقت

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٢﴾ وَ
رَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ
قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ
هَمَّتْ بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَ
الْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿٢٤﴾

اور جب یوسف اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا کیا، اور جو لوگ نیک کام کرتے ہیں، اُن کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ ﴿۲۲﴾ اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے، اُس نے اُن کو ورغلانے کی کوشش کی،(۱۴) اور سارے دروازوں کو بند کر دیا، اور کہنے لگی: "آ بھی جاؤ!" یوسف نے کہا: "اللہ کی پناہ! وہ میرا آقا ہے، اُس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔(۱۵) سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ ظلم کرتے ہیں، انہیں فلاح حاصل نہیں ہوتی۔" ﴿۲۳﴾ اُس عورت نے تو واضح طور پر یوسف (کے ساتھ برائی) کا ارادہ کر لیا تھا، اور یوسف کے دل میں بھی اُس عورت کا خیال آ چلا تھا، اگر وہ اپنے رب کی دلیل کو نہ دیکھ لیتے۔(۱۶) ہم نے ایسا اس لئے کیا تا کہ اُن سے برائی اور بے حیائی کا رُخ پھیر دیں۔ بیشک وہ ہمارے منتخب بندوں میں سے تھے۔ ﴿۲۴﴾

"عزیز مصر" کہتے تھے۔ اُس نے اپنی بیوی کو تاکید کی کہ ان کا خاص خیال رکھیں۔ بیوی کا نام روایات میں "زلیخا" بتایا گیا ہے۔

(۱۴) یہ وہی عزیز مصر کی بیوی زلیخا تھی جس کا ذکر پچھلے حاشیہ میں گذرا ہے۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے غیر معمولی مردانہ حسن پر اتنی فریفتہ ہوئی کہ انہیں گناہ کی دعوت دے بیٹھی۔ قرآن کریم نے اُس کا نام لینے کے بجائے یہ فرمایا ہے کہ "جس کے گھر میں وہ رہتے تھے" اس میں اشارہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے

اُس کی فرمائش سے انکار اور بھی زیادہ مشکل تھا، کیونکہ وہ اُسی کے گھر میں قیام پذیر تھے، اور وہ اُن پر ایک طرح سے حاکم کا درجہ رکھتی تھی۔

(۱۵) یہاں "آقا" سے مراد اللہ تعالیٰ بھی ہو سکتے ہیں، اور وہ عزیزِ مصر بھی ہو سکتا ہے جس نے اُنہیں اپنے گھر میں عزت سے رکھا ہوا تھا، اور مطلب یہ ہوگا کہ تم میرے آقا کی بیوی ہو، اور میں تمہاری بات مان کر اُس کے ساتھ خیانت کیسے کر سکتا ہوں؟

(۱۶) اس آیت کی تفسیر دو طریقے سے ممکن ہے۔ ایک یہ کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے ربّ کی طرف سے ایک دلیل نہ دیکھ لیتے تو اُن کے دل میں بھی اس عورت کی طرف جھکاؤ پیدا ہو جاتا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایک دلیل نظر آگئی (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)، اس لئے اُن کے دل میں اُس عورت کے بارے میں کوئی بُرا خیال تک نہیں آیا۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شروع میں اُن کے دل میں بھی تھوڑا سا میلان پیدا ہوا تھا جو ایک بشری تقاضا ہے، مگر بقول حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، اس کی بہترین مثال ایسی ہے جیسے پیاس کی حالت میں روزہ دار کو ٹھنڈا پانی دیکھ کر طبعی طور پر اس کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے، لیکن روزہ توڑنے کا بالکل ارادہ نہیں ہوتا، اسی طرح غیر اختیاری طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی میلان پیدا ہوا، اور اگر وہ اپنے ربّ کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو یہ میلان آگے بھی بڑھ سکتا تھا، لیکن اپنے ربّ کی دلیل دیکھنے کے بعد وہ غیر اختیاری جھکاؤ سے آگے نہیں بڑھا۔ زیادہ تر مفسرین نے اس دوسری تفسیر کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ اوّل تو یہ عربی زبان کے قواعد کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے، دوسرے اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کے مقام بلند کا مزید اندازہ ہوتا ہے۔ اگر ان کے دل میں یہ غیر اختیاری خیال بھی پیدا نہ ہوتا تو گناہ سے بچنا اتنا مشکل نہیں تھا، لیکن اس جھکاؤ کے باوجود اپنے آپ کو بچانا زبردست اُولوالعزمی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دل کے تقاضے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنے آپ پر قابو رکھنا اور گناہ سے بچنا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ وہ دلیل کیا تھی جسے اللہ تعالیٰ نے "اپنے ربّ کی دلیل" سے تعبیر فرمایا ہے؟ اس سوال کا واضح اور بے غبار جواب یہ ہے کہ اس سے مراد اس عمل کے گناہ ہونے کی دلیل ہے جس کی طرف انہوں نے دھیان رکھا، اور گناہ سے محفوظ رہے۔ بعض روایات میں اس کی یہ تفسیر بھی آئی ہے کہ اُس وقت اُن کو اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دکھادی گئی تھی۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا
جَزَآءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوٓءًا إِلَّآ أَنْ يُّسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ قَالَ هِيَ
رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ۚ إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ
فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿٢٦﴾ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ
مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿٢٧﴾

اور دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے، اور (اس کشمکش میں) اُس عورت نے اُن کے قمیص کو پیچھے کی طرف سے پھاڑ ڈالا۔ (۱۷) اتنے میں دونوں نے اُس عورت کے شوہر کو دروازے پر کھڑا پایا۔ اُس عورت نے فوراً (بات بنانے کے لئے اپنے شوہر سے) کہا کہ: "جو کوئی تمہاری بیوی کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے، اُس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ اُسے قید کردیا جائے، یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے؟" ﴿۲۵﴾ یوسف نے کہا: "یہ خود تھیں جو مجھے ورغلا رہی تھیں۔" اور اُس عورت کے خاندان ہی میں سے ایک گواہی دینے والے نے یہ گواہی دی کہ: "اگر یوسف کی قمیص سامنے کی طرف سے پھٹی ہو تو عورت سچ کہتی ہے، اور وہ جھوٹے ہیں۔ ﴿۲۶﴾ اور اگر ان کی قمیص پیچھے کی طرف سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹ بولتی ہے، اور یہ سچے ہیں۔" (۱۸) ﴿۲۷﴾

---

(۱۷) حضرت یوسف علیہ السلام اُس عورت سے رُخ موڑ کر دروازے کی طرف بھاگ رہے تھے، عورت نے پیچھے سے انہیں کھینچنا چاہا، اس سے قمیص پیچھے سے پھٹ گئی۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی عزیزِ مصر پر واضح کرنے کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ خود زلیخا کے خاندان کے ایک شخص نے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک ایسی علامت بتائی جس کی معقولیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اُس کا کہنا یہ تھا کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص سامنے کی طرف سے پھٹی ہو تو یہ

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾
يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۱۳
وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا
حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

پھر جب شوہر نے دیکھا کہ ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو اس نے کہا کہ: "یہ تم عورتوں کی مکاری ہے، واقعی تم عورتوں کی مکاری بڑی سخت ہے۔ ﴿۲۸﴾ یوسف! تم اس بات کا کچھ خیال نہ کرو، اور اے عورت! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، یقینی طور پر تو ہی خطا کار تھی۔(۱۹)" ﴿۲۹﴾

اور شہر میں کچھ عورتیں یہ باتیں کرنے لگیں کہ: "عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام کو ورغلا رہی ہے۔ اس نوجوان کی محبت نے اُسے فریفتہ کرلیا ہے۔ ہمارے خیال میں تو یقینی طور پر وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔" ﴿۳۰﴾

اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ عورت کی طرف بڑھنا چاہتے تھے، عورت نے اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ بڑھایا، اور اس کشمکش میں اُن کی قمیص پھٹ گئی، لیکن اگر وہ پیچھے کی طرف سے پھٹی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آگے بھاگ رہے تھے، زلیخا اُن کا پیچھا کرکے اُنہیں روکنا چاہتی تھی، اور اُنہیں اپنی طرف کھینچنے کی وجہ سے قمیص پھٹ گئی۔ اوّل تو یہ بات ہی نہایت معقول تھی، دوسرے بعض مستند احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گواہی زلیخا کے خاندان کے ایک چھوٹے سے بچے نے دی تھی جو ابھی بولنے کے قابل نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے اُسے بولنے کی طاقت اسی طرح عطا فرمادی تھی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی۔ غرض اس ناقابلِ انکار ثبوت کے بعد عزیزِ مصر کو یقین ہوگیا کہ سارا قصور اس کی بیوی کا ہے، اور حضرت یوسف علیہ السلام بالکل بے گناہ ہیں۔

(۱۹) عزیزِ مصر کو یقین ہوگیا تھا کہ شرارت اُس کی بیوی ہی کی تھی، لیکن شاید بدنامی کے خوف سے اُس نے بات کو پوشیدہ رکھا۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ
وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ
اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ
فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ
لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

چنانچہ جب اُس (عزیز کی بیوی) نے ان عورتوں کے مکر کی یہ بات سنی (۲۰) تو اُس نے پیغام بھیج کر انہیں (اپنے گھر) بلوالیا، اور اُن کے لئے ایک تکیوں والی نشست تیار کی، اور اُن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چاقو دے دیا، (۲۱) اور (یوسف سے) کہا کہ: "ذرا باہر نکل کر ان کے سامنے آجاؤ۔" اب جو ان عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو انہیں حیرت انگیز (حد تک حسین) پایا، اور (ان کے حسن سے مبہوت ہوکر) اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے، اور بول اٹھیں کہ: "حاشا للہ! یہ شخص کوئی انسان نہیں ہے، ایک قابلِ تکریم فرشتے کے سوا یہ کچھ اور نہیں ہوسکتا۔" ﴿۳۱﴾ عزیز کی بیوی نے کہا: "اب دیکھو! یہ ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنے دیئے تھے! یہ بات واقعی سچ ہے کہ میں نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے اس پر ڈورے ڈالے، مگر یہ بچ نکلا۔ اور اگر یہ میرے کہنے پر عمل نہیں کرے گا تو اسے قید ضرور کیا جائے گا، اور یہ ذلیل ہوکر رہے گا۔" ﴿۳۲﴾

(۲۰) ان عورتوں کی اس بات کو "مکر" شاید اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ کسی خیر خواہی کی وجہ سے یہ باتیں نہیں کر رہی تھیں، بلکہ محض زلیخا کو بدنام کرنا مقصود تھا، اور کچھ بعید نہیں کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کی شہرت سن کر یہ باتیں اسی لئے کی ہوں کہ زلیخا ان کو بھی دیدار کا موقع فراہم کردے۔

(۲۱) ان کی مہمان نوازی کے لئے پھل دسترخوان پر رکھے گئے تھے، اور چاقو انہیں کاٹنے کے لئے دیا گیا تھا،

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي
كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٣﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ
عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٤﴾

یوسف نے دُعا کی کہ: ''یا رَبّ! یہ عورتیں مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہیں، اُس کے مقابلے میں قید خانہ مجھے زیادہ پسند ہے۔(۲۲) اور اگر تو نے مجھے ان کی چالوں سے محفوظ نہ کیا تو میرا دل بھی ان کی طرف کھنچنے لگے گا، اور جو لوگ جہالت کے کام کرتے ہیں، اُن میں میں بھی شامل ہو جاؤں گا۔'' ﴿۳۳﴾ چنانچہ یوسف کے رَبّ نے ان کی دُعا قبول کی، اور ان عورتوں کی چالوں سے اُنہیں محفوظ رکھا۔ بیشک وہی ہے جو ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے۔ ﴿۳۴﴾

لیکن شاید زلیخا کو یہ اندازہ تھا کہ جب یہ عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھیں گی تو یہ چاقو بے خودی کی حالت میں خود ان کے ہاتھوں پر چل جائے گا۔ چنانچہ آگے بیان فرمایا گیا ہے کہ واقعی جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے حسن و جمال میں ایسی محو ہوئیں کہ بے خیالی میں چاقو ان کے ہاتھوں پر چل گیا۔

(۲۲) بعض روایات میں ہے کہ ان عورتوں نے جو پہلے زلیخا کو ملامت کر رہی تھیں، حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کے بعد اُلٹی حضرت یوسف علیہ السلام کو نصیحت کرنی شروع کر دی کہ تمہیں اپنی مالکہ کا کہنا ماننا چاہئے، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عورتوں میں سے بھی کچھ نے انہیں تنہائی میں نصیحت کے بہانے بلا کر گناہ کی دعوت دینی شروع کی۔ اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی دُعا میں صرف زلیخا کا نہیں، بلکہ تمام عورتوں کا ذکر فرمایا۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ ع
السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ
اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ
مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ
اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ

پھر ان لوگوں نے (یوسف کی پاکدامنی کی) بہت سی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی مناسب یہی سمجھا کہ انہیں ایک مدت تک قید خانے بھیج دیں۔ (۲۳) ﴿۳۵﴾

اور یوسف کے ساتھ دو اور نوجوان قید خانے میں داخل ہوئے۔ (۲۴) ان میں سے ایک نے (ایک دن یوسف سے) کہا کہ: "میں (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں" اور دوسرے نے کہا کہ: "میں (خواب میں) یوں دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے سر پر روٹی اٹھائی ہوئی ہے، (اور) پرندے اُس میں سے کھا رہے ہیں۔ ذرا ہمیں اس کی تعبیر بتاؤ، ہمیں تم نیک آدمی نظر آتے ہو۔" ﴿۳۶﴾ یوسف نے کہا: "جو کھانا تمہیں (قید خانے میں) دیا جاتا ہے، وہ ابھی آنے نہیں پائے گا کہ میں تمہیں اس کی حقیقت بتادوں گا۔ (۲۵)

---

(۲۳) یعنی اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی اور پارسائی کے بہت سے دلائل ان لوگوں کے سامنے آچکے تھے، لیکن عزیز مصر نے اپنی بیوی کو بدنامی سے بچانے اور اس واقعے کا چرچا ختم کرنے کے لئے مناسب یہ سمجھا کہ کچھ عرصے تک انہیں قید خانے ہی میں بند رکھا جائے۔

(۲۴) روایات میں ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بادشاہ کو شراب پلایا کرتا تھا، اور دوسرا اُس کا باورچی تھا، اور ان پر الزام یہ تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینے کی کوشش کی ہے۔ اس الزام میں ان پر مقدمہ چل رہا تھا جس کی وجہ سے انہیں قید خانے میں بھیجا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی ملاقات ہوئی، اور انہوں نے اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر ان سے پوچھی۔

(۲۵) اس کا مطلب بعض مفسرین نے تو یہ بتایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں اطمینان دلایا کہ میں

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ
هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۷ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَاۗءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ
اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۳۸

یہ اس علم کا ایک حصہ ہے جو میرے پروردگار نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ (مگر اس سے پہلے میری ایک بات سنو۔) بات یہ ہے کہ میں نے اُن لوگوں کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو آخرت کے منکر ہیں۔(۲۶) ﴿۳۷﴾ اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے۔ ہمیں یہ حق نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔ یہ (توحید کا عقیدہ) ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ کے فضل کا حصہ ہے، لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا) شکر ادا نہیں کرتے۔ ﴿۳۸﴾

تمہارے ان خوابوں کی تعبیر ابھی تھوڑی دیر میں بتادوں گا، اور جو کھانا تمہیں جیل سے ملنے والا ہے، اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی بتادوں گا۔ اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا علم عطا فرمایا ہے کہ جو کھانا تمہیں جیل سے ملنے والا ہو، اس کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ اس مرتبہ کونسا کھانا تمہیں دیا جائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ مجھے بہت سی باتیں وحی کے ذریعے بتادیتے ہیں۔ یہ بات آپ نے اس لئے ارشاد فرمائی کہ آپ ان دونوں کو توحید کی دعوت دینا چاہتے تھے۔ اور ان کو آپ کے اس علم کا پتہ چلنے سے اس بات کی اُمید تھی کہ وہ آپ کی بات کو غور سے سنیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو دین کی کوئی بات بتانی ہو تو اس کے دل میں اپنا اعتماد پیدا کرنے کے لئے اگر کوئی شخص اپنے علم کا اظہار کرے، اور محض بڑائی جتانا مقصود نہ ہو تو ایسا اظہار کرنا جائز ہے۔

(۲۶) حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ دونوں قیدی ان پر خواب کی تعبیر کے بارے میں بھروسہ کر رہے ہیں، اور انہیں نیک بھی سمجھتے ہیں تو خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے ان کو دین حق کی دعوت دینا مناسب سمجھا، بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ ان میں سے ایک کے خواب کی تعبیر یہ تھی کہ اسے سولی دی جائے گی، اور اس طرح اس کی زندگی کی مہلت ختم ہونے والی ہے، اس لئے آپ نے چاہا کہ مرنے سے پہلے وہ ایمان لے آئے، تاکہ اس کی آخرت سنور جائے۔ یہی پیغمبرانہ اسلوب ہے کہ وہ جب کوئی مناسب موقع دیکھتے ہیں، اپنی دعوت پیش کرنے سے نہیں چوکتے۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۳۹ مَا
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا
مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۰ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ
خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ
فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝۴۱ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ

اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں، یا وہ ایک اللہ جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے؟ ﴿۳۹﴾ اُس کے سوا جس جس کی تم عبادت کرتے ہو، اُن کی حقیقت چند ناموں سے زیادہ نہیں ہے جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے اُن کے حق میں کوئی دلیل نہیں اتاری۔ حاکمیت اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اُسی نے یہ حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۴۰﴾ اے میرے قید خانے کے ساتھیو! (اب اپنے خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ (قید سے آزاد ہو کر) اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔ رہا دوسرا، تو اُسے سولی دی جائے گی، جس کے نتیجے میں پرندے اُس کے سر کو (نوچ کر) کھائیں گے۔ جس معاملے میں تم پوچھ رہے تھے، اُس کا فیصلہ (اسی طرح) ہو چکا ہے۔" ﴿۴۱﴾ اور ان دونوں میں سے جس کے بارے میں اُن کا گمان تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا، اُس سے یوسف نے کہا کہ: "اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کر دینا۔"(۲۷)

---

(۲۷) آقا سے مراد بادشاہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جس قیدی کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ وہ چھوٹ جائے گا، اور واپس جا کر حسبِ معمول اپنے آقا کو شراب پلائے گا، اُس سے آپ نے یہ بات فرمائی کہ تم اپنے آقا یعنی بادشاہ سے میرا تذکرہ کرنا کہ ایک شخص بے گناہ جیل میں پڑا ہوا ہے۔ اُس کے معاملے پر آپ کو

فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ
اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ
اُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿٤٣﴾
قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾

پھر ہوا یہ کہ شیطان نے اُس کو یہ بات بھلادی کہ وہ اپنے آقا سے یوسف کا تذکرہ کرتا۔ چنانچہ وہ کئی برس قید خانے میں رہے۔ ﴿۴۲﴾ اور (چند سال بعد مصر کے) بادشاہ نے (اپنے درباریوں سے) کہا کہ: ''میں (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنھیں سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں، نیز سات خوشے ہرے بھرے ہیں، اور سات اور ہیں جو سوکھے ہوئے ہیں۔ اے درباریو! اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو تو میرے اس خواب کا مطلب بتاؤ۔'' ﴿۴۳﴾ انہوں نے کہا کہ: ''یہ پریشان قسم کے خیالات (معلوم ہوتے) ہیں، اور ہم خوابوں کی تعبیر کے علم سے واقف (بھی) نہیں (۲۸)۔'' ﴿۴۴﴾

توجہ کرنی چاہئے۔ مگر جیسا کہ آگے بیان فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ شخص بادشاہ سے یہ بات کہنا بھول گیا جس کی وجہ سے انہیں کئی سال اور جیل میں رہنا پڑا۔

(۲۸) بادشاہ نے جو خواب دیکھا تھا، وہ اُس کی تعبیر جاننا چاہتا تھا، مگر دربار کے لوگوں نے پہلے تو یہ کہا کہ یہ کوئی بامعنی خواب معلوم نہیں ہوتا، پریشان قسم کے خیالات بعض اوقات ایسے خوابوں کا رُوپ دھار لیتے ہیں۔ پھر یہ بھی کہا کہ اگر یہ واقعی کوئی بامعنی خواب ہے، تب بھی ہم اس کی تعبیر بتانے سے قاصر ہیں، کیونکہ ہم اس علم سے واقف نہیں ہیں۔

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿٤٥﴾ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَّعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾

اور ان دو قیدیوں میں سے جو رہا ہوگیا تھا، اور اُسے ایک لمبے عرصے کے بعد (یوسف کی) بات یاد آئی تھی، اُس نے کہا کہ: "میں آپ کو اس خواب کی تعبیر بتائے دیتا ہوں، بس مجھے (یوسف کے پاس قید خانے میں) بھیج دیجئے۔"(۲۹) ﴿۴۵﴾ (چنانچہ اُس نے قید خانے میں پہنچ کر یوسف سے کہا:) "یوسف! اے وہ شخص جس کی ہر بات سچی ہوتی ہے! تم ہمیں اس (خواب) کا مطلب بتاؤ کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنہیں سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں، اور سات خوشے ہرے بھرے ہیں، اور دوسرے سات اور ہیں جو سوکھے ہوئے ہیں۔ شاید میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں (اور انہیں خواب کی تعبیر بتاؤں) تاکہ وہ بھی حقیقت جان لیں۔"(۳۰) ﴿۴۶﴾

(۲۹) یہ وہی قیدی تھا جس کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اُس کے خواب کی یہ تعبیر دی تھی کہ اُسے جیل سے رہائی مل جائے گی، اور جب وہ رہا ہوا تھا تو اُس سے کہا تھا کہ اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ کردینا، مگر وہ اُن کا ذکر کرنا بھول گیا تھا۔ اب جو بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو اُسے یاد آیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوابوں کی تعبیر کا خاص علم عطا فرمایا ہے، اور وہ اس خواب کی صحیح تعبیر بتا سکتے ہیں۔ اس لئے اُس نے بادشاہ کو بتایا کہ قید خانے میں ایک شخص ہے جو خواب کی بہترین تعبیر بتاتا ہے، آپ مجھے اُس کے پاس بھیج دیجئے۔ قرآن کریم چونکہ قصہ گوئی کی کتاب نہیں ہے، بلکہ ہر قصے سے اُس کا کوئی مقصد وابستہ ہوتا ہے، اس لئے اس کا یہ خاص اُسلوب ہے کہ جو باتیں سننے والا خود اپنی سمجھ سے نکال سکتا ہے، اُن کی تفصیل بیان نہیں کرتا۔ چنانچہ یہاں بھی صریح لفظوں میں یہ فرمانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ اس کے بعد بادشاہ نے اُس کو قید خانے میں بھیجا، اور وہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے اُس کی ملاقات ہوئی، اور اُس نے اُن سے کہا، بلکہ براہِ راست بات یہاں سے شروع فرمادی کہ: "یوسف! اے وہ شخص جس کی ہر بات سچی ہوتی ہے..."۔

(۳۰) حقیقت جان لینے کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ خواب کی صحیح تعبیر سمجھ لیں، اور یہ بھی کہ وہ حضرت یوسف

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدتُّمْ فَذَرُوهُ فِي سُنۢبُلِهِۦٓ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا

تَأْكُلُونَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا

مِّمَّا تُحْصِنُونَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٤٩﴾ ۱۱

یوسف نے کہا: "تم سات سال تک مسلسل غلہ زمین میں اُگاؤ گے۔ اس دوران جو فصل کاٹو، اُس کو اُس کی بالیوں ہی میں رہنے دینا، البتہ تھوڑا سا غلہ جو تمہارے کھانے کے کام آئے، (وہ نکال لیا کرو۔) ﴿۴۷﴾ پھر اس کے بعد تم پر سات سال ایسے آئیں گے جو بڑے سخت ہوں گے، اور جو کچھ ذخیرہ تم نے ان سالوں کے واسطے جمع کر رکھا ہوگا، اُس کو کھا جائیں گے، ہاں البتہ تھوڑا سا حصہ جو تم محفوظ کر سکو گے، (صرف وہ بچ جائے گا) ﴿۴۸﴾ پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں پر خوب بارش ہوگی، اور وہ اس میں انگور کا شیرہ نچوڑیں گے۔" (۳۱) ﴿۴۹﴾

علیہ السلام کے بارے میں حقیقتِ حال سے واقف ہو جائیں کہ ایک ایسا نیک اور راست باز انسان بے گناہ قید میں پڑا ہوا ہے۔

(۳۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی جو تعبیر دی، اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ آئندہ سات سال تک تو موسم ٹھیک رہے گا جس کے نتیجے میں لوگ خوب غلہ اُگائیں گے لیکن اس کے بعد سات سال تک زبردست قحط پڑے گا۔ سات موٹی تازی گائیں جو خواب میں نظر آئی ہیں، اُن سے مراد سات خوشحالی کے سال ہیں، اور جو سات دُبلی پتلی گائیں دیکھی گئی ہیں، اُن سے قحط کے سات سالوں کی طرف اشارہ ہے۔ اب ان سات قحط کے سالوں کا پہلے سے انتظام کرنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تدبیر بتائی کہ خوشحالی کے سات سالوں میں جتنا غلہ اُگے، اُس میں سے تھوڑا تھوڑا تو اپنے روزمرہ کے کھانے کے لئے نکال لیا جائے، اور باقی غلے کو اُس کی بالیوں ہی میں پڑا رہنے دیا جائے، تاکہ وہ سڑ کر خراب نہ ہو۔ جب قحط کے سات سال آئیں گے تو یہ ذخیرہ اُس وقت کام آئے گا، اور قحط کے یہ سات سال اس سارے ذخیرے کو کھا جائیں گے۔ اور خواب میں دُبلی پتلی گائیں جو موٹی گایوں کو کھاتی ہوئی نظر آئی ہیں، اُن کا مطلب یہی ہے کہ قحط کے سال خوشحالی کے سالوں میں جمع کئے ہوئے ذخیرے کو کھا جائیں گے۔ البتہ تھوڑا سا غلہ آئندہ بیج ڈالنے کے لئے بچا رہے گا جو آئندہ سال کی کاشت کے کام آئے گا۔ چنانچہ دوسرے سال خوب بارشیں ہوں گی، اور لوگ انگور کا خوب رس نکالیں گے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾

اور بادشاہ نے کہا کہ: ''اُس کو (یعنی یوسف کو) میرے پاس لے کر آؤ'' چنانچہ جب اُن کے پاس ایلچی پہنچا تو یوسف نے کہا: ''اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ، اور اُن سے پوچھو کہ اُن عورتوں کا کیا قصہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ میرا پروردگار ان عورتوں کے مکر سے خوب واقف ہے۔''(۳۲) ﴿۵۰﴾

(۳۲) یہاں پھر قرآن کریم نے واقعے کے وہ حصے حذف فرمادیئے ہیں جو خود سمجھ میں آسکتے ہیں۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی جو تعبیر دی تھی، وہ بادشاہ کو بتائی گئی، بادشاہ نے تعبیر سن کر ان کو قدردانی کے طور پر اپنے پاس بلوانا چاہا، اور اس مقصد کے لئے اپنا ایک ایلچی بھیجا۔ اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ اپنی رہائی سے پہلے اُس جھوٹے الزام کی واضح طور پر صفائی کروائیں جو اُن پر لگایا گیا تھا۔ اس لئے اس مرحلے پر انہوں نے ایلچی کے ساتھ جانے کے بجائے بادشاہ کو یہ پیغام بھجوایا کہ آپ پہلے ان عورتوں کے معاملات کی تحقیق کریں جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے، چونکہ ان عورتوں کو ساری بات معلوم تھی، اور ان کے ذریعے حقیقت کا معلوم کرنا زیادہ آسان تھا، اس لئے زلیخا کے بجائے ان کا حوالہ دیا۔ اور اگرچہ یہ تحقیق جیل سے رہا ہونے کے بعد بھی کی جاسکتی تھی، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے شاید اس لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا تاکہ بادشاہ اور عزیز مصر وغیرہ پر یہ بات واضح ہوجائے کہ ان کو اپنی بے گناہی پر اتنا یقین ہے کہ وہ بے گناہی ثابت ہوئے بغیر جیل سے رہا ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ دوسرے حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے انداز سے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ انہیں کوئی اعزاز دیں گے۔ اس اعزاز کے ملنے کے بعد تحقیقات کے غیر جانب دارانہ ہونے میں لوگوں کو شکوک اور شبہات ہوسکتے تھے، اس لئے آپ نے مناسب یہی سمجھا کہ جیل سے اُس وقت نکلیں جب غیر جانب دارانہ تحقیق کے نتیجے میں الزام کا ہر داغ دُھل چکا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی سچائی کا یقین ہوگیا، اور اُس نے جب ان عورتوں کو بلا کر ان سے اس انداز میں سوال کیا جیسے اُسے ساری حقیقت معلوم ہے تو وہ حقیقت سے انکار نہ کرسکیں، بلکہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا
عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن
نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٥١﴾ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا
يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ﴿٥٢﴾ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ
إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٣﴾

بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر ان سے) کہا: "تمہارا کیا قصہ تھا جب تم نے یوسف کو ورغلانے کی کوشش کی تھی؟" ان سب عورتوں نے کہا کہ: "حاشا للہ! ہم کو ان میں ذرا بھی تو کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی۔" عزیز کی بیوی نے کہا کہ: "اب تو حق بات سب پر کھل ہی گئی ہے۔ میں نے ہی ان کو ورغلانے کی کوشش کی تھی، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بالکل سچے ہیں۔" ﴿۵۱﴾ (جب یوسف کو قید خانے میں اس گفتگو کی خبر ملی تو انہوں نے کہا کہ:) "یہ سب کچھ میں نے اس لئے کیا تاکہ عزیز کو یہ بات یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس کے ساتھ کوئی خیانت نہیں کی، اور یہ بھی کہ جو لوگ خیانت کرتے ہیں، اللہ ان کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ ﴿۵۲﴾ اور میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرا نفس بالکل پاک صاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نفس تو برائی کی تلقین کرتا ہی رہتا ہے، ہاں میرا رب رحم فرمادے تو بات اور ہے (کہ اس صورت میں نفس کا کوئی داؤ نہیں چلتا۔) [۳۳] بیشک میرا رب بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔" ﴿۵۳﴾

بے گناہی کی صاف لفظوں میں گواہی دی۔ اس مرحلے پر عزیز مصر کی بیوی زلیخا کو بھی یہ اقرار کرنا پڑا کہ اصل غلطی اسی کی تھی۔ شاید اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے جرم کے اقرار اور توبہ کے ذریعے وہ بھی پاک صاف ہو سکے۔

(۳۳) حضرت یوسف علیہ السلام کی تواضع اور عبدیت کا کمال دیکھئے کہ اس موقع پر جب ان کی بے گناہی خود ان عورتوں کے اعتراف سے ثابت ہو گئی، تب بھی اس پر اپنی بڑائی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے یہ فرما رہے ہیں کہ میں اس انتہائی خطرناک جال سے جو بچا ہوں، اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ نفس تو میرے پاس بھی ہے جو

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا
مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿٥٤﴾ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾ وَ
كَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ
بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ
آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾ ع ۷

اور بادشاہ نے کہا کہ: "اس کو میرے پاس لے آؤ، میں اُسے خالص اپنا (معاون) بناؤں گا۔" چنانچہ جب (یوسف بادشاہ کے پاس آگئے، اور) بادشاہ نے اُن سے باتیں کیں تو اُس نے کہا: "آج سے ہمارے پاس تمہارا بڑا مرتبہ ہوگا، اور تم پر پورا بھروسہ کیا جائے گا۔" (۳۴) ﴿۵۴﴾ یوسف نے کہا کہ: "آپ مجھے ملک کے خزانوں (کے انتظام) پر مقرر کردیجئے۔ یقین رکھئے کہ مجھے حفاظت کرنا خوب آتا ہے، (اور) میں (اس کام کا) پورا علم رکھتا ہوں۔" (۳۵) ﴿۵۵﴾ اور اس طرح ہم نے یوسف کو ملک میں ایسا اقتدار عطا کیا کہ وہ اُس میں جہاں چاہیں، اپنا ٹھکانا بنائیں۔ ہم اپنی رحمت جس کو چاہتے ہیں، پہنچاتے ہیں، اور نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ ﴿۵۶﴾ اور آخرت کا جو اجر ہے، وہ اُن لوگوں کے لئے کہیں زیادہ بہتر ہے جو ایمان لاتے اور تقویٰ پر کاربند رہتے ہیں۔ (۳۶) ﴿۵۷﴾

انسان کو برائی کی تلقین کرتا رہتا ہے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے، اس کے فریب سے بچا لیتا ہے۔ البتہ دوسرے دلائل سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ رحم وکرم اُسی پر ہوتا ہے جو گناہ سے بچنے کے لئے اپنی سی کوشش کر گذرے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے دروازے تک بھاگ کر کی تھی، اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے رُجوع کر کے اُس سے پناہ مانگی۔

(۳۴) بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے جو باتیں کیں، اُن کی تفصیل بعض روایات میں اس طرح آئی

ہے کہ اُس نے پہلے تو خواب کی تعبیر خود حضرت یوسف علیہ السلام سے سننے کی خواہش ظاہر کی۔ اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کی کچھ ایسی تفصیلات اُس سے بیان کیں جو بادشاہ نے اب تک کسی اور کو نہیں بتائی تھیں۔ اس پر وہ نہایت حیرت زدہ ہوا، پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط کے سالوں کا انتظام کرنے کے لئے بھی بڑی مفید تجویزیں پیش کیں جو اُسے بہت پسند آئیں، اور اُسے آپ کی نیکی کا اطمینان ہوگیا۔ اس موقع پر اُس نے آپ سے کہا کہ آپ پر چونکہ ہمیں پورا بھروسہ ہو چکا ہے، اس لئے آپ کا شمار حکومت کے معتمد افراد میں ہوگا۔ نیز جب حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط کے اثرات سے بچنے کی تدبیر بتائی تو بادشاہ نے پوچھا کہ اس کا انتظام کون کرے گا؟ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے پیشکش کی کہ میں یہ ذمہ داری لینے کو تیار ہوں۔

(۳۵) عام حالات میں حکومت کا کوئی عہدہ خود طلب کرنا شرعی اعتبار سے جائز نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، لیکن جب کسی سرکاری عہدے کے نااہلوں کے سپرد ہونے کی وجہ سے خلق خدا کی پریشانی کا قوی خطرہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں کسی نیک، پارسا اور متقی آدمی کے لئے عہدے کا طلب کرنا جائز ہے۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو اندیشہ تھا کہ قحط کا جو زمانہ آنے والا ہے، اُس میں لوگوں کے ساتھ ناانصافیاں ہوں گی، اس کے علاوہ اُس ملک میں اللہ تعالیٰ کا قانون جاری کرنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام خود یہ ذمہ داری قبول فرمائیں، اور اللہ تعالیٰ کے اَحکام کو نافذ فرمائیں۔ اس لئے آپ نے ملک کے خزانوں کا انتظام اپنے سر لے لیا۔ پھر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ بادشاہ نے حکومت کے سارے اختیارات اُنہی کے سپرد کردیئے تھے، اور وہ پورے ملک کے حکمران بن گئے تھے۔ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت یہ ہے کہ بادشاہ اُن کے ہاتھ پر مسلمان بھی ہوگیا تھا۔ لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام کا اس ذمہ داری کو قبول کرنا پورے ملک پر اللہ تعالیٰ کا قانونِ انصاف نافذ ہونے کا ذریعہ بن گیا۔

(۳۶) دُنیا میں حضرت یوسف علیہ السلام کو جو عزت اور اِقتدار ملا، اُس کے ذکر کے ساتھ قرآنِ کریم نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ یہ اُس اَجرِ عظیم کے مقابلے میں بہت کم ہے جو اُن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں تیار کر رکھا ہے۔ اس طرح ہر وہ شخص جس کو دُنیا میں کوئی عزت اور دولت ملی ہو، اُسے یہ ابدی نصیحت فرمادی گئی ہے کہ اُس کو اصل فکر اس بات کی کرنی چاہئے کہ اس دُنیا کی عزت و دولت کے نتیجے میں آخرت کا اَجر ضائع نہ ہو۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ

اور (جب قحط پڑا تو) یوسف کے بھائی آئے، اور اُن کے پاس پہنچے،(۳۷) تو یوسف نے انہیں پہچان لیا، اور وہ یوسف کو نہیں پہچانے۔(۳۸) ﴿۵۸﴾ اور جب یوسف نے اُن کا سامان تیار کردیا تو اُن سے کہا کہ (آئندہ) اپنے باپ شریک بھائی کو بھی میرے پاس لے کر آنا۔(۳۹)

(۳۷) جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر دی تھی، سات سال بعد پورے مصر میں سخت قحط پڑا، اور آس پاس کے علاقے بھی اس کی لپیٹ میں آگئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ خوشحالی کے سات سالوں میں مسلسل غلے کا ذخیرہ کیا جائے، تاکہ جب قحط کے سال آئیں تو یہ ذخیرہ لوگوں کے کام آئے۔ اس موقع پر آپ نہ صرف اپنے علاقے کے لوگوں کو سستے داموں غلہ فروخت کرسکیں گے، بلکہ اردگرد کے دوسرے علاقوں کے لوگوں کی بھی مدد کرسکیں گے۔ چنانچہ اس قحط کے نتیجے میں دُور دُور تک غلے کی بڑی قلت ہوگئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام (یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے والد) اس پورے عرصے میں فلسطین کے علاقے کنعان ہی میں تھے، جب کنعان میں بھی قحط پڑا تو انہیں اور ان کے صاحبزادوں کو پتہ چلا کہ مصر کے بادشاہ نے قحط زدہ لوگوں کے لئے راشن مقرر کر رکھا ہے، اور وہاں سے مناسب قیمت پر غلہ مل سکتا ہے۔ اس خبر کو سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کے دس باپ شریک بھائی جنہوں نے ان کو بچپن میں کنویں میں ڈالا تھا، راشن لینے کے لئے مصر آئے۔ البتہ ان کے سگے بھائی بنیامین کو اپنے والد کے پاس چھوڑ آئے۔ یہاں راشن کی تقسیم کا سارا انتظام حضرت یوسف علیہ السلام خود کر رہے تھے، تاکہ سب لوگوں کو انصاف کے ساتھ راشن مل سکے۔ چنانچہ ان بھائیوں کو اُن کے سامنے آنا پڑا۔

(۳۸) حضرت یوسف علیہ السلام تو اُن کو اس لئے پہچان گئے کہ ان کی صورتوں میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی تھی، اور حضرت یوسف علیہ السلام کو توقع بھی تھی کہ وہ راشن لینے کے لئے آئیں گے۔ لیکن وہ بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو اس لئے نہیں پہچان سکے کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سات سال کی عمر میں دیکھا تھا، اور اب وہ بہت بڑے ہوچکے تھے، اس لئے صورت میں بڑی تبدیلی آچکی تھی۔ اس کے علاوہ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ مصر کے محلات میں ہوسکتے ہیں۔

(۳۹) دراصل ہوا یہ تھا کہ جب ان دس بھائیوں کو ایک ایک اُونٹ کا بوجھ غلہ مل گیا تو انہوں نے حضرت یوسف

أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٥٩﴾ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ
لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾ قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿٦١﴾ وَقَالَ
لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٦٢﴾

کیا تم یہ نہیں دیکھ رہے ہو کہ میں پیمانہ بھر بھر کر دیتا ہوں، اور میں بہترین مہمان نواز بھی
ہوں؟ ﴿۵۹﴾ اب اگر تم اُسے لے کر نہ آئے تو میرے پاس تمہارے لئے کوئی غلہ نہیں ہوگا، اور تم
میرے پاس بھی نہ پھٹکنا۔" ﴿۶۰﴾ وہ بولے: "ہم اُس کے والد کو اُس کے بارے میں بہلانے کی
کوشش کریں گے (کہ وہ اُسے ہمارے ساتھ بھیج دیں) اور ہم ایسا ضرور کریں گے۔" ﴿۶۱﴾ اور
یوسف نے اپنے نوکروں سے کہہ دیا کہ وہ ان (بھائیوں) کا مال (جس کے بدلے انہوں نے غلہ
خریدا ہے) انہی کے کجاووں میں رکھ دیں، (۴۰) تاکہ جب یہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس پہنچیں تو
اپنے مال کو پہچان لیں۔ شاید (اس احسان کی وجہ سے) وہ دوبارہ آئیں۔ ﴿۶۲﴾

علیہ السلام سے کہا کہ ہمارا ایک باپ شریک بھائی ہے جو ہمارے والد کی خدمت کے لئے وہاں رہ گیا ہے، اور یہاں نہیں آسکا۔ آپ اس کے حصے کا غلہ بھی ہمیں دے دیجئے۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ راشن کے جو قواعد مقرر کئے گئے ہیں، اُن کی رُو سے میں ایسا نہیں کرسکتا۔ البتہ اگلی مرتبہ جب آپ آئیں تو اُسے بھی ساتھ لے کر آئیں تو میں سب کا حصہ پورا پورا دوں گا۔ اور اگر اس مرتبہ آپ لوگ اُسے ساتھ نہ لائے تو آپ کے اپنے حصے کا غلہ بھی آپ کو نہیں ملے گا، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے جھوٹ بولا تھا کہ آپ کا کوئی اور بھائی بھی ہے، اور دھوکا دینے والوں کو راشن نہیں دیا جاسکتا۔

(۴۰) حضرت یوسف علیہ السلام نے ان بھائیوں کے ساتھ یہ احسان فرمایا کہ غلے کو خریدنے کے لئے جو قیمت انہوں نے دی تھی، وہ واپس انہی کے سامان میں رکھوادی۔ اُس زمانے میں سونے چاندی کے سکوں کے بجائے مختلف قسم کا سامان قیمت کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کنعان سے کچھ چمڑا اور جوتے لے کر آئے تھے، وہی انہوں نے غلے کی قیمت کے طور پر پیش کیا، اور اُسی کو حضرت یوسف علیہ السلام

فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ
وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِن
قَبْلُ ۖ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا
بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۖ هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ
وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿٦٥﴾

چنانچہ جب وہ اپنے والد کے پاس واپس پہنچے تو انہوں نے کہا: "ابا جان! آئندہ ہمیں غلہ دینے سے انکار کردیا گیا ہے، (۴۱) لہٰذا آپ ہمارے بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم (پھر) غلہ لاسکیں، اور یقین رکھئے کہ ہم اُس کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔" ﴿۶۳﴾ والد نے کہا: "کیا میں اُس کے بارے میں تم پر ویسا ہی بھروسہ کروں جیسا اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تم پر پہلے کیا تھا؟ خیر! اللہ سب سے بڑھ کر نگہبان ہے، اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔" ﴿۶۴﴾ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ اُن کا مال بھی اُن کو لوٹا دیا گیا ہے۔ وہ کہنے لگے: "ابا جان! ہمیں اور کیا چاہئے؟ یہ ہمارا مال ہے جو ہمیں لوٹا دیا گیا ہے۔ اور (اس مرتبہ) ہم اپنے گھر والوں کے لئے اور غلہ لائیں گے، اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، اور ایک اُونٹ کا بوجھ زیادہ لے کر آئیں گے۔ (اس طرح) یہ زیادہ غلہ بڑی آسانی سے مل جائے گا۔" ﴿۶۵﴾

نے واپس اُن کے سامان میں رکھوا دیا۔ یہ ظاہر بات ہے کہ انہوں نے اپنی جیب سے اتنی قیمت سرکاری خزانے میں جمع کرادی ہوگی۔

(۴۱) یعنی اگر ہم بنیامین کو ساتھ لے کر نہ گئے تو ہم میں سے کسی کو غلہ نہیں مل سکے گا۔

قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَأْتُنَّنِيْ بِهٖۤ إِلَّآ أَنْ يُّحَاطَ
بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا
تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۗ وَمَآ أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
مِنْ شَيْءٍ ۗ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ ۗ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾
وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوْهُمْ ۗ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا
حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۚ

والد نے کہا: "میں اس (بنیامین) کو تمہارے ساتھ اُس وقت تک ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک تم اللہ کے نام پر مجھ سے یہ عہد نہ کرو کہ اُسے ضرور میرے پاس واپس لے کر آؤ گے، اِلا یہ کہ تم (واقعی) بے بس ہو جاؤ۔" چنانچہ جب انہوں نے اپنے والد کو یہ عہد دے دیا تو والد نے کہا: "جو قول و قرار ہم کر رہے ہیں، اُس پر اللہ نگہبان ہے۔" ﴿۶۶﴾ اور (ساتھ ہی یہ بھی) کہا کہ: "میرے بیٹو! تم سب ایک دروازے سے (شہر میں) داخل نہ ہونا، بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔(۴۲) میں اللہ کی مشیت سے تمہیں نہیں بچا سکتا، حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں چلتا۔(۴۳) اُسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، اور جن جن کو بھروسہ کرنا ہو، انہیں چاہئے کہ اُسی پر بھروسہ کریں۔" ﴿۶۷﴾ اور جب وہ (بھائی) اُسی طرح (مصر میں) داخل ہوئے جس طرح اُن کے والد نے کہا تھا، تو یہ عمل اللہ کی مشیت سے اُن کو ذرا بھی بچانے والا نہیں تھا، لیکن یعقوب کے دل میں ایک خواہش تھی جو انہوں نے پوری کر لی۔

---

(۴۲) یہ تاکید حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس خیال سے فرمائی کہ یہ گیارہ کے گیارہ بھائی جو سب ماشاء اللہ قد آور اور حسین و جمیل تھے، جب ایک ساتھ شہر میں داخل ہوں گے تو کہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

(۴۳) نظر بد سے بچنے کی تدبیر بتانے کے ساتھ ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ حقیقت بھی واضح فرمادی کہ انسان کی کسی تدبیر میں بذاتِ خود کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔ جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت سے ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے تو انسان کی تدبیر میں اثر پیدا فرما دیتا ہے، اور چاہتا ہے تو وہ بے اثر ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی سی تدبیر تو ضرور کرے، لیکن بھروسہ اس تدبیر کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی پر رکھے۔

وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ
يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾
فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا
الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿٧٠﴾

بیشک وہ ہمارے سکھائے ہوئے علم کے حامل تھے، لیکن اکثر لوگ (معاملے کی حقیقت) نہیں جانتے۔(۲۴) ﴿۶۸﴾ اور جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے (سگے) بھائی (بنیامین) کو اپنے پاس خاص جگہ دی۔(۲۵) (اور انہیں) بتایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں، لہٰذا تم ان باتوں پر رنجیدہ نہ ہونا جو یہ (دوسرے بھائی) کرتے رہے ہیں۔ ﴿۶۹﴾ پھر جب یوسف نے اُن کا سامان تیار کردیا تو پانی پینے کا پیالہ اپنے (سگے) بھائی کے کجاوے میں رکھوادیا، پھر ایک منادی نے پکار کر کہا کہ: ''اے قافلے والو! تم چور ہو۔''(۲۶) ﴿۷۰﴾

(۲۴) یعنی بہت سے لوگ یا تو اپنی ظاہری تدبیروں ہی کو مؤثر حقیقی سمجھ بیٹھتے ہیں، یا ان پر اتنا بھروسہ کرلیتے ہیں کہ انہیں کبھی یہ خیال بھی نہیں آتا کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان تدبیروں میں تاثیر پیدا نہ فرمائیں، اُن کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام ایسے نہیں تھے۔ انہوں نے جب اپنے صاحبزادوں کو نظرِ بد سے بچنے کی تدبیر بتائی تو ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ یہ محض ایک تدبیر ہے، لیکن نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ ان کی یہ تدبیر نظرِ بد سے حفاظت کی حد تک تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام آئی، لیکن اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے یہ بھائی ایک اور مشکل میں گرفتار ہوئے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۲۵) روایات میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دو دو بھائیوں کو ایک کمرے میں ٹھہرایا تھا، اس طرح پانچ کمروں میں دس بھائی مقیم ہوگئے۔ بنیامین رہ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میرے ساتھ رہیں گے۔ اس طرح انہیں اپنے سگے بھائی کے ساتھ تنہائی کا موقع مل گیا، جس میں ان کو بتادیا کہ میں تمہارا سگا بھائی ہوں۔ بنیامین نے اس موقع پر کہا کہ اب میں ان بھائیوں کے ساتھ واپس جانا نہیں چاہتا۔ اس کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ تدبیر اختیار کی جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

(۲۶) یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود اپنی طرف سے پیالہ ان کے سامان میں رکھنے کے بعد اُنے

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

انہوں نے ان کی طرف مڑ کر پوچھا کہ: "کیا چیز ہے جو تم سے گم ہوگئی ہے؟" ﴿۷۱﴾ انہوں نے کہا کہ: "ہمیں بادشاہ کا پیانہ نہیں مل رہا، (۴۷) اور جو شخص اُسے لا کر دے گا، اُس کو ایک اُونٹ کا بوجھ (اِنعام میں) ملے گا، اور میں اس (انعام کے دلوانے) کی ذمہ داری لیتا ہوں۔" ﴿۷۲﴾ وہ (بھائی) بولے: "اللہ کی قسم! آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہم زمین میں فساد پھیلانے کے لئے نہیں آئے تھے، اور نہ ہم چوری کرنے والے لوگ ہیں۔" ﴿۷۳﴾

وثوق کے ساتھ ان کو چور قرار دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں بعض حضرات نے تو یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے پیالہ خفیہ طور پر رکھوایا تھا، اور جب محلے کے لوگوں کو پیالہ نہ ملا تو انہوں نے اپنی طرف سے ان لوگوں کو چور قرار دیا، حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے نہیں۔ لیکن جس سیاق میں قرآن کریم نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے، اس میں یہ احتمال بہت بعید معلوم ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان کو چور قرار دینا ایک توریہ تھا، اور ان کو چور اس معنی میں کہا گیا تھا کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بچپن میں اپنے والد سے چرا لیا تھا۔ تیسرے بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ یہ تدبیر چونکہ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سکھائی تھی، جیسا کہ آگے آیت: ۷۶ میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ: "اس طرح ہم نے یوسف کی خاطر یہ تدبیر کی" اس لئے جو کچھ ہوا، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا، اور جس طرح سورۂ کہف میں حضرت خضر علیہ السلام نے کئی کام بظاہر شریعت کے خلاف کئے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم سے تھے، اس لئے ان کے لئے جائز تھے، اسی طرح یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے جو عمل کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا، اس لئے اس پر کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

(۴۷) یہ شاہی پیانہ تھا، اور بظاہر قیمتی تھا، ورنہ اس کی تلاش میں اتنی محنت نہ کی جاتی۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ
جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ
اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ
فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ
عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

انہوں نے کہا کہ: "اگر تم لوگ جھوٹے (ثابت) ہوئے تو اس کی کیا سزا ہوگی؟" ﴿۷۴﴾ انہوں نے کہا: "اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے کجاوے میں سے وہ (پیالہ) مل جائے، وہ خود سزا میں دھر لیا جائے۔ جو لوگ ظلم کرتے ہیں، ہم ان کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔"(۴۸) ﴿۷۵﴾ چنانچہ یوسف نے اپنے (سگے) بھائی کے تھیلے سے پہلے دوسرے بھائیوں کے تھیلوں کی تلاشی شروع کی، پھر اس پیالے کو اپنے (سگے) بھائی کے تھیلے میں سے برآمد کرلیا۔(۴۹) اس طرح ہم نے یوسف کی خاطر یہ تدبیر کی۔ اللہ کی یہ مشیت نہ ہوتی تو یوسف کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیتے، اور ہم جس کو چاہتے ہیں، اُس کے درجے بلند کردیتے ہیں، اور جتنے علم والے ہیں، ان سب کے اُوپر ایک بڑا علم رکھنے والا موجود ہے۔"(۵۰) ﴿۷۶﴾

(۴۸) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہی حکم ہے کہ جو چوری کرے، اُسے گرفتار کرکے رکھ لیا جائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے خود ان بھائیوں سے یہ بات کہلوادی کہ چور کو یہ سزا ملنی چاہئے، چنانچہ جو سزا دی گئی، وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق دی گئی، ورنہ بادشاہ کے قانون میں چور کی پٹائی کی جاتی تھی، اور جرمانہ عائد کیا جاتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے یہ سوال اس لئے فرمایا کہ انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے خلاف فیصلہ نہ کرنا پڑے، اور بھائی کو اپنے پاس رکھنے کا موقع بھی مل جائے۔

(۴۹) پہلے دوسرے بھائیوں کی تلاشی اس لئے شروع فرمائی تاکہ تلاشی غیر جانب دار سمجھی جائے۔

(۵۰) یہ سارے بھائی خوشی خوشی یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم نے اپنا مقصد پالیا، لیکن ان کو یہ علم نہیں تھا کہ چلتے چلتے کیا ہونے والا ہے؟ کوئی شخص کتنے ہی بڑے علم کا دعویٰ کرتا ہو، اللہ تعالیٰ کا علم اُس پر یقیناً فائق ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

(بہرحال!) وہ بھائی بولے کہ: "اگر اس (بنیامین) نے چوری کی ہے تو (کچھ تعجب نہیں، کیونکہ) اس کا ایک بھائی اس سے پہلے بھی چوری کر چکا ہے۔"(۵۱) اس پر یوسف نے ان پر ظاہر کئے بغیر چپکے سے (دل میں) کہا کہ: "تم تو اس معاملے میں کہیں زیادہ بُرے ہو،(۵۲) اور جو بیان تم دے رہے ہو، اللہ اُس کی حقیقت خوب جانتا ہے۔" ﴿۷۷﴾

(۵۱) ان کا مطلب یہ تھا کہ بنیامین کے بھائی یعنی یوسف علیہ السلام نے بھی ایک مرتبہ چوری کی تھی۔ یہ الزام انہوں نے کیوں لگایا؟ اس کی وجہ قرآن کریم نے بیان نہیں فرمائی، لیکن بعض روایات میں اس کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ اُن کے بچپن ہی میں وفات پا گئی تھیں، اور ان کی پھوپی نے ان کی پرورش کی، کیونکہ بچپن کے بالکل ابتدائی دور میں بچے کی دیکھ بھال کے لئے کسی عورت کی ضرورت تھی، لیکن جب وہ ذرا بڑے ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں اپنے پاس رکھنا چاہا۔ پھوپی اس عرصے میں حضرت یوسف علیہ السلام سے اتنی محبت کرنے لگی تھیں کہ ان سے ان کی جدائی برداشت نہیں ہو رہی تھی، اس لئے انہوں نے یہ تدبیر کی کہ اپنا ایک پٹکا اُن کی کمر سے باندھ کر یہ مشہور کر دیا کہ وہ چوری ہو گیا ہے۔ بعد میں جب وہ پٹکا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے برآمد ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق انہیں یہ حق مل گیا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھ لیں۔ چنانچہ جب تک وہ پھوپی زندہ رہیں، اُس وقت تک حضرت یوسف علیہ السلام ان کے پاس رہے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے۔ یہ واقعہ ان کے بھائیوں کو معلوم تھا، اور وہ جانتے تھے کہ درحقیقت پٹکا انہوں نے چوری نہیں کیا تھا، مگر چونکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مخالف تھے، اس لئے انہوں نے اس موقع پر چوری کا الزام بھی ان پر لگا دیا (ابن کثیر وغیرہ)۔ یہ واقعہ اس صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں ان روایات کو صحیح قرار دیا جائے جن کی رُو سے ان کا انتقال ہو چکا تھا، اور جن روایتوں میں یہ مذکور ہے کہ وہ زندہ تھیں، ان کے لحاظ سے چوری کے الزام کی یہ توجیہ ممکن نہیں ہے۔ بہرصورت یہ بات واضح ہے کہ الزام غلط تھا۔

(۵۲) یعنی اس چوری کے معاملے میں جس کا الزام تم مجھ پر لگا رہے ہو، تمہاری حالت کہیں زیادہ بری ہے، کیونکہ تم نے خود مجھے میرے باپ سے چھڑا کر کنویں میں ڈال دیا تھا۔

قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ۖ إِنَّا نَرَاكَ
مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٧٨﴾ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ
إِنَّا إِذًا لَظَالِمُونَ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا
أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ ۖ فَلَنْ
أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿٨٠﴾
ارْجِعُوا إِلَىٰ أَبِيكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَ
مَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ﴿٨١﴾

(اب) وہ کہنے لگے کہ: "اے عزیز! اس کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے، اس لئے اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو اپنے پاس رکھ لیجئے۔ ہم آپ کو ان لوگوں میں سے سمجھتے ہیں جو احسان کیا کرتے ہیں۔" ﴿۷۸﴾ یوسف نے کہا: "اس (ناانصافی) سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جس شخص کے پاس سے ہماری چیز ملی ہے، اس کو چھوڑ کر کسی اور کو پکڑ لیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یقینی طور پر ہم ظالم ہوں گے۔" ﴿۷۹﴾ چنانچہ جب وہ یوسف سے مایوس ہوگئے تو الگ ہو کر چپکے چپکے مشورہ کرنے لگے۔ ان سب میں جو بڑا تھا، اس نے کہا: "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کے نام پر عہد لیا تھا، اور اس سے پہلے تم یوسف کے معاملے میں جو قصور کر چکے ہو، (وہ بھی معلوم ہے)۔ لہٰذا میں تو اس ملک سے اس وقت تک نہیں ٹلوں گا جب تک میرے والد مجھے اجازت نہ دیں، یا اللہ ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ فرمادے۔ اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ ﴿۸۰﴾ جاؤ، اپنے والد کے پاس واپس جاؤ، اور ان سے کہو کہ: ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کرلی تھی، اور ہم نے وہی بات کہی ہے جو ہمارے علم میں آئی ہے، اور غیب کی نگہبانی تو ہمارے بس میں نہیں تھی۔ ﴿۸۱﴾

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾
قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ
جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَ
ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى
تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ
وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

اور جس بستی میں ہم تھے اس سے پوچھ لیجئے، اور جس قافلے میں ہم آئے ہیں، اس سے تحقیق کر لیجئے، یہ بالکل پکی بات ہے کہ ہم سچے ہیں۔" ﴿۸۲﴾ (چنانچہ یہ بھائی یعقوب علیہ السلام کے پاس گئے، اور ان سے وہی بات کہی جو بڑے بھائی نے سکھائی تھی) یعقوب نے (یہ سن کر) کہا: "نہیں، بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے۔(۵۳) اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ اللہ میرے پاس ان سب کو لے آئے۔ بیشک اس کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔" ﴿۸۳﴾ اور (یہ کہہ کر) انہوں نے منہ پھیر لیا، اور کہنے لگے: "ہائے یوسف!" اور ان کی دونوں آنکھیں صدمے سے (روتے روتے) سفید پڑ گئی تھیں، اور وہ دل ہی دل میں گھٹے جاتے تھے۔ ﴿۸۴﴾ ان کے بیٹے کہنے لگے: "اللہ کی قسم! آپ یوسف کو یاد کرنا نہیں چھوڑیں گے، یہاں تک کہ بالکل گھل کر رہ جائیں گے، یا ہلاک ہو بیٹھیں گے۔" ﴿۸۵﴾ یعقوب نے کہا: "میں اپنے رنج وغم کی فریاد (تم سے نہیں) صرف اللہ سے کرتا ہوں، اور اللہ کے بارے میں جتنا میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔ ﴿۸۶﴾

---

(۵۳) چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ بنیامین چوری نہیں کرسکتا، اس لئے انہوں نے یہ سمجھا کہ اس مرتبہ بھی ان لوگوں نے کوئی بہانہ بنایا ہے۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا
يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا
الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ
عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

میرے بیٹو! جاؤ، اور یوسف اور اس کے بھائی کا کچھ سراغ لگاؤ، اور اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو۔ یقین جانو، اللہ کی رحمت سے وہی لوگ نا اُمید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔(۵۴)" ﴿۸۷﴾

چنانچہ جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے (یوسف سے) کہا: "اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر سخت مصیبت پڑی ہوئی ہے، اور ہم ایک معمولی سی پونجی لے کر آئے ہیں، آپ ہمیں پورا پورا غلہ دے دیجئے،(۵۵) اور اللہ کے لئے ہم پر احسان کیجئے۔ یقیناً اللہ اپنی خاطر احسان کرنے والوں کو بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔" ﴿۸۸﴾

---

(۵۴) چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام بھی کہیں نہ کہیں زندہ ہیں، اور بنیامین گرفتار ہیں، اس لئے انہوں نے کچھ عرصے کے بعد پورے وثوق کے ساتھ حکم دیا کہ جا کر ان دونوں کو تلاش کرو۔ ساتھ میں جو غلہ اب تک آیا تھا، وہ ختم ہو چکا تھا، اور قحط کی حالت جاری تھی۔ اس لئے ان بھائیوں نے یہ سوچا کہ پھر مصر جائیں، کیونکہ بنیامین تو وہاں یقینی طور پر موجود ہیں، پہلے ان کی واپسی کی کوشش کرنی چاہئے، پھر یوسف علیہ السلام کا بھی کچھ سراغ لگانے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے مصر جا کر پہلے تو یوسف علیہ السلام سے غلے کی بات کی، تا کہ ان کا دل کچھ نرم پڑے تو بنیامین کی واپسی کی بھی درخواست کریں۔ اگلی آیتوں میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی گفتگو بیان فرمائی گئی ہے۔

(۵۵) مطلب یہ ہے کہ قحط کی وجہ سے ہم سخت بدحالی کا شکار ہیں، اس لئے اس مرتبہ ہم اتنی قیمت بھی نہیں لا سکے جو اپنے حصے کا غلہ خریدنے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا اب جو کچھ آپ دیں گے وہ محض احسان ہی ہوگا۔ قرآن کریم میں لفظ "صدقہ" استعمال ہوا ہے۔ صدقہ ایسے عطیہ کو کہتے ہیں جو کسی کے ذمے واجب نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر احسان کے طور پر دیا جائے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿٨٩﴾ قَالُوا أَإِنَّكَ
لَأَنْتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَٰذَا أَخِي ۖ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ مَنْ
يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ
عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِينَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَ
هُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٩٢﴾ اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا
وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾

یوسف نے کہا: "تمہیں کچھ پتہ ہے کہ تم جب جہالت میں مبتلا تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟" ﴿۸۹﴾ (اس پر) وہ بول اٹھے: "ارے کیا تم ہی یوسف ہو؟"(۵۶) یوسف نے کہا: "میں یوسف ہوں، اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ اور صبر سے کام لیتا ہے، تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔" ﴿۹۰﴾ انہوں نے کہا: "اللہ کی قسم! اللہ نے تم کو ہم پر ترجیح دی ہے، اور ہم یقیناً خطا کار تھے۔" ﴿۹۱﴾ یوسف بولے: "آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہوگی، اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ ﴿۹۲﴾ میرا یہ قمیص لے جاؤ، اور اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دینا، اس سے ان کی بینائی واپس آجائے گی۔ اور اپنے سارے گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔"(۵۷) ﴿۹۳﴾

(۵۶) اب تک تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچانے نہیں تھے، لیکن جب انہوں نے اپنا نام خود لیا، تو غور کرنے کے بعد ان لوگوں کو بھی یہ احتمال پیدا ہوگیا کہ یہی یوسف علیہ السلام ہیں۔

(۵۷) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام یقیناً جانتے ہوں گے کہ ان کی جدائی سے ان کے والد بزرگوار پر کیا گذر رہی ہوگی۔ اس کے باوجود اتنے لمبے عرصے تک انہوں نے کسی بھی ذریعے سے اپنی

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ ﴿٩٤﴾
قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿٩٥﴾

اور جب یہ قافلہ (مصر سے کنعان کی طرف) روانہ ہوا تو ان کے والد نے (کنعان میں آس پاس کے لوگوں سے) کہا کہ: "اگر تم مجھے یہ نہ کہو کہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے، تو مجھے تو یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔"(۵۸) ﴿۹۴﴾ لوگوں نے کہا: "اللہ کی قسم! آپ ابھی تک اپنی پرانی غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں۔"(۵۹) ﴿۹۵﴾

خیریت کی کوئی خبر اپنے والد کو بھیجنے کی کوشش نہیں کی۔ اوّل تو عزیز کے گھر میں رہنے کے دوران خبر بھیجنا کچھ مشکل نہ ہونا چاہیے تھا، پھر قید سے آزادی کے بعد تو ان کو ملک پر مکمل اقتدار بھی حاصل ہو چکا تھا، وہ شروع ہی میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور اپنے سارے گھر والوں کو مصر بلانے کا انتظام کر سکتے تھے، اور جو بات انہوں نے اپنے بھائیوں سے اب کہی، وہ ان کی پہلی آمد کے موقع پر بھی فرما سکتے تھے، اور اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے رنج و غم کا زمانہ مختصر ہو سکتا تھا، لیکن انہوں نے ایسا کوئی اقدام نہیں کیا۔ اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان سارے واقعات میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کی بڑی حکمتیں پوشیدہ تھیں، اور اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندے اور رسول حضرت یعقوب علیہ السلام کے صبر و ضبط کا امتحان لینا تھا، اس لئے اس پورے عرصے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اپنے والد سے رابطہ کریں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۵۸) حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے سب گھر والوں کو مصر لے آئیں۔ چنانچہ وہ ایک قافلے کی صورت میں مصر سے روانہ ہوئے۔ ادھر وہ مصر سے نکلے، اور اُدھر کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگی۔ یہ دونوں پیغمبروں کا ایک معجزہ تھا، اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے بشارت کہ ان کی آزمائش کا زمانہ ختم ہونے والا ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کنعان کے قریب ہی کنویں میں موجود تھے، اُس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی خوشبو نہیں آئی، اس کے علاوہ مصر میں قیام کے دوران بھی انہیں اس سے پہلے اس کا احساس نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ کسی نبی کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں، اس کا مظاہرہ فرمادیتے ہیں۔

(۵۹) یعنی یہ غلط فہمی کہ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں، اور ان سے ملاقات ہو سکتی ہے۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚۙ
اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا
خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا
عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾

پھر جب خوشخبری دینے والا پہنچ گیا تو اُس نے (یوسف کی) قمیص ان کے منہ پر ڈال دی، اور فوراً ان کی بینائی واپس آگئی۔[۶۰] انہوں نے (اپنے بیٹوں سے) کہا: ”کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اللہ کے بارے میں جتنا میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے؟“ ﴿۹۶﴾ وہ کہنے لگے: ”ابا جان! آپ ہمارے گناہوں کی بخشش کی دُعا فرمایئے۔ ہم یقیناً بڑے خطا کار تھے۔“ ﴿۹۷﴾ یعقوب نے کہا: ”میں عنقریب اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دُعا کروں گا۔ بیشک وہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ ﴿۹۸﴾ پھر جب یہ سب لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی،[۶۱] اور سب سے کہا کہ: ”آپ سب مصر میں داخل ہوجائیں، جہاں ان شاء اللہ سب چین سے رہیں گے۔“ ﴿۹۹﴾

(۶۰) ”خوشخبری دینے والے“ حضرت یوسف علیہ السلام کے سب سے بڑے بھائی تھے جن کا نام بعض روایات میں یہودا اور بعض میں روبن آیا ہے۔ اور خوشخبری دینے سے مراد یہ خوشخبری ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں، اور انہوں نے سب گھر والوں کو اپنے پاس بلایا ہے۔ یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص چہرے پر ڈالنے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آگئی۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص سے کئی اہم واقعات ظاہر ہوئے۔ انہی کی قمیص کو ان کے بھائی خون لگا کر لائے تھے، اور اس کو صحیح سالم دیکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نے نہیں کھایا، اور انہی کی قمیص تھی جو زلیخا نے پیچھے سے پھاڑا، اور اس سے ان کی بے گناہی ثابت ہوئی، اور اب یہی قمیص تھی جس کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السلام کو دور سے محسوس ہوئی، اور بالآخر اسی سے ان کی بینائی واپس آگئی۔

(۶۱) حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والدین، بھائیوں اور دوسرے گھر والوں کے استقبال کے لئے شہر سے

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَایَ
مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ
وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ

اور انہوں نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا، اور وہ سب ان کے سامنے سجدے میں گر پڑے،(۴۲) اور یوسف نے کہا: "ابا جان! یہ میرے پرانے خواب کی تعبیر ہے جسے میرے پروردگار نے سچ کر دکھایا،(۴۳) اور اس نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا کہ مجھے قید خانے سے نکال دیا، اور آپ لوگوں کو دیہات سے یہاں لے آیا، حالانکہ اس سے پہلے شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا۔(۴۴)

باہر تشریف لائے تھے، اور جب والدین سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان کا خاص اکرام کر کے انہیں اپنے پاس بٹھایا، اور ابتدائی باتوں کے بعد سارے آنے والوں سے کہا کہ اب سب لوگ شہر میں اطمینان کے ساتھ چل کر رہیں۔ اس معاملے میں روایات مختلف ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ اس وقت زندہ تھیں یا نہیں۔ اگر زندہ تھیں تب تو والدین سے مراد حقیقی والدین ہیں، اور اگر وفات پا چکی تھیں تو سوتیلی والدہ کو بھی چونکہ ماں ہی کی طرح سمجھا جاتا ہے، اس لئے ان کو بھی والدین میں شامل کر لیا گیا۔

(۴۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی جو تفسیر مروی ہے، اس کے مطابق ان سب حضرات نے یہ سجدہ یوسف علیہ السلام کے سامنے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے لئے کیا تھا، یعنی سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کو تھا، البتہ یوسف علیہ السلام کے سامنے اور ان کے مل جانے کی خوشی میں کیا تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔ البتہ دوسرے مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ عبادت کا نہیں، بلکہ تعلیم کا ویسا ہی سجدہ تھا جیسا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو کیا تھا، اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا۔ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو تعظیمی سجدہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۴۳) یعنی اس خواب میں چاند سورج سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین تھے، اور ستاروں سے مراد ان کے گیارہ بھائی۔

(۴۴) حضرت یوسف علیہ السلام کو مصائب و آلام کے جس طویل دور سے گذرنا پڑا تھا، اگر کوئی اور ہوتا تو والدین سے ملاقات کے بعد اپنی تکلیفوں کا ذکر کر کے سناتا، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے کہ ان مصائب

إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿١٠٠﴾ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ
الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنتَ وَلِيِّي
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿١٠١﴾ ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ
الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۖ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ﴿١٠٢﴾

حقیقت یہ ہے کہ میرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے، اس کے لئے بڑی لطیف تدبیریں کرتا ہے۔ بیشک وہی ہے جس کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔ ﴿۱۰۰﴾ میرے پروردگار! تو نے مجھے حکومت سے بھی حصہ عطا فرمایا، اور مجھے تعبیرِ خواب کے علم سے بھی نوازا۔ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دُنیا اور آخرت میں میرا رکھوالا ہے۔ مجھے اس حالت میں دُنیا سے اُٹھانا کہ میں تیرا فرماں بردار ہوں، اور مجھے نیک لوگوں میں شامل کرنا۔" ﴿۱۰۱﴾ (اے پیغمبر!) یہ تمام واقعہ غیب کی خبروں کا ایک حصہ ہے جو ہم تمہیں وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔(۶۵) اور تم اُس وقت ان (یوسف کے بھائیوں) کے پاس موجود نہیں تھے جب انہوں نے سازش کر کے اپنا فیصلہ پختہ کرلیا تھا (کہ یوسف کو کنویں میں ڈالیں گے) ﴿۱۰۲﴾

کے بارے میں ایک لفظ کہے بغیر، واقعات کے صرف اچھے رُخ کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا۔ قید خانے میں جانے کا نہیں، وہاں سے نکلنے کا ذکر فرمایا، والدین کی جدائی کا بیان کرنے کے بجائے ان کے مصر آجانے کا تذکرہ فرما کر اس پر شکر ادا کیا۔ بھائیوں نے جو ستم ڈھائے تھے، ان کو شیطان کا بچھایا ہوا فساد قرار دے کر بات ختم فرمادی۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہر انسان کو چاہئے کہ وہ سخت سے سخت حالات میں بھی واقعات کے مثبت رُخ کا تصور کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہو۔

(۶۵) جیسا کہ شروع سورت میں عرض کیا گیا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے جواب میں نازل فرمایا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھ رہے تھے کہ بنی اسرائیل کے مصر میں آباد ہونے کی کیا وجہ تھی؟ ان کو یقین تھا کہ آپ کے پاس بنی اسرائیل کی تاریخ کے اس حصے کا علم نہیں ہے، اور نہ کوئی ایسا ذریعہ ہے جس سے آپ کو یہ معلومات حاصل ہو سکیں۔ اس لئے ان کا خیال یہ تھا کہ آپ اس سوال کا صحیح

وَمَآ أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ
هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَٰلَمِينَ ﴿١٠٤﴾ وَكَأَيِّن مِّنْ ءَايَةٍ فِى السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ
عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿١٠٥﴾ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم
مُّشْرِكُونَ ﴿١٠٦﴾ أَفَأَمِنُوٓا۟ أَن تَأْتِيَهُمْ غَٰشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ
بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٠٧﴾

اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، چاہے تمہارا کیسا ہی دل چاہتا ہو۔ ﴿۱۰۳﴾
حالانکہ تم ان سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں مانگتے۔ یہ تو دُنیا جہان کے سب لوگوں کے لئے بس
ایک نصیحت کا پیغام ہے۔ ﴿۱۰۴﴾ اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر ان کا گذر
ہوتا رہتا ہے، مگر یہ ان سے منہ موڑ جاتے ہیں۔ ﴿۱۰۵﴾ اور ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اللہ
پر ایمان رکھتے بھی ہیں تو اس طرح کہ وہ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ ﴿۱۰۶﴾ بھلا
کیا ان لوگوں کو اس بات کا ذرا ڈر نہیں ہے کہ اللہ کے عذاب کی کوئی بلا آکر ان کو لپیٹ لے، یا ان پر
قیامت اچانک ٹوٹ پڑے اور انہیں پہلے سے احساس بھی نہ ہو؟ ﴿۱۰۷﴾

جواب نہیں دے سکیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورت اس واقعے کو بیان فرمانے کے لئے نازل فرمادی۔ اب آخر میں یہ نتیجہ نکالا جارہا ہے کہ اس واقعے کو معلوم کرنے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی کے سوا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ جو لوگ یہ سوال کررہے تھے، وہ یہ تفصیل سننے کے بعد آپ کی نبوت اور رسالت پر ایمان لے آئیں۔ لیکن چونکہ ان میں سے اکثر لوگوں کا ان سوالات سے یہ مقصد نہیں تھا کہ حق واضح ہونے کے بعد اس کو قبول کرلیں، بلکہ یہ سارے سوالات صرف ضد کی وجہ سے کئے جارہے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اگلی آیات میں واضح فرمادیا کہ ان کھلے دلائل کے باوجود ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۟ؔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ
اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٨﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ
اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٩﴾
حَتّٰىٓ اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ
نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١١٠﴾

(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: ''یہ میرا راستہ ہے۔ میں بھی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اور جنہوں نے میری پیروی کی ہے وہ بھی۔ اور اللہ (ہر قسم کے شرک سے) پاک ہے، اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔'' ﴿۱۰۸﴾ اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے وہ سب مختلف بستیوں میں بسنے والے انسان ہی تھے جن پر ہم وحی بھیجتے تھے۔(۶۶) تو کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کی قوموں کا انجام کیسا ہوا؟ اور آخرت کا گھر یقیناً ان لوگوں کے لئے کہیں بہتر ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۱۰۹﴾ (پچھلے انبیاء کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ان کی قوموں پر عذاب آنے میں کچھ دیر لگی) یہاں تک کہ جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہوگئے، اور کافر لوگ یہ سمجھنے لگے کہ انہیں جھوٹی دھمکیاں دی گئی تھیں تو ان پیغمبروں کے پاس ہماری مدد پہنچ گئی(۶۷) (یعنی کافروں پر عذاب آیا) اور جن کو ہم چاہتے تھے، انہیں بچالیا گیا، اور جو لوگ مجرم ہوتے ہیں، ان سے ہمارے عذاب کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ ﴿۱۱۰﴾

(۶۶) یہ کافروں کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی فرشتہ ہمارے پاس رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟

(۶۷) اس آیت کا یہ ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور بعض

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾ ع

یقیناً ان کے واقعات میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے بڑا عبرت کا سامان ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو جھوٹ موٹ گھڑ لی گئی ہو، بلکہ اس سے پہلے جو کتابیں آچکی ہیں، ان کی تصدیق ہے، اور ہر بات کی وضاحت،(۶۸) اور جو لوگ ایمان لائیں ان کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان! ﴿۱۱۱﴾

دوسرے تابعین وغیرہ کی تفسیر پر مبنی ہے جسے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی طویل بحث کے بعد آخر میں راجح قرار دیا ہے۔ آیت کی دوسری تفسیریں بھی ممکن ہیں، اور بعض مفسرین نے ان کو بھی اختیار کیا ہے، لیکن شاید یہ تفسیر جو ترجمے میں اختیار کی گئی ہے، سب سے زیادہ بے غبار ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ پچھلے انبیائے کرام کے دور میں بھی ایسا ہو چکا ہے کہ ان کو جھٹلانے والے کفار کو جب لمبی مہلت دی گئی، اور ان پر مدت تک عذاب نہ آیا تو ایک طرف انبیائے کرام ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے، اور دوسری طرف وہ کافر یہ سمجھ بیٹھے کہ انبیائے کرام نے ان کو عذاب الٰہی کی جو دھمکیاں دی تھیں، (معاذ اللہ) وہ جھوٹی تھیں۔ لیکن اس کے بعد اچانک انبیائے کرام کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد آئی، ان کے جھٹلانے والوں پر عذاب نازل ہوا، اور ان کی بات سچی ہوئی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۶۸) ایک طرف تو قرآن کریم یہ فرما رہا ہے کہ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کی ہے جن میں یہ واقعہ مجموعی طور پر اسی طرح بیان ہوا ہے، مگر دوسری طرف "ہر بات کی وضاحت" فرما کر شاید اس طرف اشارہ ہے کہ اس واقعے کے سلسلے میں ان پچھلی کتابوں میں کچھ تحریف ہو گئی تھی، قرآن کریم نے اس کی وضاحت فرما دی ہے۔ چنانچہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کو بائبل کی

کتاب پیدائش میں پڑھا جائے، تو بعض تفصیلات میں وہ قرآن کریم کے بیان سے مختلف نظر آتا ہے۔ اشارہ غالبًا اس طرف ہے کہ قرآن کریم نے ان تفصیلات کی وضاحت فرمادی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

الحمدللہ تعالیٰ! سورۂ یوسف کا ترجمہ اور حواشی آج بتاریخ ۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۷/ جولائی ۲۰۰۱ء بروز دوشنبہ بعد عشاء کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الرَّعْد

تعارف

یہ سورت بھی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی، اور اس کا بنیادی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات اور ان پر عائد کئے جانے والے اعتراضات کا جواب ہے۔ پچھلی سورت یعنی سورۂ یوسف کے آخر (آیت نمبر ۱۰۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی وحدانیت کی بہت سی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن کفار ان کی طرف دھیان دینے کے بجائے ان سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اب اس سورت میں کائنات کی ان نشانیوں کی کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے جو پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ جس قادرِ مطلق نے اس کائنات کا یہ محیر العقول نظام بنایا ہے، اُسے اپنی خدائی قائم کرنے کے لئے کسی مددگار یا شریک کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی بھی گواہی دیتا ہے، اور اس بات کی بھی کہ یہ سارا نظام اُس نے بے مقصد پیدا نہیں کر دیا۔ اس کا یقیناً کوئی مقصد ہے، اور وہ یہ کہ اس دُنیوی زندگی میں کئے ہوئے ہر کام کا کسی دن حساب ہو، اور اُس دن نیکیوں کا انعام اور برائیوں کی سزا دی جائے۔ اس سے خود بخود آخرت کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ پھر نیکی اور برائی کا تعین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح ہدایات بندوں کو دی جائیں۔ ان ہدایات کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں جو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اَحکام معلوم کر کے دُنیا والوں تک پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا اسی سے رسالت کا عقیدہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کائنات کی جو نشانیاں اس سورت میں بیان کی گئی ہیں، ان میں بادلوں کی گرج چمک بھی ہے جس کا ذکر اس سورت کی آیت نمبر ۱۳ میں آیا ہے۔ عربی میں گرج کو "رعد" کہا جاتا ہے۔ اسی پر اس سورت کا نام "رعد" رکھا گیا ہے۔

آیاتہا ۴۳ | ۱۳ سورۃ الرعد مکیۃ ۹۶ | رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَي الْعَرْشِ
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ② وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ
اَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

المرٰ[1]۔ یہ (اللہ کی) کتاب کی آیتیں ہیں۔ اور (اے پیغمبر!) جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، برحق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لا رہے۔ ﴿۱﴾ اللہ وہ ہے جس نے ایسے ستونوں کے بغیر آسمانوں کو بلند کیا جو تمہیں نظر آسکیں،[2] پھر اُس نے عرش پر استواء فرمایا،[3] اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا۔[4] ہر چیز ایک معین میعاد تک کے لئے رواں دواں ہے۔ وہی تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ وہی ان نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم اس بات کا یقین کرلو کہ (ایک دن) تمہیں اپنے پروردگار سے جاملنا ہے۔[5] ﴿۲﴾

اور وہی ذات ہے جس نے یہ زمین پھیلائی، اُس میں پہاڑ اور دریا بنائے، اور اُس میں ہر قسم کے پھلوں کے دو دو جوڑے پیدا کئے۔[6] وہ دن کو رات کی چادر اُڑھا دیتا ہے۔

(۱) جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا، ان حروفِ مقطعات کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی

نہیں جانتا۔

(۲) یعنی یہ آسمان ایسے ستونوں پر نہیں کھڑے ہیں جو آنکھوں سے نظر آسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ ہی کے سہارے انہیں کھڑا کیا ہوا ہے۔ آیت کی یہ تفسیر حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے (روح المعانی ۱۳: ۱۱۰)۔

(۳) "استواء" کے لفظی معنی سیدھا ہونے، قابو پانے اور بیٹھ جانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی طرح نہیں ہیں، اس لئے اُن کا استواء بھی مخلوقات جیسا نہیں۔ اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے ہم نے اس لفظ کا اُردو میں ترجمہ کرنے کے بجائے اسی لفظ کو برقرار رکھا ہے، کیونکہ ہمارے لئے اتنا ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر اس طرح استواء فرمایا جو اُن کی شان کے لائق ہے۔ اس سے زیادہ کسی بحث میں پڑنے کی نہ ضرورت ہے، نہ ہماری محدود عقل اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔

(۴) اشارہ اس طرف ہے کہ یہ چاند سورج بے مقصد گردش نہیں کر رہے ہیں، ان کے سپرد ایک کام ہے جو وہ انتہائی نظم وضبط اور استقامت کے ساتھ اس طرح انجام دیئے جا رہے ہیں کہ ان کے نظام الاوقات میں ایک لمحے کا بھی فرق نہیں آتا۔ اگر غور کیا جائے تو ان کے سپرد پوری دُنیا کی خدمت ہے، لہٰذا ایک ہوش مند انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ یہ عظیم الشان مخلوقات اُس کی خدمت کیوں انجام دے رہی ہیں؟ اگر خود اُس کے سپرد کوئی بڑی خدمت نہیں ہے تو چاند سورج کو کیا ضرورت ہے کہ وہ مستقل طور پر انسان کی خدمت انجام دیں؟

(۵) یعنی آخرت کا یقین پیدا کرلو، اور وہ اس طرح کہ جس ذات نے اتنی حیرت انگیز کائنات پیدا فرمائی ہے، وہ اس بات پر کیوں قادر نہیں ہو سکتی کہ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کردے۔ نیز اُس کی حکمت اور انصاف سے بعید ہے کہ وہ اچھے اور بُرے، ظالم اور مظلوم دونوں کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کرے، اور اُس نے اس دُنیا کے بعد کوئی ایسا عالم پیدا نہ کیا ہو جس میں نیک لوگوں کو ان کی نیکی کا اچھا بدلہ اور برائی کرنے والوں کو ان کی برائی کی سزا دی جاسکے۔

(۶) نباتات میں نر اور مادہ کے جوڑے ہوتے ہیں۔ کسی زمانے میں یہ حقیقت لوگوں کو معلوم نہیں تھی کہ نر اور مادہ کا یہ نظام ہر درخت اور ہر پودے میں ہوتا ہے، لیکن جدید سائنس کو یہ حقیقت اب دریافت ہوئی ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٣﴾ وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ وَإِن تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ

حقیقت یہ ہے کہ ان ساری باتوں میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کریں۔ ﴿۳﴾ اور زمین میں مختلف قطعے ہیں جو پاس پاس واقع ہوئے ہیں،(۷) اور انگور کے باغ اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت ہیں، جن میں سے کچھ دُہرے تنے والے ہیں، اور کچھ اکہرے تنے والے۔ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں، اور ہم ان میں سے کسی کو ذائقے میں دوسرے پر فوقیت دے دیتے ہیں۔(۸) یقیناً ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں۔ ﴿۴﴾ اور اگر تمہیں (ان کافروں پر) تعجب ہوتا ہے تو ان کا یہ کہنا (واقعی) عجیب ہے کہ: ”کیا جب ہم مٹی ہوجائیں گے تو کیا واقعی ہم نئے سرے سے پیدا ہوں گے؟“(۹)

---

(۷) یعنی پاس پاس ہونے کے باوجود زمین کے مختلف حصوں کی خصوصیات میں فرق ہوتا ہے۔ زمین کا ایک قطعہ کاشت کے لائق ہے، مگر اس کے بالکل برابر والا کاشت کے لائق نہیں۔ ایک حصے سے میٹھا پانی نکل رہا ہے، مگر اس کے قریب ہی دوسرے حصے سے کھارا پانی برآمد ہوتا ہے۔ ایک قطعہ نرم ہے، اور دوسرا سنگلاخ۔

(۸) یعنی کسی درخت سے زیادہ پھل نکلتے ہیں، کسی سے کم، کسی کا ذائقہ بہت اچھا ہوتا ہے، اور کسی کا اتنا اچھا نہیں ہوتا۔

(۹) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مُردوں کو زندہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ جو ذات یہ عظیم کائنات عدم سے وجود میں لاسکتی ہے، اُس کے لئے انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟ لیکن تعجب کے لائق تو یہ بات ہے کہ یہ کافر لوگ کھلی آنکھوں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے بے شمار مظاہر دیکھنے کے بعد بھی نئے سرے سے پیدا کرنے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید سمجھتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝٥ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ
لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ۝٦ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۗ إِنَّمَا
أَنْتَ مُنْذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝٧ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَ
مَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ۝٨ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ۝٩

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رَبّ (کی قدرت) کا انکار کیا ہے، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے گلوں میں طوق پڑے ہوئے ہیں،(۱۰) اور وہ دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔ ﴿۵﴾ اور یہ لوگ خوشحالی (کی میعاد ختم ہونے) سے پہلے تم سے بدحالی کی جلدی مچائے ہوئے ہیں،(۱۱) حالانکہ ان سے پہلے ایسے عذاب کے واقعات گذر چکے ہیں جس نے لوگوں کو رُسوا کر ڈالا تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کے لئے اُن کی زیادتی کے باوجود تمہارے رَبّ کی ذات ایک معاف کرنے والی ذات ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اُس کا عذاب بڑا سخت ہے۔(۱۲) ﴿۶﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: ''بھلا ان پر (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر) اُن کے رَبّ کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اُتارا گیا؟''(۱۳) (اے پیغمبر!) بات یہ ہے کہ تم تو صرف خطرے سے ہوشیار کرنے والے ہو، اور ہر قوم کے لئے کوئی نہ کوئی ایسا شخص ہوا ہے جو ہدایت کا راستہ دکھائے۔ ﴿۷﴾

جس کسی مادہ کو جو حمل ہوتا ہے اللہ اُس کو بھی جانتا ہے، اور ماؤں کے رحم میں جو کوئی کمی بیشی ہوتی ہے اُس کو بھی۔(۱۴) اور ہر چیز کا اُس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے۔ ﴿۸﴾ وہ غائب و حاضر تمام باتوں کا جاننے والا ہے، اُس کی ذات بہت بڑی ہے، اُس کی شان بہت اُونچی۔ ﴿۹﴾

---

(۱۰) جب کسی کے گلے میں طوق پڑا ہوا ہو تو وہ اِدھر اُدھر دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ

لوگ حقائق کو دیکھنے اور اُن کی طرف دھیان کرنے سے محروم ہیں (روح المعانی)۔ اس کے علاوہ گلے میں طوق دراصل غلامی کی علامت ہے۔ چنانچہ اسلام سے پہلے معاشروں میں غلاموں کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا تھا۔ لہذا آیت کا اشارہ اس طرف بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے گلوں میں اپنی خواہشات اور شیطان کی غلامی کا طوق پڑا ہوا ہے، اس لئے وہ غیر جانب داری سے کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہے۔ اور بعض مفسرین نے اس جملے کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ آخرت میں ان کے گلوں میں طوق ڈالے جائیں گے۔

(۱۱) کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ اگر ہمارا دین غلط ہے تو اللہ تعالیٰ سے کہئے کہ ہم پر عذاب نازل کردے۔ یہاں ان کے اس بے ہودہ مطالبے کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۲) یعنی جو چھوٹے چھوٹے گناہ انسان سے نادانی میں سرزد ہو جائیں، یا بڑے گناہ ہوں مگر انسان اُن سے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ ان زیادتیوں کے باوجود اپنے بندوں کو معاف فرمادیتا ہے، لیکن کفر وشرک اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ضد اور عناد کا معاملہ ایسا ہے کہ اُس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔ لہٰذا بندوں کو یہ سوچ کر بے فکر نہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا ہے، اس لئے وہ ہماری ہر نافرمانی کو ضرور معاف فرمادے گا۔

(۱۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات دیئے گئے تھے، لیکن کفار مکہ اپنی طرف سے نت نئے معجزات کی فرمائش کرتے رہتے تھے۔ اور جب ان کا کوئی مطالبہ پورا نہ ہوتا تو وہ یہ بات کہتے تھے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ جواب میں قرآن کریم نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک پیغمبر ہیں، وہ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے پاس ایسے پیغمبر بھیجے ہیں۔ ان سب کا یہی حال تھا۔

(۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کس ماں کے پیٹ میں کیسا بچہ ہے، اور رحم میں رہتے ہوئے حمل بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ
بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ
سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾

تم میں سے کوئی چپکے سے بات کرے یا زور سے، کوئی رات کے وقت چھپا ہوا ہو، یا دن کے وقت چل پھر رہا ہو، وہ سب (اللہ کے علم کے لحاظ سے) برابر ہیں۔ ﴿۱۰﴾ ہر شخص کے آگے اور پیچھے وہ نگراں (فرشتے) مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے باری باری اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔(۱۵)
یقین جانو کہ اللہ کسی قوم کی حالت اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی نہ لے آئے۔(۱۶) اور جب اللہ کسی قوم پر کوئی آفت لانے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اُس کا ٹلنا ممکن نہیں، اور ایسے لوگوں کا خود اُس کے سوا کوئی رکھوالا نہیں ہو سکتا۔ ﴿۱۱﴾

---

(۱۵) "نگراں" سے یہاں مراد فرشتے ہیں۔ اس آیت نے واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی حفاظت کے لئے کچھ فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں جو باری باری اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں اصل لفظ "مُعَقِّبٰت" استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں: "باری باری آنے والے"۔ اس کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آئی ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت دن کے وقت انسانوں کی نگرانی پر مامور ہے، اور دوسری جماعت رات کے وقت ان کی حفاظت کرتی ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ فرشتے مختلف حادثات سے انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں، البتہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہی یہ ہو کہ کسی شخص کو کسی تکلیف میں مبتلا کیا جائے تو یہ فرشتے وہاں سے ہٹ جاتے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے معارف القرآن)۔

(۱۶) انسانوں کی حفاظت پر جو فرشتے مقرر ہیں، اُس سے کسی کو یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا یہ انتظام کر رکھا ہے تو انسان کو بے فکر ہو جانا چاہئے، اور گناہ و ثواب کی پروا بھی نہ کرنی چاہئے، کیونکہ یہ فرشتے

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَيُسَبِّحُ
الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ
يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾

وہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے جس سے تمہیں (اس کے گرنے کا) ڈر بھی لگتا ہے، اور (بارش کی) اُمید بھی بندھتی ہے، اور وہی (پانی سے) لدے ہوئے بادل اُٹھاتا ہے۔ ﴿۱۲﴾ اور بادلوں کی گرج اُسی کی تسبیح اور حمد کرتی ہے،(۱۷) اور اُس کے رُعب سے فرشتے بھی (تسبیح میں لگے ہوئے ہیں) اور وہی کڑکتی ہوئی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر جس پر چاہتا ہے اُنہیں مصیبت بنا کر گرا دیتا ہے۔ اور ان (کافروں) کا حال یہ ہے کہ یہ اللہ ہی کے بارے میں بحثیں کررہے ہیں، حالانکہ اُس کی طاقت بڑی زبردست ہے۔ ﴿۱۳﴾

حفاظت کرلیں گے۔ آیت کے اس حصے میں اس غلط فہمی کو دُور کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ کسی قوم کی اچھی حالت کو بدحالی سے خود بخود نہیں بدلتا، لیکن جب وہ نافرمانی پر کمر باندھ کر اپنی حالت خود بدل ڈالیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے، اور اسے کوئی دُور نہیں کرسکتا، چنانچہ وہ نگران فرشتے بھی ایسی صورت میں کام نہیں آتے۔

(۱۷) "بادلوں کی گرج" کا حمد اور تسبیح کرنا حقیقی معنی میں بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ کائنات کی ہر چیز کے بارے میں قرآن کریم نے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے اپنے انداز میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتی ہے، مگر لوگ اُن کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہیں (۱۷: ۴۴)۔ اور اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جو شخص بھی بادلوں کی گرج چمک، اس کے اسباب اور اس کے نتائج پر غور کرے گا، وہ دُنیا کے کونے کونے تک پانی پہنچانے کے اس حیرت انگیز نظام کو دیکھ کر اُس خالق و مالک کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا جس نے یہ نظام بنایا ہے، نیز وہ اس نتیجے تک

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا
كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاۗءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا
فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ
سجدہ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۩ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ
اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ

وہی ہے جس سے دُعا کرنا برحق ہے۔ اور اُس کو چھوڑ کر یہ لوگ جن (دیوتاؤں) کو پکارتے ہیں، وہ اُن کی دُعاؤں کا کوئی جواب نہیں دیتے، البتہ ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو پانی کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر یہ چاہے کہ پانی خود اُس کے منہ تک پہنچ جائے، حالانکہ وہ کبھی خود منہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور (بتوں سے) کافروں کے دُعا کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ بھٹکتی ہی پھرتی رہے۔ ﴿۱۴﴾ اور وہ اللہ ہی ہے جس کو آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوقات سجدہ کرتی ہیں، کچھ خوشی سے، کچھ مجبوری سے،(۱۸) اور ان کے سائے بھی صبح و شام اُس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ﴿۱۵﴾ (اے پیغمبر! ان کافروں سے) کہو کہ: ”وہ کون ہے جو آسمانوں اور زمین کی پرورش کرتا ہے؟“ کہو کہ: ”وہ اللہ ہے!“ کہو کہ: ”کیا پھر بھی تم نے اس کو چھوڑ کر ایسے کارساز بنالئے ہیں جنہیں خود اپنے آپ کو بھی نہ کوئی فائدہ پہنچانے کی قدرت حاصل ہے نہ نقصان پہنچانے کی؟“

ضرور پہنچے گا کہ جس ذات نے یہ محیر العقول نظام بنایا ہے، وہ ہر عیب سے پاک ہے، اور اس کو اپنی خدائی میں کسی شریک یا مددگار کی ضرورت نہیں، اور تسبیح کے یہی معنی ہیں۔

(۱۸) سجدہ کرنے سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کے اَحکام کے آگے جھک جانا ہے۔ مؤمن خوشی خوشی ان اَحکام کے آگے جھکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی رہتا ہے، اور کافر اللہ تعالیٰ کے تکوینی فیصلوں کے آگے

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ ۙ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّورُ ۚ أَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

کہو کہ: "کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوسکتا ہے؟ یا کیا اندھیریاں اور روشنی ایک جیسی ہوسکتی ہیں؟" یا ان لوگوں نے اللہ کے ایسے شریک مانے ہوئے ہیں جنھوں نے کوئی چیز اسی طرح پیدا کی ہو جیسے اللہ پیدا کرتا ہے،(۱۹) اور اس وجہ سے ان کو دونوں کی تخلیق ایک جیسی معلوم ہورہی ہو؟ (اگر کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہے تو اس سے) کہہ دو کہ: "صرف اللہ ہر چیز کا خالق ہے، اور وہ تنہا ہی ایسا ہے کہ اس کا اقتدار سب پر حاوی ہے۔" ﴿۱۶﴾

مجبور ہے، اس لئے وہ چاہے یا نہ چاہے، اللہ تعالیٰ کائنات میں جو فیصلے فرماتا ہے، مجبوراً ان کے آگے سر جھکانے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ واضح رہے کہ یہ سجدے کی آیت ہے، اس کی تلاوت یا سننے سے سجدہ واجب ہوتا ہے۔

(۱۹) مشرکین عرب جن دیوتاؤں کو خدا مان کر ان کی عبادت کرتے تھے، عام طور سے وہ یہ مانتے تھے کہ انہوں نے کائنات کی تخلیق میں کوئی حصہ نہیں لیا، بلکہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کی ہے۔ لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خدائی کے بہت سے اختیارات ان کو دے رکھے ہیں، اس لئے ان کی عبادت کرنی چاہئے، تاکہ وہ اپنے اختیارات ہمارے حق میں استعمال کریں، اور اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش بھی کریں۔ اس آیت میں اوّل تو یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ من گھڑت دیوتا کوئی نفع یا نقصان اپنے آپ کو بھی نہیں پہنچا سکتے، دوسروں کو تو کیا پہنچائیں گے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ اگر ان دیوتاؤں نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرح کچھ پیدا کیا ہوتا تب بھی ان کو خدا کا شریک ماننے کی کوئی وجہ ہوسکتی تھی، لیکن نہ واقعۃً انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے، اور نہ اکثر اہل عرب کا ایسا عقیدہ ہے۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے کر ان کی عبادت کرنے کا آخر کیا جواز ہے؟

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَ

مِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ

اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ

فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ

الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ

لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾

اُسی نے آسمان سے پانی برسایا جس سے ندی نالے اپنی اپنی بساط کے مطابق بہہ پڑے، پھر پانی کے ریلے نے پھولے ہوئے جھاگ کو اوپر اُٹھا لیا۔ اور اسی قسم کا جھاگ اس وقت بھی اُٹھتا ہے جب لوگ زیور یا برتن بنانے کے لئے دھاتوں کو آگ پر تپاتے ہیں۔ اللہ حق اور باطل کی مثال اسی طرح بیان کر رہا ہے کہ (دونوں قسم کا) جو جھاگ ہوتا ہے، وہ تو باہر گر کر ضائع ہو جاتا ہے، لیکن وہ چیز جو لوگوں کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے، وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔[۲۰] اسی قسم کی تمثیلیں ہیں جو اللہ بیان کرتا ہے۔ ﴿۱۷﴾ بھلائی اُنہی لوگوں کے حصے میں ہے جنہوں نے اپنے رَبّ کا کہنا مانا ہے، اور جنہوں نے اُس کا کہنا نہیں مانا، اگر ان کے پاس دُنیا بھر کی ساری چیزیں بھی ہوں گی، بلکہ اتنی ہی اور بھی، تو وہ (قیامت کے دن) اپنی جان بچانے کے لئے وہ سب کچھ دینے کو تیار ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کے حصے میں بری طرح کا حساب ہے، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ ﴿۱۸﴾

(۲۰) یعنی باطل، چاہے کچھ عرصے غالب نظر آئے، لیکن وہ جھاگ کی طرح بے فائدہ اور فنا ہو جانے والا ہے، اور حق پانی اور دوسری نفع بخش چیزوں کی طرح فائدہ مند اور باقی رہنے والا ہے۔

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمٰى ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ
أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِينَ
يَصِلُونَ مَآ أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ أَنْ يُّوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوٓءَ الْحِسَابِ ﴿٢١﴾
وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا
وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ
يَّدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُونَ
عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾

جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا ہے، برحق ہے، بھلا وہ
اُس جیسا کیسے ہوسکتا ہے جو بالکل اندھا ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو
عقل و ہوش رکھتے ہوں، ﴿۱۹﴾ (یعنی) وہ لوگ جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں، اور
معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے، ﴿۲۰﴾ اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے،
یہ لوگ انہیں جوڑے رکھتے ہیں،(۲۱) اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اور حساب کے برے انجام
سے خوف کھاتے ہیں۔ ﴿۲۱﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی خوشنودی کی خاطر صبر
سے کام لیا ہے،(۲۲) اور نماز قائم کی ہے، اور ہم نے انہیں جو رزق عطا فرمایا ہے، اُس میں سے خفیہ بھی
اور علانیہ بھی خرچ کیا ہے، اور وہ بدسلوکی کا دفاع حسنِ سلوک سے کرتے ہیں۔(۲۳) وطنِ اصلی میں
بہترین انجام ان کا حصہ ہے،(۲۴) ﴿۲۲﴾ یعنی ہمیشہ رہنے کے لئے وہ باغات جن میں وہ خود بھی داخل
ہوں گے، اور ان کے باپ دادوں، بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں گے، وہ بھی۔ اور (ان کے
استقبال کے لئے) فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے ﴿۲۳﴾

---

(۲۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے جن تعلقات کو قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے، انہیں پوری طرح

ادا کرتے ہیں۔ اس میں رشتہ داروں کے تمام حقوق بھی داخل ہیں، اور دینی رشتے سے جو حقوق پیدا ہوتے ہیں، وہ بھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیائے کرام پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے، ان سب پر ایمان بھی لاتے ہیں، اور جن کی اطاعت کا حکم دیا ہے، ان کی اطاعت بھی کرتے ہیں۔

(۲۲) قرآن کریم کی اصطلاح میں "صبر" کا مفہوم بہت عام ہے۔ انسان اپنی نفسانی خواہشات کے تقاضوں کو جب بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے دبالے تو یہ صبر ہے۔ مثلاً نفس کی خواہش یہ ہو رہی ہے کہ اس وقت کی نماز چھوڑ دی جائے۔ ایسے موقع پر اس خواہش کی خلاف ورزی کر کے نماز پڑھنا صبر ہے۔ یا اگر کسی گناہ کی خواہش دل میں پیدا ہو رہی ہے تو اس کو دبا کر گناہ سے بچ جانا صبر ہے۔ اسی طرح اگر کسی تکلیف کے موقع پر اگر نفس کا تقاضا یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر شکوہ اور غیر ضروری واویلا کیا جائے، تو ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہ کر اختیاری واویلا نہ کرنا بھی صبر ہے۔ اس طرح صبر کا لفظ دین کے تمام احکام پر عمل کو حاوی ہے۔ یہی معنی آیت نمبر ۲۲ میں بھی مراد ہیں۔

(۲۳) یعنی برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں، اور "دفاع" کا لفظ استعمال فرما کر قرآن کریم نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ اچھائی کرنے کا انجام بالآخر یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کی بدسلوکی کے برے اثرات مٹ جاتے ہیں۔

(۲۴) اس آیت میں اصل الفاظ یہ ہیں: "لھم عقبی الدار" اس میں "الدار" کے لفظی معنی "گھر" کے ہیں۔ بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عالم ہے۔ یہ لفظ بکثرت وطن کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور یہاں آخرت کے بجائے اس لفظ کو استعمال کرنے سے بظاہر اشارہ اس طرف ہے کہ انسان کا اصلی گھر اور وطن آخرت ہے، اس لئے کہ دُنیا کی زندگی تو فنا ہو جانے والی ہے۔ انسان کو ہمیشہ ہمیشہ جہاں رہنا ہے، وہ آخرت کا عالم ہے۔ اس لئے یہاں "الدار" کا ترجمہ "اصلی وطن" سے کیا گیا ہے۔ یہی بات آگے آیت نمبر ۲۴ اور ۲۵ میں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ
مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي
الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ
يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ
اِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾

کہ: "تم نے (دنیا میں) جو صبر سے کام لیا تھا، اس کی بدولت اب تم پر سلامتی ہی سلامتی نازل ہوگی، اور (تمہارے) اصلی وطن میں یہ تمہارا بہترین انجام ہے!" ﴿۲۴﴾ اور (دوسری طرف) جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد توڑتے ہیں، اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاٹ ڈالتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، تو ایسے لوگوں کے حصے میں لعنت آتی ہے، اور اصلی وطن میں برا انجام انہی کا ہے۔ ﴿۲۵﴾ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے، رزق میں وسعت کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے۔(۲۵) یہ (کافر) لوگ دنیوی زندگی پر مگن ہیں، حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ معمولی سی پونجی ہے۔ ﴿۲۶﴾

(۲۵) پیچھے یہ بتایا گیا تھا کہ جو لوگ دین حق کو جھٹلا رہے ہیں، ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس پر کسی کو شبہ ہو سکتا تھا کہ دنیا میں تو ان لوگوں کو خوب رزق مل رہا ہے، اور بظاہر وہ خوش حال نظر آتے ہیں۔ اس آیت میں اس شبہے کا جواب دیا گیا ہے کہ دنیا میں رزق کی فراوانی یا اس کی تنگی کا اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، اپنی حکمت بالغہ کے تحت رزق خوب عطا فرماتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے رزق کی تنگی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ کافر لوگ اگرچہ یہاں کی خوش حالی پر مگن ہیں، مگر انہیں یہ اندازہ نہیں کہ اس چند دن کی زندگی کا عیش آخرت کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ
يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ
أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوبٰى لَهُمْ وَ
حُسْنُ مَاٰبٍ ﴿٢٩﴾

اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ ان پر (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُتاری گئی؟(۲۶) کہہ دو کہ: "اللہ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے، اور اپنے راستے پر انہی کو لاتا ہے جو اُس کی طرف رُجوع کریں۔" ﴿۲۷﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں، اور جن کے دِل اللہ کے ذِکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو کہ صرف اللہ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے دِلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ ﴿۲۸﴾ (غرض) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان کے حصے میں خوش حالی بھی ہے، اور بہترین انجام بھی۔ ﴿۲۹﴾

---

(۲۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات دیے گئے تھے، لیکن کفارِ مکہ اپنی طرف سے نت نئے معجزات کی فرمائش کرتے رہتے تھے۔ اور جب ان کا کوئی مطالبہ پورا نہ ہوتا تو وہ یہ بات کہتے تھے جو اس آیت میں مذکور ہے، اور پیچھے آیت نمبر ۷ میں بھی گذری ہے۔ اس کا جواب آگے آیت نمبر ۳۱ میں آرہا ہے۔ یہاں اس کا جواب دینے کے بجائے یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ مطالبات ان کی گمراہی کی دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، گمراہی میں پڑا رہنے دیتا ہے، اور ہدایت اُسی کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے رُجوع کرکے ہدایت مانگے، اور حق کی طلب رکھتا ہو۔ ایسا شخص ایمان لانے کے بعد اس کے حقوق ادا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں سکون حاصل کر لیتا ہے۔ پھر اس کو اس قسم کے شکوک نہیں ستاتے۔ وہ ہر حال کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ کر اس پر مطمئن رہتا ہے۔ اگر اچھی حالت ہو تو اس پر شکر ادا کرتا ہے، اور اگر کوئی تکلیف ہو تو اس پر صبر کرکے اللہ تعالیٰ سے اس کے دُور ہونے کی دُعا کرتا ہے، اور اس بات پر مطمئن ہوتا ہے کہ جب تک یہ تکلیف ہے، اللہ تعالیٰ کی

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ
اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝۳۰ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ
الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ

(اے پیغمبر! جس طرح دوسرے رسول بھیجے گئے تھے) اسی طرح ہم نے تمہیں ایک ایسی اُمت میں رسول بنا کر بھیجا ہے جس سے پہلی بہت سی اُمتیں گذر چکی ہیں، تاکہ تم ان کے سامنے وہ کتاب پڑھ کر سناؤ جو ہم نے وحی کے ذریعے تم پر نازل کی ہے، اور یہ لوگ اس ذات کی ناشکری کر رہے ہیں جو سب پر مہربان ہے۔ کہہ دو کہ: ''وہ میرا پالنے والا ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، اور اُسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔'' ﴿۳۰﴾ اور اگر کوئی قرآن ایسا بھی اُترتا جس کے ذریعے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے، یا اُس کی بدولت زمین شق کردی جاتی (اور اس سے دریا نکل پڑتے) یا اُس کے نتیجے میں مُردوں سے بات کرلی جاتی، (تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے)۔(۲۷) حقیقت تو یہ ہے کہ تمام تر اختیار اللہ کا ہے۔

حکمت اور مصلحت کے تحت ہے، اس لئے مجھے اس سے شکوہ نہیں ہے۔ اس طرح اسے تکلیف کے حالات میں بھی اطمینانِ قلب نصیب رہتا ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیماری دُور کرنے کے لئے آپریشن کروائے، تو آپریشن کی تکلیف کے باوجود اُسے یہ اطمینان رہتا ہے کہ یہ عمل عین حکمت کے مطابق ہے۔

(۲۷) اس آیت میں ان چند معجزات کا ذکر فرمایا گیا ہے جن کی فرمائش مکہ مکرمہ کے کافر لوگ کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مکہ مکرمہ کے اردگرد جو پہاڑ ہیں، ان کو یہاں سے ہٹادو، اور یہاں کی زمین کو شق کرکے یہاں سے دریا نکال دو، اور ہمارے باپ داداوں کو زندہ کرکے ان سے ہماری بات کروادو۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اگر بالفرض یہ بے ہودہ مطالبات پورے کر بھی دیئے جاتے، تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے، کیونکہ یہ فرمائشیں حق طلبی کے جذبے سے نہیں، صرف ضد کی وجہ سے کی جارہی ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل (۱۷: ۹۰ تا ۹۳) میں اسی قسم کی کچھ اور فرمائشیں بھی مذکور ہیں جو کفار کیا کرتے تھے، اور اسی سورت کی آیت نمبر ۵۹ میں فرمائشی

أَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾

کیا پھر بھی ایمان والوں نے یہ سوچ کر اپنا ذہن فارغ نہیں کیا کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے ہی انسانوں کو (زبردستی) راہ پر لے آتا؟ (۲۸) اور جنہوں نے کفر اپنایا ہے، ان پر تو ان کے کرتوت کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی کھڑکھڑانے والی مصیبت پڑتی رہتی ہے، یا ان کی بستی کے قریب کہیں نازل ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ (ایک دن) اللہ نے جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ آکر پورا ہو جائے گا۔ (۲۹) یقین رکھو کہ اللہ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ ﴿۳۱﴾

معجزات نہ دکھانے کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جب کوئی قوم کوئی خاص معجزے کی فرمائش پر وہ معجزہ دکھا دیا جاتا ہے اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتی تو اُس پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ چنانچہ پچھلی اُمتوں عاد اور ثمود وغیرہ کے ساتھ یہی ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ اپنے فرمائشی معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے، اور ابھی ان کو ہلاک کرنا منظور نہیں ہے، اس لئے بھی ایسے معجزات نہیں دکھائے جا رہے۔

(۲۸) بھی کبھی مسلمانوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ جو معجزات یہ لوگ مانگ رہے ہیں، اگر وہ ان کو دکھا دیئے جائیں تو شاید یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ یہ آیت ان مسلمانوں کو ہدایت دے رہی ہے کہ انہیں اب اس بات سے اپنا ذہن فارغ کر لینا چاہئے، اور یہ سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی ہے کہ وہ ان سب کو اپنی قدرت سے زبردستی مسلمان کر دے، لیکن چونکہ دُنیا کی اس امتحان گاہ کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ ہر شخص اپنی عقل استعمال کر کے اپنے اختیار سے ایمان لائے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں اپنی قدرت کو استعمال نہیں کیا، البتہ ایسے دلائل واضح کر دیئے ہیں کہ اگر انسان ان پر انصاف سے غور کرے، اور ہٹ دھرمی چھوڑ دے تو اس کو حقیقت تک پہنچنے میں دیر نہیں لگنی چاہئے۔ اس کے بعد کافروں کی ہر فرمائش پوری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۲۹) بعض مسلمانوں کو کبھی یہ خیال بھی ہوتا تھا کہ جب یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں، تو ان پر ابھی کوئی عذاب کیوں نہیں آ جاتا۔ اس آیت میں اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان لوگوں پر چھوٹی چھوٹی مصیبتیں تو اس دُنیا

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوا لِلَّهِ
شُرَكَاءَ ۖ قُلْ سَمُّوهُمْ ۚ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ

اور (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے پیغمبروں کا بھی مذاق اُڑایا گیا تھا، اور ایسے کافروں کو بھی میں نے مہلت دی تھی، پھر کچھ وقت کے بعد میں نے ان کو گرفت میں لے لیا، اب دیکھ لو کہ میرا عذاب کیسا تھا؟ ﴿۳۳﴾ بھلا بتاؤ کہ ایک طرف وہ ذات ہے جو ہر ہر شخص کے ہر ہر کام کی نگرانی کر رہی ہے، اور دوسری طرف اِن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک مانے ہوئے ہیں؟ (۳۰) کہو کہ: ''ذرا اُن (خدا کے شریکوں) کے نام تو بتاؤ (اگر کوئی نام لوگے) تو کیا اللہ کو کسی ایسے وجود کی خبر دوگے جس کا دُنیا بھر میں اللہ کو بھی پتہ نہیں ہے؟ یا خالی زبان سے ایسے نام لے لوگے جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں؟'' (۳۱)

میں بھی پڑتی رہتی ہیں، مثلاً کبھی قحط آجاتا ہے، کبھی کوئی اور بلا نازل ہوجاتی ہے، اور بعض اوقات ان کی قریبی بستیوں پر ایسی مصیبتیں آجاتی ہیں جن سے یہ لوگ خوف زدہ ہوجاتے ہیں۔ مگر ان کو اصل عذاب اس وقت ہوگا جب قیامت آنے کا وعدہ پورا ہوگا۔

(۳۰) یہ ترجمہ اُس تفسیر پر مبنی ہے جو امام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے "حل المعقد" کے مصنف کے حوالے سے بیان کی ہے۔ اس تفسیر کے مطابق "مَنْ هُوَ قَائِمٌ" کی خبر "کمن لیس بموجود" ہے جو محذوف ہے، اور "وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ" جملہ حالیہ ہے۔ بندے کو یہ ترکیب دوسرے احتمالات کے مقابلے میں بہتر معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

(۳۱) نام تو انہوں نے بہت سے بتوں اور دیوتاؤں کے رکھ رکھے تھے، اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقت ہے تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ اُسے کون جان سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ایسا کوئی بھی وجود ہے نہیں۔ اب اگر تم اس کو حقیقی وجود قرار دوگے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ علم رکھنے کے مدعی ہوگے، بلکہ تمہارا یہ کہنا لازم آئے گا کہ جس وجود کا اللہ تعالیٰ کو بھی علم نہیں ہے، تم (معاذ اللہ)

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ
فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ لَّهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۖ
وَمَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ﴿٣٤﴾ مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ تَجْرِي مِن
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا ۚ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوا ۖ وَّعُقْبَى
الْكَافِرِينَ النَّارُ ﴿٣٥﴾

حقیقت تو یہ ہے کہ ان کافروں کو اپنی مکارانہ باتیں بڑی خوبصورت لگتی ہیں، اور (اس طرح) ان کی ہدایت کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے۔ اور جسے اللہ گمراہی میں پڑا رہنے دے، اُسے کوئی راہ پر لانے والا میسر نہیں آسکتا۔(۳۲) ﴿۳۳﴾ ایسے لوگوں کے لئے دُنیوی زندگی میں بھی عذاب ہے، اور یقیناً آخرت کا عذاب کہیں زیادہ بھاری ہوگا، اور کوئی نہیں ہے جو انہیں اللہ (کے عذاب) سے بچا سکے۔ ﴿۳۴﴾ (دوسری طرف) وہ جنت جس کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے، اُس کا حال یہ ہے کہ اُس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُس کے پھل بھی سدا بہار ہیں، اور اُس کی چھاؤں بھی! یہ انجام ہے اُن لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا، جبکہ کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ ﴿۳۵﴾

اللہ تعالیٰ کو اس کا پتہ بتا رہے ہو۔ اس سے بڑی جہالت اور کیا ہوسکتی ہے؟ اور اگر ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں ہے تو یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ بہر حال دونوں صورتوں میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ تمہارا شرک کا عقیدہ بے بنیاد ہے۔

(۳۲) یعنی جب کوئی شخص اس ضد پر اڑ جائے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں، وہی اچھا کام ہے، اور اس کے مقابلے میں بڑی سے بڑی دلیل کو بھی سننے ماننے کو تیار نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو گمراہی میں پڑا رہنے دیتے ہیں، اور پھر اُسے کوئی راہِ راست پر لانے والا میسر نہیں آسکتا۔

وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ ۖ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَن يُنكِرُ بَعْضَهُ ۚ قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ ۚ إِلَيْهِ أَدْعُو وَإِلَيْهِ مَآبِ ﴿٣٦﴾

اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کلام سے خوش ہوتے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا ہے۔ اور انہی گروہوں میں وہ بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔(۴۳) کہہ دو کہ: "مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں، اور اُس کے ساتھ کسی کو خدائی میں شریک نہ مانوں، اسی بات کی میں دعوت دیتا ہوں، اور اُسی (اللہ) کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔"(۴۴) ﴿۳۶﴾

(۴۳) اس آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں کے مختلف گروہوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو قرآن کریم کی آیات سن کر خوش ہوتے ہیں کہ یہ وہی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس کی پیشینگوئی پچھلی آسمانی کتابوں میں کی گئی تھی، چنانچہ اس گروہ کے بہت سے افراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، عیسائیوں میں سے بھی، اور یہودیوں میں سے بھی۔ یہ حقیقت ذکر فرما کر ایک طرف تو کفارِ مکہ کو شرم دلائی گئی ہے کہ جن لوگوں کے پاس آسمانی ہدایت موجود ہے، وہ تو ایمان لا رہے ہیں، اور جن لوگوں کے پاس نہ کوئی کتاب ہے، نہ کوئی اور آسمانی ہدایت، وہ ایمان لانے سے کترا رہے ہیں، اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں کو تسلی بھی دی گئی ہے کہ جہاں اسلام کے دشمن موجود ہیں، وہاں بہت سے لوگ آپ کا پیغامِ ہدایت کو قبول بھی کر رہے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں دوسرا گروہ کافروں کا ہے۔ ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کے بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں۔ بعض حصوں کا ذکر کر کے اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں سے جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ بھی قرآن کریم کی ساری باتوں کا انکار نہیں کر سکتے، کیونکہ اس کی بہت سی باتیں وہ ہیں جو تورات یا انجیل میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً توحید، پچھلے انبیائے کرام پر ایمان اور ان کے واقعات، آخرت کا عقیدہ وغیرہ۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ یہ سوچتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ آپ کے پاس نہیں ہے اس لئے یہ بات ظاہر ہے کہ آپ کو یہ باتیں وحی سے معلوم ہوئی ہیں۔ اس صورت میں آپ کی رسالت کو تسلیم کرنا چاہئے۔

(۴۴) اس آیت میں اسلام کے تین بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کا بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلا فقرہ

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ
الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع

اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو عربی زبان میں ایک حکم نامہ بنا کر نازل کیا ہے۔(۳۵) اور (اے پیغمبر!) تمہارے پاس جو علم آچکا ہے، اگر اُس کے بعد بھی تم ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلے تو اللہ کے مقابلے میں نہ تمہارا کوئی مددگار ہوگا، نہ کوئی بچانے والا۔(۳۶) ﴿۳۷﴾

توحید کے اعلان پر مشتمل ہے، دوسرے فقرے میں فرمایا گیا ہے کہ: "اسی بات کی میں دعوت دیتا ہوں" اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا اثبات کیا گیا ہے، اور آخری فقرہ یعنی: "اُسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے" آخرت کے عقیدے کو ظاہر کرتا ہے۔ کہنا یہ مقصود ہے کہ یہ تینوں عقائد پچھلی کتابوں میں بھی بیان ہوئے ہیں، پھر قرآن کریم کے انکار کا کیا جواز ہے؟

(۳۵) یہاں سے آیت ۳۸ تک اس بات کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ قرآنِ کریم کے جن حصوں کا یہ لوگ انکار کرتے ہیں، اس کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ وہ لوگ قرآن کریم کے ان اَحکام پر اعتراض کرتے تھے جو تورات اور انجیل کے اَحکام سے مختلف ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ بنیادی عقیدے تو تمام انبیائے کرام کی دعوت میں مشترک رہے ہیں، لیکن فروعی اور جزوی اَحکام مختلف انبیائے کرام کی شریعتوں میں مختلف ہوتے رہے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر زمانے اور ہر اُمت کے حالات مختلف ہوتے ہیں، اُس کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت مختلف زمانوں میں اَحکام بھی بدلتے رہتے ہیں۔ یعنی بہت سی چیزیں جو ایک نبی کی شریعت میں ناجائز تھیں، دوسرے نبی کی شریعت میں حلال کر دی گئیں۔ اور بعض اوقات اس کے برعکس بھی ہوا ہے۔ تو جس طرح پچھلی اُمتوں میں اَحکام کی تبدیلی کا یہ سلسلہ چلتا رہا ہے، اسی طرح یہ قرآن بھی ایک نیا حکم نامہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، اور اس کے عربی زبان میں ہونے سے اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ یہ ان حالات سے بالکل مختلف حالات میں نازل ہوا ہے جن میں پچھلی کتابیں نازل ہوئی تھیں، اس لئے اُسے عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے جو رہتی دُنیا تک باقی رہنے والی زبان ہے، اور اس میں اس آخری دور کے حالات کی رعایت رکھی گئی ہے۔

(۳۶) یعنی قرآن کریم کے جو اَحکام ان کافروں کو اپنی خواہشات کے خلاف نظر آرہے ہیں، ان میں آپ کو یہ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے ہیں، اور انہیں بیوی بچے بھی عطا فرمائے ہیں، اور کسی رسول کو یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ کوئی ایک آیت بھی اللہ کے حکم کے بغیر لا سکے۔ ہر زمانے کے لئے الگ کتاب دی گئی ہے۔ (۳۷) ﴿۳۸﴾ اللہ جس (حکم) کو چاہتا ہے، منسوخ کر دیتا ہے، اور (جس کو چاہتا ہے) باقی رکھتا ہے۔ اور تمام کتابوں کی جو اصل ہے، وہ اسی کے پاس ہے۔ (۳۸) ﴿۳۹﴾

اختیار نہیں ہے کہ ان کی رعایت سے ان میں کوئی تبدیلی کر سکیں۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام میں کوئی تبدیلی فرمائیں، لیکن ایک اصول کے طور پر یہ بات ارشاد فرما کر ساری دُنیا کے لوگوں کو متنبہ کر دیا گیا ہے۔

(۳۷) اس آیت میں ایک تو کفار کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو آپ کے بیوی بچے کیوں ہیں؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ بیوی بچے ایک دو انبیائے کرام کو چھوڑ کر تقریباً سارے انبیاء کو بھی عطا فرمائے گئے ہیں، کیونکہ نبوت کا ان سے کوئی تعارض نہیں ہے، بلکہ انبیائے کرام اپنے عمل سے واضح کرتے ہیں کہ ان کے حقوق کیسے ادا کئے جاتے ہیں، اور ان کے حقوق اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں توازن کیسے قائم رکھا جاتا ہے۔ دوسرے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ مختلف انبیائے کرام کی شریعتوں میں جزوی فرق ہوتا رہا ہے۔

(۳۸) تمام کتابوں کی اصل سے مراد "لوحِ محفوظ" ہے جس میں ازل سے یہ بات درج ہے کہ کس اُمت کو کون سی کتاب اور کیسے احکام دیئے جائیں گے۔

وَإِنْ مَا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا
الْحِسَابُ ﴿٤٠﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا
مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٤١﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ
الْمَكْرُ جَمِيعًا ۖ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۗ وَسَيَعْلَمُ الْكُفَّارُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٤٢﴾
وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۙ
ع وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴿٤٣﴾

اور جس بات کی دھمکی ہم ان (کافروں) کو دیتے ہیں، چاہے اُس کا کوئی حصہ ہم تمہیں (تمہاری زندگی ہی میں) دِکھادیں، یا (اُس سے پہلے ہی) تمہیں دُنیا سے اُٹھالیں، بہرحال تمہارے ذمے تو صرف پیغام پہنچادینا ہے، اور حساب لینے کی ذمہ داری ہماری ہے۔(۳۹) ﴿۴۰﴾ کیا ان لوگوں کو یہ حقیقت نظر نہیں آئی کہ ہم ان کی زمین کو چاروں طرف سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں؟(۴۰) ہر حکم اللہ دیتا ہے۔ کوئی نہیں ہے جو اُس کے حکم کو توڑ سکے، اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ ﴿۴۱﴾ جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں، چالیں انہوں نے بھی چلی تھیں، لیکن چال تو تمام تر اللہ ہی کی چلتی ہے۔ کوئی بھی شخص جو کچھ کرتا ہے، سب اُسے معلوم ہے، اور کافروں کو عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ اصلی وطن کا نیک انجام کس کے حصے میں آتا ہے۔ ﴿۴۲﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”تم پیغمبر نہیں ہو۔“ کہہ دو کہ: ”میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے اللہ کافی ہے، نیز ہر وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم ہے!“(۴۱) ﴿۴۳﴾

---

(۳۹) بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ ان کافروں کی سرکشی کے باوجود ان پر کوئی عذاب کیوں نہیں آرہا ہے؟ اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ عذاب کا صحیح وقت اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی حکمت کے تحت

مقرر فرمایا ہوا ہے، وہ کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ذہن فارغ رکھنا چاہئے کہ ان کی ذمہ داری تبلیغ کی ہے، ان کافروں کا محاسبہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو وہ اپنی حکمت کے تحت مناسب وقت پر انجام دے گا۔

(۴۰) مطلب یہ ہے کہ جزیرۂ عرب پر مشرکین اور ان کے عقائد کا جو تسلط تھا، وہ رفتہ رفتہ سمٹ رہا ہے، اور مشرکین کے اثر و رسوخ کا دائرہ روز بروز کم ہو کر سکڑ رہا ہے، اور اس کی جگہ اسلام کے اثرات پھیل رہے ہیں۔ یہ ایک تازیانہ ہے جس سے ان مشرکین کو سبق لینا چاہئے۔

(۴۱) یعنی تم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر رہے ہو، اس سے کیا ہوتا ہے؟ تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود آپ کی رسالت کا گواہ ہے، اور ہر وہ شخص جسے آسمانی کتابوں کا علم ہے، اگر انصاف کے ساتھ اس علم کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا جائزہ لے گا تو وہ بھی یہ گواہی دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۱۳ رجب ۱۴۲۲ھ مطابق ۳۰ جولائی ۲۰۰۱ء شب دوشنبہ میں سورۂ رعد کا ترجمہ اور تفسیری حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی خدمت کی بھی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سورة ابراهيم

تعارف

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور ان کا انکار کرنے کے خوفناک نتائج پر تنبیہ ہے۔ چونکہ عرب کے مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے، اس لئے سورت کے آخر سے پہلے رکوع میں ان کی وہ پُر اثر دعا نقل فرمائی گئی ہے جس میں انہوں نے شرک اور بت پرستی کی صاف صاف برائی بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ انہیں اور ان کے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ ابراہیم ہے۔

آیاتہا ۵۲ ۱۴ سُورَةُ إِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ ۷۲ رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝١ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝٢ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۗ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۝٣

سورۂ ابراہیم مکی ہے، اور اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓرٰ۔ (اے پیغمبر!) یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تم پر نازل کی ہے، تاکہ تم لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آؤ، یعنی اُس ذات کے راستے کی طرف جس کا اقتدار سب پر غالب ہے، (اور) جو ہر تعریف کا مستحق ہے۔ ﴿۱﴾ وہ اللہ کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسی کی ملکیت ہے۔ اور افسوس ہے اُن لوگوں پر جو حق کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ انہیں سخت عذاب ہونے والا ہے۔ ﴿۲﴾ وہ لوگ جو آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں، اور دوسروں کو اللہ کے راستے پر آنے سے روکتے ہیں، اور اس میں ٹیڑھ تلاش کرتے رہتے ہیں[1]! وہ پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ﴿۳﴾

(۱) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ اسلام میں کوئی نہ کوئی عیب تلاش کرتے رہتے ہیں، تاکہ انہیں اعتراض کا موقع ملے، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ قرآن وسنت میں کوئی بات اُن کے خیالات اور خواہشات کے مطابق مل جائے تو اس کو اپنے باطل نظریات کی تائید میں پیش کریں۔

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِۦ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۖ فَيُضِلُّ ٱللَّهُ مَن
يَشَآءُ وَيَهْدِى مَن يَشَآءُ ۚ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿٤﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ
بِـَٔايَٰتِنَآ أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ وَذَكِّرْهُم بِأَيَّىٰمِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ فِى
ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٥﴾

اور ہم نے جب بھی کوئی رسول بھیجا، خود اُس کی قوم کی زبان میں بھیجا، تاکہ وہ ان کے سامنے حق کو اچھی طرح واضح کر سکے۔(۲) پھر اللہ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت دے دیتا ہے،(۳) اور وہی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ ﴿۴﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ: ''اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، اور (مختلف لوگوں کو) اللہ نے (خوشحالی اور بدحالی کے) جو دن دکھائے ہیں،(۴) اُن کے حوالے سے انہیں نصیحت کرو۔'' حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو صبر اور شکر کا خوگر ہو، اُس کے لئے ان واقعات میں بڑی نشانیاں ہیں۔ ﴿۵﴾

---

(۲) کفارِ مکہ کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ قرآن عربی زبان میں کیوں اُتارا گیا ہے؟ اگر یہ کسی ایسی زبان میں ہوتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تو اس کا معجزہ ہونا بالکل واضح ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر رسول کو اُس کی قوم کی مادری زبان میں اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اپنی قوم کو اُس کی اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کے احکام سمجھا سکے۔ کسی اور زبان میں قرآن نازل کیا جاتا تو تم یہ اعتراض کرتے کہ اسے ہم کیسے سمجھیں؟ چنانچہ یہی بات سورۂ حم السجدہ (۴۱: ۴۴) میں فرمائی گئی ہے۔

(۳) یعنی جو کوئی حق کا طلب گار بن کر اس کو پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو ہدایت دے دیتے ہیں، اور جو شخص ضد اور عناد کے ساتھ پڑھتا ہے، اُسے گمراہی میں بھٹکتا چھوڑ دیتے ہیں۔ مزید دیکھئے پچھلی سورت (۱۳: ۲۷) کا حاشیہ۔

(۴) اصل قرآنی لفظ ''ایام اللہ'' ہے جس کے لفظی معنی ہیں ''اللہ کے دن'' لیکن محاورے میں اس سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے خاص خاص اور اہم واقعات دکھلائے ہیں، مثلاً نافرمان قوموں پر عذاب کا نازل ہونا، اور فرماں برداروں کو دشمنوں کے مقابلے میں کامیابی عطا ہونا۔ لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان خاص خاص واقعات کا حوالہ دے کر اپنی قوم کو نصیحت کیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اختیار کریں۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنجَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ
يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم
بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٦﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۖ وَلَئِن ع
كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ﴿٧﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ
جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٨﴾ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَ
عَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ مع

وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ''اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے، اُسے یاد رکھو کہ اس نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے نجات دی، جو تمہیں بدترین تکلیفیں پہنچاتے تھے، اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے، اور ان تمام واقعات میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارا زبردست امتحان تھا۔ ﴿۶﴾ اور وہ وقت بھی جب تمہارے پروردگار نے اعلان فرمادیا تھا کہ اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا، اور اگر تم نے ناشکری کی تو یقین جانو، میرا عذاب بڑا سخت ہے۔'' ﴿۷﴾ اور موسیٰ نے کہا تھا کہ: ''اگر تم اور زمین پر بسنے والے تمام لوگ بھی ناشکری کریں، تو (اللہ کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ) اللہ بڑا بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف!'' ﴿۸﴾ (اے کفارِ مکہ!) کیا تمہیں اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں، قومِ نوح، عاد، ثمود اور اُن کے بعد آنے والی قومیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (۵)

---

(۵) اس سے مراد وہ قومیں بھی ہوسکتی ہیں جن کی تاریخ محفوظ نہیں رہ سکی، اور وہ بھی جن کا اجمالی حال تو معلوم ہے، لیکن ان کی تعداد اور اُن کے تفصیلی حالات کا کسی کو پتہ نہیں۔

جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرَدُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فِيۡۤ اَفۡوَاهِهِمۡ وَقَالُوۡۤا اِنَّا كَفَرۡنَا بِمَاۤ
اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ وَاِنَّا لَفِىۡ شَكٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَـنَاۤ اِلَيۡهِ مُرِيۡبٍ ۝٩ قَالَتۡ رُسُلُهُمۡ اَفِى اللّٰهِ
شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يَدۡعُوۡكُمۡ لِيَـغۡفِرَ لَـكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَيُؤَخِّرَكُمۡ
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ؕ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا
كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۝١٠

ان سب کے پاس اُن کے رسول کھلے کھلے دلائل لے کر آئے، تو انہوں نے اُن کے منہ پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے،(۶) اور کہا کہ: "جو پیغام تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے، ہم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، اور جس بات کی تم ہمیں دعوت دے رہے ہو، اس کے بارے میں ہمیں بڑا بھاری شک ہے۔" ﴿۹﴾ ان کے پیغمبروں نے اُن سے کہا: "کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو سارے آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ وہ تمہیں بلا رہا ہے کہ تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے، اور تمہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دے۔"(۷) انہوں نے کہا کہ: "تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ایسے ہی انسان ہو جیسے ہم ہیں۔ تم یہ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے ہیں اُن سے ہمیں روک دو، لہٰذا کوئی صاف صاف معجزہ لا کر دکھاؤ۔"(۸) ﴿۱۰﴾

---

(۶) یہ ایک محاورہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ انہیں زبردستی بولنے اور تبلیغ کرنے سے روکا۔

(۷) مطلب یہ ہے کہ عذاب الٰہی سے تمہیں نجات مل جائے، اور گناہوں کی معافی کے بعد تمہیں تمہاری عمر پوری ہونے تک زندگی سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے تقریباً ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا فرمایا تھا، لیکن ان کافروں کا کہنا تھا کہ جس جس معجزے کی ہم فرمائش کرتے جائیں، وہ وہ دکھاتے جاؤ۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ
عِبَادِهِ ۖ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ
مَا آذَيْتُمُونَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿١٢﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا ع
لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۖ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ
لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ﴿١٣﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ
مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ﴿١٤﴾

ان سے ان کے پیغمبروں نے کہا: "ہم واقعی تمہارے ہی جیسے انسان ہیں، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے خصوصی احسان فرمادیتا ہے۔ اور یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر تمہیں کوئی معجزہ لا دکھائیں، اور مومنوں کو صرف اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔"(9) ﴿۱۱﴾ اور آخر ہم کیوں اللہ پر بھروسہ نہ رکھیں جبکہ اس نے ہمیں اُن راستوں کی ہدایت دے دی ہے جن پر ہمیں چلنا ہے؟ اور تم نے ہمیں جو تکلیفیں پہنچائی ہیں، ان پر ہم یقیناً صبر کریں گے، اور جن لوگوں کو بھروسہ رکھنا ہو، انہیں اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔" ﴿۱۲﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا تھا، انہوں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ: "ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال کر رہیں گے، ورنہ تمہیں ہمارے دین میں واپس آنا پڑے گا۔" چنانچہ اُن کے پروردگار نے ان پر وحی بھیجی کہ: "یقین رکھو، ہم ان ظالموں کو ہلاک کردیں گے، ﴿۱۳﴾ اور اُن کے بعد یقیناً تمہیں زمین میں بسائیں گے۔ یہ ہے ہر اُس شخص کا صلہ جو میرے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا اور میری وعید سے ڈرتا ہو۔" ﴿۱۴﴾

---

(9) یعنی اگر تم اس بات کو نہیں مانتے اور ایمان لانے والوں کو تکلیف پہنچانے کے درپے ہو تو مومن کو ان اوچھے ہتھکنڈوں سے ڈرایا نہیں جا سکتا، کیونکہ اس کا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ
صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ
بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ
كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ

اور ان کافروں نے خود فیصلہ مانگا،[(۱۰)] اور (نتیجہ یہ ہوا کہ) ہر ڈینگیں مارنے والا ہٹ دھرم نامراد ہو کر رہا۔ ﴿۱۵﴾ اُس کے آگے جہنم ہے، اور (وہاں) اُسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا، ﴿۱۶﴾ وہ اُسے گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا، اور اُسے ایسا محسوس ہوگا کہ وہ اُسے حلق سے اُتار نہیں سکے گا۔[(۱۱)] موت اُس پر ہر طرف سے آرہی ہوگی، مگر وہ مرے گا نہیں،[(۱۲)] اور اُس کے آگے (ہمیشہ) ایک اور سخت عذاب موجود ہوگا۔[(۱۳)] ﴿۱۷﴾ جن لوگوں نے اپنے رَبّ کے ساتھ کفر کی روش اختیار کی ہے، ان کی حالت یہ ہے کہ اُن کے اعمال اُس راکھ کی طرح ہیں جسے آندھی طوفان والے دن میں ہوا تیزی سے اُڑا لے جائے۔[(۱۴)]

---

(۱۰) یعنی پیغمبروں سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ سے کہہ کر ایسا عذاب ہم پر بھجوا دو جس سے حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ یہ بات کہہ کر وہ دراصل پیغمبروں کا متکبرانہ انداز میں مذاق اُڑاتے تھے۔

(۱۱) یہ ترجمہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان فرمائی ہوئی ایک تفسیر پر مبنی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں محسوس یہ ہوگا کہ وہ اس پانی کو حلق سے اُتار نہیں سکیں گے، لیکن گھونٹ گھونٹ کر کے بڑی مشکل سے اور بڑی دیر میں وہ حلق سے اُترے گا۔

(۱۲) ہر طرف سے موت آنے کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی جو مختلف صورتیں سامنے آئیں گی، وہ ویسی ہوں گی جو دُنیا میں جان لیوا اور موت کا سبب ہوتی ہیں، مگر وہاں ان کی وجہ سے انہیں موت نہیں آئے گی۔

(۱۳) یعنی ہر عذاب کے بعد ایک دوسرا سخت عذاب آنے والا ہوگا، تاکہ ایک ہی قسم کا عذاب سہہ سہہ کر انسان اُس کا عادی نہ ہو جائے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

(۱۴) کافر لوگ دُنیا میں کچھ اچھے کام بھی کرتے ہیں، مثلاً غریبوں کی امداد وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اُن

لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ﴿١٨﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٩﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿٢٠﴾

انہوں نے جو کچھ کمائی کی ہوگی، اُس میں سے کچھ اُن کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ ﴿۱۸﴾ کیا تمہیں یہ بات نظر نہیں آتی کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق مقصد سے پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کردے، اور ایک نئی مخلوق وجود میں لے آئے۔(۱۵) ﴿۱۹﴾ اور یہ بات اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ ﴿۲۰﴾

کے ایسے اچھے کاموں کا بدلہ انہیں دُنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ آخرت میں اُن کا کوئی ثواب نہیں ملتا، کیونکہ وہاں ثواب ملنے کے لئے ایمان شرط ہے۔ لہٰذا آخرت میں وہ اعمال ان کے کچھ کام نہیں آتے۔ اس کی مثال یہ دی گئی ہے کہ جس طرح راکھ کو آندھی اُڑا لے جائے تو اُس کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا، اسی طرح کافروں کے ان اعمال کو ان کا کفر کالعدم کردے گا، اور ان اعمال کا کوئی فائدہ ان کو آخرت میں نہیں ملے گا۔

(۱۵) اس آیتِ کریمہ میں آخرت کی زندگی کا ضروری ہونا بھی بیان فرمایا گیا ہے، اور اس پر کافروں کو جو شبہ ہوتا ہے، اُس کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ پہلے تو یہ فرمایا گیا ہے کہ اس کائنات کی تخلیق ایک برحق مقصد کے لئے کی گئی ہے۔ اور وہ مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرماں برداروں کو انعام دیا جائے، اور نافرمانوں اور ظالموں کو سزا ملے۔ اگر آخرت کی زندگی نہ ہوتی تو نیک اور بد سب برابر ہوجاتے۔ لہٰذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس دُنیا کے بعد ایک دوسری زندگی ہو جس میں ہر انسان کو اُس کے مناسب بدلہ دیا جاسکے۔ رہا کافروں کا یہ اعتراض کہ مرکر مٹی میں مل جانے کے بعد انسان کس طرح دوبارہ زندہ ہوں گے؟ تو اس کا جواب اگلے جملے میں یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی ہے کہ تم سب کو فنا کرکے ایک نئی مخلوق پیدا کردے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک مخلوق کو بالکل عدم سے وجود میں لانا زیادہ مشکل کام ہے اور جو مخلوق ایک مرتبہ وجود میں آچکی ہو اُس پر موت طاری کرکے اُسے زندہ کردینا اُس کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔ جب اللہ تعالیٰ پہلے مشکل کام پر قادر ہے تو اس دوسرے کام کی تو یقیناً قدرت رکھتا ہے۔

وَبَرَزُوا لِلّٰهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوٓا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ
أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ قَالُوا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۖ
سَوَآءٌ عَلَيْنَآ أَجَزِعْنَآ أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيصٍ ﴿۲۱﴾ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ
الْأَمْرُ إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ
مِّنْ سُلْطٰنٍ إِلَّآ أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۖ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوٓا أَنْفُسَكُمْ ۖ مَآ أَنَا
بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۖ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَآ أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ ۗ إِنَّ
الظّٰلِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۲﴾

اور یہ سب لوگ اللہ کے آگے پیش ہوں گے۔ پھر جو لوگ (دنیا میں) کمزور تھے، وہ بڑائی بگھارنے والوں سے کہیں گے کہ: ''ہم تو تمہارے پیچھے چلنے والے لوگ تھے، تو کیا اب تم ہمیں اللہ کے عذاب سے کچھ بچالو گے؟'' وہ کہیں گے: ''اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم بھی تمہیں ہدایت دے دیتے۔ چاہے ہم چیخیں چلائیں یا صبر کریں، دونوں صورتیں ہمارے لئے برابر ہیں، ہمارے لئے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں۔'' ﴿۲۱﴾ اور جب ہر بات کا فیصلہ ہوجائے گا تو شیطان (اپنے ماننے والوں سے) کہے گا: ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے تم سے وعدہ کیا تو اس کی خلاف ورزی کی۔ اور مجھے تم پر اس سے زیادہ کوئی اختیار حاصل نہیں تھا کہ میں نے تمہیں (اللہ کی نافرمانی کی) دعوت دی تو تم نے میری بات مان لی۔ لہٰذا اب مجھے ملامت نہ کرو، بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ تمہاری فریاد پر میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں، اور نہ میری فریاد پر تم میری مدد کرسکتے ہو۔ تم نے اس سے پہلے مجھے اللہ کا جو شریک مان لیا تھا، (آج) میں نے اس کا انکار کردیا ہے۔[۱۶] جن لوگوں نے یہ ظلم کیا تھا، ان کے حصے میں تو اب دردناک عذاب ہے۔ ﴿۲۲﴾

---

(۱۶) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان کو شریک ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ایسی ہی اطاعت کی جائے جیسی

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۲۴﴾ۙ

اور جو لوگ ایمان لائے تھے، اور انہوں نے نیک عمل کیے تھے، اُنہیں ایسے باغات میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اپنے پروردگار کے حکم سے وہ ان (باغوں) میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کا استقبال سلام سے کریں گے۔(۱۷) ﴿۲۳﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ کی کیسی مثال بیان کی ہے؟ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوطی سے جمی ہوئی ہے، اور اُس کی شاخیں آسمان میں ہیں،(۱۸) ﴿۲۴﴾

اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے۔ شیطان اُس وقت کہے گا کہ اب میں تمہارے اس طریق کار کے صحیح ہونے کا انکار کرتا ہوں۔

(۱۷) اُوپر دوزخیوں کا مکالمہ مذکور تھا کہ وہ ایک دوسرے کو ملامت بھی کریں گے اور اس بات کا اعلان بھی کہ ان کے لئے تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے مقابلے میں جنت والوں کا طریقہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ہر ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو تباہی کے بجائے سلامتی کا پیغام دیں گے۔

(۱۸) کلمۂ طیبہ سے مراد کلمۂ توحید یعنی "لا الٰہ الا اللہ" ہے۔ اور اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ پاکیزہ درخت سے مراد کھجور کا درخت ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوطی کے ساتھ جمی ہوتی ہیں، اور تیز ہوائیں اور آندھیاں اُسے نقصان نہیں پہنچا سکتیں، نہ اُسے اپنی جگہ سے ہلا سکتی ہیں۔ اسی طرح جب توحید کا کلمہ انسان کے دل و دماغ میں پیوست ہوجاتا ہے تو ایمان کی خاطر اُسے کیسی ہی تکلیفوں یا مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے، اُس کے ایمان میں کوئی کمزوری نہیں آتی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو ہر قسم کی اذیتیں دی گئیں، لیکن توحید کا جو کلمہ اُن کے دل میں گھر کر چکا تھا، اُس میں مصائب کی ان آندھیوں سے ذرہ برابر تزلزل نہیں آیا۔ کھجور کے درخت کی دوسری صفت اس آیت میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اُس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں، اور زمین کی کثافتوں سے دور رہتی ہیں، اسی طرح جب توحید کا کلمہ مومن کے دل میں پیوست ہوجاتا ہے تو اُس کے تمام نیک کام جو درحقیقت اسی کلمے کی شاخیں ہیں، آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچ کر اُس کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں، اور دُنیا پرستی کی کثافتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۵ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ
الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝۲۶ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ

اپنے رب کے حکم سے وہ ہر آن پھل دیتا ہے۔[۱۹] اللہ (اس قسم کی) مثالیں اس لئے دیتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ ﴿۲۵﴾ اور ناپاک کلمے کی مثال ایک خراب درخت کی طرح ہے جسے زمین کے اوپر ہی اوپر سے اُکھاڑ لیا جائے، اُس میں ذرا بھی جماؤ نہ ہو۔[۲۰] ﴿۲۶﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ اُن کو اس مضبوط بات پر دُنیا کی زندگی میں بھی جماؤ عطا کرتا ہے، اور آخرت میں بھی۔[۲۱]

---

(۱۹) یعنی یہ درخت سدا بہار ہے، اُس پر کبھی خزاں طاری نہیں ہوتی، اور وہ ہر حال میں پھل دیتا ہے۔ اگر اس سے مراد کھجور کا درخت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا پھل سارے سال کھایا جاتا ہے۔ نیز جس زمانے میں بظاہر اُس پر پھل نہیں ہوتا، اُس زمانے میں بھی اُس سے مختلف فائدے حاصل کئے جاتے ہیں۔ کبھی اُس سے نیرا نکال کر پیا جاتا ہے، کبھی اُس کے تنے کا گودا نکال کر کھایا جاتا ہے، اور کبھی اُس کے پتوں سے مختلف چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ اسی طرح جب کوئی شخص توحید کے کلمے پر ایمان لے آتا ہے تو چاہے خوش حال ہو یا تنگدست، عیش و آرام میں ہو یا تکلیفوں میں، ہر حال میں اُس کے ایمان کی بدولت اُس کے اعمال نامے میں نیکیاں بڑھتی رہتی ہیں، اور اس کے نتیجے میں اُس کے ثواب میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے جو درحقیقت توحید کے کلمے کا پھل ہے۔

(۲۰) ناپاک کلمے سے مراد کفر کا کلمہ ہے، اس کی مثال ایسا خراب درخت ہے جس کی کوئی مضبوط جڑ نہ ہو، بلکہ وہ جھاڑ جھنکاڑ کی شکل میں خود اُگ آئے۔ اُس میں جماؤ بالکل نہیں ہوتا، اس لئے جو شخص چاہے اُسے آسانی سے اُکھاڑ ڈالتا ہے۔ اسی طرح کافرانہ عقیدوں کی کوئی عقلی یا نقلی بنیاد نہیں ہوتی۔ اُن کی تردید آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ اور ساتھ ہی اس سے مسلمانوں کو یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ کفر و شرک کے جن عقیدوں نے آج مسلمانوں پر زمین تنگ کی ہوئی ہے، عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ان کو اس طرح اُکھاڑ پھینکا جائے گا جیسے جھاڑ جھنکاڑ کو اُکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔

(۲۱) دُنیا میں جماؤ عطا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن پر کتنی زبردستی کی جائے، وہ توحید کے اس کلمے کو چھوڑنے

وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۛ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ
الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ
اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

اور ظالم لوگوں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے، اور اللہ (اپنی حکمت کے مطابق) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ﴿۲۷﴾ کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا، اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں لا اُتارا ﴿۲۸﴾ جس کا نام جہنم ہے؟ [۲۲] وہ اُس میں جلیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ ﴿۲۹﴾ اور انہوں نے اللہ کے ساتھ (اُس کی خدائی میں) کچھ شریک بنالئے، تاکہ لوگوں کو اُس کے راستے سے گمراہ کریں۔ ان سے کہو کہ: "(تھوڑے سے) مزے اُڑالو، کیونکہ آخرکار تمہیں جانا دوزخ ہی کی طرف ہے۔" ﴿۳۰﴾ میرے جو بندے ایمان لائے ہیں، اُن سے کہہ دو کہ وہ نماز قائم کریں، اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے اُس میں سے پوشیدہ طور پر بھی اور علانیہ بھی (نیکی کے کاموں میں) خرچ کریں، (اور یہ کام) اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے (کرلیں) جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی، نہ کوئی دوستی کام آئے گی۔ [۲۳] ﴿۳۱﴾

کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اور آخرت میں جماؤ پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں جب اُس سے سوال وجواب ہوگا تو وہ اپنے اس کلمے اور عقیدے کا اظہار کرے گا جس کے نتیجے میں اُسے آخرت کی ابدی نعمتیں نصیب ہوں گی۔

(۲۲) یہ مکہ مکرمہ کے کافر سرداروں کی طرف اشارہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا تھا، لیکن انہوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی، جس کے نتیجے میں خود بھی تباہی مول لی اور اپنی قوم کو بھی تباہی کے راستے پر لے گئے۔

(۲۳) اس سے مراد حساب وکتاب کا دن ہے۔ اُس دن کوئی شخص پیسے خرچ کرکے جنت نہیں خرید سکے گا، اور نہ دوستی کے تعلقات کی بنا پر اپنے آپ کو عذاب سے بچا سکے گا۔

ٱللَّهُ ٱلَّذِي خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجَ بِهِۦ مِنَ
ٱلثَّمَرَٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ ٱلْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي ٱلْبَحْرِ بِأَمْرِهِۦ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ
ٱلْأَنْهَٰرَ ﴿٣٢﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ ٱلشَّمْسَ وَٱلْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ ٱلَّيْلَ وَ
ٱلنَّهَارَ ﴿٣٣﴾ وَءَاتَىٰكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ وَإِن تَعُدُّوا۟ نِعْمَتَ ٱللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ
ع إِنَّ ٱلْإِنسَٰنَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ﴿٣٤﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِيمُ رَبِّ ٱجْعَلْ هَٰذَا ٱلْبَلَدَ ءَامِنًا
وَٱجْنُبْنِى وَبَنِىَّ أَن نَّعْبُدَ ٱلْأَصْنَامَ ﴿٣٥﴾

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس کے ذریعے تمہارے رزق کے لئے پھل اُگائے، اور کشتیوں کو تمہارے لئے رام کردیا، تاکہ وہ اُس کے حکم سے سمندر میں چلیں، اور دریاؤں کو بھی تمہاری خدمت پر لگادیا۔ ﴿۳۲﴾ اور تمہاری خاطر سورج اور چاند کو اس طرح کام پر لگایا کہ وہ مسلسل سفر میں ہیں، اور تمہاری خاطر رات اور دن کو بھی کام پر لگایا۔ ﴿۳۳﴾ اور تم نے جو کچھ مانگا، اُس نے اُس میں سے (جو تمہارے لئے مناسب تھا) تمہیں دیا۔ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار (بھی) نہیں کرسکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت بے انصاف، بڑا ناشکرا ہے۔ ﴿۳۴﴾ اور یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم نے (اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہوئے) کہا تھا کہ: ''یارب! اس شہر کو(۲۴) امن والا بنادیجئے، اور مجھے اور میرے بیٹوں کو اس بات سے بچائیے کہ ہم بتوں کی پرستش کریں۔''(۲۵) ﴿۳۵﴾

(۲۴) اس سے مراد مکہ مکرمہ کا شہر ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہؓ اور اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھوڑا تھا۔ اس وقت یہاں کوئی آبادی نہیں تھی، نہ بظاہر زندہ رہنے کا کوئی سامان، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں پہلے زمزم کا کنواں جاری فرمایا جسے دیکھ کر قبیلہ جرہم کے لوگ یہاں آکر حضرت ہاجرہؓ کی اجازت سے آباد ہوئے، اور پھر رفتہ رفتہ یہ ایک شہر بن گیا۔

(۲۵) مکہ مکرمہ کے مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بڑا مانتے تھے۔ اس لئے ان آیات میں اللہ تعالیٰ اُن

رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي
فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٦﴾ رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ
عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي
إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾

میرے پروردگار! ان بتوں نے لوگوں کی بڑی تعداد کو گمراہ کیا ہے۔ لہٰذا جو کوئی میری راہ پر چلے، وہ تو میرا ہے، اور جو میرا کہنا نہ مانے، تو (اس کا معاملہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں) آپ بہت بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔[۲۶] ﴿۳۶﴾ اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو آپ کے حرمت والے گھر کے پاس ایک ایسی وادی میں لا بسایا ہے جس میں کوئی کھیتی نہیں ہوتی۔ ہمارے پروردگار! (یہ میں نے اس لئے کیا) تاکہ یہ نماز قائم کریں، لہٰذا لوگوں کے دلوں میں ان کے لئے کشش پیدا کر دیجیے، اور ان کو پھلوں کا رزق عطا فرمائیے،[۲۷] تاکہ وہ شکر گذار بنیں۔ ﴿۳۷﴾

کی بددعا نقل فرما کر انہیں متنبہ فرما رہے ہیں کہ وہ تو بت پرستی سے اتنے بیزار تھے کہ انہوں نے اپنی اولاد کو اس سے محفوظ رہنے کی دعا مانگی تھی۔ پھر تم لوگوں نے کہاں سے بت پرستی شروع کر دی۔

(۲۶) مطلب یہ ہے کہ میں اپنی اولاد اور دوسرے لوگوں کو بت پرستی سے بچنے کی تاکید کرتا رہوں گا۔ پھر جو لوگ میری ان ہدایات پر عمل کریں گے، وہ تو مجھ سے تعلق رکھنے کا دعویٰ کر سکیں گے، لیکن جو میری بات نہیں مانیں گے، ان کے لئے میں بددعا نہیں کرتا، بلکہ ان کا معاملہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔ آپ غفور رحیم ہیں، اس لئے ان کی مغفرت کا بھی راستہ نکال سکتے ہیں کہ ان کو ہدایت عطا فرمادیں۔

(۲۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ایسی قبول ہوئی کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے دل مکہ مکرمہ کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں، موسم حج میں تو یہ نظارہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ کہاں کہاں سے لوگ مشقتیں اٹھا کر اس خشک اور بے آب و گیاہ علاقے میں پہنچتے ہیں۔ موسم حج کے علاوہ بھی لوگ بار بار عمرے اور دوسری عبادتوں کے لئے وہاں پہنچتے ہیں، اور جو ایک مرتبہ وہاں چلا جاتا ہے، اسے بار بار حاضری کا شوق لگا رہتا ہے۔ اور پھلوں کی افراط کا یہ عالم ہے کہ دنیا بھر کے پھل بڑی تعداد میں وہاں پہنچتے ہیں، حالانکہ وہاں کی زمین میں اپنا کوئی پھل پیدا نہیں ہوتا۔

رَبَّنَآ اِنَّکَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِیۡ وَ مَا نُعۡلِنُ ؕ وَ مَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ فِی الۡاَرۡضِ
وَ لَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ وَہَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ
رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ رَبَّنَا وَ
ع تَقَبَّلۡ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ﴿۴۱﴾
۱۸
وَ لَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ ۬ؕ اِنَّمَا یُؤَخِّرُہُمۡ لِیَوۡمٍ تَشۡخَصُ
فِیۡہِ الۡاَبۡصَارُ ﴿۴۲﴾

اے ہمارے رَبّ! ہم جو کام چھپ کر کرتے ہیں، وہ بھی آپ کے علم میں ہیں، اور جو کام علانیہ کرتے ہیں، وہ بھی۔ اور اللہ سے نہ زمین کی کوئی چیز چھپی ہوئی ہے، نہ آسمان کی کوئی چیز۔ ﴿۳۸﴾ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق (جیسے بیٹے) عطا فرمائے۔ بیشک میرا رَبّ بڑا دُعائیں سننے والا ہے۔ ﴿۳۹﴾ یا رَبّ! مجھے بھی نماز قائم کرنے والا بنا دیجئے، اور میری اولاد میں سے بھی (ایسے لوگ پیدا فرمایئے جو نماز قائم کریں۔) اے ہمارے پروردگار! اور میری دُعا قبول فرمالیجئے۔ ﴿۴۰﴾ اے ہمارے پروردگار! جس دن حساب قائم ہوگا، اُس دن میری بھی مغفرت فرمایئے، میرے والدین کی بھی، (۲۸) اور ان سب کی بھی جو ایمان رکھتے ہیں۔" ﴿۴۱﴾ اور یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو کچھ یہ ظالم کر رہے ہیں، اللہ اُس سے غافل ہے۔ (۲۹) وہ تو ان لوگوں کو اُس دن تک کے لئے مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ ﴿۴۲﴾

---

(۲۸) یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر تو کافر تھا، اُس کے لئے آپ نے مغفرت کی دُعا کیسے فرمائی؟ جواب یہ ہے کہ جس وقت یہ دُعا فرمائی، ہوسکتا ہے کہ اُس کے کفر کی حالت میں مرنے کی آپ کو خبر نہ ہوئی ہو، لہٰذا دُعا کا مطلب یہ ہوا کہ اُس کو ایمان کی توفیق مل جائے، جو اُس کے لئے مغفرت کا سبب ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُس وقت تک آپ کو مشرک باپ کے لئے دُعا کرنے سے منع نہ فرمایا گیا ہو۔

(۲۹) پیچھے یہ فرمایا گیا تھا کہ ان ظالموں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرکے اپنی قوم کو تباہی کے کنارے لا کھڑا

مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ﴿٤٣﴾
وَأَنذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ
أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُم مِّن
قَبْلُ مَا لَكُم مِّن زَوَالٍ ﴿٤٤﴾

دوسروں کو اوپر اُٹھائے دوڑ رہے ہوں گے، اُن کی نگاہیں جھپکنے کو واپس نہیں آئیں گی،(۲۰) اور اُن کے دِل (بدحواسی میں) اُڑے جارہے ہوں گے۔ ﴿۴۳﴾ اور (اے پیغمبر!) تم لوگوں کو اُس دن سے خبردار کرو جب عذاب اُن پر آن پڑے گا تو اُس وقت یہ ظالم کہیں گے کہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مدت کے لئے اور مہلت دے دیجئے تاکہ ہم آپ کی دعوت قبول کرلیں، اور پیغمبروں کی پیروی کریں۔'' (اُس وقت اُن سے کہا جائے گا کہ:) ''ارے کیا تم لوگوں نے قسمیں کھا کھا کر پہلے یہ نہیں کہا تھا کہ تم پر کوئی زوال نہیں آسکتا؟ ﴿۴۴﴾

کیا ہے۔ اس پر کسی کے دل میں خیال ہوسکتا تھا کہ دُنیا میں تو یہ لوگ ترقی کرتے نظر آرہے ہیں۔ اس خیال کا جواب ان آیتوں میں دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈھیل دے رکھی ہے، اور بالآخر یہ ایک ہولناک عذاب میں پکڑے جائیں گے۔ اُس وقت ہیبت سے ان کا جو حال ہوگا، اُس کی تفصیل انتہائی بلیغ اُسلوب میں بیان فرمائی گئی ہے جس کی تاثیر کو کسی ترجمے کے ذریعے دوسری زبان میں منتقل نہیں کیا جاسکتا، اور اگرچہ یہ انجام براہِ راست تو مکہ مکرمہ کے کافروں کا بیان فرمایا گیا ہے، لیکن الفاظ عام ہیں، اور جب بھی ظالم لوگ بڑھتے چڑھتے نظر آئیں، تو ان پر بھی یہ آیات پوری طرح صادق آتی ہیں۔

(۲۰) یعنی جو ہولناک انجام ان کے سامنے ہوگا، اُس کی وجہ سے وہ ٹکٹکی باندھ کر ایک ہی طرف دیکھ رہے ہوں گے، اور پلک جھپکانے کی جو صلاحیت دُنیا میں تھی، وہ ان کے پاس اُس وقت واپس نہیں آئے گی۔

وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا
لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ
لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ
الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ۚ
سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ۙ

اور تم اُن لوگوں کی بستیوں میں رہ چکے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اور یہ بات کھل کر تمہارے سامنے آچکی تھی کہ ہم نے اُن کے ساتھ کیسا سلوک کیا، اور ہم نے تمہیں مثالیں بھی دی تھیں۔ ﴿۴۵﴾ اور وہ لوگ اپنی ساری چالیں چل چکے تھے، اور ان کی ساری چالوں کا توڑ اللہ کے پاس تھا، چاہے اُن کی چالیں ایسی کیوں نہ ہوں جن سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔'' ﴿۴۶﴾ لہٰذا اللہ کے بارے میں ہرگز یہ خیال بھی دل میں نہ لانا کہ اُس نے اپنے پیغمبروں سے جو وعدہ کر رکھا ہے، اُس کی خلاف ورزی کرے گا۔ یقین رکھو کہ اللہ اپنے اقتدار میں سب پر غالب ہے، (اور) انتقام لینے والا ہے۔ ﴿۴۷﴾ اُس دن جب یہ زمین ایک دوسری زمین سے بدل دی جائے گی، اور آسمان بھی (بدل جائیں گے) اور سب کے سب خدائے واحد و قہار کے سامنے پیش ہوں گے۔ ﴿۴۸﴾ اور اُس دن تم مجرموں کو اس حالت میں دیکھو گے کہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ ﴿۴۹﴾ اُن کے قمیص تارکول کے ہوں گے، اور آگ اُن کے چہروں پر چھائی ہوئی ہوگی، ﴿۵۰﴾

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ
وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ ع ۱۹

تا کہ اللہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دے۔ یقیناً اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔ ﴿۵۱﴾ یہ تمام لوگوں کے لئے ایک پیغام ہے، اور اس لئے دیا جا رہا ہے تاکہ انھیں اس کے ذریعے خبردار کیا جائے، اور تاکہ وہ جان لیں کہ معبودِ برحق بس ایک ہی ہے، اور تاکہ سمجھ رکھنے والے نصیحت حاصل کرلیں۔ ﴿۵۲﴾

الحمد للہ! سورۂ ابراہیم کا ترجمہ اور حواشی شبِ دوشنبہ ۱۱ رجب ۱۴۲۱ھ مطابق ۶ ر اگست ۲۰۰۰ء کو مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق بعافیت تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الحِجْرِ

تعارف

اس سورت کی آیت نمبر ۹۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی، کیونکہ اس آیت میں پہلی بار آپ کو کھل کر اسلام کی عام تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ سورت کے شروع میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے، اور جو لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں، ایک وقت آئے گا جب وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ اسلام لے آتے۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی (معاذ اللہ) مجنون کہتے، اور کبھی کاہن قرار دیتے تھے۔ ان باتوں کی تردید کرتے ہوئے کہانت کی حقیقت آیت نمبر ۱۷ اور ۱۸ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ ان لوگوں کے کفر کی اصل وجہ ان کا تکبر تھا، اس لئے ابلیس کا واقعہ آیات نمبر ۲۶ تا ۴۴ میں بیان کیا گیا ہے کہ اُس کے تکبر نے کس طرح اُس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کیا۔ کفار کی عبرت کے لئے حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت صالح علیہم السلام کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کافروں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی محنت بیکار جا رہی ہے۔ اُن کا فریضہ اتنا ہے کہ وہ مؤثر انداز میں تبلیغ کریں، جو وہ بہترین طریقے پر انجام دے رہے ہیں۔ نتائج کی ذمہ داری اُن پر نہیں ہے۔ سورت کا نام قومِ ثمود کی بستیوں کے نام پر رکھا گیا ہے جو "حِجر" کہلاتی تھیں، اور اُن کا ذکر اس سورت کی آیت نمبر ۸۰ میں آیا ہے۔

آیاتہا ۹۹ | ۱۵ سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ ۵۴ | رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا
مُسْلِمِيْنَ ۝۲ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۳ وَمَآ
اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا
يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓرٰ۔ یہ (اللہ کی) کتاب اور روشن قرآن کی آیتیں ہیں۔ ﴿۱﴾ ایک وقت آئے گا جب یہ کافر لوگ بڑی تمنائیں کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ ﴿۲﴾ (اے پیغمبر!) انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو کہ یہ خوب کھالیں، مزے اڑالیں، اور خیالی اُمیدیں انہیں غفلت میں ڈالے رکھیں،[1] کیونکہ عنقریب انہیں پتہ چل جائے گا (کہ حقیقت کیا تھی) ﴿۳﴾ اور ہم نے جس کسی بستی کو ہلاک کیا تھا، اُس کے لئے ایک معین وقت لکھا ہوا تھا۔ ﴿۴﴾ کوئی قوم اپنے معین وقت سے نہ پہلے ہلاک ہوتی ہے، اور نہ اُس سے آگے جاسکتی ہے۔ ﴿۵﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: "اے وہ شخص جس پر یہ ذکر (یعنی قرآن) اُتارا گیا ہے! تم یقینی طور پر مجنون ہو۔ ﴿۶﴾

---

(۱) اس آیت میں قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے کہ صرف کھانے پینے اور دُنیا میں مزے اُڑانے کو اپنی زندگی کا اصل مقصد بنالینا اور اسی کے لئے اس طرح لمبی لمبی خیالی اُمیدیں باندھتے رہنا جیسے زندگی بس یہی ہے، یہ کافروں کا کام ہے۔ مسلمان دُنیا میں رہتا ضرور ہے، اور اُس میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ بھی اُٹھاتا ہے، مگر اس دُنیا کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بناتا، بلکہ اُسے آخرت کی بھلائی کے لئے استعمال کرتا ہے جس کا بہترین راستہ شریعت کے اَحکام کی پابندی ہے۔

لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَٰٓئِكَةِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّٰدِقِينَ ﴿٧﴾ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَٰٓئِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ
وَمَا كَانُوٓا إِذًا مُّنظَرِينَ ﴿٨﴾ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ﴿٩﴾
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِى شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٠﴾ وَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا
كَانُوا بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿١١﴾

اگر تم واقعی سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتے؟" ﴿۷﴾ ہم فرشتوں کو اُتارتے ہیں تو برحق فیصلہ دے کر اُتارتے ہیں، اور ایسا ہوتا تو ان کو مہلت بھی نہ ملتی (۲) ﴿۸﴾ حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اُتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (۳) ﴿۹﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم تم سے پہلے بھی پچھلی قوموں کے مختلف گروہوں میں اپنے پیغمبر بھیج چکے ہیں۔ ﴿۱۰﴾ اور ان کے پاس کوئی رسول ایسا نہیں آتا تھا جس کا وہ مذاق نہ اُڑاتے ہوں۔ ﴿۱۱﴾

(۲) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے اُتارنے کی فرمائش کا جواب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قوم کے لئے کوئی پیغمبر بھیجا گیا ہو، اُس کے پاس ہم فرشتے اس وقت اُتارتے ہیں جب اُس قوم کی نافرمانی حد سے گذر جاتی ہے، اور اس فیصلے کا وقت آجاتا ہے کہ اب ان پر عذاب نازل ہوگا۔ اور جب یہ فیصلہ کر کے فرشتے بھیج دیے جاتے ہیں تو پھر اُس قوم کو ایمان لانے کی مہلت نہیں ملتی۔ کیونکہ یہ دُنیا ایک امتحان کی جگہ ہے۔ یہاں انسان سے جو ایمان مطلوب ہے، وہ ایمان بالغیب ہے جس میں انسان اپنی عقل اور سمجھ کو کام میں لا کر اللہ تعالیٰ اور اُس کی توحید کے آگے سرِ تسلیم خم کرے۔ اگر غیب کی ساری چیزیں دُنیا ہی میں دکھا دی جائیں تو امتحان ہی کیا ہوا؟

(۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ اگرچہ قرآنِ کریم سے پہلے بھی آسمانی کتابیں بھیجی گئی تھیں، لیکن چونکہ وہ خاص خاص قوموں اور خاص خاص زمانوں کے لئے آئی تھیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو قیامت تک محفوظ رکھنے کی کوئی ضمانت نہیں دی تھی، بلکہ اُن کی حفاظت کا کام اُنہی لوگوں کو سونپ دیا گیا تھا جو اُن کے مخاطب تھے، جیسا کہ سورۂ مائدہ (۵:۴۴) میں فرمایا گیا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم چونکہ آخری آسمانی کتاب ہے جو قیامت تک کے لئے نافذ العمل رہے گی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے، چنانچہ اس میں قیامت تک کوئی ردّ و بدل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اس طرح فرمائی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا
اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ
بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾

مجرم لوگوں کے دلوں میں یہ بات (۴) ہم اسی طرح داخل کرتے ہیں ﴿۱۲﴾ کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اور پچھلے لوگوں کا بھی یہی طریقہ چلا آیا ہے۔ ﴿۱۳﴾ اور اگر (بالفرض) ہم اُن کے لئے آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں، اور وہ دن کی روشنی میں اُس پر چڑھتے بھی چلے جائیں، ﴿۱۴﴾ تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کردی گئی ہے، بلکہ ہم لوگ جادو کے اثر میں آئے ہوئے ہیں۔ (۵) ﴿۱۵﴾ اور ہم نے آسمان میں بہت سے برج بنائے ہیں، (۶) اور اُس کو دیکھنے والوں کے لئے سجاوٹ عطا کی ہے، (۷) ﴿۱۶﴾

کے سینوں میں اُسے اس طرح محفوظ کردیا ہے کہ اگر بالفرض کوئی دشمن قرآن کریم کے سارے نسخے (معاذ اللہ) ختم کردے تب بھی چھوٹے چھوٹے بچے اُسے دوبارہ کسی معمولی تبدیلی کے بغیر لکھوا سکتے ہیں جو بذاتِ خود قرآن کریم کا زندہ معجزہ ہے۔

(۴) "یہ بات" سے قرآن کریم بھی مراد ہوسکتا ہے، یعنی قرآن کریم ان کے دلوں میں داخل تو ہوتا ہے لیکن اُن کے مجرمانہ طرزِ عمل کی وجہ سے وہ انہیں ایمان کی دولت نہیں بخشتا۔ اور "یہ بات" سے ان کے مذاق اُڑانے کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔ یعنی اُن کے مجرمانہ طرزِ عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر لگادی ہے، اور کفر و عناد اور استہزاء اُن کے دلوں میں داخل کردیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

(۵) مطلب یہ ہے کہ ان کے سارے مطالبات محض ضد پر مبنی ہیں۔ فرشتے اُتارنا تو درکنار، اگر خود ان کو آسمان پر لے جایا جائے تب بھی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے کا کوئی نہ کوئی بہانہ گھڑ لیں گے، اور یہ کہیں گے کہ ہم پر جادو کردیا گیا ہے۔

(۶) برج اصل میں تو قلعے کو کہتے ہیں، لیکن اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں "بروج" سے مراد ستارے ہیں۔

(۷) یعنی آسمان ستاروں سے سجا ہوا نظر آتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ قرآن کریم نے "آسمان"

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾

اور اُسے ہر مردود شیطان سے محفوظ رکھا ہے۔ ﴿۱۷﴾ البتہ جو کوئی چوری سے کچھ سننے کی کوشش کرے تو ایک روشن شعلہ اُس کا پیچھا کرتا ہے۔[۸] ﴿۱۸﴾ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا ہے، اور اُس کو جمانے کے لئے اُس میں پہاڑ رکھ دیئے ہیں،[۹] اور اُس میں ہر قسم کی چیزیں توازن کے ساتھ اُگائی ہیں۔ ﴿۱۹﴾

کا لفظ مختلف مقامات پر مختلف معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ کہیں اس سے مراد اُن سات آسمانوں میں سے کوئی آسمان ہوتا ہے جن کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اُوپر تلے پیدا فرمایا ہے۔ اور کہیں اُس سے اُوپر کی سمت مراد ہوتی ہے، چنانچہ آگے آیت نمبر ۲۱ میں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ آسمان سے پانی ہم نے اُتارا ہے، وہاں آسمان سے یہی معنی مراد ہیں۔ بظاہر اس آیت میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔

(۸) یہ حقیقت قرآن کریم نے کئی جگہ بیان فرمائی ہے کہ شیطان آسمان کے اُوپر جا کر عالم بالا کی خبریں حاصل کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ خبریں کاہنوں اور نجومیوں تک پہنچائیں، اور وہ اُن کے ذریعے لوگوں کو یہ باور کرائیں کہ انہیں غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ لیکن آسمان میں ان کا داخلہ شروع ہی سے بند ہے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُنیا میں تشریف آوری سے پہلے یہ شیاطین آسمان کے قریب جا کر فرشتوں کی باتیں چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے تھے، اور وہاں سے کوئی بات کان میں پڑ جاتی تو اُس کے ساتھ سینکڑوں جھوٹ ملا کر کاہنوں کو بتا دیتے تھے، اس طرح کبھی کوئی بات صحیح بھی نکل آتی تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد ان کو آسمان کے قریب جانے سے بھی روک دیا گیا۔ اب اگر وہ ایسی کوشش کرتے ہیں تو اُن کو ایک شعلے کے ذریعے مار کر بھگا دیا جاتا ہے۔ ستارہ ٹوٹنے کے جو واقعات ہمیں آسمان پر نظر آتے ہیں، بعض اوقات وہ یہی شعلہ ہوتا ہے جس کے ذریعے شیطان کو مار بھگایا جاتا ہے۔ اس حقیقت کی پوری تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ جن میں آئے گی۔

(۹) قرآن کریم نے کئی جگہ بیان فرمایا ہے کہ شروع میں جب زمین کو سمندر پر بچھایا گیا تو وہ ڈولتی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا فرمائے، تاکہ وہ زمین کو جما کر رکھیں۔ دیکھئے سورۂ نحل (۱۶:۱۵)۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا
عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ
فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا
لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ
وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور اُس میں تمہارے لئے بھی روزی کے سامان پیدا کئے ہیں، اور اُن (مخلوقات) کے لئے بھی جنہیں
تم رزق نہیں دیتے۔(۱۰) ﴿۲۰﴾ اور کوئی (ضرورت کی) چیز ایسی نہیں ہے جس کے ہمارے پاس خزانے
موجود نہ ہوں، مگر ہم اُس کو ایک متعین مقدار میں اُتارتے ہیں۔ ﴿۲۱﴾ اور وہ ہوائیں جو بادلوں کو پانی
سے بھر دیتی ہیں، ہم نے بھیجی ہیں، پھر آسمان سے پانی ہم نے اُتارا ہے، پھر اُس سے تمہیں سیراب ہم
نے کیا ہے، اور تمہارے بس میں یہ نہیں ہے کہ تم اُس کو ذخیرہ کر کے رکھ سکو۔ ﴿۲۲﴾ ہم ہی زندگی
دیتے ہیں، اور ہم ہی موت دیتے ہیں، اور ہم ہی سب کے وارث ہیں۔ ﴿۲۳﴾ تم میں سے جو آگے
نکل گئے ہیں، اُن کو بھی ہم جانتے ہیں، اور جو پیچھے رہ گئے ہیں ان سے بھی ہم واقف ہیں۔(۱۱) ﴿۲۴﴾

(۱۰) اگرچہ ہر چیز کو رزق تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے، لیکن بعض پالتو جانور ایسے ہیں جنہیں انسان ظاہری طور پر چارہ فراہم کرتا ہے۔ ان کے علاوہ اکثر مخلوقات ایسی ہیں کہ جنہیں رزق مہیا کرنے میں ظاہری طور پر بھی انسان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم نے انسانوں کے لئے بھی رزق کے سامان پیدا کئے ہیں، اور اُن مخلوقات کے لئے بھی جنہیں انسان ظاہری طور پر بھی کوئی غذا فراہم نہیں کرتا۔ عربی گرامر کی رُو سے اس آیت کا ترجمہ ایک اور طرح بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ: "ہم نے تمہارے فائدے کے لئے اس (زمین) میں روزی کے سامان بھی پیدا کئے ہیں، اور وہ مخلوقات بھی پیدا کی ہیں جن کو تم رزق نہیں دیتے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے کے لئے وہ مخلوقات بھی پیدا کی ہیں جن کو وہ ظاہری طور پر بھی رزق نہیں دیتا، مگر ان سے فائدہ اُٹھاتا ہے، جیسے شکار کے جانور۔

(۱۱) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو قومیں تم سے پہلے گذر چکی ہیں اُن کے حالات سے بھی ہم واقف ہیں،

وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن
صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٢٦﴾ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾
وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٢٨﴾
فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴿٢٩﴾ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ
كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٣٠﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ أَن يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٣١﴾

اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار ہی ہے جو ان سب کو حشر میں اکٹھا کرے گا، بیشک اُس کی حکمت بھی بڑی ہے، اُس کا علم بھی بڑا۔ ﴿٢٥﴾ ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا،(١٢) ﴿٢٦﴾ اور جنات کو اس سے پہلے ہم نے لُو کی آگ سے پیدا کیا تھا۔(١٣) ﴿٢٧﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا کہ: "میں گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ ﴿٢٨﴾ لہٰذا جب میں اُس کو پوری طرح بنالوں، اور اُس میں اپنی رُوح پھونک دوں تو تم سب اُس کے آگے سجدے میں گر جانا۔" ﴿٢٩﴾ چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا، ﴿٣٠﴾ سوائے ابلیس کے کہ اُس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کردیا۔ ﴿٣١﴾

اور جو تو ابھی آگے آنے والی ہیں، اُن کے حالات سے بھی۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ تم میں سے جو لوگ نیک کاموں میں دوسروں سے آگے بڑھ گئے ہیں اُن کو بھی ہم جانتے ہیں، اور جو پیچھے رہ گئے ہیں، اُن کو بھی۔

(١٢) اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہے جس کا مفصل واقعہ سورۂ بقرہ (٢: ٣٠ تا ٣٤) میں گذر چکا ہے، اور وہاں فرشتوں کو سجدے کا حکم دینے سے متعلق ضروری نکات بھی بیان ہوچکے ہیں۔

(١٣) جس طرح انسان کے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اسی طرح جنات میں سب سے پہلے جس جن کو پیدا کیا گیا، اُس کا نام "جانّ" تھا، اور اُسے آگ سے پیدا کیا گیا تھا۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ
خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾
وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ
يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ
رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا
عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

اللہ نے کہا: "ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ہوا؟" ﴿۳۲﴾ اس نے کہا:
"میں ایسا (گرا ہوا) نہیں ہوں کہ ایک ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے کی
کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔" ﴿۳۳﴾ اللہ نے کہا: "اچھا تو یہاں سے نکل جا، کیونکہ تو
مردود ہو گیا ہے۔ ﴿۳۴﴾ اور تجھ پر قیامت کے دن تک پھٹکار پڑی رہے گی۔" ﴿۳۵﴾ کہنے لگا:
"یا رب! پھر مجھے اس دن تک (زندہ رہنے کی) مہلت دیدے جب لوگ مرنے کے بعد دوبارہ
زندہ کیے جائیں گے۔" ﴿۳۶﴾ اللہ نے فرمایا کہ: "جا پھر تجھے مہلت (تو) دے دی گئی ﴿۳۷﴾
(مگر) ایک ایسی میعاد کے دن تک جو ہمیں معلوم ہے۔"(۱۴) ﴿۳۸﴾ کہنے لگا: "یا رب! چونکہ تو نے
مجھے گمراہ کیا ہے، اس لیے اب میں قسم کھاتا ہوں کہ ان انسانوں کے لیے دنیا میں دلکشی پیدا کروں
گا،(۱۵) اور ان سب کو گمراہ کر کے رہوں گا، ﴿۳۹﴾ سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے ان میں
سے اپنے لیے مخلص بنا لیا ہو۔" ﴿۴۰﴾

(۱۴) شیطان نے مہلت تو روزِ حشر تک کے لیے مانگی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے بجائے ایک اور معین وقت تک کے لیے اسے مہلت دی۔ اکثر مفسرین کے مطابق وہ پہلے صور کے پھونکنے تک ہے جس کے بعد ساری مخلوقات کو موت آجائے گی، اس وقت شیطان کو بھی موت آجائے گی۔

(۱۵) یعنی ایسی دلکشی پیدا کروں گا جو انہیں تیری نافرمانی پر آمادہ کرے گی۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿۴۱﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ إِلَّا
مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِينَ ﴿۴۲﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ
ع أَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ﴿۴۴﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿۴۵﴾
ادْخُلُوهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِينَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلٰى
سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِينَ ﴿۴۷﴾

اللہ نے فرمایا: "یہ ہے وہ سیدھا راستہ جو مجھ تک پہنچتا ہے۔(۱۶) ﴿۴۱﴾ یقین رکھ کہ جو میرے بندے ہیں، ان پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا،(۱۷) سوائے اُن گمراہ لوگوں کے جو تیرے پیچھے چلیں گے۔ ﴿۴۲﴾ اور جہنم ایسے تمام لوگوں کا طے شدہ ٹھکانا ہے۔ ﴿۴۳﴾ اُس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے (میں داخلے) کے لئے اُن (دوزخیوں کا) ایک ایک گروہ بانٹ دیا گیا ہے۔" ﴿۴۴﴾ (دوسری طرف) متقی لوگ باغات اور چشموں کے درمیان رہیں گے۔ ﴿۴۵﴾ (اُن سے کہا جائے گا کہ) "ان (باغات) میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر داخل ہو جاؤ۔" ﴿۴۶﴾ اُن کے سینوں میں جو کچھ رنجش ہوگی، اُسے ہم نکال پھینکیں گے،(۱۸) وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے اُونچی نشستوں پر بیٹھے ہوں گے۔ ﴿۴۷﴾

---

(۱۶) اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت یہ واضح فرمادیا کہ جو لوگ اخلاص اور بندگی کا راستہ اختیار کریں گے، وہ سیدھا مجھ تک پہنچے گا، اور ایسے لوگوں پر شیطان کے بہکاوے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

(۱۷) "میرے بندوں" سے مراد وہ بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلنے کا پختہ عزم رکھتے اور اُسی سے مدد مانگتے ہوں۔ ایسے لوگوں پر شیطان کا زور نہ چلنے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ شیطان انہیں بھی گمراہ کرنے کی کوشش تو کرے گا، لیکن وہ اپنے اخلاص اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے دھوکے میں نہیں آئیں گے۔

(۱۸) یعنی دُنیا میں ان حضرات کے درمیان اگر کوئی رنجش رہی ہو تو جنت میں پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ وہ ان کے دلوں سے نکال دیں گے۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ
الرَّحِيمُ ﴿۴۹﴾ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ﴿۵۱﴾ إِذْ
دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ﴿۵۲﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا
نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿۵۳﴾

وہاں نہ کوئی تھکن اُن کے پاس آئے گی، اور نہ اُن کو وہاں سے نکالا جائے گا۔ ﴿۴۸﴾ میرے بندوں کو بتادو کہ میں ہی بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہوں۔ ﴿۴۹﴾ اور یہ بھی بتادو کہ میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے۔ ﴿۵۰﴾ اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنادو،(۱۹) ﴿۵۱﴾ اُس وقت کا حال جب وہ اُن کے پاس پہنچے، اور سلام کیا۔ ابراہیم نے کہا کہ: "ہمیں تو تم سے ڈر لگ رہا ہے۔"(۲۰) ﴿۵۲﴾ انہوں نے کہا: "ڈریئے نہیں، ہم تو آپ کو ایک صاحبِ علم لڑکے (کی ولادت) کی خوشخبری دے رہے ہیں۔" ﴿۵۳﴾

(۱۹) مہمانوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجے گئے تھے۔ اُوپر یہ بیان کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی بہت وسیع ہے، اور عذاب بھی بڑا سخت ہے، لہٰذا ایک انسان کو نہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا چاہئے، اور نہ اُس کے عذاب سے بے فکر ہوکر بیٹھنا چاہئے۔ اس مناسبت سے ان مہمانوں کا یہ واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے، کیونکہ اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بھی بیان ہے کہ یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بڑھاپے میں حضرت اسحاق علیہ السلام جیسے بیٹے کی پیدائش کی خبر لے کر آئے، اور اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کا بھی ذکر ہے کہ انہی فرشتوں کے ذریعے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کیا گیا۔ یہ واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ سورۂ ہود (۱۱: ۶۹ تا ۸۳) میں گذر چکا ہے۔ اس کے مختلف حصوں کی وضاحت ہم نے وہاں کی ہے۔

(۲۰) سورۂ ہود میں گذر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو انسان سمجھ کر ان کی مہمانی کے لئے بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے کر آئے تھے، لیکن انہوں نے کھانے سے پرہیز کیا جو اُس علاقے کے رواج کے مطابق اس بات کی علامت تھی کہ یہ کوئی دشمن ہیں، اور کسی برے ارادے سے آئے ہیں، اس لئے انہیں خوف محسوس ہوا۔

قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَن مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ﴿٥٤﴾ قَالُوا بَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا
تَكُن مِّنَ الْقَانِطِينَ ﴿٥٥﴾ قَالَ وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٥٦﴾ قَالَ
فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿٥٨﴾ إِلَّا
آلَ لُوطٍ ۖ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٩﴾ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا ۙ إِنَّهَا لَمِنَ
الْغَابِرِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿٦٢﴾
قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾

ابراہیم نے کہا: "کیا تم مجھے اس حالت میں خوشخبری دے رہے ہو جبکہ مجھ پر بڑھاپا چھا چکا ہے؟ پھر کس بنیاد پر مجھے خوشخبری دے رہے ہو؟" ﴿۵۴﴾ وہ بولے: "ہم نے آپ کو سچی خوشخبری دی ہے، لہٰذا آپ اُن لوگوں میں شامل نہ ہوں جو ناامید ہو جاتے ہیں۔" ﴿۵۵﴾ ابراہیم نے کہا: "اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کون ناامید ہو سکتا ہے؟" ﴿۵۶﴾ (پھر) انہوں نے پوچھا کہ: "اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! اب آپ کے سامنے کیا مہم ہے؟" ﴿۵۷﴾ انہوں نے کہا: "ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف (عذاب نازل کرنے کے لئے) بھیجا گیا ہے، ﴿۵۸﴾ البتہ لوط کے گھر والے اس سے مستثنیٰ ہیں، اُن سب کو ہم بچا لیں گے، ﴿۵۹﴾ سوائے اُن کی بیوی کے۔ ہم نے یہ طے کر رکھا ہے کہ وہ اُن لوگوں میں شامل رہے گی جو (عذاب کا نشانہ بننے کے لئے) پیچھے رہ جائیں گے۔" ﴿۶۰﴾ چنانچہ جب یہ فرشتے لوط کے گھر والوں کے پاس پہنچے ﴿۶۱﴾ تو لوط نے کہا: "آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔"(۲۱) ﴿۶۲﴾ انہوں نے کہا: "نہیں، بلکہ ہم آپ کے پاس وہ (عذاب) لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کیا کرتے تھے۔ ﴿۶۳﴾

---

(۲۱) حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی بدفطرتی سے واقف تھے کہ یہ لوگ اجنبیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی اس بدنہاد قوم کے مختصر تعارف کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف (۷:۸۰) پر ہمارا حاشیہ۔

وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ
اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ
ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ
يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا
تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾

ہم آپ کے پاس اٹل فیصلہ لے کر آئے ہیں، اور یقین رکھئے کہ ہم سچے ہیں۔ ﴿۶۴﴾ لہٰذا آپ
رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیے، اور آپ خود ان کے پیچھے پیچھے چلئے، (۲۲) اور
آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، اور وہیں جانے کے لئے چلتے رہیں جہاں کا آپ کو حکم دیا جا رہا
ہے۔" ﴿۶۵﴾ اور (اس طرح) ہم نے لوط تک اپنا یہ فیصلہ پہنچا دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ
کاٹ کر رکھ دی جائے گی۔ ﴿۶۶﴾ اور شہر والے خوشی مناتے ہوئے (لوط کے پاس)
آپہنچے۔ (۲۳) ﴿۶۷﴾ لوط نے (ان سے) کہا کہ: "یہ لوگ میرے مہمان ہیں، لہٰذا مجھے رُسوا نہ
کرو، ﴿۶۸﴾ اور اللہ سے ڈرو، اور مجھے ذلیل نہ کرو۔" ﴿۶۹﴾ کہنے لگے: "کیا ہم نے آپ کو
پہلے ہی دُنیا جہان کے لوگوں (کو مہمان بنانے) سے منع نہیں کر رکھا تھا؟" ﴿۷۰﴾

---

(۲۲) حضرت لوط علیہ السلام کو پیچھے چلنے کا حکم اس لئے دیا گیا تاکہ آپ اپنے تمام ساتھیوں کی نگرانی کر سکیں، خاص طور پر ان سب کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے پیچھے ہونے کی وجہ سے کسی کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اس حکم کی خلاف ورزی کرے۔

(۲۳) یہ فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے، اس لئے جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام کو اندیشہ تھا، یہ لوگ اپنی ہوس پوری کرنے کے شوق میں خوشی مناتے ہوئے آئے۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۷۱ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۷۲

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝۷۳ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ

حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۷۴ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝۷۵ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ

مُّقِيْمٍ ۝۷۶ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۷۷

لوط نے کہا: "اگر تم میرے کہنے پر عمل کرو تو یہ میری بیٹیاں (جو تمہارے نکاح میں ہیں، تمہارے پاس) موجود ہی ہیں۔"[۲۴] ﴿۷۱﴾ (اے پیغمبر!) تمہاری زندگی کی قسم! حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی بدمستی میں اندھے بنے ہوئے تھے۔ ﴿۷۲﴾ چنانچہ سورج نکلتے ہی ان کو چنگھاڑ نے آپکڑا، ﴿۷۳﴾ پھر ہم نے اس زمین کو تہ و بالا کرکے رکھ دیا، اور ان پر پکی مٹی کے پتھروں کی بارش برسادی۔ ﴿۷۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ اس سارے واقعے میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔ ﴿۷۵﴾ اور یہ بستیاں ایک ایسے راستے پر واقع ہیں جس پر لوگ مستقل چلتے رہتے ہیں۔[۲۵] ﴿۷۶﴾ یقیناً اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔ ﴿۷۷﴾

---

(۲۴) کسی نبی کی اُمت میں جتنی عورتیں ہوتی ہیں، وہ اس نبی کی روحانی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان بدقماش لوگوں کو نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی کہ تمہاری عورتیں جو میری روحانی بیٹیاں ہیں، تمہارے گھروں میں موجود ہیں۔ تم اپنی نفسانی خواہشات ان سے پوری کرسکتے ہو، اور یہی فطرت کا پاکیزہ طریقہ ہے۔

(۲۵) حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں اُردن کے بحیرۂ مردار کے آس پاس واقع تھیں، اور عرب کے لوگ جب شام کا سفر کرتے تو ان بستیوں کے آثار ان کے راستے میں پڑتے تھے۔ آیت ۷۲ کے بارے میں یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے سوا کسی کی قسم کھانا انسانوں کے لئے جائز نہیں۔ دیکھئے سورۂ صافات کا حاشیہ نمبر ۱۔

وَإِنْ كَانَ أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ
مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا ع ۵
عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَأَخَذَتْهُمُ
الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور ایکہ کے باشندے (بھی) بڑے ظالم تھے۔ (۲۶) ﴿۷۸﴾ چنانچہ ہم نے اُن سے بھی انتقام لیا۔ اور ان دونوں قوموں کی بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں۔ (۲۷) ﴿۷۹﴾ اور حجر کے باشندوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا۔ (۲۸) ﴿۸۰﴾ اور ہم نے اُن کو اپنی نشانیاں دیں تو وہ اُن سے منہ موڑے رہے۔ ﴿۸۱﴾ اور وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر بے خوف و خطر مکان بنایا کرتے تھے۔ ﴿۸۲﴾ آخر انہیں صبح صبح ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا۔ ﴿۸۳﴾ اور نتیجہ یہ ہوا کہ جس ہنر سے وہ کمائی کرتے تھے، وہ اُن کے کچھ کام نہ آیا۔ ﴿۸۴﴾

---

(۲۶) "ایکہ" اصل میں گھنے جنگل کو کہتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، وہ ایسے ہی گھنے جنگل کے پاس واقع تھی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اسی بستی کا نام مدین تھا، اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ مدین کے علاوہ کوئی اور بستی تھی، اور حضرت شعیب علیہ السلام اس کی طرف بھی بھیجے گئے تھے۔ اس قوم کا واقعہ سورۂ اعراف (۷: ۸۵ تا ۹۳) میں گذر گیا ہے۔ تفصیلات کے لئے ان آیات کے حواشی ملاحظہ فرمایئے۔

(۲۷) دونوں سے مراد حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی بستیاں ہیں۔ جیسا کہ اوپر گذرا، حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں تو بحیرۂ مردار کے پاس تھیں، اور حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی مدین بھی اردن میں واقع تھی، اور اہلِ عرب شام جاتے ہوئے ان دونوں کے پاس سے گذرا کرتے تھے۔

(۲۸) حِجر (حا کے نیچے زیر ہے) قومِ ثمود کی ان بستیوں کا نام تھا جن کے پاس حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان کا واقعہ بھی سورۂ اعراف (۷: ۷۳ تا ۷۹) میں گذر چکا ہے۔ ان کے تعارف کے لئے اسی سورت کی مذکورہ آیات پر ہمارے حواشی ملاحظہ فرمایئے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ
فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا
مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا
مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اُس کو کسی برحق مقصد کے بغیر پیدا نہیں کیا۔[29] اور قیامت کی گھڑی آکر رہے گی۔ لہٰذا (اے پیغمبر! ان کافروں کے طرزِ عمل پر) خوبصورتی کے ساتھ درگذر سے کام لو۔[30] ﴿۸۵﴾ یقین رکھو کہ تمہارا رب ہی سب کو پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ ﴿۸۶﴾ اور ہم نے تمہیں سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں،[31] اور عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔ ﴿۸۷﴾ اور تم اُن چیزوں کی طرف ہرگز آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے اُڑانے کے لئے دے رکھی ہیں، اور نہ ان لوگوں پر اپنا دل کڑھاؤ، اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اُن کے لئے اپنی شفقت کا بازو پھیلا دو۔ ﴿۸۸﴾

---

(۲۹) یعنی اس کائنات کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نیک لوگوں کو آخرت میں انعام دیا جائے، اور نافرمانوں کو سزا دی جائے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ ان کافروں کے اعمال کے ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرے گا۔

(۳۰) درگذر سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان کو تبلیغ نہ کی جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کو سزا دینا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ مکی زندگی میں ان سے لڑنے کی بھی اجازت نہیں تھی، اور اُن کی طرف سے جو اذیتیں مسلمانوں کو پہنچ رہی تھیں، اُن کا بدلہ لینے کا بھی حکم نہیں تھا۔ درگذر کرنے سے یہ مراد ہے کہ فی الحال ان سے کوئی بدلہ بھی نہ لو۔ اس طرح مسلمانوں کو تکلیفوں کی بھٹی سے گذار کر ان میں اعلیٰ اخلاق پیدا کئے جارہے تھے۔

(۳۱) اس سے مراد سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں جو ہر نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں۔ غالباً اس موقع پر سورۂ فاتحہ کا خصوصی حوالہ اس لئے دیا گیا ہے کہ اس سورت میں بندوں کو "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کے ذریعے ہر

وَقُلْ إِنِّيٓ أَنَا ٱلنَّذِيرُ ٱلْمُبِينُ ﴿٨٩﴾ كَمَآ أَنزَلْنَا عَلَى ٱلْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾ ٱلَّذِينَ
جَعَلُوا۟ ٱلْقُرْءَانَ عِضِينَ ﴿٩١﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا۟
يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾ فَٱصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾ إِنَّا كَفَيْنَٰكَ
ٱلْمُسْتَهْزِءِينَ ﴿٩٥﴾ ٱلَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾
وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾

اور (کفر کرنے والوں سے) کہہ دو کہ میں تو بس کھلے الفاظ میں تنبیہ کرنے والا ہوں۔ ﴿۸۹﴾ (یہ تنبیہ قرآنِ عظیم کے ذریعے اُسی طرح نازل کی گئی ہے) جیسے ہم نے اُن تفرقہ کرنے والوں پر نازل کی تھی ﴿۹۰﴾ جنہوں نے (اپنی) پڑھی جانے والی کتاب کے حصے بخرے کرلئے تھے۔ (۳۲) ﴿۹۱﴾ چنانچہ تمہارے ربّ کی قسم! ہم ایک ایک کرکے ان سب سے پوچھیں گے ﴿۹۲﴾ کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے۔ ﴿۹۳﴾ لہٰذا جس بات کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے، اُسے علی الاعلان لوگوں کو سنادو، (۳۳) اور جو لوگ (پھر بھی) شرک کریں، اُن کی پرواہ مت کرو۔ ﴿۹۴﴾ یقین رکھو کہ ہم تمہاری طرف سے ان لوگوں سے نمٹنے کے لئے کافی ہیں جو (تمہارا) مذاق اُڑاتے ہیں، ﴿۹۵﴾ جنہوں نے اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود گھڑ رکھا ہے۔ چنانچہ عنقریب انہیں سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿۹۶﴾ یقیناً ہم جانتے ہیں کہ جو باتیں یہ بناتے ہیں، اُن سے تمہارا دل تنگ ہوتا ہے۔ ﴿۹۷﴾

بات اللہ سے مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ گویا یہ ہدایت فرمائی جارہی ہے کہ جب کوئی تکلیف یا مصیبت پیش آئے، اللہ تعالیٰ سے رُجوع کرکے اُسی سے مدد مانگو، اور اُسی سے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی دُعا کرو۔

(۳۲) اس سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں، اُنہوں نے اپنی کتابوں کے حصے بخرے اس طرح کئے تھے کہ اُس کے جس حکم کو چاہتے، مان لیتے، اور جس کی چاہتے خلاف ورزی کرتے تھے۔

(۳۳) یہ وہ آیت ہے جس کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ اس سے پہلے آپ انفرادی طور پر تبلیغ فرماتے تھے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ
ع الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

تو (اس کا علاج یہ ہے کہ) تم اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو، اور سجدہ بجالانے والوں میں شامل رہو۔ ﴿۹۸﴾ اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ تم پر وہ چیز آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔(۳۴) ﴿۹۹﴾

(۳۴) اس سے مراد موت ہے۔ یعنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذار دو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وفات دے کر اپنے پاس بلالیں۔

الحمد للہ! سورۂ حجر کا ترجمہ اور حواشی مورخہ ۱۳ راگست ۲۰۰۷ء مطابق ۲۸ ررجب ۱۴۲۸ھ بروز دوشنبہ بوقت ظہر کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر اُسے نافعِ خلائق بنائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ النَّحل

تعارف

اس سورت کا بنیادی موضوع اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کا مفصل بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسان کے فائدے کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ اسی لئے اس سورت کو "سورۃ النعم" (نعمتوں کی سورت) بھی کہا جاتا ہے۔ عرب کے مشرکین عام طور سے یہ مانتے تھے کہ ان میں سے بیشتر نعمتیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی خدائی میں وہ بت بھی شریک ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا تذکرہ فرما کر انہیں توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اُن کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور ایمان نہ لانے کی صورت میں انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ یہ سورت جس زمانے میں نازل ہوئی، اُس وقت بہت سے مسلمان کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ آیت نمبر ۴۱ و ۴۲ میں اُن کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کے مصائب و آلام کا دور ختم ہونے والا ہے، اور انہیں دُنیا میں بھی اچھا ٹھکانا عطا ہوگا، اور آخرت میں بھی اُن کے لئے بڑا اَجر و ثواب ہے، بشرطیکہ وہ صبر سے کام لیں، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔ سورت کے آخری حصے میں اسلامی شریعت کے کچھ اہم اَحکام بھی بیان فرمائے گئے ہیں جو ایک مسلمان کے طرزِ عمل کی بنیاد ہونے چاہئیں۔ "نحل" عربی میں شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی آیت نمبر ۶۸ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اِنعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے شہد کی مکھی کا حوالہ دیا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کے حکم سے پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنے چھتے بناتی اور شہد پیدا کرتی ہے۔ اسی لئے سورت کا نام "نحل" رکھا گیا ہے۔

آیاتها ۱۲۸ — ۱۶ سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ ۷۰ — رکوعاتها ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

أَتٰىٓ أَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ أَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ أَنْ أَنْذِرُوْٓا أَنَّهٗ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اللہ کا حکم آن پہنچا ہے، لہٰذا اُس کے لئے جلدی نہ مچاؤ۔[1] جو شرک یہ لوگ کر رہے ہیں، وہ اُس سے پاک اور بہت بالا و برتر ہے۔ ﴿۱﴾ وہ اپنے حکم سے فرشتوں کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اس زندگی بخشنے والی وحی کے ساتھ اُتارتا ہے کہ: ”لوگوں کو آگاہ کردو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، لہٰذا تم مجھی سے ڈرو، (کسی اور سے نہیں)“ ﴿۲﴾

(۱) عربی زبان کے اعتبار سے یہ انتہائی زوردار فقرہ ہے جس میں آئندہ ہونے والے کسی یقینی واقعے کو ماضی کے صیغے سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اس کے زور اور تاثیر کو کسی اور زبان میں ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے یہ فرماتے تھے کہ کفر کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہوگا، اور مسلمان غالب آئیں گے تو وہ مذاق اُڑانے کے انداز میں کہا کرتے تھے کہ اگر عذاب آنا ہے تو اللہ تعالیٰ سے کہئے کہ اُسے ابھی بھیج دے۔ اس کا مقصد درحقیقت یہ تھا کہ عذاب کی یہ دھمکی اور مسلمانوں کی فتح کا وعدہ (معاذ اللہ) محض بناوٹی بات ہے، اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ اس سورت کا آغاز اُن کے اس طرزِ عمل کے مقابلے میں یہ فرما کر کیا گیا ہے کہ کافروں پر آنے والے جس عذاب اور مسلمانوں کے غلبے کی جس خبر کو تم ناممکن سمجھ رہے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے، اور اتنا یقینی ہے کہ گویا آن ہی پہنچا ہے، لہٰذا اُس کے آنے کی جلدی مچا کر اس کا مذاق نہ اُڑاؤ، کیونکہ وہ تمہارے سر پر کھڑا ہے۔ پھر اگلے فقرے میں اس عذاب کے یقینی ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نہ صرف اُس سے پاک بلکہ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ
نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ
وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶
وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷

اُس نے آسمانوں اور زمین کو برحق مقصد سے پیدا کیا ہے۔ جو شرک یہ لوگ کرتے ہیں، وہ اُس سے بہت بالا و برتر ہے۔ ﴿۳﴾ اُس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ کھلم کھلا جھگڑے پر آمادہ ہوگیا۔(۲) ﴿۴﴾ اور چوپائے اُسی نے پیدا کئے جن میں تمہارے لئے سردی سے بچاؤ کا سامان ہے،(۳) اور اس کے علاوہ بھی بہت سے فائدے ہیں، اور اُنہی میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ ﴿۵﴾ اور جب تم اُنہیں شام کے وقت گھر واپس لاتے ہو، اور جب اُنہیں صبح کو چرانے لے جاتے ہو تو اُن میں تمہارے لئے ایک خوشنما منظر بھی ہے۔ ﴿۶﴾ اور یہ تمہارے بوجھ لاد کر ایسے شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم جان جوکھوں میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار بہت شفیق، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۷﴾

اُس سے بہت بالا و برتر ہے، لہٰذا اُس کے ساتھ شرک کرنا اُس کی توہین ہے، اور خالقِ کائنات کی توہین کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ توہین کرنے والے پر عذاب نازل ہو (تفسیر المہائمی ۱: ۴۰۲)۔

(۲) یعنی انسان کی حقیقت تو اتنی ہے کہ وہ ایک ناپاک بوند سے پیدا ہوا ہے، لیکن جب اُسے ذرا قوتِ گویائی ملی تو جس ذات نے اُسے اس ناپاک بوند سے ایک مکمل انسان بنایا تھا، اور اُسے اشرف المخلوقات کا رتبہ بخشا تھا، اُسی ذات کے ساتھ شریک ٹھہرا کر اس سے جھگڑنا شروع کردیا۔

(۳) یعنی اُن کی کھالوں سے ایسے لباس بنائے جاتے ہیں جو انسان کو سردی سے محفوظ رکھ سکیں۔

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸ وَعَلَى
اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَاۗىِٕرٌ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹ هُوَ الَّذِيْٓ
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝۱۰

اور گھوڑے، خچر اور گدھے اُسی نے پیدا کیے ہیں تاکہ تم اُن پر سواری کرو، اور وہ زینت کا سامان بنیں۔ اور وہ بہت سی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم بھی نہیں ہے۔(۴) ﴿۸﴾ اور سیدھا راستہ دکھانے کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے، اور بہت سے راستے ٹیڑھے ہیں، اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو سیدھے راستے پر پہنچا بھی دیتا۔(۵) ﴿۹﴾ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہیں پینے کی چیزیں حاصل ہوتی ہیں، اور اُسی سے وہ درخت اُگتے ہیں جن میں تم مویشیوں کو چراتے ہو۔ ﴿۱۰﴾

---

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی بہت سی سواریاں وہ ہیں جن کا ابھی تمہیں پتہ بھی نہیں ہے۔ اس طرح اس آیتِ کریمہ نے یہ خبر دی ہے کہ اگرچہ فی الحال تم صرف گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو سواری کے لئے استعمال کرتے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ آئندہ نئی نئی سواریاں پیدا کرے گا، اور اس طرح اس آیت میں اُن ساری سواریوں کا ذکر آگیا ہے جو نزولِ قرآن کے بعد پیدا ہوئیں، مثلاً کاریں، بسیں، ریلیں، ہوائی اور بحری جہاز وغیرہ۔ بلکہ قیامت تک جتنی سواریاں مزید پیدا ہوں وہ سب اس آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ عربی زبان کے قاعدے کے مطابق اس جملے کا یہ ترجمہ بھی ہوسکتا ہے کہ "وہ ایسی چیزیں پیدا کرے گا جن کا تمہیں ابھی علم بھی نہیں ہے" اس ترجمے سے یہ مفہوم زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

(۵) مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو دُنیا کے راستے طے کرنے کے لئے یہ سواریاں پیدا کی ہیں، اسی طرح آخرت کا رُوحانی سفر طے کرنے کے لئے سیدھا راستہ دکھانے کی ذمہ داری بھی لی ہے، کیونکہ لوگوں نے اس کام کے لئے بہت سے ٹیڑھے راستے بنا رکھے ہیں، اُن سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ لوگوں کو

يُنۢبِتُ لَكُم بِهِ ٱلزَّرْعَ وَٱلزَّيْتُونَ وَٱلنَّخِيلَ وَٱلْأَعْنَٰبَ وَمِن كُلِّ ٱلثَّمَرَٰتِ ۗ
إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١١﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ ٱلَّيْلَ وَٱلنَّهَارَ وَ
ٱلشَّمْسَ وَٱلْقَمَرَ ۖ وَٱلنُّجُومُ مُسَخَّرَٰتٌۢ بِأَمْرِهِۦٓ ۗ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَعْقِلُونَ ﴿١٢﴾ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِى ٱلْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَٰنُهُۥٓ ۗ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَةً
لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٣﴾

اُسی سے اللہ تمہارے لئے کھیتیاں، زیتون، کھجور کے درخت، انگور اور ہر قسم کے پھل اُگاتا ہے۔ (۱)
حقیقت یہ ہے کہ ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانی ہے جو سوچتے سمجھتے
ہوں۔ ﴿۱۱﴾ اور اُس نے دن اور رات کو اور سورج اور چاند کو تمہاری خدمت پر لگا رکھا ہے، اور
ستارے بھی اُس کے حکم سے کام پر لگے ہوئے ہیں۔ یقیناً ان باتوں میں اُن لوگوں کے لئے بڑی
نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں۔ ﴿۱۲﴾ اسی طرح وہ ساری رنگ برنگ کی چیزیں جو اُس نے
تمہاری خاطر زمین میں پھیلا رکھی ہیں، وہ بھی اُس کے حکم سے کام پر لگی ہوئی ہیں۔ بیشک ان سب
میں اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو سبق حاصل کریں۔ ﴿۱۳﴾

سیدھا راستہ اپنے پیغمبروں اور اپنی کتابوں کے ذریعے دکھاتا ہے۔ البتہ وہ کسی کو زبردستی اُٹھا کر اس راستے پر نہیں
لے جاتا، اگرچہ وہ چاہتا تو یہ بھی کر سکتا تھا، لیکن اس دُنیا میں انسان سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دکھائے
ہوئے راستے پر اپنے اختیار سے چلے، زبردستی نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے ذریعے راستہ دکھانے
پر اکتفا فرماتا ہے۔

(۱) کھیتیوں سے اُس پیداوار کی طرف اشارہ ہے جو انسان غذا کے طور پر استعمال کرتا ہے، جیسے گندم،
سبزیاں وغیرہ، اور زیتون اُن اشیاء کا ایک نمونہ ہے جو کھانا پکانے اور کھانے کے لئے چکنائی کے طور پر
استعمال ہوتی ہیں، اور کھجور، انگور اور باقی پھلوں سے اُس پیداوار کی طرف اشارہ ہے جو مزید لذت حاصل
کرنے کے کام آتی ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٤﴾ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾

اور وہی ہے جس نے سمندر کو کام پر لگایا، تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ (۷) اور اس سے وہ زیورات نکالو جو تم پہنتے ہو۔ (۸) اور تم دیکھتے ہو کہ اس میں کشتیاں پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں، تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ شکر گذار بنو۔ (۹) ﴿۱۴﴾ اور اس نے زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے ہیں تاکہ وہ تم کو لے کر ڈگمگائے نہیں، (۱۰) اور دریا اور راستے بنائے ہیں، تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔ ﴿۱۵﴾

---

(۷) مچھلی کا گوشت مراد ہے۔

(۸) سمندر سے موتی نکلتے ہیں جو زیورات میں کام آتے ہیں۔

(۹) یعنی سمندر میں تجارتی سفر کرکے اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بنو۔ قرآن کریم نے "اللہ کا فضل تلاش کرنے" کی اصطلاح بہت سی آیتوں میں تجارت کے لئے استعمال فرمائی ہے۔ دیکھئے سورۂ بقرہ (۲:۱۹۸)، سورۂ بنی اسرائیل (۱۷:۱۲ و ۱۷:۶۶)، سورۂ قصص (۲۸:۷۳)، سورۂ روم (۳۰:۴۶)، سورۂ فاطر (۳۵:۱۲)، سورۂ جاثیہ (۴۵:۱۲)، سورۂ جمعہ (۶۲:۱۰) اور سورۂ مزمل (۷۳:۲۰)۔ تجارت کو اللہ تعالیٰ کا فضل کہنے سے ایک طرف تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تجارت شرعی احکام کی پابند ہو تو وہ ایک پسندیدہ چیز ہے، اور دوسری طرف اس اصطلاح سے تاجروں کو یہ تنبیہ بھی کی جارہی ہے کہ تجارت میں جو نفع حاصل ہوتا ہے، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، کیونکہ انسان کوشش ضرور کرتا ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہو تو کوشش بھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اگر تجارت کے ذریعے مال و دولت حاصل ہوجائے تو انسان کو مغرور ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

(۱۰) جب زمین کو شروع میں سمندر پر بچھایا گیا تو وہ ڈگمگاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے ذریعے اس کو جمادیا ہے۔ جدید سائنس کے مطابق اب بھی بڑے بڑے براعظم سمندر کے پانی پر تھوڑے تھوڑے سرکتے رہتے ہیں لیکن یہ سرکنا اتنا معمولی ہوتا ہے کہ انسان کو احساس نہیں ہوتا۔

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا
يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور (راستوں کی پہچان کے لئے) بہت سی علامتیں بنائی ہیں۔ اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔ ﴿۱۶﴾ اب بتاؤ کہ جو ذات (یہ ساری چیزیں) پیدا کرتی ہے، کیا وہ اُن کے برابر ہو سکتی ہے جو کچھ پیدا نہیں کرتے؟ کیا پھر بھی تم کوئی سبق نہیں لیتے؟ ﴿۱۷﴾ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو انہیں شمار نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (۱۱) ﴿۱۸﴾ اور اللہ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو تم چھپ کر کرتے ہو، اور وہ بھی جو تم علی الاعلان کرتے ہو۔ ﴿۱۹﴾ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ لوگ جن (دیوتاؤں) کو پکارتے ہیں، وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتے، وہ تو خود ہی مخلوق ہیں۔ ﴿۲۰﴾ وہ بے جان ہیں، اُن میں زندگی نہیں، اور اُن کو اس بات کا بھی احساس نہیں ہے کہ ان لوگوں کو کب زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا۔ (۱۲) ﴿۲۱﴾

---

(۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جب اتنی زیادہ ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتیں تو ان کا حق تو یہ تھا کہ انسان ہر آن اللہ تعالیٰ کا شکر ہی ادا کرتا رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ انسان کے بس میں نہیں ہے، اس لئے وہ اپنی مغفرت اور رحمت کا معاملہ فرما کر شکر کی اس کوتاہی کو معاف فرماتا رہتا ہے۔ البتہ یہ مطالبہ ضرور ہے کہ وہ اُس کے احکام کے مطابق زندگی گذارے، اور ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار رہے۔ اس کے لئے اُسے یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے ہر کام کو جانتا ہے، چاہے وہ چھپ کر کرے یا علانیہ۔ چنانچہ اگلی آیت میں یہی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔

(۱۲) اس سے وہ بت مراد ہیں جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ فرمایا گیا ہے کہ وہ کسی کو پیدا تو کیا کرتے؟ خود پیدا

إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ
مُّسْتَكْبِرُونَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ
الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿۲۳﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَّاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ
الْأَوَّلِينَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ
يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿۲۵﴾

تمہارا معبود تو بس ایک ہی خدا ہے۔ لہٰذا جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اُن کے دل میں انکار پیوست ہو گیا ہے، اور وہ گھمنڈ میں مبتلا ہیں۔ ﴿۲۲﴾ ظاہر بات ہے کہ اللہ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو وہ چھپ کر کرتے ہیں، اور وہ بھی جو وہ علی الاعلان کرتے ہیں۔ وہ یقیناً گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(۱۳) ﴿۲۳﴾ اور جب اُن سے کہا گیا کہ: "تمہارے رب نے کیا بات نازل کی ہے؟" تو انہوں نے کہا کہ: "گذرے ہوئے لوگوں کے افسانے!" ﴿۲۴﴾ (ان باتوں کا) نتیجہ یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن خود اپنے (گناہوں) کے پورے پورے بوجھ بھی اپنے اوپر لادیں گے، اور اُن لوگوں کے بوجھ کا ایک حصہ بھی جنہیں یہ کسی علم کے بغیر گمراہ کر رہے ہیں۔(۱۴) یاد رکھو کہ بہت برا بوجھ ہے جو یہ لاد رہے ہیں۔ ﴿۲۵﴾

کیے گئے ہیں، اور نہ اُن میں جان ہے، نہ انہیں یہ احساس ہے کہ ان کے پجاریوں کو مرنے کے بعد کب زندہ کیا جائے گا۔

(۱۳) چونکہ وہ گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اس لئے انہیں سزا بھی ضرور دے گا، اور اس کے لئے آخرت کا وجود ضروری ہے۔ لہٰذا اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

(۱۴) یعنی اللہ کے کلام کو افسانہ قرار دے کر انہوں نے جن لوگوں کو گمراہ کیا ہے، اُن کے اپنے گناہوں کا بوجھ بھی ان پر لادا جائے گا جو انہوں نے ان کے زیر اثر آ کر کیے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ
السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ
أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ
الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ ۖ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ ۚ بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ
عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾

ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی مکر کے منصوبے بنائے تھے۔ پھر ہوا یہ کہ (منصوبوں کی) جو عمارتیں انہوں نے تعمیر کی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں جڑ بنیاد سے اُکھاڑ پھینکا، پھر اُن کے اُوپر سے چھت بھی اُن پر آگری، اور اُن پر عذاب ایسی جگہ سے آدھمکا جس کا اُنہیں احساس تک نہیں تھا۔ ﴿۲۶﴾ پھر قیامت کے دن اللہ اُنہیں رُسوا کرے گا، اور ان سے پوچھے گا کہ: "کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کی خاطر تم (مسلمانوں سے) جھگڑا کیا کرتے تھے؟" جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے، وہ (اس دن) کہیں گے کہ: "بڑی رُسوائی اور بدحالی مسلط ہے آج اُن کافروں پر ﴿۲۷﴾ جن کی رُوحیں فرشتوں نے اس حالت میں قبض کیں جب انہوں نے اپنی جانوں پر (کفر کی وجہ سے) ظلم کر رکھا تھا۔"(۱۵) اس موقع پر کافر لوگ بڑی فرماں برداری کے بول بولیں گے کہ ہم تو کوئی برا کام نہیں کرتے تھے۔ (ان سے کہا جائے گا:) "کیسے نہیں کرتے تھے؟ اللہ کو سب معلوم ہے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔ ﴿۲۸﴾

---

(۱۵) اس سے معلوم ہوا کہ عذاب صرف اُن لوگوں کو ہوگا جو کفر کی حالت میں مرے ہوں۔ اگر کوئی مرنے سے پہلے پہلے سچی توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہوجاتی ہے، اور اُسے معاف کر دیا جاتا ہے۔

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ
لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ
الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ
يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي
اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ
ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ
يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ

لہٰذا اب ہمیشہ جہنم میں رہنے کے لئے اُس کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، کیونکہ تکبر کرنے والوں کا
بہت برا ٹھکانا ہے۔" ﴿۲۹﴾ اور (دوسری طرف) متقی لوگوں سے پوچھا گیا کہ: "تمہارے پروردگار
نے کیا چیز نازل کی ہے؟" تو انہوں نے کہا: "خیر ہی خیر اُتاری ہے۔" (اس طرح) جن لوگوں نے
نیکی کی روش اختیار کی ہے، اُن کے لئے اس دنیا میں بھی بہتری ہے، اور آخرت کا گھر تو ہے ہی سراپا
بہتری۔ یقیناً متقیوں کا گھر بہترین ہے۔ ﴿۳۰﴾ ہمیشہ ہمیشہ بسنے کے لئے وہ باغات جن میں وہ
داخل ہوں گے، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، اور وہاں جو کچھ وہ چاہیں گے، انہیں ملے گا۔
متقی لوگوں کو اللہ ایسا ہی صلہ دیتا ہے۔ ﴿۳۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کی رُوحیں فرشتے ایسی حالت میں
قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوتے ہیں۔ وہ ان سے کہتے ہیں کہ: "سلامتی ہو تم پر! جو عمل تم
کرتے رہے ہو، اُس کے صلے میں جنت میں داخل ہو جاؤ۔" ﴿۳۲﴾ یہ (کافر) لوگ اب (ایمان
لانے کے لئے) اس کے سوا کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آ کھڑے ہوں، یا
(قیامت یا عذاب کی صورت میں) تمہارے پروردگار کا حکم ہی آ جائے۔

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٤﴾
وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَاۤ
اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ
عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٥﴾

جو اُمتیں ان سے پہلے گذری ہیں، اُنہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اور اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا،
لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے تھے۔ ﴿۳۳﴾ اس لئے اُن کے بُرے اعمال کا وبال اُن
پر پڑا، اور جس چیز کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے، اُسی نے اُن کو آ گھیر لیا۔ ﴿۳۴﴾ اور جن لوگوں
نے شرک اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”اگر اللہ چاہتا تو ہم اُس کے سوا کسی اور چیز کی عبادت نہ
کرتے، نہ ہم، نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اُس کے (حکم کے) بغیر کوئی چیز حرام قرار دیتے۔“ جو
اُمتیں ان سے پہلے گذری ہیں، اُنہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ لیکن پیغمبروں کی ذمہ داری اس کے سوا
کچھ نہیں کہ وہ صاف صاف طریقے پر پیغام پہنچا دیں۔“(۱۴) ﴿۳۵﴾

---

(۱۴) اُن کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے سراسر ہٹ دھرمی پر مبنی تھا، کیونکہ اس طرح ہر مجرم یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو میں یہ جرم نہ کرتا۔ ایسی باتیں قابلِ جواب نہیں ہوتیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُس کا جواب دینے کے بجائے صرف یہ فرمادیا ہے کہ رسولوں کی ذمہ داری پیغام پہنچانے کی حد تک محدود ہے۔ اُن کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ سارے ضدی لوگ راہِ راست پر آ ہی جائیں۔ اور اُنہوں نے جو یہ کہا ہے کہ ”ہم کوئی چیز حرام قرار نہ دیتے“ اس سے ان جانوروں کی طرف اشارہ ہے جو اُنہوں نے بتوں کے نام پر حرام کر رکھے تھے۔ اس کی تفصیل سورۂ انعام (۶:۱۳۹ تا ۱۴۵) میں گذر چکی ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ
هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾ إِنْ تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ
يُضِلُّ ۖ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٣٧﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ
مَنْ يَمُوتُ ۚ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ
الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾

اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر اس ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے اجتناب کرو۔(۱۷) پھر ان میں سے کچھ وہ تھے جن کو اللہ نے ہدایت دے دی، اور کچھ ایسے تھے جن پر گمراہی مسلط ہوگئی۔ تو ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (پیغمبروں کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۳۶﴾ (اے پیغمبر!) اگر تمہیں یہ حرص ہے کہ یہ لوگ ہدایت پر آجائیں تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ جن کو (اُن کے عناد کی وجہ سے) گمراہ کردیتا ہے، اُن کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا، اور ایسے لوگوں کو کسی قسم کے مددگار بھی میسر نہیں آتے۔ ﴿۳۷﴾ اور ان لوگوں نے بڑا زور لگا کر اللہ کی قسمیں کھائی ہیں کہ جو لوگ مر جاتے ہیں، اللہ اُن کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔ بھلا کیوں نہیں کرے گا؟ یہ تو ایک وعدہ ہے جسے سچا کرنے کی ذمہ داری اللہ نے لے رکھی ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ﴿۳۸﴾ (دوبارہ زندہ کرنے کا یہ وعدہ اللہ نے اس لئے کیا ہے) تاکہ وہ لوگوں کے سامنے اُن باتوں کو اچھی طرح واضح کردے جن میں وہ اختلاف کررہے ہیں، اور تاکہ کافر لوگ جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔ ﴿۳۹﴾

---

(۱۷) "طاغوت" شیطان کو بھی کہتے ہیں، اور بتوں کو بھی۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان کے پیچھے نہ چلو، اور یہ بھی کہ بت پرستی سے اجتناب کرو۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي
اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ
كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٤٢﴾

اور جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ ہم اُسے کہتے ہیں: "ہوجا" بس وہ ہوجاتی ہے۔(۱۸) ﴿۴۰﴾ اور جن لوگوں نے دوسروں کے ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر اپنا وطن چھوڑا ہے، یقین رکھو کہ اُنہیں ہم دُنیا میں بھی اچھی طرح بسائیں گے، اور آخرت کا اجر تو یقیناً سب سے بڑا ہے۔ کاش کہ یہ لوگ جان لیتے!(۱۹) ﴿۴۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر سے کام لیا ہے، اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ﴿۴۲﴾

---

(۱۸) پچھلی آیت میں آخرت کی دوسری زندگی کا مقصد بیان فرمایا تھا، اور اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کو تم اس لئے ناممکن سمجھ رہے ہو کہ وہ تمہارے تصور سے باہر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی بھی کام مشکل نہیں ہے۔ کسی چیز کو پیدا کرنے کے لئے اُسے کوئی محنت کرنی نہیں پڑتی، وہ تو ایک حکم دیتا ہے، اور وہ چیز پیدا ہوجاتی ہے۔

(۱۹) جیسا کہ اس سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، یہ آیت اُن صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو کفار کے ظلم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کرگئے تھے۔ البتہ اس میں جو عام الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وہ ہر اُس شخص کو شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت کرے۔ اور آخر میں جو فرمایا گیا ہے کہ: "کاش یہ لوگ جان لیتے" اس سے مراد بظاہر یہ مہاجرین ہی ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کو اس اجر کا علم ہوجائے تو بے وطن ہونے سے انہیں جو تکلیف ہو رہی ہے، وہ بالکل باقی نہ رہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان سے مراد کافر لوگ ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ کاش اس حقیقت کا علم ان کافروں کو بھی ہوجائے تو وہ اپنے کفر سے توبہ کرلیں۔

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِىٓ إِلَيْهِمْ ۚ فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا
تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾ بِٱلْبَيِّنَٰتِ وَٱلزُّبُرِ ۗ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ
إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٤﴾ أَفَأَمِنَ ٱلَّذِينَ مَكَرُوا۟ ٱلسَّيِّـَٔاتِ أَن يَخْسِفَ ٱللَّهُ بِهِمُ
ٱلْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ ٱلْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِى تَقَلُّبِهِمْ فَمَا
هُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٧﴾

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے بھی کسی اور کو نہیں، انسانوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے۔ (اے منکرو!) اب اگر تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے تو جو علم والے ہیں اُن سے پوچھ لو۔ ﴿۴۳﴾ اُن پیغمبروں کو روشن دلائل اور آسمانی کتابیں دے کر بھیجا گیا تھا۔ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی یہ قرآن اس لئے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُن باتوں کی واضح تشریح کردو جو اُن کے لئے اُتاری گئی ہیں، اور تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیں۔ ﴿۴۴﴾ تو کیا وہ لوگ جو بُرے بُرے منصوبے بنارہے ہیں اس بات سے بالکل بے خوف ہوگئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے، یا اُن پر عذاب ایسی جگہ سے آپڑے کہ انہیں احساس تک نہ ہو؟ ﴿۴۵﴾ یا انہیں چلتے پھرتے ہی اپنی پکڑ میں لے لے، کیونکہ وہ اُسے عاجز نہیں کرسکتے، ﴿۴۶﴾ یا انہیں اس طرح گرفت میں لے کہ وہ دھیرے دھیرے گھٹتے چلے جائیں؟ (۲۰) کیونکہ تمہارا پروردگار بڑا شفیق، نہایت مہربان ہے۔ (۲۱) ﴿۴۷﴾

---

(۲۰) یعنی ایک دم سے تو عذاب آکر انہیں ہلاک نہ کرے، لیکن اپنی بدعملی کی سزا میں دھیرے دھیرے اُن کی افرادی قوت اور ان کا مال ودولت گھٹتا چلا جائے۔ یہ تفسیر روح المعانی میں متعدد صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔

(۲۱) اس "کیونکہ" کا تعلق بے خوف ہونے سے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ شفیق اور مہربان ہے، اس لئے اس نے کافروں کو مہلت دی ہوئی ہے، اور فوری طور پر انہیں عذاب میں نہیں پکڑا، اس لئے یہ کافر لوگ بے خوف ہوگئے ہیں، حالانکہ پچھلی اُمتوں کے واقعات سے سبق لے کر انہیں بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ
سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن
دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا
يُؤْمَرُونَ ۩ ﴿٥٠﴾ وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ
فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿٥١﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے، اُس کے سائے اللہ کو سجدے کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکے رہتے ہیں، اور وہ سب عاجزی کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں؟ (۲۲) ﴿۴۸﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں، وہ اور سارے فرشتے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں، اور وہ ذرا تکبر نہیں کرتے۔ ﴿۴۹﴾ وہ اپنے اُس پروردگار سے ڈرتے ہیں جو اُن کے اُوپر ہے، اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ (۲۳) ﴿۵۰﴾ اور اللہ نے فرمایا ہے کہ: ”دو دو معبود نہ بنا بیٹھنا۔ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے۔ اس لئے بس مجھی سے ڈرا کرو۔“ ﴿۵۱﴾

---

(۲۲) انسان کتنا بھی مغرور یا متکبر ہو جائے، اُس کا سایہ جب زمین پر پڑتا ہے تو وہ عاجزی اور انکساری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے ساتھ اُس کے سائے کی شکل میں ایک ایسی چیز پیدا فرما دی ہے جو اُس کے اختیار کے بغیر ہر وقت اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ریز رہتی ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ سورج کی پوجا کرتے ہیں، وہ خود تو سورج کے آگے جھکے رہے ہوتے ہیں، اور اُن کے سائے اُس کی مخالف سمت میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

(۲۳) یہ آیت سجدہ ہے۔ یعنی جو شخص بھی یہ آیت عربی زبان میں پڑھے، اس پر سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے جسے ”سجدۂ تلاوت“ کہتے ہیں جو نماز کے سجدے کے علاوہ ہے۔ البتہ صرف ترجمہ پڑھنے سے یا آیت کو پڑھے بغیر صرف دیکھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔

وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا
بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ
الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ
فَتَمَتَّعُوْا ۪ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا
رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے، اور اُسی کی اطاعت ہر حال میں لازم ہے۔ کیا پھر بھی تم اللہ کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو؟ ﴿۵۲﴾ اور تم کو جو نعمت بھی حاصل ہوتی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُسی سے فریادیں کرتے ہو۔ ﴿۵۳﴾ اس کے بعد جب وہ تم سے تکلیف دور کردیتا ہے، تو تم میں سے ایک گروہ اچانک اپنے پروردگار کے ساتھ شرک شروع کردیتا ہے، ﴿۵۴﴾ تاکہ ہم نے اُسے جو نعمت دی تھی اُس کی ناشکری کرے۔ اچھا! کچھ عیش کرلو، پھر عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا۔ ﴿۵۵﴾ اور ہم نے جو رزق اُنہیں دیا ہے، اُس میں وہ اُن (بتوں) کا حصہ لگاتے ہیں جن کی حقیقت خود اُنہیں معلوم نہیں ہے۔[۲۴] اللہ کی قسم! تم سے ضرور باز پرس ہوگی کہ تم کیسے بہتان باندھا کرتے تھے۔ ﴿۵۶﴾

---

(۲۴) عرب کے مشرکین اپنی زرعی پیداوار اور جانوروں کا ایک حصہ بتوں کے نام پر نذر کردیتے تھے۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ جن بتوں کی نہ حقیقت ان کو معلوم ہے، نہ ان کے وجود کی کوئی دلیل ان کے پاس ہے، اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق کو ان کے لئے نذر کردیتے ہیں۔ اس رسم کی تفصیل سورۂ انعام (۶:۱۳۶) میں گذری ہے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ
بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا
بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾
لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
ع ۱۴ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ
يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا
يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور اللہ کے لیے تو انہوں نے بیٹیاں گھڑ رکھی ہیں۔ سبحان اللہ! اور خود اپنے لیے وہ (بیٹے چاہتے ہیں) جو اپنی خواہش کے مطابق ہوں![۲۵] ﴿۵۷﴾ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی (پیدائش) کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور وہ دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے۔ ﴿۵۸﴾ اس خوشخبری کو برا سمجھ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ (اور سوچتا ہے کہ) ذلت برداشت کر کے اُسے اپنے پاس رہنے دے، یا اُسے زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو! انہوں نے کتنی بری باتیں طے کر رکھی ہیں۔ ﴿۵۹﴾ بری بری باتیں تو اُنہی میں ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور اعلیٰ درجے کی صفات صرف اللہ کی ہیں، اور وہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۶۰﴾ اور اگر اللہ لوگوں کو اُن کے ظلم کی وجہ سے (فوراً) اپنی پکڑ میں لیتا تو روئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ چھوڑتا، لیکن وہ اُن کو ایک معین وقت تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب اُن کا وہ معین وقت آجائے گا تو وہ گھڑی بھر بھی اُس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکیں گے۔ ﴿۶۱﴾

(۲۵) مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اول تو اللہ تعالیٰ اولاد

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۖ لَا
جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُم مُّفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾ تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ
فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ وَمَا
أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً
لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٦٤﴾

اور انہوں نے اللہ کے لئے وہ چیزیں گھڑ رکھی ہیں جنہیں خود ناپسند کرتے ہیں، پھر بھی ان کی زبانیں (اپنی) جھوٹی تعریف کرتی رہتی ہیں کہ ساری بھلائی اُنہی کے حصے میں ہے۔ لازمی بات ہے کہ (ایسے رویے کی وجہ سے) اُن کے حصے میں تو دوزخ ہے، اور وہیں اسی میں پڑا رہنے دیا جائے گا۔ ﴿۶۲﴾ (اے پیغمبر!) اللہ کی قسم! تم سے پہلے جو اُمتیں گذری ہیں، ہم نے اُن کے پاس پیغمبر بھیجے تھے، تو شیطان نے اُن کے اعمال کو خوب بنا سنوار کر ان کے سامنے پیش کیا۔ (۲۶) چنانچہ وہی (شیطان) آج ان کا سرپرست بنا ہوا ہے، اور (اسی کی وجہ سے) اُن کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ ﴿۶۳﴾ اور ہم نے تم پر یہ کتاب اسی لئے اُتاری ہے تاکہ تم ان کے سامنے وہ باتیں کھول کھول کر بیان کردو جن میں انہوں نے مختلف راستے اپنائے ہوئے ہیں، اور تاکہ یہ ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان ہو۔ ﴿۶۴﴾

کی ضرورت سے پاک ہے، دوسرے یہ خود اپنے لئے بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے، بلکہ بیٹوں کی ولادت کے خواہش مند رہتے ہیں، جو بذاتِ خود بڑی گمراہی کی بات ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی بیٹیاں ہیں۔

(۲۶) یعنی یہ پٹی پڑھائی کہ تم جو اعمال کر رہے ہو وہی بہترین اعمال ہیں۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
ع لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ
بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ
الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ
الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿٦٨﴾ لا

اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، اور زمین کے مردہ ہوجانے کے بعد اُس میں جان ڈال دی۔ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو بات سنتے ہیں۔ ﴿۶۵﴾ اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں بھی سوچنے سمجھنے کا بڑا سامان ہے۔ اُن کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے، اُس کے بیچ میں سے ہم تمہیں ایسا صاف ستھرا دودھ پینے کو دیتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہوتا ہے۔ ﴿۶۶﴾ اور کھجور کے پھلوں اور انگوروں سے بھی (ہم تمہیں ایک مشروب عطا کرتے ہیں) جس سے تم شراب بھی بناتے ہو، اور پاکیزہ رزق بھی۔(۲۷) یقیناً اس میں بھی اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ ﴿۶۷﴾ اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ: ''تو پہاڑوں میں، اور درختوں میں اور لوگ جو چھتریاں اُٹھاتے ہیں، اُن میں اپنے گھر بنا۔(۲۸) ﴿۶۸﴾

(۲۷) یہ سورت مکی ہے۔ جب یہ نازل ہوئی تو اُس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، لیکن اسی آیت میں شراب کو پاکیزہ رزق کے مقابلے میں ذکر فرما کر ایک لطیف اشارہ اس طرف کردیا گیا تھا کہ شراب پاکیزہ رزق نہیں ہے۔

(۲۸) چھتریاں اُٹھانے سے مراد وہ ٹٹیاں ہیں جن پر مختلف قسم کی بیلیں چڑھائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر شہد کی مکھی کے گھر بنانے کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ وہ جو چھتے بناتی ہے، وہ عجیب وغریب صنعت کا شاہکار

ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ
مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾
وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ ۚ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ
عِلْمٍ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٧٠﴾ ع

پھر ہر قسم کے پھلوں سے اپنی خوراک حاصل کر، پھر اُن راستوں پر چل جو تیرے رب نے تیرے لیے آسان بنا دیے ہیں۔" (اس طرح) اس مکھی کے پیٹ سے وہ مختلف رنگوں والا مشروب نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ یقیناً ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سوچتے سمجھتے ہوں۔ ﴿۶۹﴾ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے، پھر وہ تمہاری رُوح قبض کرتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو عمر کے سب سے ناکارہ حصے تک پہنچا دیا جاتا ہے، جس میں پہنچ کر وہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتا۔ (۲۹) بیشک اللہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے۔ ﴿۷۰﴾

ہوتے ہیں۔ اور عام طور پر وہ یہ چھتے اُونچی جگہوں پر بناتی ہے تاکہ اُس میں بننے والا شہد زمین کی کثافتوں سے بھی محفوظ رہے، اور اُسے تازہ ہوا بھی میسر آئے۔ توجہ اس طرف دلائی جارہی ہے کہ یہ سب کچھ اُسے اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے معارف القرآن ج:۵ ص: ۳۶۳ تا ۳۶۷۔

(۲۹) انتہائی بڑھاپے کی حالت کو "ناکارہ عمر" سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں انسان کی جسمانی اور ذہنی قوتیں ناکارہ ہو جاتی ہیں۔ اور سب کچھ جاننے کے باوجود کچھ نہ جاننے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بڑھاپے کے اس حصے میں انسان اُس علم کا اکثر حصہ بھول جاتا ہے جو اُس نے اپنی پچھلی زندگی میں حاصل کیا تھا، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ابھی اُسے ایک بات بتائی گئی، اور تھوڑی سی دیر میں وہ ایسا ہوگیا جیسے اُس کو کچھ بتایا ہی نہیں گیا تھا۔ یہ حقائق بیان فرما کر غافل انسان کو اس طرف متوجہ کیا جارہا ہے کہ اُسے اپنی کسی طاقت اور صلاحیت پر غرور نہیں کرنا چاہئے۔ جو کوئی طاقت اُسے ملی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اور جب وہ چاہے واپس لے لیتا ہے۔ ان تغیرات سے اُسے یہ سبق سیکھنا چاہئے کہ یہ سارا کارخانہ ایک بڑے علم والے، بڑی قدرت والے خدا کا بنایا ہوا ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اور بالآخر ہر شخص کو اسی کے پاس واپس جانا ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ
عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ
جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّ
رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾
وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا
وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں کو رزق کے معاملے میں دوسروں پر برتری دے رکھی ہے۔ اب جن لوگوں کو برتری دی گئی ہے، وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو اس طرح نہیں لوٹا دیتے کہ وہ سب برابر ہو جائیں۔ (۳۰) تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟ (۳۱) ﴿۷۱﴾ اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے بیویاں بنائی ہیں، اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے ہیں، اور تمہیں اچھی اچھی چیزوں میں سے رزق فراہم کیا ہے۔ کیا پھر بھی یہ لوگ بے بنیاد باتوں پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؟ ﴿۷۲﴾ اور یہ اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو آسمانوں اور زمین میں سے کسی طرح کا رزق دینے کا نہ کوئی اختیار رکھتی ہیں، نہ رکھ سکتی ہیں۔ ﴿۷۳﴾

---

(۳۰) مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کرتا کہ اپنے غلام کو اپنی دولت اس طرح دیدے کہ وہ دولت میں اُس کے برابر ہو جائے۔ اب تم خود مانتے ہو کہ جن دیوتاؤں کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے مملوک یعنی غلام ہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ نے انہیں اپنی خدائی اس طرح دے دی ہو کہ انہیں اللہ کے برابر معبود بننے کا حق حاصل ہو گیا ہو۔

(۳۱) یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فلاں نعمت اللہ نے نہیں، بلکہ ان کے گھڑے ہوئے دیوتاؤں نے دی ہے۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٧٤﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ
مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ
مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾
وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰي
مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَـمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَ
هُوَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ ع ١٠

لہٰذا تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو۔(٣٢) بیشک اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔ ﴿٧٤﴾ اللہ ایک مثال دیتا ہے کہ ایک طرف ایک غلام ہے جو کسی کی ملکیت میں ہے، اُس کو کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں، اور دوسری طرف وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے عمدہ رزق عطا کیا ہے، اور وہ اُس میں سے پوشیدہ طور پر بھی اور کھلے بندوں بھی خوب خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ ساری تعریفیں اللہ کی ہیں، لیکن ان میں سے اکثر لوگ (ایسی صاف بات بھی) نہیں جانتے۔ ﴿٧٥﴾ اور اللہ ایک اور مثال دیتا ہے کہ دو آدمی ہیں، اُن میں سے ایک گونگا ہے جو کوئی کام نہیں کرسکتا، اور اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے، وہ اُسے جہاں کہیں بھیجتا ہے، وہ کوئی ڈھنگ کا کام کر کے نہیں لاتا، کیا ایسا شخص اُس دوسرے آدمی کے برابر ہوسکتا ہے جو دوسروں کو بھی اعتدال کا حکم دیتا ہے، اور خود بھی سیدھے راستے پر قائم ہے؟ ﴿٧٦﴾

(٣٢) مشرکین عرب بعض اوقات اپنے شرک کی تائید میں یہ مثال دیتے تھے کہ جس طرح دنیا کا بادشاہ تنہا اپنی حکومت نہیں چلاتا، بلکہ اُسے حکومت کے بہت سے کام اپنے مددگاروں کو سونپنے پڑتے ہیں، اسی طرح (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی خدائی کے بہت سے کام ان دیوتاؤں کو سونپ رکھے ہیں۔ اور ان معاملات میں وہ خود مختار ہوگئے ہیں۔ اس آیت میں اُن سے کہا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے دُنیا کے بادشاہوں کی، بلکہ کسی بھی مخلوق کی مثال دینا انتہائی جہالت کی بات ہے۔ اس کے بعد آیت نمبر ٧٥ و ٧٦ میں اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ
اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا
تَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔـا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصٰرَ وَالْاَفْــِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾
اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَاۗءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ
جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ
اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾

اور آسمانوں اور زمین کے سارے بھید اللہ کے قبضے میں ہیں۔ اور قیامت کا معاملہ آنکھ جھپکنے سے
زیادہ نہیں ہوگا، بلکہ اس سے بھی جلدی۔ یقین رکھو کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۷۷﴾
اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے، اور
تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل پیدا کئے، تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ﴿۷۸﴾ کیا انہوں نے پرندوں
کو نہیں دیکھا کہ وہ آسمان کی فضا میں اللہ کے حکم کے پابند ہیں؟ انہیں اللہ کے سوا کوئی اور تھامے
ہوئے نہیں ہے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے
ہوں۔ ﴿۷۹﴾ اور اس نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو سکون کی جگہ بنایا، اور تمہارے لئے
مویشیوں کی کھالوں سے ایسے گھر بنائے جو تمہیں سفر پر روانہ ہوتے وقت اور کسی جگہ ٹھہرتے وقت
ہلکے پھلکے محسوس ہوتے ہیں۔ (۳۳) اور ان کے اون، ان کے رُوئیں اور ان کے بالوں سے گھریلو سامان
اور ایسی چیزیں پیدا کیں جو ایک مدت تک تمہیں فائدہ پہنچاتی ہیں۔ ﴿۸۰﴾

بیان فرمائی ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ دو مخلوقات ہی کی مثال لیجئے تو ان دو مثالوں سے ظاہر ہے کہ مخلوق مخلوق میں بھی فرق ہوتا ہے، کوئی مخلوق اعلیٰ درجے کی ہے، کوئی ادنیٰ درجے کی، جب مخلوق مخلوق میں اتنا فرق ہے تو خالق اور مخلوق میں کتنا فرق ہوگا؟ پھر کسی مخلوق کو خالق کے ساتھ عبادت میں کیسے شریک کیا جا سکتا ہے؟

(۳۳) ان گھروں سے مراد وہ خیمے ہیں جو چمڑے سے بنائے جاتے ہیں، اور عرب کے لوگ انہیں سفر میں

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ
سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ
لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ
اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ ع ۱۴
لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور اللہ ہی نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے تمہارے لئے سائے پیدا کئے، اور پہاڑوں میں تمہارے لئے پناہ گاہیں بنائیں، اور تمہارے لئے ایسے لباس پیدا کئے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں، اور ایسے لباس جو تمہاری جنگ میں تمہیں محفوظ رکھتے ہیں۔(۳۴) اس طرح وہ اپنی نعمتوں کو تم پر مکمل کرتا ہے تاکہ تم فرماں بردار بنو۔ ﴿۸۱﴾ پھر بھی اگر یہ (کافر) منہ موڑے رہیں تو (اے پیغمبر!) تمہاری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ واضح طریقے پر پیغام پہنچا دو۔ ﴿۸۲﴾ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں، پھر بھی ان کا انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔ ﴿۸۳﴾ اور اُس دن کو یاد رکھو جب ہم ہر ایک اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے،(۳۵) پھر جن لوگوں نے کفر اپنایا تھا، اُنہیں (عذر پیش کرنے کی) اجازت نہیں دی جائے گی، اور نہ اُن سے یہ فرمائش کی جائے گی کہ وہ توبہ کریں۔(۳۶) ﴿۸۴﴾

ساتھ لے جاتے تھے تاکہ جہاں چاہیں، انہیں نصب کر کے پڑاؤ ڈال لیں۔

(۳۴) یعنی لوہے کی زرہیں جو جنگ میں تلوار وغیرہ کے وار کو روکنے کے لئے پہنی جاتی تھیں۔

(۳۵) اس سے مراد ہر اُمت کے پیغمبر ہیں جو یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے اس اُمت کے لوگوں کو حق کا پیغام پہنچایا تھا، اور ان کافروں نے اُسے قبول نہیں کیا۔

(۳۶) اس لئے کہ توبہ کا دروازہ موت سے پہلے پہلے تک کھلا رہتا ہے۔ اس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا
رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا
نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۚ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى
اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا
عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿٨٨﴾ وَيَوْمَ
نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هٰؤُلَاءِ ۚ

اور جب یہ ظالم عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو نہ اُن سے اُس عذاب کو ہلکا کیا جائے گا، اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی۔ ﴿۸۵﴾ اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تھا، جب وہ اپنے (گھڑے ہوئے) شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں ہمارے (بنائے ہوئے) وہ شریک جن کو ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔“ (۳۷) اس موقع پر وہ (گھڑے ہوئے شریک) اُن پر بات پھینک ماریں گے کہ: ”تم بالکل جھوٹے ہو۔“ (۳۸) ﴿۸۶﴾ اور وہ اُس دن اللہ کے سامنے فرماں برداری کے بول بولنے لگیں گے، اور جو بہتان وہ باندھا کرتے تھے، اُس کا اُنہیں کوئی سراغ نہیں ملے گا۔ ﴿۸۷﴾ جن لوگوں نے کفر اپنایا تھا، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا تھا، اُن کے عذاب پر ہم مزید عذاب کا اضافہ کرتے رہیں گے، کیونکہ وہ فساد مچایا کرتے تھے۔ ﴿۸۸﴾ اور وہ دن بھی یاد رکھو جب ہر اُمت میں ایک گواہ اُنہی میں سے کھڑا کریں گے، اور (اے پیغمبر!) ہم تمہیں ان لوگوں کے خلاف گواہی دینے کے لیے لائیں گے۔

(۳۷) اس موقع پر اُن بتوں کو بھی سامنے لایا جائے گا جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے تاکہ اُن کی بے چارگی سب کے سامنے واضح ہو، اور ان شیاطین کو بھی جن کی پیروی کر کے گویا ان کو خدا کا شریک بنایا تھا۔

(۳۸) عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بتوں کو بھی زبان دیدے، اور وہ ان کے جھوٹا ہونے کا اعلان کریں، کیونکہ دُنیا میں بے جان ہونے کی بنا پر اُنہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ کون ان کی عبادت کر رہا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زبانِ حال سے یہ بات کہیں۔ اور شیاطین یہ بات کہہ کر ان سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کریں گے۔

۱۲ ع ۱۸ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾
إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ
وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾ وَأَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عٰهَدْتُّمْ
وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۚ إِنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ
أَنْكَاثًا ۚ تَتَّخِذُوْنَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُوْنَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبٰى مِنْ أُمَّةٍ ۚ

اور ہم نے تم پر یہ کتاب اُتار دی ہے تاکہ وہ ہر بات کھول کھول کر بیان کردے، اور مسلمانوں کے لئے ہدایت، رحمت اور خوشخبری کا سامان ہو۔ ﴿۸۹﴾ بیشک اللہ انصاف کا، احسان کا، اور رشتہ داروں کو (اُن کے حقوق) دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، بدی اور ظلم سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ ﴿۹۰﴾ اور جب تم نے کوئی معاہدہ کیا ہو تو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرو، اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد انہیں نہ توڑو، جبکہ تم اپنے اُوپر اللہ کو گواہ بنا چکے ہو۔ تم جو کچھ کرتے ہو، یقیناً اللہ اُسے جانتا ہے۔ ﴿۹۱﴾ اور جس عورت نے اپنے سوت کو مضبوطی سے کاتنے کے بعد اُسے اُدھیڑ کر تار تار کردیا تھا، تم اُس جیسے نہ بن جانا[۳۹] کہ تم بھی اپنی قسموں کو (توڑ کر) آپس کے فساد کا ذریعہ بنانے لگو، صرف اس لئے کہ کچھ لوگ دوسروں سے زیادہ فائدے حاصل کرلیں۔[۴۰]

---

(۳۹) روایات میں ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک دیوانی عورت تھی جسے خرقاء کہتے تھے۔ وہ بڑی محنت سے دن بھر سوت کاتتی تھی، اور شام کو اُسے اُدھیڑ ڈالتی تھی۔ یہ عورت اس معاملے میں ایک ضرب المثل بن گئی تھی۔ جب کوئی شخص اچھا خاصا کام کرکے خود ہی اُسے بگاڑ دے تو اُسے اس عورت سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہاں یہ تشبیہ ان لوگوں کے لئے استعمال کی گئی ہے جو زور و شور سے کسی بات کی قسم کھا کر اُسے توڑ ڈالیں۔

(۴۰) جھوٹی قسم کھانے یا قسم کو توڑنے کا مقصد عام طور پر کوئی نہ کوئی دُنیا کا فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس معمولی سے فائدے کی خاطر ایسے گناہ کا ارتکاب نہ کرو۔

إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۹۲﴾
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن
يَشَاءُ ۚ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ
فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوءَ بِمَا صَدَدتُّمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلَكُمْ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ إِنَّمَا عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ
إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹۵﴾

اللہ اس کے ذریعے تمہاری آزمائش کر رہا ہے۔ اور قیامت کے دن وہ تمہیں وہ باتیں ضرور کھول کر
بتادے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ ﴿۹۲﴾ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت
(یعنی ایک ہی دین کا پیرو) بنادیتا، لیکن وہ جس کو چاہتا ہے، (اس کی ضد کی وجہ سے) گمراہی میں
ڈال دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت تک پہنچادیتا ہے۔ اور تم جو عمل بھی کرتے تھے اُس کے
بارے میں تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔ ﴿۹۳﴾ اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ
بناؤ، جس کے نتیجے میں کسی (اور) کا پاؤں جمنے کے بعد پھسل جائے،[۲۱] پھر تمہیں (اس کو) اللہ کے
راستے سے روکنے کی وجہ سے بری سزا چکھنی پڑے، اور تمہیں (ایسی صورت میں) بڑا عذاب
ہوگا۔ ﴿۹۴﴾ اور اللہ کے عہد کو تھوڑی سی قیمت میں نہ بیچ ڈالو۔ اگر تم حقیقت سمجھو تو جو (اجر) اللہ
کے پاس ہے، وہ تمہارے لئے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ ﴿۹۵﴾

---

(۲۱) یہ قسم کو توڑنے کا ایک اور نقصان بیان فرمایا جارہا ہے، اور وہ یہ کہ جب تم قسم توڑو گے تو عین ممکن ہے کہ
تمہیں دیکھ کر کوئی اور شخص بھی اس گناہ پر آمادہ ہوجائے۔ پہلے تو اُس کے پاؤں جمے ہوئے تھے، تمہیں دیکھ کر
وہ پھسل گیا تو چونکہ تم اس کے گناہ کا سبب بنے تو تمہیں دُہرا گناہ ہوگا، کیونکہ تم نے اُس کو اللہ تعالیٰ کے راستے
سے روکا۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ
بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَاِذَا
قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٩٨﴾

جو کچھ تمہارے پاس ہے، وہ سب ختم ہو جائے گا، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ باقی رہنے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے صبر سے کام لیا ہوگا، (۴۲) ہم انہیں اُن کے بہترین کاموں کے مطابق اُن کا اجر ضرور عطا کریں گے۔ ﴿۹۶﴾ جس شخص نے بھی مومن ہونے کی حالت میں نیک عمل کیا ہوگا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ہم اُسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے، اور ایسے لوگوں کو اُن کے بہترین اعمال کے مطابق اُن کا اجر ضرور عطا کریں گے۔ ﴿۹۷﴾

چنانچہ جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ (۴۳) ﴿۹۸﴾

---

(۴۲) پہلے کئی بار عرض کیا جاچکا ہے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں "صبر" کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اپنی نفسانی خواہشات کو دبا کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کو بھی صبر کہا جاتا ہے، اور کسی تکلیف کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر کوئی شکایت نہ کی جائے تو وہ بھی صبر ہے۔

(۴۳) پچھلی آیتوں میں نیک عمل کی فضیلت بیان فرمائی گئی تھی۔ چونکہ نیکی کے کاموں میں سب سے زیادہ خلل شیطان کے اثر سے پڑتا ہے، اس لئے اس آیت میں اُس کا یہ علاج بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لی جائے۔ یعنی "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" پڑھا جائے۔ تلاوتِ قرآن کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم ہی تمام نیک کاموں کی ہدایت دینے والا ہے۔ لیکن شیطان سے پناہ مانگنا صرف تلاوت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ہر نیک کام کے وقت پناہ مانگ لی جائے تو ان شاء اللہ شیطانی اثرات سے حفاظت رہے گی۔

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٩٩﴾ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ
عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿١٠٠﴾ وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ
آيَةٍ ۙ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾
قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى
وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿١٠٢﴾

اُس کا بس ایسے لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لائے ہیں، اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ﴿۹۹﴾ اُس کا بس تو اُن لوگوں پر چلتا ہے جو اُسے دوست بناتے ہیں، اور اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ﴿۱۰۰﴾ اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت سے بدلتے ہیں ـــــ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کرے ـــــ تو یہ (کافر) کہتے ہیں کہ: "تم تو اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہو۔" حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔ ﴿۱۰۱﴾ کہہ دو کہ: "یہ (قرآن کریم) تو رُوح القدس (یعنی جبرئیل علیہ السلام) تمہارے رَبّ کی طرف سے ٹھیک ٹھیک لے کر آئے ہیں، تاکہ وہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے، اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری کا سامان ہو۔" ﴿۱۰۲﴾

---

(۴۴) اللہ تعالیٰ مختلف حالات کے لحاظ سے اپنے احکام میں کبھی کبھی تبدیلی فرماتے تھے، جیسا کہ قبلے کے احکام کے متعلق سورۂ بقرہ میں تفصیل گذر چکی ہے۔ اس پر کفار اعتراض کرتے تھے کہ یہ احکام کیوں بدلے جارہے ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں، بلکہ (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے یہ تبدیلیاں کررہے ہیں۔ اس آیت میں اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس وقت کونسا حکم نازل کیا جائے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ
أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ﴿١٠٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا
يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا
يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٠٥﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ
إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ
صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٦﴾

اور (اے پیغمبر!) ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ (تمہارے بارے میں) یہ کہتے ہیں کہ: "ان کو تو ایک
انسان سکھاتا پڑھاتا ہے۔" (حالانکہ) جس شخص کا یہ حوالہ دے رہے ہیں، اُس کی زبان عجمی ہے، (۴۵)
اور یہ (قرآن کی زبان) صاف عربی زبان ہے۔ ﴿۱۰۳﴾ جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں
رکھتے، اُن کو اللہ ہدایت پر نہیں لاتا، اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ﴿۱۰۴﴾ اللہ پر جھوٹ تو
(پیغمبر نہیں) وہ لوگ باندھتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے، اور وہی حقیقت میں جھوٹے
ہیں۔ ﴿۱۰۵﴾ جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اُس کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرے ـــــ وہ نہیں
جسے زبردستی (کفر کا کلمہ کہنے پر) مجبور کر دیا گیا ہو، جبکہ اُس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، بلکہ وہ شخص جس
نے اپنا سینہ کفر کے لئے کھول دیا ہو ـــــ تو ایسے لوگوں پر اللہ کی طرف سے غضب نازل ہوگا، (۴۶) اور
ان کے لئے زبردست عذاب تیار ہے۔ ﴿۱۰۶﴾

---

(۴۵) مکہ مکرمہ میں ایک لوہار تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں دل لگا کر سنا کرتا تھا، اس لئے آپ صلی
اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اُس کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے، اور وہ کبھی کبھی آپ کو انجیل کی کوئی بات بھی سنا دیا
کرتا تھا۔ مکہ مکرمہ کے بعض کافروں نے اس کو بنیاد بنا کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن
اس لوہار سے سیکھتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ اس اعتراض کی لغویت کو بیان کر رہی ہے کہ وہ بیچارہ لوہار تو عرب نہیں
ہے، عجمی ہے۔ وہ عربی زبان کے اس فصیح و بلیغ کلام کا مصنف کیسے ہو سکتا ہے۔
(۴۶) یعنی کسی شخص کو جان کا خوف ہو کہ اگر زبان سے کفر کا کلمہ نہیں کہے گا تو جان چلی جائے گی، تو ایسا شخص

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكٰفِرِينَ ﴿١٠٧﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ وَ
أُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ ﴿١٠٨﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿١٠٩﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ
لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جٰهَدُوا وَصَبَرُوا ۙ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا
ع ۱۴ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٠﴾ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا
۲۰ عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١١﴾

یہ اس لئے کہ ایسے لوگوں نے دُنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں زیادہ محبوب سمجھا، اور اس لئے کہ اللہ ایسے ناشکرے لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچایا کرتا۔ ﴿۱۰۷﴾ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر، ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر مہر لگادی ہے، اور یہی لوگ ہیں جو (اپنے انجام سے) بالکل غافل ہیں۔ ﴿۱۰۸﴾ لازمی بات ہے کہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اُٹھائیں گے۔ ﴿۱۰۹﴾ پھر یقین جانو تمہارے پروردگار کا معاملہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے فتنے میں مبتلا ہونے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا تو ان باتوں کے بعد تمہارا پروردگار یقیناً بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔(۴۷) ﴿۱۱۰﴾ یہ سب کچھ اُس دن ہوگا جب ہر شخص اپنے دفاع کی باتیں کرتا ہوا آئے گا، اور ہر ہر شخص کو اُس کے سارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور لوگوں پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۱۱۱﴾

معذور ہے، جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر نازل ہوگا جو اپنے اختیار سے کفر کی باتیں کرے۔

(۴۷) اس آیت میں فتنے میں مبتلا ہونے سے اُن صحابہ کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جو مکہ مکرمہ میں کافروں کے ظلم وستم کا نشانہ بنے۔ پہلے چونکہ کافروں کے بُرے انجام کا ذکر تھا تو اس آیت میں نیک مسلمانوں کا اجر بھی بیان فرمادیا گیا ہے۔ لیکن بعض مفسرین نے یہاں فتنے میں مبتلا ہونے کا مطلب یہ لیا ہے کہ وہ پہلے کفر میں مبتلا

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ
مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا
يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ
ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے جو بڑی پرامن اور مطمئن تھی، اُس کا رزق اُس کو ہر جگہ سے بڑی فراوانی کے ساتھ پہنچ رہا تھا۔ پھر اُس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری شروع کردی، تو اللہ نے اُن کے کرتوت کی وجہ سے اُن کو یہ مزہ چکھایا کہ بھوک اور خوف اُن کا پہننا اوڑھنا بن گیا۔(۴۸) ﴿۱۱۲﴾ اور اُن کے پاس اُنہی میں سے ایک پیغمبر آیا تھا، مگر انہوں نے اُس کو جھٹلایا، چنانچہ جب انہوں نے ظلم اپنا لیا تو اُن کو عذاب نے آپکڑا۔ ﴿۱۱۳﴾ لہٰذا اللہ نے جو حلال پاکیزہ چیزیں تمہیں رزق کے طور پر دی ہیں، انہیں کھاؤ،(۴۹) اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، اگر تم واقعی اُسی کی عبادت کرتے ہو۔ ﴿۱۱۴﴾

ہوگئے، بعد میں توبہ کی۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ پہلے سے جن مرتد لوگوں کا ذکر چلا آرہا ہے، اُنہی کے بارے میں اب یہ فرمایا جارہا ہے کہ اب بھی اگر وہ توبہ کرکے ہجرت کریں اور جہاد کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کے پچھلے گناہ معاف فرمادیں گے۔

(۴۸) یہ اللہ تعالیٰ نے ایک عام مثال دی ہے کہ جو بستیاں خوشحال تھیں، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور نافرمانی پر کمر باندھ لی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو عذاب کا مزہ چکھایا۔ لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ کی بستی ہے جس میں سب لوگ خوشحالی اور امن کے ساتھ رہ رہے تھے، لیکن جب اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا تو اُن پر سخت قسم کا قحط مسلط کردیا گیا جس کے نتیجے میں لوگ چمڑا تک کھانے پر مجبور ہوئے۔ بعد میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ قحط دور ہونے کی دُعا فرمائیں۔ چنانچہ وہ آپ کی دُعا سے دُور ہوا۔ اس واقعے کا ذکر سورۂ دخان میں بھی آنے والا ہے۔

(۴۹) جس ناشکری کی پیچھے مذمت کی گئی ہے، اُسی کی ایک صورت مشرکین عرب نے یہ اختیار کر رکھی تھی کہ اللہ تعالیٰ

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٥﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ
أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ
الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ
وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٨﴾

اُس نے تو تمہارے لئے بس مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا ہے جس پر اللہ کے سوا
کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ البتہ جو شخص بھوک سے بالکل بے تاب ہو، لذت حاصل کرنے کے لئے
نہ کھائے، اور (ضرورت کی) حد سے آگے نہ بڑھے تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔(۵۰) ﴿۱۱۵﴾
اور جن چیزوں کے بارے میں تمہاری زبانیں جھوٹی باتیں بناتی ہیں، اُن کے بارے میں یہ مت کہا
کرو کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو گے۔
یقین جانو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں، وہ فلاح نہیں پاتے۔ ﴿۱۱۶﴾ (دنیا میں) اُنہیں
جو عیش حاصل ہے، وہ بہت تھوڑا سا ہے، اور اُن کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ ﴿۱۱۷﴾ اور
یہودیوں کے لئے ہم نے وہ چیزیں حرام کی تھیں جن کا تذکرہ ہم تم سے پہلے ہی کرچکے ہیں۔(۵۱) اور ہم
نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔ ﴿۱۱۸﴾

کی بہت سی نعمتوں کو من گھڑت طریقے سے حرام قرار دے رکھا تھا، جس کی تفصیل سورۂ انعام (۶:۱۳۹ تا ۱۴۵)
میں گذر چکی ہے۔ یہاں ناشکری کی اس خاص صورت سے منع کیا جارہا ہے۔

(۵۰) اس کی تفصیل سورۂ مائدہ (۵:۳) میں گذر چکی ہے۔

(۵۱) بتلانا یہ مقصود ہے کہ کفارِ مکہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کا پیرو کہتے تھے، حالانکہ جن

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ
وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٩﴾ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً ع
قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ
وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٢١﴾ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ
لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٢٢﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ
مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٣﴾

پھر بھی تمہارا رب ایسا ہے کہ جن لوگوں نے نادانی میں برائی کا ارتکاب کرلیا، اور اُس کے بعد توبہ کرلی، اور اپنی اصلاح کرلی تو ان سب باتوں کے بعد بھی تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۱۹﴾ بیشک ابراہیم ایسے پیشوا تھے جنہوں نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ کی فرماں برداری اختیار کرلی تھی، اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ ﴿۱۲۰﴾ وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گذار تھے۔ اُس نے انہیں چن لیا تھا، اور ان کو سیدھے راستے تک پہنچا دیا تھا۔ ﴿۱۲۱﴾ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی دی تھی، اور آخرت میں تو یقیناً اُن کا شمار صالحین میں ہے۔ ﴿۱۲۲﴾ پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی وحی کے ذریعے یہ حکم نازل کیا ہے کہ تم ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جس نے اپنا رُخ اللہ ہی کی طرف کیا ہوا تھا، اور وہ اُن لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ ﴿۱۲۳﴾

حلال چیزوں کو ان مشرکین نے حرام کر رکھا تھا، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت ہی سے حلال چلی آتی تھیں، البتہ اُن میں سے صرف چند چیزوں کو یہودیوں پر بطورِ سزا حرام کردیا گیا تھا۔ جیسا کہ سورۂ نساء (۴:۱۶۰) میں گذر چکا ہے۔ باقی سب چیزیں اُس وقت سے آج تک حلال ہی چلی آتی ہیں۔

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾ ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ
عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم
بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ﴿١٢٦﴾

سنیچر کے دن کے احکام تو ان لوگوں پر لازم کیے گئے تھے جنہوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا تھا، (۵۲) اور یقین رکھو کہ تمہارا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اُن تمام باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں لوگ اختلاف کیا کرتے تھے۔ ﴿۱۲۴﴾

اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کرکے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ یقیناً تمہارا پروردگار اُن لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں، اور اُن سے بھی خوب واقف ہے جو راہِ راست پر قائم ہیں۔ ﴿۱۲۵﴾ اور اگر تم لوگ (کسی کے ظلم کا) بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی تھی۔ اور اگر صبر ہی کرلو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت بہتر ہے۔ ﴿۱۲۶﴾

---

(۵۲) یہ ایک دوسرا استثنا ہے جس میں یہودیوں کے لیے بعض وہ چیزیں ممنوع کردی گئی تھیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھیں۔ اور وہ یہ کہ یہودیوں کے لیے سنیچر کے دن معاشی سرگرمیاں ممنوع کردی گئی تھیں۔ پھر ان میں بھی اختلاف رہا کہ کچھ لوگوں نے اس پابندی پر عمل کیا، اور کچھ نے نہیں کیا۔ بہر حال! یہ بھی

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٧﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿١٢٨﴾

اور (اے پیغمبر!) تم صبر سے کام لو، اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اور ان (کافروں) پر صدمہ نہ کرو، اور جو مکاریاں یہ لوگ کر رہے ہیں، اُن کی وجہ سے تنگ دل نہ ہو۔ ﴿۱۲۷﴾ یقین رکھو کہ اللہ اُن لوگوں کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اور جو احسان پر عمل پیرا ہیں۔ (۵۳) ﴿۱۲۸﴾

ایک استثنائی حکم تھا جو صرف یہودیوں کو دیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت اس سے خالی تھی۔ لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام قرار دیدے۔

(۵۳) "احسان" بڑا جامع لفظ ہے جس میں ہر طرح کے نیک کام داخل ہیں۔ اور ایک حدیث میں اس کی یہ تشریح فرمائی گئی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ جیسے وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو، یا کم از کم اس تصور کے ساتھ کرے وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔

الحمد للہ! آج بتاریخ ۲۸ رجب ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۶ راگست ۲۰۰۱ء سورۂ نحل کا ترجمہ اور تشریحی حواشی کرغیزستان کے دارالحکومت بشکیک میں بروز جمعرات عصر سے ذرا پہلے تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی بآسانی اپنی رضائے کامل کے ساتھ پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

سورۂ بنی اسرائیل

تعارف

اس سورت کی سب سے پہلی آیت ہی یہ بتارہی ہے کہ اس کا نزول معراج مبارک کے واقعے کے بعد ہوا ہے۔ اگرچہ معراج کے واقعے کی ٹھیک ٹھیک تاریخ یقینی طور پر متعین کرنا مشکل ہے، لیکن زیادہ تر روایات کا رُجحان اس طرف ہے کہ یہ عظیم واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دس سال بعد اور ہجرت سے تین سال پہلے پیش آیا تھا۔ اُس وقت تک اسلام کی دعوت کا پیغام نہ صرف عرب کے بت پرستوں تک، بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں تک بھی پہنچ چکا تھا۔ اس سورت میں معراج کے غیر معمولی واقعے کا حوالہ دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ناقابلِ انکار ثبوت فراہم کردیا گیا ہے۔ اس کے بعد بنو اسرائیل کے واقعے کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ کس طرح انہیں دو مرتبہ اللہ کی نافرمانی کی پاداش میں ذلت ورسوائی اور دشمن کے ہاتھوں بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح مشرکینِ عرب کو سبق دیا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کی مخالفت سے باز آجائیں، ورنہ ان کو بھی اسی قسم کے انجام سے سابقہ پیش آسکتا ہے، کیونکہ اس وقت قرآن کریم ہی وہ واحد کتاب ہے جو اعتدال کے ساتھ سیدھے راستے کی طرف ہدایت کررہی ہے (آیت نمبر ۹)۔ پھر آیت نمبر ۲۲ سے ۳۸ تک مسلمانوں کو اُن کے دینی، معاشرتی اور اخلاقی طرزِ عمل کے بارے میں نہایت اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ اور مشرکین کے نامعقول اور معاندانہ طرزِ عمل کی مذمت کرکے اُن کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتے رہیں۔

چونکہ سورت کے شروع میں بنو اسرائیل کے ساتھ پیش آنے والے دو اہم واقعات کا

تذکرہ کیا گیا ہے، اس لئے سورت کا نام سورۂ بنی اسرائیل ہے۔ اور اس کا دوسرا نام "سورۃ الاسراء" بھی ہے۔ "اسراء" سفرِ معراج کو، اور خاص طور پر اس سفر کے اُس حصے کو کہا جاتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام سے بیت المقدس تک لے جایا گیا۔ سورت کا آغاز ہی چونکہ اس معجزانہ سفر کے تذکرے سے ہوا ہے، اس لئے اس کو "سورۃ الاسراء" بھی کہا جاتا ہے۔

آیاتہا ۱۱۱ | ۱۷ سورۃ بنی اسرآءیل مکیۃ ۵۰ | رکوعاتہا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا
الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ①

اس سورت میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے ماحول پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تاکہ ہم انہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔(1) بیشک وہ ہر بات سننے والی، ہر چیز دیکھنے والی ذات ہے۔ ﴿۱﴾

---

(۱) اس سے معراج کے واقعے کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل حدیث اور سیرت کی کتابوں میں آئی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور رات کے وقت انہیں ایک جانور پر سوار کیا جس کا نام براق تھا، وہ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آپ کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک لے گیا۔ یہ سفر معراج کا پہلا مرحلہ تھا جسے "اسراء" کہا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو ساتوں آسمانوں پر لے گئے۔ ہر آسمان پر آپ کی ملاقات پچھلے پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر سے ہوئی۔ اس کے بعد جنت کے ایک درخت "سدرۃ المنتہیٰ" پر تشریف لے گئے، اور آپ کو اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی کا شرف عطا ہوا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض فرمائیں۔ پھر رات ہی رات میں آپ واپس مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ اس آیت میں اس سفر کے صرف پہلے حصے کا بیان اس لئے کیا گیا ہے کہ آنے والے تذکرے سے اسی کا تعلق زیادہ تھا۔ البتہ سفر کے دوسرے حصے کا تذکرہ سورۂ نجم ۵۳: ۱۳ تا ۱۸ میں آیا ہے۔ صحیح روایات کے مطابق یہ معجزانہ سفر بیداری کی حالت میں پیش آیا تھا، اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک عظیم نشانی آپ کو دکھائی گئی تھی۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یہ واقعہ بیداری کے بجائے خواب میں دکھایا گیا، کیونکہ یہ بات صحیح احادیث کے تو خلاف ہے ہی، خود قرآن کریم کا اسلوب واضح طور پر یہ بتا رہا ہے کہ یہ ایک

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ
وَكِيْلًا ۝۲ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝۳ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ
اِسْرَاۗءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝۴
فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ
الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝۵

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، اور اُس کو بنی اسرائیل کے لئے اس ہدایت کا ذریعہ بنایا تھا کہ تم میرے سوا کسی اور کو اپنا کارساز قرار نہ دینا۔ ﴿۲﴾ اے اُن لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا!(۲) اور وہ بڑے شکرگزار بندے تھے۔ ﴿۳﴾ اور ہم نے کتاب میں فیصلہ کرکے بنو اسرائیل کو اس بات سے آگاہ کردیا تھا کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد مچاؤ گے، اور بڑی سرکشی کا مظاہرہ کروگے۔ ﴿۴﴾ چنانچہ جب ان دو واقعات میں سے پہلا واقعہ پیش آیا تو ہم نے تمہارے سروں پر اپنے ایسے بندے مسلط کردیے جو سخت جنگجو تھے، اور وہ تمہارے شہروں میں گھس کر پھیل گئے۔(۳) اور یہ ایک ایسا وعدہ تھا جسے پورا ہوکر رہنا ہی تھا۔ ﴿۵﴾

غیر معمولی واقعہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک نشانی قرار دیا ہے، اگر یہ صرف ایک خواب کا واقعہ ہوتا تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی، انسان خواب میں بہت کچھ دیکھتا رہتا ہے۔ پھر اُسے اپنی ایک نشانی قرار دینے کے کوئی معنی نہیں تھے۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا حوالہ خاص طور پر اس لئے دیا گیا ہے کہ جو لوگ اُس کشتی میں سوار ہوئے تھے، انہیں اللہ تعالیٰ نے طوفان میں ڈوبنے سے بچایا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم تھا، اُسے یاد دلا کر فرمایا جارہا ہے کہ اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ ان لوگوں کی اولاد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا معبود نہ بنائے۔

(۳) جب بنو اسرائیل کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئی تھیں تو بابل کے بادشاہ بخت نصر نے اُن پر حملہ کرکے اُن کا قتل عام کیا تھا، اور جو زندہ رہ گئے تھے، انہیں گرفتار کرکے فلسطین سے بابل لے گیا تھا جہاں مدت دراز تک وہ اُس کی غلامی میں جلاوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنٰكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ أَكْثَرَ
نَفِيْرًا ﴿٦﴾ إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ ۗ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ
الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ
لِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴿٧﴾ عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ
وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿٨﴾

پھر ہم نے تمہیں یہ موقع دیا کہ تم پلٹ کر اُن پر غالب آؤ، اور تمہارے مال و دولت اور اولاد میں اضافہ کیا، اور تمہاری نفری پہلے سے زیادہ بڑھا دی۔(۴) ﴿۶﴾ اگر تم اچھے کام کرو گے تو اپنے ہی فائدے کے لئے کرو گے، اور بُرے کام کرو گے تو بھی وہ تمہارے لئے ہی بُرا ہوگا۔ چنانچہ جب دوسرے واقعے کی میعاد آئی (تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کردیا) تاکہ وہ تمہارے چہروں کو بگاڑ ڈالیں، اور تاکہ وہ مسجد میں اُسی طرح داخل ہوں جیسے پہلے لوگ داخل ہوئے تھے، اور جس جس چیز پر اُن کا زور چلے، اُس کو تہس نہس کر کے رکھ دیں۔(۵) ﴿۷﴾ عین ممکن ہے کہ (اب) تمہارا رَبّ تم پر رحم کرے۔ لیکن اگر تم پھر وہی کام کرو گے، تو ہم بھی دوبارہ وہی کریں گے، اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنا ہی رکھا ہے۔ ﴿۸﴾

---

(۴) تقریباً ستر سال تک بخت نصر کی غلامی میں رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن پر اس طرح رحم فرمایا کہ ایران کے بادشاہ اخسویرس نے بابل پر حملہ کر کے اُسے فتح کرلیا۔ اس موقع پر اسے ان یہودیوں کی حالتِ زار پر رحم آیا، اور اس نے ان کو آزاد کر کے دوبارہ فلسطین میں بسا دیا۔ اس طرح ان کو دوبارہ خوشحالی ملی، اور ایک مدت تک وہ بڑی تعداد میں وہاں آباد رہے۔ مگر جب خوشحالی ملنے پر انہوں نے دوبارہ بداعمالیوں پر کمر باندھی تو وہ دوسرا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے۔

(۵) بعض حضرات نے تو کہا ہے کہ اس دوسرے دشمن سے مراد انٹیوکس اپی فانیوس ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے کچھ پہلے دوبارہ بیت المقدس پر حملہ کر کے یہودیوں کا قتلِ عام کیا تھا۔ اور بعض

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ
الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٠﴾ وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ ع ۱
الْإِنْسَانُ عَجُولًا ﴿١١﴾

حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے، اور جو لوگ (اس پر) ایمان لاکر نیک عمل کرتے ہیں، انہیں خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے، ﴿۹﴾ اور یہ بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے لئے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۱۰﴾ اور انسان برائی اس طرح مانگتا ہے جیسے اُسے بھلائی مانگنی چاہئے،(۶) اور انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے۔ ﴿۱۱﴾

حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد روم کے شاہ طیطوس کا حملہ ہے۔ اگرچہ بنی اسرائیل پر مختلف زمانوں میں بہت سے دشمن مسلط ہوتے رہے ہیں، لیکن ان دو دشمنوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس لئے فرمایا ہے کہ ان کے حملوں میں انہیں سب سے زیادہ نقصان اُٹھانا پڑا، اور ان میں سے پہلا دشمن یعنی بخت نصر ان پر اس وقت مسلط کیا گیا جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی خلاف ورزی کی، اور دوسرا دشمن اس وقت مسلط کیا گیا جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی۔ اور آگے یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کروگے تو تمہارے ساتھ ویسا ہی سلوک دوبارہ کیا جائے گا۔

(۶) کافر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کہا کرتے تھے کہ اگر ہمیں ہمارے کفر پر عذاب ہونا ہے تو ابھی فوراً کیوں نہیں ہوجاتا؟ یہ ان کی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ جلد بازی میں عذاب کی برائی کو اس طرح مانگ رہے ہیں جیسے وہ کوئی اچھی چیز ہو۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً
لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ
فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیوں کے طور پر پیدا کیا ہے۔ پھر رات کی نشانی کو تو اندھیری بنا دیا، اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا، تاکہ تم اپنے ربّ کا فضل تلاش کر سکو،(۷) اور تاکہ تمہیں سالوں کی گنتی اور (مہینوں کا) حساب معلوم ہو سکے۔ اور ہم نے ہر چیز کو الگ الگ واضح کر دیا ہے۔ ﴿۱۲﴾ اور ہر شخص (کے عمل) کا انجام ہم نے اُس کے اپنے گلے سے چمٹا دیا ہے،(۸) اور قیامت کے دن ہم (اُس کا) اعمال نامہ ایک تحریر کی شکل میں نکال کر اُس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ ﴿۱۳﴾ (کہا جائے گا کہ) لو پڑھ لو اپنا اعمال نامہ! آج تم خود اپنا حساب لینے کے لئے کافی ہو۔ ﴿۱۴﴾

---

(۷) یعنی دن اور رات کا ایک دوسرے کے بعد تسلسل کے ساتھ آنا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت و حکمت کی نشانی ہے۔ رات کے وقت اندھیرا چھا جاتا ہے، تاکہ لوگ اُس میں آرام کر سکیں، اور دن کے وقت روشنی ہوتی ہے، تاکہ لوگ اپنا روزگار تلاش کر سکیں، جس کو قرآنِ کریم "اللہ کے فضل" سے تعبیر کرتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ نحل، آیت: ۱۴ کا حاشیہ) اور رات اور دن کے بدلنے ہی سے تاریخوں کا تعین ہوتا ہے۔

(۸) انجام کو گلے سے چمٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے تمام اعمال ہر لمحے لکھے جارہے ہیں جو اُس کے اچھے یا بُرے انجام کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اور جب قیامت آئے گی تو یہ سارا اعمال نامہ اُس کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا جسے وہ خود پڑھ سکے گا۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص دُنیا میں اَن پڑھ تھا، قیامت کے دن اُسے بھی اپنا اعمال نامہ پڑھنے کی صلاحیت دے دی جائے گی۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ
وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ
نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا
تَدْمِيْرًا ۝۱۶ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ
عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝۱۷ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ
نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝۱۸

جو شخص سیدھی راہ پر چلتا ہے، تو وہ خود اپنے فائدے کے لئے چلتا ہے، اور جو گمراہی کا راستہ اختیار کرتا
ہے، وہ اپنے ہی نقصان کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں
اُٹھائے گا۔ اور ہم کبھی کسی کو اُس وقت تک سزا نہیں دیتے جب تک کوئی پیغمبر (اُس کے پاس) نہ بھیج
دیں۔ ﴿۱۵﴾ اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اُس کے خوش حال لوگوں کو
(ایمان اور اطاعت کا) حکم دیتے ہیں، پھر وہ وہاں نافرمانیاں کرتے ہیں، تو ان پر بات پوری ہوجاتی
ہے، چنانچہ ہم اُنہیں تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔ ﴿۱۶﴾ اور کتنی ہی نسلیں ہیں جو ہم نے نوح کے بعد
ہلاک کیں! اور تمہارا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے پوری طرح باخبر ہے، سب کچھ دیکھ رہا
ہے۔ ﴿۱۷﴾ جو شخص دُنیا کے فوری فائدے ہی چاہتا ہے تو ہم جس کے لئے چاہتے ہیں، جتنا چاہتے
ہیں، اُسے یہیں پر جلدی دے دیتے ہیں،(۹) پھر اُس کے لئے ہم نے جہنم رکھ چھوڑی ہے جس میں وہ
ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوگا۔ ﴿۱۸﴾

(۹) یہ اُس شخص کا ذکر ہے جس نے اپنی زندگی کا مقصد ہی دُنیا کی بہتری کو بنا رکھا ہے، اور آخرت پر یا تو ایمان نہیں، یا اُس کی کوئی فکر نہیں۔ نیز اس قسم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو کوئی نیکی کا کام دُنیا کی دولت یا شہرت حاصل

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ
مَشْكُورًا ﴿١٩﴾ كُلًّا نُمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ
مَحْظُورًا ﴿٢٠﴾ انْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ
وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ﴿٢١﴾

اور جو شخص آخرت (کا فائدہ) چاہے، اور اُس کے لئے ویسی ہی کوشش کرے جیسی اُس کے لئے کرنی چاہئے، جبکہ وہ مومن بھی ہو، تو ایسے لوگوں کی کوشش کی پوری قدر دانی کی جائے گی۔ ﴿۱۹﴾ (اے پیغمبر!) جہاں تک (دُنیا میں) تمہارے رَبّ کی عطا کا تعلق ہے، ہم اِن کو بھی اُس سے نوازتے ہیں، اور اُن کو بھی۔[10] اور (دُنیا میں) تمہارے رَبّ کی عطا کسی کے لئے بند نہیں ہے۔ ﴿۲۰﴾ دیکھو ہم نے کس طرح ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے۔[11] اور یقین رکھو کہ آخرت درجات کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے، اور فضیلت کے اعتبار سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ ﴿۲۱﴾

کرنے کے لئے کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو دُنیا کے یہ فوائد ملنے کی بھی کوئی گارنٹی نہیں ہے، نہ اس بات کی گارنٹی ہے کہ جتنے فائدے وہ چاہ رہے ہیں، وہ سب مل جائیں۔ البتہ اُن میں سے جن کو ہم مناسب سمجھتے ہیں جتنا مناسب سمجھتے ہیں دُنیا میں دے دیتے ہیں۔ مگر آخرت میں اُن کا انجام جہنم ہے۔

(۱۰) یہاں عطا سے مراد دُنیا کا رزق ہے۔ یعنی مومن و کافر اور متقی اور فاسق ہر شخص کو دُنیا میں اللہ تعالیٰ رزق عطا فرماتے ہیں۔ یہ رزق کسی پر بند نہیں ہے۔

(۱۱) یعنی دُنیا میں کسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت زیادہ رزق عطا فرمایا ہے، اور کسی کو کم۔ البتہ جس چیز کے لئے انسان کو پوری کوشش کرنی چاہئے، وہ آخرت کے فوائد ہیں، کیونکہ وہ دُنیا کے فوائد کے مقابلے میں بدرجہا زیادہ ہیں۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا ع ۲
تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ
كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا
جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ
اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾

اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ، ورنہ تم قابلِ ملامت (اور) بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ رہو گے۔(۱۲) ﴿۲۲﴾ اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو، اور نہ انہیں جھڑکو، بلکہ ان سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو۔ ﴿۲۳﴾ اور ان کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے ان کے سامنے اپنے آپ کو انکساری سے جھکاؤ، اور یہ دعا کرو کہ: ”یا رب! جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا ہے، آپ بھی ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجئے۔“ ﴿۲۴﴾ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے۔ اگر تم نیک بن جاؤ، تو وہ ان لوگوں کی خطائیں بہت معاف کرتا ہے جو کثرت سے اُس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔(۱۳) ﴿۲۵﴾

---

(۱۲) آیت نمبر ۱۹ میں فرمایا گیا تھا کہ آخرت کی بھلائی حاصل کرنے کے لئے بندے کو ویسی ہی کوشش کرنی ہے جیسی کرنی چاہئے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی طرف اشارہ تھا۔ اب یہاں سے ایسے کچھ احکام کی تفصیل بیان فرمائی جارہی ہے جس کو سب سے پہلے توحید کے حکم سے شروع کیا گیا ہے، کیونکہ اس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ اس کے بعد کچھ احکام حقوق العباد سے متعلق بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۳) مطلب یہ ہے کہ اگر تم ایمان رکھتے ہو، اور مجموعی حیثیت سے نیکی کے کام کرنے کی کوشش کرتے ہو، پھر بشری تقاضوں سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے، اور تم اس پر توبہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ
الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا
تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾
وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ
مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

اور رشتہ دار کو اُس کا حق دو، اور مسکین اور مسافر کو (اُن کا حق)، اور اپنے مال کو بے ہودہ کاموں میں نہ اُڑاؤ۔ (۱۴) ﴿۲۶﴾ یقین جانو کہ جو لوگ بے ہودہ کاموں میں مال اُڑاتے ہیں، وہ شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ ﴿۲۷﴾ اور اگر کبھی تمہیں ان (رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں) سے اس لئے منہ پھیرنا پڑے کہ تمہیں اللہ کی متوقع رحمت کا انتظار ہو (۱۵) تو ایسے میں اُن کے ساتھ نرمی سے بات کر لیا کرو۔ ﴿۲۸﴾ اور نہ تو (ایسے کنجوس بن کر) اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ کر رکھو، اور نہ (ایسے فضول خرچ بن کر) ہاتھ کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو جس کے نتیجے میں تمہیں قابلِ ملامت اور قلاش ہو کر بیٹھنا پڑے۔ ﴿۲۹﴾

---

(۱۴) قرآنِ کریم نے یہاں "تبذیر" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ عام طور سے تبذیر اور اِسراف دونوں کا ترجمہ فضول خرچی سے کیا جاتا ہے۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر جائز کام میں خرچ کیا جائے، لیکن ضرورت یا اعتدال سے زیادہ خرچ کیا جائے تو وہ "اسراف" ہے۔ اور اگر مال کو ناجائز اور گناہ کے کام میں خرچ کیا جائے تو وہ "تبذیر" ہے۔ اسی لئے یہاں ترجمہ "بے ہودہ کاموں میں مال اُڑانے" سے کیا گیا ہے۔

(۱۵) یعنی کسی ضرورت مند کو کچھ دینے سے اس لئے انکار کرنے کی نوبت آجائے کہ اُس وقت تمہارے پاس دینے کے لئے کچھ نہ ہو، لیکن تمہیں یہ توقع ہو کہ آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وسعت عطا فرمادیں گے تو ایسے میں اُس ضرورت مند سے نرم الفاظ میں معذرت کر لینی چاہئے۔

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا
بَصِيرًا ﴿٣٠﴾ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ
قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ ۖ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ
سَبِيلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا
فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ﴿٣٣﴾

حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت عطا فرمادیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی پیدا کردیتا ہے۔ یقین رکھو کہ وہ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہے، انہیں پوری طرح دیکھ رہا ہے۔ ﴿۳۰﴾ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو۔(۱۶) ہم انہیں بھی رزق دیں گے، اور تمہیں بھی۔ یقین جانو کہ اُن کو قتل کرنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ ﴿۳۱﴾

اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ وہ یقینی طور پر بڑی بے حیائی اور بے راہ روی ہے۔ ﴿۳۲﴾

اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطا کی ہے، اُسے قتل نہ کرو، اِلّا یہ کہ تمہیں (شرعاً) اس کا حق پہنچتا ہو۔(۱۷) اور جو شخص مظلومانہ طور پر قتل ہوجائے تو ہم نے اُس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار دیا ہے۔ چنانچہ اس پر لازم ہے کہ وہ قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔(۱۸) یقیناً وہ اس لائق ہے کہ اس کی مدد کی جائے۔ ﴿۳۳﴾

(۱۶) مشرکین عرب بعض اوقات تو لڑکیوں کو اس لئے زندہ دفن کردیتے تھے کہ اپنے گھر میں لڑکی کے وجود ہی کو وہ باعث شرم سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض مرتبہ اولاد کو اس لئے قتل کردیتے تھے کہ ان کو کھلانے سے مفلس ہوجانے کا احتمال تھا۔

(۱۷) کسی کو قتل کرنے کا حق صرف چند صورتوں میں پہنچتا ہے جن میں سے ایک اہم صورت کا ذکر اگلے جملے میں آرہا ہے، اور وہ یہ کہ کسی شخص کو ظالمانہ طور پر قتل کردیا گیا ہو تو اس کے ولی یعنی وارثوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بدلے میں عدالتی کارروائی کے بعد قاتل کو قتل کریں یا کروائیں۔ اس بدلے کو "قصاص" کہا جاتا ہے۔

(۱۸) قاتل کو قصاص میں قتل کروانے کا حق تو اولیاء مقتول کو حاصل ہے، لیکن اس سے زیادہ کسی کارروائی کا

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ

اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکو، مگر ایسے طریقے سے جو (اس کے حق میں) بہترین ہو،(۱۹) یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے۔ اور عہد کو پورا کرو۔ یقین جانو کہ عہد کے بارے میں (تمہاری) بازپرس ہونے والی ہے۔ ﴿۳۴﴾ اور جب کسی کو کوئی چیز پیمانے سے ناپ کر دو تو پورا ناپو، اور تولنے کے لئے صحیح ترازو استعمال کرو۔ یہی طریقہ درست ہے، اور اسی کا انجام بہتر ہے۔ ﴿۳۵﴾ اور جس بات کا تمہیں یقین نہ ہو، (اسے سچ سمجھ کر) اس کے پیچھے مت پڑو۔(۲۰)

حق نہیں ہے۔ چنانچہ ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضاء کو کاٹنا یا قتل کرنے کے لئے کوئی زیادہ تکلیف دہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ ایسا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے تو اُسے قرآن کریم نے حد سے تجاوز قرار دیا ہے۔

(۱۹) یتیم کے رشتہ داروں اور خاص طور پر اس کے سرپرستوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ اگر یتیم کو اپنے مرحوم باپ سے میراث میں کوئی مال ملا ہو تو اُسے امانت سمجھو، اور اس میں وہی تصرف تمہارے لئے جائز ہے جو یتیم کے حق میں فائدہ مند ہو کوئی ایسا کام جائز نہیں جس میں اس کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو، مثلاً کسی کو قرض دے دینا، یا اس کی طرف سے کسی کو تحفہ دے دینا۔ البتہ جب وہ پختگی کو پہنچ جائے، یعنی بالغ ہو کر اسے اتنی سمجھ آجائے کہ وہ اپنے نفع نقصان کو خود سمجھنے لگے تو اس وقت اس کا مال اُسی کے حوالے کردینا واجب ہے۔ یہ مسئلہ قرآن کریم نے تفصیل کے ساتھ سورۂ نساء (۲:۴) میں بیان فرمایا ہے۔

(۲۰) مثلاً جب تک کسی شخص کے بارے میں شرعی دلیل سے کوئی جرم یا گناہ ثابت نہ ہو جائے، اُس وقت تک صرف شبہے کی بنیاد پر نہ اس کے خلاف سزا کی کاروائی جائز ہے، اور نہ دل میں یہ یقین کرلینا جائز ہے کہ واقعی اُس نے جرم یا گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جن باتوں کا نہ یقینی علم حاصل ہے، اور نہ ایسے علم پر دُنیا اور آخرت کا کوئی کام موقوف ہے، بلا وجہ ایسی چیزوں کی تحقیق اور جستجو میں پڑنا بھی جائز نہیں ہے۔

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿٣٦﴾ وَلَا تَمْشِ فِي
الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾ كُلُّ ذَٰلِكَ
كَانَ سَيِّئُهُ عِندَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿٣٨﴾ ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ
وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا ﴿٣٩﴾ أَفَأَصْفَاكُمْ
رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا ۚ إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾ ع

یقین رکھو کہ کان، آنکھ اور دل سب کے بارے میں (تم سے) سوال ہوگا۔[۲۱] ﴿۳۶﴾ اور زمین پر اکڑ کر مت چلو۔ نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو، اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہو۔[۲۲] ﴿۳۷﴾ یہ سارے برے کام ایسے ہیں جو تمہارے پروردگار کو بالکل ناپسند ہیں۔ ﴿۳۸﴾ (اے پیغمبر!) یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تمہارے پروردگار نے تم پر وحی کے ذریعے پہنچائی ہیں۔ اور (اے انسان!) اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنا، ورنہ تجھے ملامت کر کے، دھکے دے کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ ﴿۳۹﴾ بھلا کیا تمہارے رب نے تمہیں تو بیٹے دینے کے لئے چن لیا ہے، اور خود اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا ہے؟[۲۳] حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ بڑی سنگین بات کہہ رہے ہو۔ ﴿۴۰﴾

---

(۲۱) اگر شرعی دلیل کے بغیر کوئی شخص دوسرے کے بارے میں یقین کر کے بیٹھ جائے کہ اس نے فلاں گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو یہ دل کا گناہ ہے، اور اس سے آخرت میں باز پرس ہوگی۔

(۲۲) اکڑ کر چلنے کے لئے ایک تو کچھ لوگ زمین پر زور زور سے پاؤں مار کر چلتے ہیں، دوسرے سینہ تان کر چلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پہلی صورت کے لئے کہا گیا ہے کہ پاؤں چاہے کتنے زور سے مارلو، تم زمین کو پھاڑ نہیں سکتے، اور دوسری صورت کے لئے فرمایا گیا ہے کہ سینہ تان کر اپنا قد اونچا کرنے کی کتنی ہی کوشش کرلو، تمہاری لمبائی پہاڑوں سے زیادہ نہیں ہوسکتی، اور اگر لمبا قد ہی فضیلت اور بڑائی کا معیار ہوتا تو پہاڑوں کو تم سے افضل ہونا چاہئے تھا۔

(۲۳) پیچھے کئی مرتبہ گذرا ہے کہ مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے، حالانکہ خود اپنے لئے بیٹیوں کی پیدائش کو وہ بہت برا سمجھتے تھے، اور اپنے لئے ہمیشہ بیٹوں کی تمنا کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝۴۱ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ
اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝۴۲ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا
يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝۴۳ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ
مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۴۴

اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے وضاحتیں کی ہیں، تاکہ لوگ ہوش میں آئیں، مگر یہ لوگ ہیں کہ اس سے ان کے بدکنے ہی میں اور اضافہ ہو رہا ہے۔ ﴿۴۱﴾ کہہ دو کہ: "اگر اللہ کے ساتھ اور بھی خدا ہوتے جیسے کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ عرش والے (حقیقی خدا) پر چڑھائی کرنے کے لئے کوئی راستہ پیدا کر لیتے۔"(۲۴) ﴿۴۲﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں اُس کی ذات اُن سے بالکل پاک اور بہت بالا و برتر ہے۔ ﴿۴۳﴾ ساتوں آسمان اور زمین اور اُن کی ساری مخلوقات اُس کی پاکی بیان کرتی ہیں، اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اُس کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح نہ کر رہی ہو، لیکن تم لوگ اُن کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔(۲۵) حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا بردبار، بہت معاف کرنے والا ہے۔ ﴿۴۴﴾

کہ یہ عجیب معاملہ ہے کہ تمہارے خیال کے مطابق تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے بیٹے دینے کے لئے چن لیا ہے، اور خود بیٹیاں رکھی ہیں جو تمہارے خیال کے مطابق باپ کے لئے باعثِ عار ہوا کرتی ہیں۔

(۲۴) یہ توحید کے حق میں اور شرک کے خلاف ایک عام فہم دلیل ہے۔ اور وہ یہ کہ خدا ایسی ذات ہی کو کہا جا سکتا ہے جو ہر کام پر قدرت رکھتی ہو، اور کسی کے حکم کے تابع نہ ہو۔ اب اگر اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے سے آزاد ہوتا، اور سب کی قدرت کامل ہوتی۔ چنانچہ یہ دوسرے خدا مل کر عرش والے خدا پر چڑھائی بھی کر سکتے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کو خدا پر چڑھائی کرنے کی قدرت نہیں ہے، اور وہ خود اللہ تعالیٰ کے محکوم ہیں تو پھر وہ خدا ہی کیا ہوئے؟ ثابت ہو گیا کہ کائنات میں حقیقی خدا تو ایک ہی ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

(۲۵) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ساری چیزیں زبانِ حال سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں، کیونکہ ان میں

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا
مَسْتُورًا ۴۵ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا
ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ۴۶ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا
يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنْ
تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ۴۷

اور (اے پیغمبر!) جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور اُن لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ایک اَن دیکھا پردہ حائل کردیتے ہیں۔[۲۱] ﴿۴۵﴾ اور ہم ان کے دِلوں پر ایسا غلاف چڑھا دیتے ہیں کہ وہ اُسے سمجھتے نہیں، اور اُن کے کانوں میں گرانی پیدا کردیتے ہیں۔ اور جب تم قرآن میں تنہا اپنے رَبّ کا ذکر کرتے ہو تو یہ لوگ نفرت کے عالم میں پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ ﴿۴۶﴾ ہمیں خوب معلوم ہے کہ جب یہ لوگ تمہاری بات کان لگا کر سنتے ہیں تو کس لئے سنتے ہیں، اور جب یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں (تو ان باتوں کا بھی ہمیں پورا علم ہے) جب یہ ظالم (اپنی برادری کے مسلمانوں سے) یوں کہتے ہیں کہ: ”تم تو بس ایک ایسے آدمی کے پیچھے چل پڑے ہو جس پر جادو ہوگیا ہے۔“ ﴿۴۷﴾

سے ہر چیز ایسی ہے کہ اگر اس کی تخلیق پر غور کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اُس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے، نیز ہر چیز اُسی کے تابع فرمان ہے۔ اور یہ مطلب بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ ساری چیزیں حقیقی معنی میں تسبیح کرتی ہوں، اور ہم اُسے نہ سمجھتے ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز یہاں تک کہ پتھروں میں بھی ایک طرح کی حس پیدا فرمائی ہے، اور یہ بات قرآنِ کریم کی کئی آیتوں کی روشنی میں زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اور آج کی سائنس نے بھی یہ تسلیم کرلیا ہے کہ پتھروں میں بھی ایک طرح کی حس پائی جاتی ہے۔

(۲۱) جو لوگ اپنی اصلاح اور آخرت کی فکر سے غافل ہوکر بس دُنیا کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، اور حق کی کوئی طلب اُن کے دِلوں میں پیدا نہیں ہوتی، بلکہ وہ حق کے مقابلے میں ضد اور عناد کی روش اختیار کرلیتے ہیں، وہ حق

انظر كيف ضربوا لك الأمثال فضلوا فلا يستطيعون سبيلا ۝٤٨ وقالوا أإذا
كنا عظاما ورفاتا أإنا لمبعوثون خلقا جديدا ۝٤٩ قل كونوا حجارة أو
حديدا ۝٥٠ أو خلقا مما يكبر في صدوركم فسيقولون من يعيدنا قل
الذي فطركم أول مرة فسينغضون إليك رءوسهم ويقولون متى هو قل
عسى أن يكون قريبا ۝٥١ يوم يدعوكم فتستجيبون بحمده وتظنون إن
لبثتم إلا قليلا ۝٥٢

دیکھو انہوں نے تم پر کیسی کیسی پھبتیاں چست کی ہیں۔ یہ راہ سے بھٹک چکے ہیں، چنانچہ یہ راستے پر نہیں آسکتے۔ ﴿۴۸﴾ اور یہ کہتے ہیں کہ: "کیا جب ہمارا وجود ہڈیوں میں تبدیل ہوکر چورا چورا ہوجائے گا تو بھلا کیا اُس وقت ہمیں نئے سرے سے پیدا کر کے اُٹھایا جائے گا؟" ﴿۴۹﴾ کہہ دو کہ: "تم پتھر یا لوہا بھی بن جاؤ ﴿۵۰﴾ یا کوئی اور ایسی مخلوق بن جاؤ جس کے بارے میں تم دل میں سوچتے ہو کہ (اُس کا زندہ ہونا) اور بھی مشکل ہے، (پھر بھی تمہیں زندہ کردیا جائے گا)" اب وہ کہیں گے کہ: "کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟" کہہ دو کہ: "وہی زندہ کرے گا جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔"(۲۷) پھر وہ تمہارے سامنے سر ہلا ہلا کر کہیں گے کہ: "ایسا کب ہوگا؟" کہہ دینا کہ: "کیا بعید ہے کہ وہ وقت قریب ہی آگیا ہو۔" ﴿۵۱﴾ جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اُس کی حمد کرتے ہوئے اُس کے حکم کی تعمیل کرو گے، اور یہ سمجھ رہے ہوگے کہ تم بس تھوڑی سی مدت (دُنیا میں) رہے تھے۔ ﴿۵۲﴾

کو سوچنے سمجھنے سے محروم ہوجاتے ہیں۔ یہی وہ اَن دیکھا پردہ ہے جو اُن کے اور پیغمبر کے درمیان حائل ہوجاتا ہے، اور یہی وہ غفلت کا غلاف ہے جو اُن کے دلوں پر مسلط ہوجاتا ہے، اور اُن کے کانوں میں وہ گرانی پیدا کردیتا ہے جس کی بنا پر وہ حق بات سننے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتے ہیں۔

(۲۷) اشارہ اس طرف ہے کہ کسی چیز کو پہلی بار عدم سے وجود میں لانا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ
كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝۵۳ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ
يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝۵۴ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝۵۵ قُلِ
ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝۵۶

میرے (مومن) بندوں سے کہہ دو کہ وہی بات کہا کریں جو بہترین ہو۔ درحقیقت شیطان لوگوں
کے درمیان فساد ڈالتا ہے۔ شیطان یقینی طور پر انسان کا کھلا دشمن ہے۔(۲۸) ﴿۵۳﴾ تمہارا پروردگار
تمہیں خوب جانتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم پر رحم فرمادے، اور چاہے تو تمہیں عذاب دیدے، اور
(اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں ان کی باتوں کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ ﴿۵۴﴾ اور تمہارا پروردگار
اُن سب کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ اور ہم نے کچھ نبیوں کو دوسرے نبیوں
پر فضیلت دی ہے، اور ہم نے داود کو زبور عطا کی تھی۔ ﴿۵۵﴾ (جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسرے
معبودوں کو مانتے ہیں، اُن سے) کہہ دو کہ: ”جن کو تم نے اللہ کے سوا معبود سمجھ رکھا ہے، اُنہیں پکار کر
دیکھو۔ ہوگا یہ کہ نہ وہ تم سے کوئی تکلیف دور کرسکیں گے، اور نہ اُسے تبدیل کرسکیں گے۔“ ﴿۵۶﴾

ایک مرتبہ پیدا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔ جس خدا نے پہلی بار پیدا کرنے کا زیادہ مشکل کام اپنی قدرت سے انجام دیا ہے، اُس کے بارے میں یہ ماننے میں کیا دشواری ہے کہ وہ دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے۔

(۲۸) اس آیت میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ جب ان کی کافروں کے ساتھ گفتگو ہو تو اُن کے ساتھ بھی خوش اسلوبی کے ساتھ بات کیا کریں، کیونکہ غصے کے عالم میں سخت قسم کی باتوں سے فائدے کے بجائے نقصان ہوتا ہے اور ایسی باتیں شیطان اس لئے کہلواتا ہے کہ ان سے فساد پیدا ہو۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ
رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿٥٧﴾ وَإِنْ مِنْ قَرْيَةٍ
إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ فِي
الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿٥٨﴾ وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ۚ
وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا ۚ وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ﴿٥٩﴾

جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ تو خود اپنے پروردگار تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ اُن میں سے کون اللہ کے زیادہ قریب ہو جائے، اور وہ اُس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں، اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔(۲۹) یقیناً تمہارے ربّ کا عذاب ہے ہی ایسی چیز جس سے ڈرا جائے۔ ﴿۵۷﴾ اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے جسے ہم روزِ قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں، یا اُسے سخت عذاب نہ دیں۔ یہ بات (تقدیر کی) کتاب میں لکھی جا چکی ہے۔(۳۰) ﴿۵۸﴾ اور ہم کو نشانیاں (یعنی کفار کے مانگے ہوئے معجزات) بھیجنے سے کسی اور چیز نے نہیں، بلکہ اس بات نے روکا ہے کہ پچھلے لوگ ایسی نشانیوں کو جھٹلا چکے ہیں۔(۳۱) اور ہم نے قومِ ثمود کو اونٹنی دی تھی جو آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھی، مگر انہوں نے اُس کے ساتھ ظلم کیا۔ اور ہم نشانیاں ڈرانے ہی کے لئے بھیجتے ہیں۔ ﴿۵۹﴾

---

(۲۹) اس سے مراد بت نہیں، بلکہ وہ فرشتے اور جنات ہیں جن کو مشرکینِ عرب خدائی کا درجہ دیا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ خدا تو کیا ہوتے، خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اور اُس کے تقرب کے راستے ڈھونڈتے رہتے ہیں۔

(۳۰) یعنی اگر کافروں پر ابھی جلدی سے کوئی عذاب نہیں آرہا ہے تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہمیشہ کے لئے عذاب سے بچ گئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یا تو ان پر کوئی سخت عذاب دُنیا ہی میں آجائے گا، ورنہ قیامت سے پہلے پہلے ہی ان کو ہلاک ہونا ہے، اور پھر آخرت میں ان کافروں کو دائمی عذاب ہو کر رہے گا۔

(۳۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات دیکھنے کے باوجود مشرکین آپ سے نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ یہ ان مطالبات کا جواب ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً
لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝ ۶۰ ع ۶

اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے کہا تھا کہ تمہارا پروردگار (اپنے علم سے) تمام لوگوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔(۳۲) اور ہم نے جو نظارہ تمہیں دکھایا ہے، اُس کو ہم نے (کافر) لوگوں کے لئے بس ایک فتنہ بنادیا،(۳۳) نیز اُس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت آئی ہے۔ اور ہم تو ان کو ڈراتے رہتے ہیں، لیکن اس سے ان کی سخت سرکشی ہی میں اضافہ ہورہا ہے۔ ﴿۶۰﴾

کافروں کو کوئی فرمائشی معجزہ دکھادیا جاتا ہے، اور وہ اُس کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو انہیں عذاب سے ہلاک کردیا جاتا ہے۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ قومِ ثمود کے مطالبے پر پہاڑ سے اونٹنی نکال دی تھی، مگر وہ پھر بھی نہ مانے اس لئے عذاب کا شکار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ مشرکین عرب بھی اپنا فرمائشی معجزہ دیکھنے کے باوجود اسی طرح پیغمبر کو جھٹلاتے رہیں گے جس طرح پچھلی قوموں نے جھٹلایا تھا۔ چونکہ ابھی ان کو ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کو منظور نہیں ہے، اس لئے فرمائشی معجزات نہیں دکھائے جارہے ہیں۔

(۳۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ یہ ہٹ دھرم لوگ کسی صورت میں ایمان نہیں لائیں گے۔ چنانچہ ان کی ہٹ دھرمی کی آگے دو مثالیں دی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے موقع پر جو نظارہ دکھایا، وہ آپ کے پیغمبر ہونے کی کھلی ہوئی دلیل تھی۔ کافروں نے آپ سے بیت المقدس کے بارے میں مختلف سوالات کئے، اور آپ نے سب کے ٹھیک ٹھیک جوابات دیدیئے جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ واقعی آپ نے راتوں رات یہ سفر کیا ہے۔ لیکن اتنی کھلی ہوئی بات سامنے آجانے کے بعد بھی یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹے رہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ قرآن کریم نے فرمایا تھا کہ زقوم کا درخت دوزخیوں کی غذا ہوگی، اور یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ درخت جہنم ہی میں پیدا ہوتا ہے۔ اس پر کافروں نے ایمان لانے کے بجائے مذاق اُڑانا شروع کیا کہ بھلا آگ میں درخت کیسے پیدا ہوسکتا ہے، اور یہ نہ سوچا کہ جس ذات نے آگ پیدا کی ہے، اگر وہ اسی آگ میں کوئی درخت بھی پیدا کردے جس کی خاصیت عام درختوں سے مختلف ہو تو بھلا اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

(۳۳) یعنی اُس سے ہدایت حاصل کرنے کے بجائے یہ اور گمراہی میں پڑ گئے جس کی تفصیل اُوپر کے حاشیہ میں گذری۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ
خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ
جَهَنَّمَ جَزَاۗؤُكُمْ جَزَاۗءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ
وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے سجدہ کیا، لیکن ابلیس نے نہیں کیا۔ اُس نے کہا کہ: "کیا میں اُس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟" ﴿۶۱﴾ کہنے لگا: "بھلا بتا، یہ ہے وہ مخلوق جسے تو نے میرے مقابلے میں عزت بخشی ہے! اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دی تو میں اس کی اولاد میں سے تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب کے جبڑوں میں لگام ڈال دوں گا۔"(۳۴) ﴿۶۲﴾ اللہ نے کہا: "جا پھر ان میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا تو جہنم ہی تم سب کی سزا ہوگی، مکمل اور بھرپور سزا۔ ﴿۶۳﴾ اور ان میں سے جس جس پر تیرا بس چلے، انہیں اپنی آواز سے بہکا لے،(۳۵) اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کی فوج چڑھا لا،(۳۶) اور ان کے مال اور اولاد میں اپنا حصہ لگا لے،(۳۷) اور اُن سے خوب وعدے کر لے ـــــ

(۳۴) یعنی انہیں اس طرح اپنے قابو میں کرلوں گا جیسے گھوڑے وغیرہ کو جبڑوں میں لگام دے کر قابو میں کیا جاتا ہے۔
(۳۵) آواز سے بہکانے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں گناہ کے وسوسے پیدا کرے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد گانے بجانے کی آواز ہے جو انسان کو گناہ میں مبتلا کرتی ہے۔
(۳۶) شیطان کو دشمن کی فوج سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح ایک فوج میں سواروں کے بھی دستے ہوتے ہیں، اور پیدل چلنے والے دستے بھی، اسی طرح شیطان اپنی ایک فوج رکھتا ہے جس میں شریر جنات اور انسان شامل ہیں۔ یہ سب مل کر انسانوں کو بہکانے میں شیطان کی مدد کرتے ہیں۔
(۳۷) اس میں اشارہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مال و دولت اور اولاد کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف حاصل

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾ إِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۚ
وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ
فَضْلِهٖ ۚ إِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ
إِلَّا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنْتُمْ
أَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿٦٨﴾

اور (حقیقت یہ ہے کہ) شیطان ان سے جو وعدہ بھی کرتا ہے، وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہوتا ﴿۶۴﴾ یقین رکھو کہ جو میرے بندے ہیں، ان پر تیرا کوئی بس نہیں چلے گا،(۳۸) اور تیرا پروردگار (ان کی) رکھوالی کے لئے کافی ہے۔" ﴿۶۵﴾ تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں لے چلتا ہے، تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ یقیناً وہ تمہارے ساتھ بڑی رحمت کا معاملہ کرنے والا ہے۔ ﴿۶۶﴾

اور جب سمندر میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو جن (دیوتاؤں) کو تم پکارا کرتے ہو، وہ سب غائب ہو جاتے ہیں، بس اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے۔ پھر جب اللہ تمہیں بچا کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو تم منہ موڑ لیتے ہو۔ اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ ﴿۶۷﴾ تو کیا تمہیں اس بات کا کوئی ڈر نہیں رہا کہ اللہ تمہیں خشکی ہی کے ایک حصے میں دھنسا دے، یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے، اور پھر تمہیں اپنا کوئی رکھوالا نہ ملے؟ ﴿۶۸﴾

کرتا یا انہیں ناجائز کاموں میں استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے مال اور اولاد میں شیطان کا حصہ لگا لیا ہے۔

(۳۸) "میرے بندوں" سے مراد وہ مخلص بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی فکر رکھتے ہیں۔

أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ
فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ
وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا
تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾ يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ
يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧١﴾ وَمَن كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ
أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٧٢﴾

اور کیا تم اس بات سے بھی بے فکر ہوگئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ اسی (سمندر) میں لے جائے، پھر تم پر ہوا کا طوفان بھیج کر تمہاری ناشکری کی سزا میں تمہیں غرق کر ڈالے، پھر تمہیں کوئی نہ ملے جو اس معاملے میں ہمارا پیچھا کرسکے؟ (۳۹) ﴿۶۹﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے، اور انہیں خشکی اور سمندر دونوں میں سواریاں مہیا کی ہیں، اور ان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا ہے، اور اُن کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔ ﴿۷۰﴾ اُس دن کو یاد رکھو جب ہم تمام انسانوں کو اُن کے اعمال ناموں کے ساتھ بلائیں گے۔ پھر جنہیں اُن کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، تو وہ اپنے اعمال نامے کو پڑھیں گے، اور ان پر ریشہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۷۱﴾ اور جو شخص دُنیا میں اندھا بنا رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا، بلکہ راستے سے اور زیادہ بھٹکا ہوا رہے گا۔ (۴۰) ﴿۷۲﴾

---

(۳۹) یعنی اس معاملے میں نہ کوئی ہم سے کسی قسم کی باز پرس کرسکتا ہے کہ ہم نے ایسے لوگوں کو کیوں ہلاک کیا، اور نہ کوئی ہمارے فیصلے کو ٹالنے کے لئے ہمارا پیچھا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

(۴۰) یہاں اندھا ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ دُنیا میں حق کو دیکھنے سے محروم رہا، چنانچہ وہ آخرت میں بھی نجات کا راستہ نہیں دیکھ سکے گا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾

اور (اے پیغمبر!) جو وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، یہ (کافر) لوگ تمہیں فتنے میں ڈال کر اُس سے ہٹانے لگے تھے، تاکہ تم اُس کے بجائے کوئی اور بات ہمارے نام پر گھڑ کر پیش کرو، اور اُس صورت میں یہ تمہیں اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔ ﴿۷۳﴾ اور اگر ہم نے تمہیں ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تم بھی اُن کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے۔ ﴿۷۴﴾ اور اگر ایسا ہو جاتا تو ہم تمہیں دُنیا میں بھی دُگنی سزا دیتے، اور مرنے کے بعد بھی دُگنی، پھر تمہیں ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ ملتا۔[۲۱] ﴿۷۵﴾ اس کے علاوہ یہ لوگ اس فکر میں بھی ہیں کہ اس سرزمین (مکہ) سے تمہارے قدم اُکھاڑیں، تاکہ تمہیں یہاں سے نکال باہر کریں۔ اور اگر ایسا ہوا تو یہ بھی تمہارے بعد زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکیں گے۔[۲۲] ﴿۷۶﴾

---

(۲۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے گناہوں سے معصوم بنایا تھا، جس کی بنا پر آپ ہر موقع پر ثابت قدم رہے۔ اگرچہ آپ سے کافروں کی بات ماننے کا دُور دُور احتمال نہیں تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی فرضی نافرمانی کی صورت میں سزا کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرما دی کہ کسی بھی شخص کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہونے کا اصل مدار اُس کے اعمال پر ہے، اور کوئی شخص کتنا ہی مقرب ہو، اگر گناہ کا ارتکاب کرے گا تو سزا کا مستحق ہوگا، بلکہ مقرب ہونے کی وجہ سے اُسے دُگنی سزا دی جائے گی۔

(۲۲) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمانے کے بعد یہ کافر لوگ بھی مکہ مکرمہ میں زیادہ عرصہ نہیں رہ سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ہجرت کے آٹھ سال بعد مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، اور نویں سال تمام کافروں کو

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَقِمِ
الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۗ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ
مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ

یہ ہمارا وہ طریق کار ہے جو ہم نے اپنے اُن پیغمبروں کے ساتھ اختیار کیا تھا جو ہم نے تم سے پہلے بھیجے تھے۔ اور تم ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ ﴿۷۷﴾

(اے پیغمبر!) سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو،[۲۳] اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو۔ یاد رکھو کہ فجر کی تلاوت میں مجمع حاضر ہوتا ہے۔[۲۴] ﴿۷۸﴾ اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو جو تمہارے لئے ایک اضافی عبادت ہے۔[۲۵]

یہاں سے نکل جانے کا حکم مل گیا جس کی تفصیل سورۂ توبہ کے شروع میں گذر چکی ہے۔

(۲۳) سورج ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے تک ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی چار نمازوں کی طرف اشارہ ہے۔ اور فجر کی نماز کا ذکر الگ سے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس وقت لوگوں کو نماز کے لئے اُٹھنا پڑتا ہے جس میں دوسری نمازوں کے مقابلے میں زیادہ مشقت ہوتی ہے۔ اس لئے اُس کو خاص اہمیت کے ساتھ الگ ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۲۴) اکثر مفسرین نے اس کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ صبح کی نماز میں جو تلاوت کی جاتی ہے، اُس میں فرشتوں کا مجمع حاضر ہوتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی نگرانی کے لئے جو فرشتے مقرر ہیں، وہ باری باری اپنے فرائض انجام دیتے ہیں، چنانچہ ایک جماعت فجر کے وقت آتی ہے جو سارے دن اپنے فرائض انجام دیتی ہے، اور دوسری جماعت شام کو عصر کے وقت آتی ہے۔ پہلی جماعت فجر کی نماز میں آکر شریک ہوتی ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس سے نمازیوں کی حاضری مراد لی ہے۔ یعنی فجر کی نماز میں چونکہ نمازیوں کو حاضری کا موقع دینے کے لئے اس نماز میں لمبی تلاوت کرنی چاہئے۔

(۲۵) اضافی عبادت کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اضافی

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ
وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ
الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ
شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

اُمید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں مقامِ محمود تک پہنچائے گا۔ (۴۶) ﴿۷۹﴾ اور یہ دُعا کرو کہ: "یا ربّ! مجھے جہاں داخل فرما اچھائی کے ساتھ داخل فرما، اور جہاں سے نکال اچھائی کے ساتھ نکال، اور مجھے خاص اپنے پاس سے ایسا اقتدار عطا فرما جس کے ساتھ (تیری) مدد ہو۔" (۴۷) ﴿۸۰﴾ اور کہو کہ: "حق آن پہنچا، اور باطل مٹ گیا، اور یقیناً باطل ایسی ہی چیز ہے جو مٹنے والی ہے۔" (۴۸) ﴿۸۱﴾ اور ہم وہ قرآن نازل کر رہے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت کا سامان ہے، البتہ ظالموں کے حصے میں اس سے نقصان کے سوا کسی اور چیز کا اضافہ نہیں ہوتا۔ ﴿۸۲﴾

طور پر فرض تھی، عام مسلمانوں کے لئے فرض نہیں تھی۔ اور بعض مفسرین نے اضافی عبادت کا مطلب یہ لیا ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی نفل عبادت ہے۔

(۴۶) مقامِ محمود کے لفظی معنی ہیں "قابلِ تعریف مقام" اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ منصب ہے جس کے تحت آپ کو شفاعت کا حق دیا جائے گا۔

(۴۷) یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو اپنا مستقر قرار دینے کا حکم ہوا تھا۔ اس وقت آپ کو یہ دُعا مانگنے کی تلقین فرمائی گئی تھی، اور اس میں داخل کرنے سے مدینہ منورہ میں داخل کرنا اور نکالنے سے مکہ مکرمہ سے نکالنا مراد ہے۔ لیکن الفاظ عام ہیں، اس لئے یہ دُعا ہر اس موقع پر کی جاسکتی ہے جب کوئی شخص کسی نئی جگہ جانے کا یا نیا کام شروع کرنے کا ارادہ کر رہا ہو۔

(۴۸) اس آیت کریمہ میں یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ حق یعنی اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہونے والا ہے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کرلیا اور حرم میں داخل ہو کر کعبے میں بنے ہوئے بت گرائے تو اس وقت آپ کی زبانِ مبارک پر یہی آیات تھیں۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾
قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ
عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنْ
شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾

اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت دیتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے، اور پہلو بدل لیتا ہے، اور اگر اُس کو کوئی برائی چھو جائے تو مایوس ہو بیٹھتا ہے۔ ﴿۸۳﴾ کہہ دو کہ: "ہر شخص اپنے اپنے طریقے پر کام کر رہا ہے۔ اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ صحیح راستے پر ہے۔" ﴿۸۴﴾

اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ: "رُوح میرے پروردگار کے حکم سے (بنی) ہے۔ اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے، وہ بس تھوڑا ہی سا علم ہے۔"(۴۹) ﴿۸۵﴾ اور اگر ہم چاہیں تو جو کچھ وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے، وہ ساری واپس لے جائیں، پھر تم اُسے واپس لانے کے لئے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار بھی نہ پاؤ۔ ﴿۸۶﴾

---

(۴۹) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کے لئے یہ سوال کیا تھا کہ رُوح کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اور جواب میں اتنی ہی بات بیان فرمائی گئی ہے جو انسان کی سمجھ میں آسکتی ہے، اور وہ یہ کہ رُوح کی پیدائش براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی ہے۔ انسان کے جسم اور دوسری مخلوقات میں تو یہ بات مشاہدے میں آجاتی ہے کہ ان کی پیدائش میں کچھ ظاہری اسباب کا دخل ہوتا ہے، مثلاً نر اور مادہ کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن رُوح ایسی چیز ہے جس کی تخلیق کا کوئی عمل انسان کے مشاہدے میں نہیں آتا۔ یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آتی ہے۔ اس سے زیادہ رُوح کی حقیقت کو سمجھنا انسانی عقل کے بس میں نہیں ہے۔ اس لئے یہ فرمایا گیا ہے کہ تمہیں بہت تھوڑا علم عطا کیا گیا ہے، اور بہت سی چیزیں تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔

إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ﴿٨٧﴾ قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ
الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ
فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٨٩﴾ وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ
الْأَرْضِ يَنبُوعًا ﴿٩٠﴾ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ
خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ﴿٩١﴾ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ
وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ﴿٩٢﴾

لیکن یہ تو تمہارے رَبّ کی طرف سے ایک رحمت ہے (کہ وحی کا سلسلہ جاری ہے) حقیقت یہ ہے
کہ تمہارے رَبّ کی طرف سے تم پر جو فضل ہو رہا ہے، وہ بڑا عظیم ہے۔ ﴿۸۷﴾ کہہ دو کہ: "اگر
تمام انسان اور جنات اس کام پر اکٹھے بھی ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کلام بنا کر لے آئیں، تب
بھی وہ اس جیسا نہیں لا سکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کی کتنی مدد کرلیں۔" ﴿۸۸﴾ اور ہم نے
انسانوں کی بھلائی کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی حکمت کی باتیں طرح طرح سے بیان کی ہیں، پھر
بھی اکثر لوگ انکار کے سوا کسی اور بات پر راضی نہیں ہیں۔ ﴿۸۹﴾ اور کہتے ہیں کہ: "ہم تم پر اس
وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم زمین کو پھاڑ کر ہمارے لئے ایک چشمہ نہ نکال
دو، ﴿۹۰﴾ یا پھر تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو جائے، اور تم اُس کے بیچ بیچ
میں زمین کو پھاڑ کر نہریں جاری کر دو، ﴿۹۱﴾ یا جیسے تم دعوے کرتے ہو، آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے
کر کے اُسے ہم پر گرا دو، یا پھر اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے آمنے سامنے لے آؤ، ﴿۹۲﴾

أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ ۚ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ
تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ﴿٩٣﴾
وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَن قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا
رَّسُولًا ﴿٩٤﴾ قُل لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ
السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا ﴿٩٥﴾

یا پھر تمہارے لئے ایک سونے کا گھر پیدا ہو جائے، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ، اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی اُس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک تم ہم پر ایسی کتاب نازل نہ کر دو جسے ہم پڑھ سکیں۔" (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: "سبحان اللہ! میں تو ایک بشر ہوں جسے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"(۵۰) ﴿۹۳﴾ اور جب ان لوگوں کے پاس ہدایت کا پیغام آیا تو ان کو ایمان لانے سے اسی بات نے تو روکا کہ وہ کہتے تھے: "کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟" ﴿۹۴﴾ کہہ دو کہ: "اگر زمین میں فرشتے ہی اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو بیشک ہم آسمان سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر اُن پر اُتار دیتے۔"(۵۱) ﴿۹۵﴾

---

(۵۰) آیت ۸۹ سے ۹۳ تک مشرکینِ مکہ کے وہ مطالبات بیان فرمائے گئے ہیں جو وہ محض ضد کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے۔ آپ کے متعدد معجزات ان پر ظاہر ہو چکے تھے، لیکن وہ پھر بھی نت نئی فرمائشوں سے باز نہیں آتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ساری فرمائشوں کا یہ مختصر جواب دینے کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ میں خدا نہیں ہوں کہ یہ سارے کام میرے اختیار میں ہوں۔ میں تو ایک انسان ہوں، البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت جو معجزات مجھے عطا فرما دیئے ہیں، اُن سے زیادہ اپنے اختیار سے میں کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا۔

(۵۱) مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسی جنس سے ہو جس کی طرف وہ بھیجا جا رہا ہے، تاکہ وہ ان کی فطری ضروریات کو سمجھ کر اور ان کی نفسیات سے واقف ہو کر ان کی رہنمائی کرے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ
يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ
زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ
رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ

کہہ دو کہ: "اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بننے کے لئے کافی ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر ہے، سب کچھ دیکھ رہا ہے۔" ﴿۹۶﴾ اور جسے اللہ ہدایت دے، وہی صحیح راستے پر ہوتا ہے، اور جن لوگوں کو وہ گمراہی میں مبتلا کردے، تو اُس کے سوا تمہیں اُن کے کوئی مددگار نہیں مل سکتے۔ اور ہم اُنہیں قیامت کے دن منہ کے بل اس طرح اکٹھا کریں گے کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جب کبھی اس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی، ہم اُسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔ ﴿۹۷﴾ یہ اُن کی سزا ہے، کیونکہ اُنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا، اور یہ کہا تھا کہ: "کیا جب ہم (مرکر) ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ جائیں گے، اور چورا چورا ہوجائیں گے تو کیا پھر بھی ہمیں نئے سرے سے زندہ کرکے اُٹھایا جائے گا؟" ﴿۹۸﴾ بھلا کیا اُنہیں اتنی سی بات نہیں سوجھی کہ وہ اللہ جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے آدمی پھر سے پیدا کردے؟ اور اُس نے ان کے لئے ایک ایسی میعاد مقرر کر رکھی ہے جس (کے آنے) میں ذرا بھی شک نہیں ہے۔

علیہ وسلم کو انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے، اس لئے آپ کا انسان ہونا قابلِ اعتراض نہیں، بلکہ حکمت کے عین مطابق ہے۔ ہاں اگر دنیا میں فرشتے آباد ہوتے تو بیشک ان کے پاس فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا۔

فَاَبٰى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا
ع لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ
اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَاۗءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ
يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾

پھر بھی یہ ظالم انکار کے سوا کسی بات پر راضی نہیں۔ ﴿۹۹﴾ (اے پیغمبر! ان کافروں سے) کہہ دو کہ: ''اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے کہیں تمہارے اختیار میں ہوتے تو تم خرچ ہوجانے کے ڈر سے ضرور ہاتھ روک لیتے۔ (۵۲) اور انسان ہے ہی بڑا تنگ دل!'' ﴿۱۰۰﴾ اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی کھلی نشانیاں دی تھیں۔ (۵۳) اب بنو اسرائیل سے پوچھ لو کہ جب وہ ان لوگوں کے پاس گئے تو فرعون نے اُن سے کہا کہ: ''اے موسیٰ! تمہارے بارے میں میرا تو خیال یہ ہے کہ کسی نے تم پر جادو کر دیا ہے۔'' ﴿۱۰۱﴾

---

(۵۲) رحمت کے خزانوں سے یہاں مراد نبوت عطا کرنے کا اختیار ہے۔ کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ یہ مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی کو کیوں نہیں دی گئی؟ گویا وہ یہ کہہ رہے تھے کہ کسی کو نبوت ہماری مرضی سے دینی چاہئے تھی۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرما رہے ہیں کہ اگر نبوت عطا کرنے کا اختیار تمہیں دے دیا جاتا تو تم اس میں اُسی طرح بخل سے کام لیتے جیسے دُنیوی دولت کے معاملے میں بخل کرتے ہو کہ خرچ ہونے کے ڈر سے کسی کو نہیں دیتے۔

(۵۳) ایک صحیح حدیث میں ان نو نشانیوں کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ نو احکام تھے۔ شرک نہ کرو، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، کسی کو ناحق قتل نہ کرو، کسی پر جھوٹا الزام لگا کر اُسے قتل یا سزا کے لئے پیش نہ کرو، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، پاک دامن عورتوں پر بہتان نہ باندھو، اور جہاد میں پیٹھ دکھا کر نہ بھاگو

(ابو داود، نسائی، ابن ماجہ)۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ
لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ
مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ
وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ
اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ
وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ
اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ ۙ

موسیٰ نے کہا: "تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ ساری نشانیاں کسی اور نے نہیں، آسمانوں اور زمین کے پروردگار نے بصیرت پیدا کرنے کے لئے نازل کی ہیں۔ اور اے فرعون! تمہارے بارے میں میرا گمان یہ ہے کہ تمہاری بربادی آنے والی ہے۔" ﴿۱۰۲﴾ پھر فرعون نے یہ ارادہ کیا تھا کہ ان سب (بنو اسرائیل) کو اس سرزمین سے اُکھاڑ پھینکے، لیکن ہم نے اُسے اور جتنے لوگ اُس کے ساتھ تھے، اُن سب کو غرق کردیا، ﴿۱۰۳﴾ اور اُس کے بعد بنو اسرائیل سے کہا کہ: "تم زمین میں بسو، پھر جب آخرت کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو ہم تم سب کو جمع کرکے حاضر کردیں گے۔" ﴿۱۰۴﴾ اور ہم نے اس قرآن کو حق ہی کے ساتھ نازل کیا ہے، اور حق ہی کے ساتھ یہ اُترا ہے۔ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں کسی اور کام کے لئے نہیں، بلکہ صرف اس لئے بھیجا ہے کہ تم (فرماں برداروں کو) خوشخبری دو، اور (نافرمانوں کو) خبردار کرو۔ ﴿۱۰۵﴾ اور ہم نے قرآن کے جدا جدا حصے بنائے، تاکہ تم اُسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کے سامنے پڑھو، اور ہم نے اُسے تھوڑا تھوڑا کرکے اُتارا ہے۔ ﴿۱۰۶﴾ (کافروں سے) کہہ دو کہ: "چاہے تم اس پر ایمان لاؤ، یا نہ لاؤ، جب یہ (قرآن) اُن لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا تھا تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں، ﴿۱۰۷﴾

وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ
يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا
فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ
سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى
ع ۱۲ الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

اور کہتے ہیں: "پاک ہے ہمارا پروردگار! بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ تو پورا ہی ہو کر رہتا ہے۔" (۵۴) ﴿۱۰۸﴾ اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر جاتے ہیں، اور یہ (قرآن) ان کے دلوں کی عاجزی کو اور بڑھا دیتا ہے۔ (۵۵) ﴿۱۰۹﴾ کہہ دو کہ: "چاہے تم اللہ کو پکارو، یا رحمٰن کو پکارو، جس نام سے بھی (اللہ کو) پکارو گے، (ایک ہی بات ہے) کیونکہ تمام بہترین نام اسی کے ہیں۔" (۵۶) اور تم اپنی نماز نہ بہت اونچی آواز سے پڑھو، اور نہ بہت پست آواز سے، بلکہ ان دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ اختیار کرو۔ (۵۷) ﴿۱۱۰﴾ اور کہو کہ: "تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے نہ کوئی بیٹا بنایا، نہ اس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے، اور نہ اسے عاجزی سے بچانے کے لئے کوئی حمایتی درکار ہے۔" (۵۸) اور اس کی ایسی بڑائی بیان کرو جیسی بڑائی بیان کرنے کا اسے حق حاصل ہے۔ ﴿۱۱۱﴾

---

(۵۴) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں تورات اور انجیل کا علم دیا گیا تھا۔ چونکہ ان کتابوں میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی گئی تھی، اس لئے ان کے مخلص لوگ قرآن کریم کو سن کر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آخر زمانے میں جس کتاب کے نازل کرنے اور جس پیغمبر کو بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا، وہ پورا ہو گیا۔

(۵۵) یہ سجدۂ تلاوت کی آیت ہے۔ یہ آیت جب بھی عربی زبان میں پڑھی جائے، سجدہ کرنا واجب ہے۔ البتہ صرف ترجمہ پڑھنے سے یا دل دل میں زبان ہلائے بغیر پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔

(۵۶) اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ عرب کے مشرکین اللہ تعالیٰ کے نام "رحمٰن" کو نہیں مانتے تھے، چنانچہ جب

مسلمان "یا اللہ! یا رحمٰن!" کہہ کر کوئی دُعا کرتے تو وہ مذاق اُڑاتے تھے، اور کہتے تھے کہ ایک طرف تو تم کہتے ہو کہ اللہ ایک ہے، اور دوسری طرف دو خداؤں کو پکار رہے ہو، ایک اللہ کو، اور ایک رحمٰن کو۔ اس آیت میں ان کے لغو اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ اور رحمٰن دونوں اللہ ہی کے نام ہیں، بلکہ اُس کے اور بھی اچھے اچھے نام ہیں جنہیں "اسمائے حسنیٰ" کہا جاتا ہے، ان میں سے کسی بھی نام سے اُس کو پکارا جا سکتا ہے۔ اس سے عقیدۂ توحید پر کوئی حرف نہیں آتا۔

(۵۷) نماز میں جب بلند آواز سے تلاوت کی جاتی تو مشرکین شور مچا کر مذاق اُڑاتے اور اُس میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ بہت اُونچی آواز سے تلاوت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یوں بھی معتدل آواز زیادہ پسندیدہ ہے۔

(۵۸) بہت سے کافروں کا یہ خیال تھا کہ جس ذات کا نہ کوئی بیٹا ہو، اور نہ اُس کی سلطنت میں کوئی شریک ہو، وہ تو بڑی کمزور ذات ہوگی۔ اس آیت نے واضح فرمادیا کہ اولاد اور مددگاروں کی حاجت اُس کو ہوتی ہے جو کمزور ہو، اور اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی قوی ہے کہ اُسے کمزوری دُور کرنے کے لئے نہ کسی اولاد کی ضرورت ہے، نہ کسی مددگار کی حاجت۔

الحمد للہ! آج مورخہ ۱۷ اگست ۲۰۰۸ء مطابق ۲۳ شعبان ۱۴۲۹ھ بروز ہفتہ سورۂ بنی اسرائیل کا ترجمہ اور تفسیری حواشی اسلام آباد سے کراچی جاتے ہوئے پی آئی اے کے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اور اس پوری سورت کا ترجمہ و تشریح کرغیزستان، برطانیہ، البانیہ اور اسلام آباد کے سفروں کے دوران لکھا گیا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰتُ،

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی نَبِیِّنَا الْکَرِیْمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

سُورَةُ الكهف

تعارف

حافظ ابن جریر طبریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس سورت کا شانِ نزول یہ نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ کے کچھ سرداروں نے دو آدمی مدینہ منورہ کے یہودی علماء کے پاس یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجے کہ تورات اور انجیل کے یہ علماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے نبوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یہودی علماء نے ان سے کہا کہ آپ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات کیجئے۔ اگر وہ ان کا صحیح جواب دے دیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، اور اگر وہ صحیح جواب نہ دے سکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا نبوت کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ اُن نوجوانوں کا وہ عجیب واقعہ بیان کریں جو کسی زمانے میں شرک سے بچنے کے لئے اپنے شہر سے نکل کر کسی غار میں چھپ گئے تھے۔ دوسرے اُس شخص کا حال بتائیں جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دُنیا کا سفر کیا تھا۔ تیسرے اُن سے پوچھیں کہ رُوح کی حقیقت کیا ہے۔ چنانچہ یہ دونوں شخص مکہ مکرمہ واپس آئے، اور اپنی برادری کے لوگوں کو ساتھ لے کر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تین سوال پوچھے۔ تیسرے سوال کا جواب تو پچھلی سورت (۸۵:۱۷) میں آچکا ہے۔ اور پہلے دو سوالات کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی جس میں غار میں چھپنے والے نوجوانوں کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے، انہی کو "اصحابِ کہف" کہا جاتا ہے۔ "کہف" عربی میں "غار" کو کہتے ہیں، "اصحابِ کہف" کے معنی ہوئے: "غار والے" اور اسی غار کے نام پر سورت کو سورۃ الکہف کہا جاتا ہے۔ دوسرے سوال کے جواب میں سورت کے آخر میں ذوالقرنین کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جنہوں نے مشرق و مغرب کا سفر کیا تھا۔

اس کے علاوہ اسی سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے جس میں وہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تھے، اور کچھ عرصہ ان کی معیت میں سفر کیا تھا۔ یہ تین واقعات تو اس سورت کا مرکزی موضوع ہیں۔ ان کے علاوہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو خدا کا بیٹا قرار دے رکھا تھا، اس سورت میں بطور خاص اُس کی تردید بھی ہے، اور حق کا انکار کرنے والوں کو وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں، اور حق کے ماننے والوں کو نیک انجام کی خوشخبری بھی دی گئی ہے۔

سورۂ کہف کی تلاوت کے کئی فضائل احادیث میں آئے ہیں۔ خاص طور پر جمعہ کے دن اُس کی تلاوت کی بڑی فضیلت آئی ہے، اور اسی لئے بزرگانِ دین کا معمول رہا ہے کہ وہ جمعہ کے دن اس کی تلاوت کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

ایاتھا ۱۱۰ ۱۸ سورۃ الکھف مکیۃ ۶۹ رکوعاتھا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝۱ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ
بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ
لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝۲ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝۳ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ
وَلَدًا ۝۴ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآىِٕهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ
اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝۵ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا
الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝۶

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی، اور اس میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں رکھی۔ ﴿۱﴾ ایک سیدھی سیدھی کتاب جو اس نے اس لئے نازل کی ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف سے ایک سخت عذاب سے آگاہ کرے، اور جو مومن نیک عمل کرتے ہیں ان کو خوشخبری دے کہ ان کو بہترین اجر ملنے والا ہے۔ ﴿۲﴾ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۳﴾ اور تاکہ ان لوگوں کو متنبہ کرے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنا رکھا ہے۔ ﴿۴﴾ اس بات کا کوئی علمی ثبوت نہ خود ان کے پاس ہے، نہ ان کے باپ داداوں کے پاس تھا۔ بڑی سنگین بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے۔ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں، وہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔ ﴿۵﴾ اب (اے پیغمبر!) اگر لوگ (قرآن کی) اس بات پر ایمان نہ لائیں، تو ایسا لگتا ہے جیسے تم افسوس کر کر کے ان کے پیچھے اپنی جان کو گھلا بیٹھو گے! ﴿۶﴾

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ۝

یقین جانو کہ روئے زمین پر جتنی چیزیں ہیں، ہم نے انہیں زمین کی سجاوٹ کا ذریعہ اس لئے بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے۔[1] ﴿۷﴾ اور یہ بھی یقین رکھو کہ روئے زمین پر جو کچھ ہے، ایک دن ہم اُسے ایک سپاٹ میدان بنادیں گے۔[2] ﴿۸﴾

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے کفر اور معاندانہ طرزِ عمل سے سخت صدمہ ہوتا تھا۔ ان آیات میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ دُنیا تو لوگوں کے امتحان کے لئے بنائی گئی ہے تاکہ یہ دیکھا جائے کہ کون ہے جو دُنیا کی سجاوٹ میں محو ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، اور کون ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ کے اَحکام کے مطابق استعمال کرکے اپنے لئے آخرت کا ذخیرہ بناتا ہے۔ اور جب یہ امتحان گاہ ہے تو اس میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو امتحان میں کامیاب ہوں گے، اور وہ بھی جو ناکام ہوں گے۔ لہٰذا اگر یہ لوگ کفر و شرک کا ارتکاب کرکے امتحان میں ناکام ہو رہے ہیں تو اس میں نہ کوئی تعجب کی بات ہے، اور نہ اس پر آپ کو اتنا افسوس کرنا چاہئے کہ آپ اپنی جان کو گھلا بیٹھیں۔

(۲) یعنی جتنی چیزوں سے یہ زمین سجی ہوئی اور بارونق نظر آتی ہے، ایک دن وہ سب فنا ہوجائیں گی، نہ کوئی عمارت باقی رہے گی، نہ پہاڑ اور درخت، بلکہ وہ ایک چٹیل اور سپاٹ میدان میں تبدیل ہوجائے گی۔ اُس وقت یہ حقیقت واضح ہوگی کہ دُنیا کی ظاہری خوبصورتی بڑی ناپائیدار تھی۔ اور یہی وہ وقت ہوگا جب آپ کے ساتھ ضد اور دُشمنی کا معاملہ کرنے والے اپنے بُرے انجام کو پہنچیں گے۔ لہٰذا اگر ان لوگوں کو دُنیا میں ڈھیل دی جارہی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں بدعملی کے باوجود آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ لہٰذا نہ آپ کو زیادہ رنجیدہ ہونے کی ضرورت ہے، اور نہ ان کے انجام پر فکرمند ہونے کی۔ آپ کا کام تبلیغ ہے، بس اسی میں اپنے آپ کو مصروف رکھئے۔

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ إِذْ أَوَى
الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا
رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ
ع ۲/۱۴ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا أَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ
إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ غار اور رقیم والے لوگ[۳] ہماری نشانیوں میں سے کچھ (زیادہ) عجیب چیز تھے؟ ﴿۹﴾ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب اُن نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تھی،[۴] اور (اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہوئے) کہا تھا کہ: "اے ہمارے پروردگار! ہم پر خاص اپنے پاس سے رحمت نازل فرمایئے، اور ہماری اس صورتِ حال میں ہمارے لئے بھلائی کا راستہ مہیا فرمادیجئے۔" ﴿۱۰﴾ چنانچہ ہم نے اُن کے کانوں کو تھپکی دے کر کئی سال تک اُن کو غار میں سلائے رکھا۔[۵] ﴿۱۱﴾ پھر ہم نے اُن کو جگایا، تاکہ یہ دیکھیں کہ ان کے دو گروہوں میں سے کونسا گروہ اپنے سوئے رہنے کی مدت کا زیادہ صحیح شمار کرتا ہے۔[۶] ﴿۱۲﴾

ہم تمہارے سامنے اُن کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ یہ کچھ نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے، اور ہم نے اُن کو ہدایت میں خوب ترقی دی تھی، ﴿۱۳﴾

(۳) ان حضرات کے واقعے کا خلاصہ قرآنِ کریم کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ یہ کچھ نوجوان تھے جو ایک مشرک بادشاہ کے عہدِ حکومت میں توحید کے قائل تھے۔ بادشاہ نے ان کو توحید پر ایمان رکھنے کی بنا پر پریشان کیا تو یہ حضرات شہر سے نکل کر ایک غار میں چھپ گئے تھے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر گہری نیند طاری فرمادی، اور یہ تین سو نو سال تک اُسی غار میں پڑے سوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیند کے دوران اپنی قدرتِ کاملہ سے اُن کی زندگی کو بھی سلامت رکھا، اور اُن کے جسم بھی گلنے سڑنے سے محفوظ رہے۔ تین سو نو سال بعد ان کی آنکھ کھلی تو انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی لمبی مدت تک سوتے رہے ہیں۔ چنانچہ ان کو بھوک محسوس ہوئی تو اپنے میں سے ایک صاحب کو کچھ کھانا خرید کر لانے کے لئے شہر بھیجا، اور یہ ہدایت کی کہ احتیاط کے ساتھ شہر میں جائیں، تاکہ ظالم بادشاہ کو پتہ نہ چل سکے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس تین سو سال کے عرصے میں وہ ظالم بادشاہ مر کھپ گیا تھا،

اور ایک نیک اور صحیح العقیدہ شخص بادشاہ بن چکا تھا۔ یہ صاحب جب شہر میں پہنچے تو کھانا خریدنے کے لئے وہی پرانا سکہ پیش کیا جو تین سو سال پہلے اس ملک میں چلا کرتا تھا، دُکان دار نے وہ پرانا سکہ دیکھا تو اس طرح یہ بات سامنے آئی کہ یہ حضرات صدیوں تک سوتے رہے تھے۔ بادشاہ کو پتہ چلا تو اُس نے ان لوگوں کو بڑی عزت اور اکرام کے ساتھ اپنے پاس بلایا، اور بالآخر جب ان حضرات کی وفات ہوئی تو ان کی یادگار میں ایک مسجد تعمیر کی۔ عیسائیوں کے یہاں یہ واقعہ "سات سونے والوں" (Seven Sleepers) کے نام سے مشہور ہے۔ معروف مؤرخ ایڈورڈ گبن نے اپنی مشہور کتاب "زوال و سقوطِ سلطنتِ روم" میں بیان کیا ہے کہ وہ ظالم بادشاہ ڈیسیس تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں پر ظلم ڈھانے میں بہت مشہور ہے۔ اور یہ واقعہ ترکی کے شہر افسس میں پیش آیا تھا۔ جس بادشاہ کے زمانے میں یہ حضرات بیدار ہوئے، گبن کے بیان کے مطابق وہ تھیوڈوسیس تھا۔ مسلمان مؤرخین اور مفسرین نے بھی اس سے ملتی جلتی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، اور ظالم بادشاہ کا نام دقیانوس ذکر کیا ہے۔ ہمارے دور کے بعض محققین کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ اُردن کے شہر عمان کے قریب پیش آیا تھا جہاں ایک غار میں کچھ لاشیں اب تک موجود ہیں۔ یہ تحقیق میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "جہانِ دیدہ" میں بیان کردی ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی اتنی مستند نہیں ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جاسکے۔ قرآن کریم کا اُسلوب یہ ہے کہ وہ کسی واقعے کی اُتنی ہی تفصیل بیان فرماتا ہے جو فائدہ مند ہو۔ اس سے زیادہ تفصیلات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ان حضرات کو "اصحاب الکہف" (غار والے) کہنے کی وجہ تو ظاہر ہے کہ انہوں نے غار میں پناہ لی تھی۔ لیکن ان کو "رقیم والے" کیوں کہتے ہیں؟ اس کے بارے میں مفسرین کی رائیں مختلف ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ "رقیم" اس غار کے نیچے والی وادی کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ "رقیم" تختی پر لکھے ہوئے کتبے کو کہتے ہیں، اور ان حضرات کے انتقال کے بعد ان کے نام ایک تختی پر کتبے کی صورت میں لکھوادیئے گئے تھے، اس لئے ان کو "اصحاب الرقیم" بھی کہا جاتا ہے۔ تیسرے بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ اس پہاڑ کا نام ہے جس پر وہ غار واقع تھا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۴) جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان نوجوانوں کے بارے میں سوال کیا تھا، انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ان کا واقعہ بڑا عجیب ہے۔ اس آیت میں اُنہی کے حوالے سے فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے پیشِ نظر یہ واقعہ کوئی بہت عجیب نہیں ہے، کیونکہ اس کی قدرت کے کرشمے تو بیشمار ہیں۔

(۵) کانوں پر تھپکی دینا عربی کا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گہری نیند طاری کردی۔ وجہ یہ ہے کہ نیند کے شروع میں کان آوازیں سنتے رہتے ہیں، اور ان کا سننا اُسی وقت بند ہوتا ہے جب نیند گہری ہوتی ہو۔

(۶) آگے آرہا ہے کہ جب یہ لوگ بیدار ہوئے تو آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ وہ کتنی دیر سوئے ہیں۔ اُسی کی طرف اشارہ ہے۔

وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا
مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ
لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَاِذِ
اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ
وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

اور ہم نے اُن کے دِل خوب مضبوط کردیئے تھے۔(۷) یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب وہ اُٹھے، اور انہوں نے کہا کہ: "ہمارا پروردگار وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ ہم اُس کے سوا کسی کو معبود بنا کر ہرگز نہیں پکاریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم یقیناً انتہائی لغو بات کہیں گے۔ ﴿۱۴﴾ یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اُس پروردگار کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ (اگر ان کا عقیدہ صحیح ہے تو) وہ اپنے معبودوں کے ثبوت میں کوئی واضح دلیل کیوں پیش نہیں کرتے؟ بھلا اُس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ ﴿۱۵﴾ اور (ساتھیو!) جب تم نے ان لوگوں سے بھی علیحدگی اختیار کرلی ہے، اور اُن سے بھی جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، تو چلو اب تم اُس غار میں پناہ لے لو،(۸) تمہارا پروردگار تمہارے لئے اپنا دامنِ رحمت پھیلا دے گا، اور تمہارے کام میں آسانی کے اسباب مہیا فرمائے گا۔" ﴿۱۶﴾

---

(۷) ابن کثیر کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بادشاہ کو ان کے عقیدے کا پتہ لگا تو اُس نے اُنہیں اپنے دربار میں طلب کرلیا، اور ان سے ان کے عقیدے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بڑی بے باکی سے توحید کا عقیدہ بیان کیا جس کا آگے ذکر آرہا ہے۔ دل کی اسی مضبوطی کا حوالہ اس آیت میں دیا گیا ہے۔

(۸) یعنی جب تم نے دینِ حق اختیار کرلیا ہے، اور تمہارے شہر کے لوگ تمہارے مخالف ہوگئے ہیں، تو اب اس دین کے مطابق عبادت کرنے کی یہی صورت ہے کہ شہر سے باہر پہاڑ پر جو غار ہے، اس میں جا چھپو کہ کسی کو تمہارا پتہ نہ چلے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت
تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ۗ مَن يَهْدِ اللَّهُ
فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا ع
وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ
بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾

اور (وہ غار ایسا تھا کہ) تم سورج کو نکلتے وقت دیکھتے تو وہ اُن کے غار سے دائیں طرف ہٹ کر نکل جاتا، اور جب غروب ہوتا تو اُن سے بائیں طرف کترا کر چلا جاتا،(۹) اور وہ اُس غار کے ایک کشادہ حصے میں (سوئے ہوئے) تھے۔ یہ سب کچھ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔(۱۰) جسے اللہ ہدایت دیدے، وہی ہدایت پاتا ہے، اور جسے وہ گمراہ کردے، اُس کا تمہیں ہرگز کوئی مددگار نہیں مل سکتا جو اُسے راستے پر لائے۔ ﴿۱۷﴾ تم اُنہیں (دیکھ کر) یہ سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔(۱۱) اور ہم اُن کو دائیں اور بائیں کروٹ دلواتے رہتے تھے، اور اُن کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے (بیٹھا) تھا۔ اگر تم اُنہیں جھانک کر دیکھتے تو اُن سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے، اور تمہارے اندر اُن کی دہشت سما جاتی۔ ﴿۱۸﴾

---

(۹) اس غار کا محلِ وقوع کچھ ایسا تھا کہ اس میں دھوپ نہیں آتی تھی۔ طلوعِ آفتاب کے وقت سورج اس کی دائیں جانب ہٹ کر نکل جاتا تھا، اور غروب کے وقت بائیں جانب۔ اور اس طرح یہ لوگ دھوپ کی تپش سے محفوظ بھی رہے، اور اس سے ان کے جسم اور کپڑے بھی خراب نہیں ہوئے، اور دھوپ کے قریب سے گذرنے کی وجہ سے گرمی کے فوائد بھی حاصل ہوتے رہے۔

(۱۰) یعنی ان لوگوں کا اس غار میں پناہ لینا، اتنے لمبے عرصے تک سوتے رہنا اور دھوپ سے محفوظ رہنا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی نشانی تھی۔

(۱۱) یعنی سونے والے پر نیند کی جو علامتیں دیکھنے والوں کو نظر آتی ہیں، وہ ان میں نظر نہیں آتی تھیں، اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ لیٹے ہوئے جاگ رہے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا
يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ
هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا
يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ
مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾

اور (جیسے ہم نے انہیں سلایا تھا) اسی طرح ہم نے انہیں اٹھا دیا تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: "تم اس حالت میں کتنی دیر رہے ہو گے؟" کچھ لوگوں نے کہا: "ہم ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم (نیند میں) رہے ہوں گے۔" دوسروں نے کہا: "تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ تم کتنی دیر اس حالت میں رہے ہو۔ اب اپنے میں سے کسی کو چاندی کا یہ سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو، وہ جا کر دیکھ بھال کرے کہ اس کے کونسے علاقے میں زیادہ پاکیزہ کھانا (مل سکتا) ہے،(۱۲) پھر تمہارے پاس وہاں سے کچھ کھانے کو لے آئے، اور اسے چاہئے کہ ہوشیاری سے کام کرے، اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔ ﴿۱۹﴾ کیونکہ اگر ان (شہر کے) لوگوں کو تمہاری خبر مل گئی تو یہ تمہیں پتھراؤ کر کے ہلاک کر ڈالیں گے، یا تمہیں اپنے دین میں واپس آنے کے لئے مجبور کریں گے، اور ایسا ہوا تو تمہیں کبھی فلاح نہیں مل سکے گی۔" ﴿۲۰﴾

---

(۱۲) پاکیزہ کھانے سے مراد بظاہر حلال کھانا ہے۔ ان حضرات کو فکر یہ تھی کہ بت پرستوں کے شہر میں حلال کھانا ملنا آسان نہیں۔ اس لئے جانے والے کو یہ تاکید کی کہ وہ ایسی جگہ سے کھانا لائے جہاں حلال کھانا میسر ہو۔ نیز چونکہ ان کے خیال میں ابھی تک اسی بت پرست بادشاہ کی حکومت تھی، اس لئے انہیں دوسری فکر یہ تھی

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝٢١

اور یوں ہم نے اُن کی خبر لوگوں تک پہنچادی، (۱۳) تاکہ وہ یقین سے جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، نیز یہ کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے، (۱۴) اس میں کوئی شک نہیں۔ (پھر وہ وقت بھی آیا) جب لوگ ان کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے، (۱۵) چنانچہ کچھ لوگوں نے کہا کہ ان پر ایک عمارت بنادو۔ ان کا رَبّ ہی ان کے معاملے کو بہتر جانتا ہے۔ (۱۶) (آخرکار) جن لوگوں کو ان کے معاملات پر غلبہ حاصل تھا، انہوں نے کہا کہ: "ہم تو ان کے اُوپر ایک مسجد ضرور بنائیں گے۔" ﴿۲۱﴾

کہ کہیں کسی کو ان کے غار میں چھپنے کا پتہ نہ لگ جائے۔ اس لئے جانے والے کو دوسری تاکید یہ کی کہ ہوشیاری سے جا کر کھانا لائے۔

(۱۳) جب وہ صاحب، جن کا نام بعض روایتوں میں "تملیخا" بتایا گیا ہے، کھانا لینے کے لئے شہر پہنچے، اور دُکان دار کو وہ سکہ پیش کیا جو تین سو سال پرانا تھا، اور اس پر پرانے بادشاہ کی علامتیں تھیں تو دُکان دار بڑا حیران ہوا اور ان کو لے کر اس وقت کے بادشاہ کے پاس پہنچا۔ یہ بادشاہ نیک تھا، اور اس نے یہ قصہ سن رکھا تھا کہ کچھ نوجوان دقیانوس کے ظلم سے تنگ آکر کہیں غائب ہوگئے تھے۔ اس نے معاملے کی مزید تحقیق کی تو پتہ چل گیا کہ یہ وہی نوجوان ہیں۔ اس پر بادشاہ نے ان کا خوب اکرام کیا، لیکن یہ حضرات دوبارہ اُسی غار میں چلے گئے، اور وہیں پر اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دے دی۔

(۱۴) ان اصحابِ کہف کا اتنی لمبی مدت تک سوتے رہنا اور پھر زندہ جاگ اُٹھنا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی واضح

دلیل تھی، اور اس واقعے کو دیکھ کر ہر شخص بآسانی اس نتیجے تک پہنچ سکتا تھا کہ جو ذات اتنے عرصے تک سونے کے بعد ان نوجوانوں کو زندہ اٹھا سکتی ہے، یقیناً وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمام انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت کا بادشاہ تو قیامت اور آخرت پر ایمان رکھتا تھا، لیکن کچھ لوگ آخرت کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کر رہے تھے، اور بادشاہ نے یہ دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کوئی ایسا واقعہ دکھا دے جس سے آخرت پر ان کا ایمان مضبوط ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت ان نوجوانوں کو جگا کر اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دکھا دیا۔

(۱۵) جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا، یہ حضرات جاگنے کے بعد جلد ہی اسی غار میں وفات پا گئے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ سامنے آیا کہ جن نوجوانوں کو کبھی اس شہر میں اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے، اب اسی شہر میں ان کی ایسی عزت ہوئی کہ لوگ ان کی یادگار میں کوئی عمارت بنانے کی فکر میں پڑ گئے۔ اور آخر کار جن لوگوں کو اقتدار حاصل تھا، انہوں نے یہ طے کیا کہ جس غار میں ان کی وفات ہوئی ہے، اس پر ایک مسجد بنا دیں۔ واضح رہے کہ عمان کے پاس جو غار دریافت ہوا ہے، اس میں کھدائی کرنے سے غار کے اوپر بنی ہوئی ایک مسجد بھی برآمد ہوئی ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ ان کی وفات کی جگہ پر مسجد بنانے کی یہ تجویز اس زمانے کے اصحاب اقتدار نے دی تھی، قرآن کریم نے اس تجویز کی تائید نہیں فرمائی۔ لہٰذا اس آیت سے مقبرے بنانے یا قبروں کو عبادت گاہ میں تبدیل کرنے کا کوئی جواز نہیں نکلتا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی احادیث میں اس عمل سے منع فرمایا ہے۔

(۱۶) روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب ان حضرات کی یادگار تعمیر کرنے کی تجویز آئی تو لوگوں نے یہ بھی سوچا کہ ان کے صحیح صحیح نام اور ان کا نسب اور مذہب وغیرہ بھی اس یادگار پر لکھا جائے، لیکن چونکہ کسی کو ان کے پورے حالات معلوم نہیں تھے، اس لئے پھر لوگوں نے کہا کہ ان کے ٹھیک ٹھیک حالات تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن ہم ان کے نسب وغیرہ کی تحقیق میں پڑے بغیر ہی ان کی یادگار بنا دیتے ہیں۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا
بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا
يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڤ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ
اَحَدًا ﴿۲۲﴾ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّىْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۡ

کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین آدمی تھے، اور چوتھا اُن کا کتا تھا، اور کچھ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے، اور چھٹا اُن کا کتا تھا۔ یہ سب اٹکل کے تیر چلانے کی باتیں ہیں۔ اور کچھ کہیں گے کہ وہ سات تھے، اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کہہ دو کہ: ”میرا رب ہی ان کی صحیح تعداد کو جانتا ہے۔ تھوڑے سے لوگوں کے سوا کسی کو ان کا پورا علم نہیں۔“ لہٰذا ان کے بارے میں سرسری گفتگو سے آگے بڑھ کر کوئی بحث نہ کرو، اور نہ ان کے بارے میں کسی سے پوچھ گچھ کرو۔ (۱۷) ﴿۲۲﴾ اور (اے پیغمبر!) کسی بھی کام کے بارے میں کبھی یہ نہ کہو کہ میں یہ کام کل کرلوں گا، ﴿۲۳﴾ ہاں (یہ کہو کہ) اللہ چاہے گا تو (کرلوں گا)۔ (۱۸)

(۱۷) اس آیت نے یہ مستقل سبق دے دیا ہے کہ جس معاملے پر انسان کا کوئی عملی مسئلہ موقوف نہ ہو، اُس کے بارے میں خواہ مخواہ بحثیں نہیں کرنی چاہئیں۔ اصحابِ کہف کے واقعے میں اصل سبق لینے کی بات یہ ہے کہ انہوں نے کس طرح ناموافق حالات میں حق پر ثابت قدم رہنے کا مظاہرہ کیا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کی مدد فرمائی۔ رہا یہ کہ ان کی صحیح تعداد کیا تھی؟ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر بحث کا بازار گرم کیا جائے۔ لہٰذا اس میں اُلجھنے کے بجائے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کوئی اس معاملے میں بحث کرنا بھی چاہے تو اُسے سرسری گفتگو کرکے ٹال دو، اور اپنا وقت ضائع نہ کرو۔

(۱۸) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا گیا تھا، اُس وقت آپ نے سوال کرنے والوں سے ایک طرح کا وعدہ کرلیا تھا کہ میں اس سوال کا جواب کل دوں گا۔ اُس وقت آپ ”ان شاء اللہ“ کہنا بھول گئے تھے، اور آپ کو یہ اُمید تھی کہ کل تک وحی کے ذریعے آپ کو ان واقعات سے باخبر کردیا جائے گا۔ اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ مستقل ہدایت عطا فرمائی کہ کسی بھی مسلمان کو آئندہ کے بارے میں کوئی بات ”ان شاء اللہ“ کہے بغیر نہیں کہنی چاہئے۔ بعض روایات سے معلوم

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا
رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ
اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ
دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے رب کو یاد کرلو، اور کہو: "مجھے اُمید ہے کہ میرا رب کسی ایسی بات کی طرف میری رہنمائی کردے جو ہدایت میں اس سے بھی زیادہ قریب ہو۔"[۱۹] ﴿۲۴﴾ اور وہ (اصحابِ کہف) اپنے غار میں تین سو سال اور مزید نو سال (سوتے) رہے۔ ﴿۲۵﴾ (اگر کوئی اس میں بحث کرے تو) کہہ دو کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت (سوتے) رہے۔[۲۰] آسمانوں اور زمین کے سارے بھید اُسی کے علم میں ہیں۔ وہ کتنا دیکھنے والا، اور کتنا سننے والا ہے! اُس کے سوا ان کا کوئی رکھوالا نہیں ہے، اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ ﴿۲۶﴾

ہوتا ہے کہ اس معاملے میں چونکہ آپ نے "اِن شاء اللہ" نہیں فرمایا تھا، اس لئے اگلے روز وحی نہیں آئی، بلکہ کئی روز کے بعد وحی آئی، اور اُس میں یہ ہدایت بھی دی گئی۔

(۱۹) اصحابِ کہف کا واقعہ سوال کرنے والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل کے طور پر پوچھا تھا۔ اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے اور بھی دلائل عطا فرمائے ہیں جو اصحابِ کہف کا واقعہ سنانے سے بھی زیادہ واضح ہیں۔

(۲۰) اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کے بارے میں یہ بتلادیا کہ وہ غار میں تین سو نو سال تک سوتے رہے، لیکن آگے پھر وہی بات ارشاد فرمائی کہ محض قیاسات کی بنیاد پر اس بحث میں بھی پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر کوئی اس مدت سے اختلاف کرے تو یہ کہہ کر بحث کا دروازہ بند کردو کہ اللہ تعالیٰ ہی اس مدت کو خوب جانتا ہے۔ اُس نے جو مدت بتادی ہے وہی درست ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ
دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ
اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

اور (اے پیغمبر!) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے وحی کے ذریعے جو کتاب بھیجی گئی ہے، اُسے پڑھ کر سنادو۔ کوئی نہیں ہے جو اُس کی باتوں کو بدل سکے، اور اُسے چھوڑ کر تمہیں ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہیں مل سکتی۔[۲۱] ﴿۲۷﴾ اور اپنے آپ کو استقامت سے اُن لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو اس لئے پکارتے ہیں کہ وہ اُس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں۔[۲۲] اور تمہاری آنکھیں دُنیوی زندگی کی خوبصورتی کی تلاش میں ایسے لوگوں سے ہٹنے نہ پائیں۔ اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے، اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور جس کا معاملہ حد سے گذر چکا ہے۔ ﴿۲۸﴾

(۲۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب درحقیقت ان کافروں کو سنانے کے لئے ہے جو آپ سے یہ مطالبہ کیا کرتے تھے کہ آپ اس قرآن میں ہماری خواہش اور عقیدے کے مطابق تبدیلیاں کرلیں تو ہم آپ کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔ ان کا یہ مطالبہ پیچھے سورۂ یونس (۱۰:۱۵) میں گذر چکا ہے۔ یہاں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تبدیلی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں، اور اگر کوئی ایسا کرے تو اُسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ میسر نہیں آسکتی۔

(۲۲) بعض کفار کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ جو غریب اور کم حیثیت لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے ہیں، اگر آپ انہیں اپنے پاس سے ہٹادیں تو ہم آپ کی بات سننے کو تیار ہوں گے، موجودہ حالت میں ہم ان غریبوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ کی کوئی بات نہیں سن سکتے۔ یہ آیت اس مطالبے کو رَدّ کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دے رہی ہے کہ آپ اس مطالبے کو نہ مانیں، اور اپنے غریب صحابہ کی رفاقت نہ چھوڑیں۔ اور اس ضمن میں ان غریب صحابۂ کرام کی فضیلت اور ان کے مقابلے میں ان مال دار کافروں کی برائی بیان فرمائی گئی ہے۔ یہی مضمون سورۂ انعام (۶:۵۲) میں بھی گذر چکا ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّآ أَعْتَدْنَا
لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ
يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ ۚ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ إِنَّا لَا نُضِيْعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ
عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ
ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٔيْنَ فِيْهَا عَلَى الْأَرَآئِكِ ۚ نِعْمَ
ع ۱۶ الثَّوَابُ ۚ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

اور کہہ دو کہ: "حق تو تمہارے رَبّ کی طرف سے آچکا ہے۔ اب جو چاہے، ایمان لے آئے، اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔"(۲۳) ہم نے بیشک (ایسے) ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو گھیرے میں لے لیں گی، اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد کا جواب ایسے پانی سے دیا جائے گا جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا، (اور) چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ کیسا بدترین پانی، اور کیسی بری آرام گاہ! ﴿۲۹﴾ البتہ جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے نیک عمل کئے، تو یقیناً ہم ایسے لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے جو اچھی طرح عمل کریں۔ ﴿۳۰﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں، اُن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ اُن کو وہاں سونے کے کنگنوں سے مزین کیا جائے گا، وہ اُونچی مسندوں پر تکیہ لگائے ہوئے باریک اور دبیز ریشم کے سبز کپڑے پہنے ہوں گے۔ کتنا بہترین اجر، اور کیسی حسین آرام گاہ! ﴿۳۱﴾

---

(۲۳) یعنی حق کے واضح ہو جانے کے بعد دنیا میں کسی کو ایمان لانے پر زبردستی مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جو شخص ایمان نہیں لائے گا، اُس کو آخرت میں بیشک ایک خوفناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا
بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِم مِّنْهُ شَيْئًا ۚ
وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ
مِنكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کے سامنے اُن دو آدمیوں کی مثال پیش کرو [۲۳] جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دے رکھے تھے، اور ان کو کھجور کے درختوں سے گھیرا ہوا تھا، اور ان دونوں باغوں کے درمیان کھیتی لگائی ہوئی تھی۔ ﴿۳۲﴾ دونوں باغ پورا پورا پھل دیتے تھے، اور کوئی باغ پھل دینے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتا تھا، اور ان دونوں کے درمیان ہم نے ایک نہر جاری کر دی تھی، ﴿۳۳﴾ اور اس شخص کو خوب دولت حاصل ہوئی تو وہ اپنے ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا کہ: "میرا مال بھی تم سے زیادہ ہے، اور میرا جتھہ بھی تم سے زیادہ مضبوط ہے۔" ﴿۳۴﴾

(۲۳) آیت نمبر ۲۸ میں کافر سرداروں کے اس تکبر کی طرف اشارہ کیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ غریب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ ایک ایسا واقعہ بیان فرما رہے ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مال و دولت کی زیادتی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر کوئی شخص اترائے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ مضبوط نہ ہو تو بڑے بڑے مال دار لوگ انجام کار ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صحیح ہو تو غریب لوگ ان سے کہیں آگے نکل جاتے ہیں۔ جن دو آدمیوں کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے، ان کی کوئی تفصیل کسی مستند مرفوع روایت میں موجود نہیں ہے۔ البتہ بعض مفسرین نے کچھ روایتوں کی بنیاد پر یہ کہا ہے کہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھے، اور انہیں اپنے باپ سے وراثت میں بڑی دولت ہاتھ آئی تھی۔ ان میں سے ایک نے کافر ہو کر اسی دولت سے دل لگا لیا، اور دوسرے نے اپنی دولت کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا، اور اس کی وجہ سے اس کی دولت پہلے شخص کے مقابلے میں گنتی میں کم رہ گئی۔ لیکن آخر کار کافر شخص کی دولت پر آفت آگئی، اور اسے حسرت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔

وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۚ قَالَ مَآ أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَٰذِهِ أَبَدًا ﴿٣٥﴾ وَمَآ
أَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَلَئِن رُّدِدتُّ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنقَلَبًا ﴿٣٦﴾
قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ
ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾ لَّٰكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَآ أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ﴿٣٨﴾ وَلَوْلَآ إِذْ
دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ إِن تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنكَ مَالًا
وَوَلَدًا ﴿٣٩﴾ فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّن جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ
السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾

اور وہ اپنی جان پر ستم ڈھاتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا۔ کہنے لگا: "میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی بھی
تباہ ہوگا، ﴿۳۵﴾ اور میرا خیال یہ ہے کہ قیامت کبھی نہیں آئے گی۔ اور اگر کبھی مجھے اپنے رَبّ کے
پاس واپس بھیجا بھی گیا، تب بھی مجھے یقین ہے کہ مجھے اس سے بھی اچھی جگہ ملے گی۔" ﴿۳۶﴾ اُس
کے ساتھی نے اُس سے باتیں کرتے ہوئے کہا: "کیا تم اُس ذات کے ساتھ کفر کا معاملہ کر رہے ہو
جس نے تمہیں مٹی سے، اور پھر نطفے سے پیدا کیا، پھر تمہیں ایک بھلا چنگا انسان بنادیا؟ ﴿۳۷﴾
جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اللہ میرا پروردگار ہے، اور میں اپنے پروردگار
کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتا۔ ﴿۳۸﴾ اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہو رہے تھے، اُس وقت تم
نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ! (جو اللہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے، اللہ کی توفیق کے بغیر
کسی میں کوئی طاقت نہیں)۔ اگر تمہیں یہ نظر آرہا ہے کہ میری دولت اور اولاد تم سے کم ہے، ﴿۳۹﴾
تو میرے رَبّ سے کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ مجھے تمہارے باغ سے بہتر چیز عطا فرمادے، اور تمہارے
اس باغ پر کوئی آسمانی آفت بھیج دے، جس سے وہ چٹیل میدان میں تبدیل ہو کر رہ جائے۔ ﴿۴۰﴾

أَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَن تَسْتَطِيعَ لَهُۥ طَلَبًا ﴿٤١﴾ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِۦ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ
كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَآ أَنفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَٰلَيْتَنِى لَمْ أُشْرِكْ
بِرَبِّىٓ أَحَدًا ﴿٤٢﴾ وَلَمْ تَكُن لَّهُۥ فِئَةٌ يَنصُرُونَهُۥ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ﴿٤٣﴾
هُنَالِكَ ٱلْوَلَٰيَةُ لِلَّهِ ٱلْحَقِّ ۚ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ وَٱضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ ع ۱۴
ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنزَلْنَٰهُ مِنَ ٱلسَّمَآءِ فَٱخْتَلَطَ بِهِۦ نَبَاتُ ٱلْأَرْضِ فَأَصْبَحَ
هَشِيمًا تَذْرُوهُ ٱلرِّيَٰحُ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾

یا اُس کا پانی زمین میں اُتر جائے، پھر تم اُسے تلاش بھی نہ کر سکو۔" ﴿۴۱﴾ اور (پھر ہوا یہ کہ) اُس کی ساری دولت عذاب کے گھیرے میں آ گئی، اور صبح ہوئی تو اِس حالت میں کہ اُس نے باغ پر جو کچھ خرچ کیا تھا، وہ اُس پر ہاتھ ملتا رہ گیا، جبکہ اُس کا باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا پڑا تھا، اور وہ کہہ رہا تھا: "کاش! میں نے اپنے ربّ کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانا ہوتا۔" ﴿۴۲﴾ اور اُسے کوئی ایسا جتھہ میسر نہ آیا جو اللہ کو چھوڑ کر اُس کی مدد کرتا، اور نہ وہ خود اس قابل تھا کہ اپنا دفاع کر سکے۔ ﴿۴۳﴾ ایسے موقع پر (آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ) مدد کا سارا اختیار سچے اللہ کو حاصل ہے۔ وہی ہے جو بہتر ثواب دیتا اور بہتر انجام دکھاتا ہے۔ ﴿۴۴﴾ اور ان لوگوں سے دُنیوی زندگی کی یہ مثال بھی بیان کرو کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا، تو اُس سے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہوگیا، پھر وہ ایسا ریزہ ریزہ ہوا کہ اُسے ہوائیں اُڑائے جاتی ہیں۔(۲۵) اور اللہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۴۵﴾

---

(۲۵) جس طرح یہ سبزہ ناپائیدار ہے کہ شروع میں اس کی خوب بہار نظر آتی ہے، لیکن آخرکار وہ چورا چورا ہو کر ہوا میں بکھر جاتا ہے، اسی طرح دُنیوی زندگی بھی شروع میں بڑی خوبصورت اور بارونق معلوم ہوتی ہے، لیکن انجام کار وہ فنا ہو جانے والی ہے۔

ٱلْمَالُ وَٱلْبَنُونَ زِينَةُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۖ وَٱلْبَٰقِيَٰتُ ٱلصَّٰلِحَٰتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ
ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا ﴿٤٦﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ ٱلْجِبَالَ وَتَرَى ٱلْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَٰهُمْ فَلَمْ
نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوا۟ عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَّقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَٰكُمْ
أَوَّلَ مَرَّةٍۭ ۚ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّن نَّجْعَلَ لَكُم مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾

مال اور اولاد دُنیوی زندگی کی زینت ہیں، اور جو نیکیاں پائیدار رہنے والی ہیں، وہ تمہارے رَبّ کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں، اور اُمید وابستہ کرنے کے لئے بھی بہتر۔(۲۶) ﴿۴۶﴾ اور (اُس دن کا دھیان رکھو) جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے،(۲۷) اور تم زمین کو دیکھو گے کہ وہ کھلی پڑی ہے،(۲۸) اور ہم ان سب کو گھیر کر اکٹھا کردیں گے، اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ ﴿۴۷﴾ اور سب کو تمہارے رَبّ کے سامنے صف باندھ کر پیش کیا جائے گا۔ آخر تم ہمارے پاس اُسی طرح آگئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اس کے برعکس تمہارا دعویٰ یہ تھا کہ ہم تمہارے لئے (یہ) مقرر وقت کبھی نہیں لائیں گے۔ ﴿۴۸﴾

---

(۲۶) دُنیا کے مال و اَسباب سے اُمیدیں لگا کر بیٹھو تو ایک وقت وہ دھوکا دے جاتے ہیں، لیکن نیک اعمال جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کئے جائیں، اُن سے ثواب کی جو اُمیدیں وابستہ کی جاتی ہیں، وہ پوری ہوتی ہیں۔

(۲۷) قرآنِ کریم کی آیات کو سامنے رکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کے موقع پر پہاڑوں کو پہلے اپنی جگہ سے ہٹا کر چلایا جائے گا، پھر ان کو کوٹ پیس کر غبار کی طرح ہوا میں اُڑا دیا جائے گا۔ چلانے کا ذکر اس جگہ کے علاوہ سورۂ نمل (۸۸:۲۷) اور سورۂ تکویر (۳:۸۱) میں بھی آیا ہے، اور انہیں کوٹ پیس کر غبار میں تبدیل کردینے کا ذکر سورۂ طٰہٰ (۱۰۵:۲۰)، سورۂ واقعہ (۵۶:۵-۶) اور سورۂ مرسلات (۱۰:۷۷) میں موجود ہے۔

(۲۸) اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جو چیزیں زمین کے اندر پوشیدہ ہیں، وہ سامنے آجائیں گی جیسا کہ سورۂ انشقاق (۴:۸۴) میں بیان فرمایا گیا ہے، اور یہ مطلب بھی ہے کہ پہاڑوں، درختوں اور عمارتوں کے فنا ہوجانے کے بعد زمین حدِ نظر تک سپاٹ نظر آئے گی جس میں کوئی نشیب و فراز نہیں ہوگا، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ (۱۰۶:۲۰ و ۱۰۷) میں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا
مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا
مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا ع ۱۸
لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۗ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۗ
اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۗ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ
بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪

اور (اعمال کی) کتاب سامنے رکھ دی جائے گی، چنانچہ تم مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ اس کے مندرجات سے خوف زدہ ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ: "ہائے ہماری بربادی! یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہمارا کوئی چھوٹا بڑا عمل ایسا نہیں چھوڑا جس کا پورا احاطہ نہ کرلیا ہو۔" اور وہ اپنا سارا کیا دھرا اپنے سامنے موجود پائیں گے۔ اور تمہارا پروردگار کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔ ﴿۴۹﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ: "آدم کے آگے سجدہ کرو۔" چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے۔(۲۹) وہ جنات میں سے تھا، چنانچہ اُس نے اپنے رَبّ کے حکم کی نافرمانی کی۔ کیا پھر بھی تم میرے بجائے اُسے اور اُس کی ذُرّیت کو اپنا رکھوالا بناتے ہو، حالانکہ وہ سب تمہارے دُشمن ہیں؟ (اللہ تعالیٰ کا) کتنا برا تبادل ہے جو ظالموں کو ملا ہے!(۳۰) ﴿۵۰﴾ میں نے نہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت اُن کو حاضر کیا تھا، نہ خود ان کو پیدا کرتے وقت۔(۳۱)

(۲۹) تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ بقرہ (۲: ۳۴ تا ۳۶) اور ان آیات کے حواشی۔

(۳۰) یعنی اللہ تعالیٰ کے بدلے ان ظالموں نے کتنا برا رکھوالا چنا ہے۔

(۳۱) یعنی جن شیاطین کو ان کافروں نے اپنا سرپرست بنا رکھا ہے، ان کو میں نے تخلیق کائنات کا منظر دکھانے کے لئے یا ان سے مدد لینے کے لئے نہیں بلایا تھا کہ وہ تخلیق کے اسرار سے واقف ہوتے۔ لیکن کافروں نے یہ سمجھ

وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝۵۱ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ
زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝۵۲ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ
ع النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝۵۳ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا
الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝۵۴ وَمَا مَنَعَ
النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ
الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝۵۵

اور میں ایسا نہیں ہوں کہ گمراہ کرنے والوں کو دست و بازو بناؤں۔ ﴿۵۱﴾ اور اُس دن کا دھیان کرو جب اللہ (ان مشرکوں سے) کہے گا کہ: "ذرا پکارو ان کو جنہیں تم نے میری خدائی میں شریک سمجھ رکھا تھا!" چنانچہ وہ پکاریں گے، لیکن وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے، اور ہم اُن کے درمیان ایک مہلک آڑ حائل کردیں گے۔ ﴿۵۲﴾ اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ انہیں اسی میں گرنا ہے، اور اس سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔ ﴿۵۳﴾ اور ہم نے لوگوں کے فائدے کے لئے اس قرآن میں طرح طرح سے ہر قسم کے مضامین بیان کئے ہیں، اور انسان ہے کہ جھگڑا کرنے میں ہر چیز سے بڑھ گیا ہے۔ ﴿۵۴﴾ اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو اب انہیں ایمان لانے اور اپنے رب سے معافی مانگنے سے اس (مطالبے) کے سوا کوئی اور چیز نہیں روک رہی کہ ان کے ساتھ بھی پچھلے لوگوں جیسے واقعات پیش آجائیں، یا عذاب ان کے بالکل سامنے آکھڑا ہو۔(۳۲) ﴿۵۵﴾

رکھا ہے کہ یہ شیاطین تمام حقائق کو جانتے ہیں، چنانچہ ان کے بہکانے میں آکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کو یا جن کو وہ کہیں، خدائی کا شریک قرار دیتے ہیں۔

(۳۲) یعنی ان لوگوں پر ساری حجتیں تو تمام ہوچکیں۔ اب ان کے پاس اپنے کفر پر اس کے سوا کوئی دلیل باقی

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا
عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى
فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ وہ (مومنوں کو) خوشخبری دیں، اور (کافروں کو عذاب سے) متنبہ کریں۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، وہ باطل کا سہارا لے کر جھگڑا کرتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعے حق کو ڈگمگا دیں، اور انہوں نے میری آیتوں کو اور انہیں جو تنبیہ کی گئی تھی، اس کو مذاق بنا رکھا ہے۔ ﴿۵۶﴾ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے ربّ کی آیتوں کے حوالے سے نصیحت کی جائے، تو وہ ان سے منہ موڑ لے، اور اپنے ہاتھوں کے کرتوت کو بھلا بیٹھے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے (ان لوگوں کے کرتوت کی وجہ سے) ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیئے ہیں جن کی وجہ سے وہ اس (قرآن) کو نہیں سمجھتے، اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی ہے۔ اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ، تب بھی وہ صحیح راستے پر ہرگز نہیں آئیں گے۔ ﴿۵۷﴾

نہیں رہی کہ یہ پیغمبر سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جیسا عذاب پچھلی امتوں پر آیا تھا، اگر ہم باطل پر ہیں تو ویسا ہی عذاب ہم پر لا کر دکھاؤ۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ پیغمبروں کا کام اپنے اختیار سے عذاب نازل کرنا نہیں ہوتا۔ وہ تو لوگوں کو عذاب سے متنبہ کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ نافرمانوں پر فوراً عذاب نہیں بھیجتا، بلکہ اپنی رحمت کی وجہ سے انہیں مہلت دیتا ہے، تاکہ اس مہلت کے دوران جن کو ایمان لانا ہو، وہ ایمان لے آئیں۔ البتہ اس کی طرف سے نافرمانوں کو عذاب دینے کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو کوئی اس عذاب کو ٹال نہیں سکے گا۔

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَل
لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَ
جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾ ع وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ
الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾

اور تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا رحمت والا ہے۔ جو کمائی انہوں نے کی ہے، اگر وہ اس کی وجہ سے انہیں پکڑنے پر آتا تو ان کو جلدی عذاب دے دیتا، لیکن ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جس سے بچنے کے لئے انہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی۔ ﴿۵۸﴾ یہ ساری بستیاں (تمہارے سامنے) ہیں، جب انہوں نے ظلم کی روش اپنائی تو ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا، اور ان کی ہلاکت کے لئے (بھی) ہم نے ایک وقت مقرر کیا ہوا تھا۔ ﴿۵۹﴾ اور (اس وقت کا ذکر سنو) جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (شاگرد) سے کہا تھا کہ: "میں اس وقت تک اپنا سفر جاری رکھوں گا جب تک دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ برسوں چلتا رہوں گا۔"(۳۳) ﴿۶۰﴾

---

(۳۳) یہاں سے آیت نمبر ۸۲ تک اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بیان فرمایا ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعے کی تفصیل ایک طویل حدیث میں بیان فرمائی ہے جو صحیح بخاری میں کئی سندوں سے منقول ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کسی نے یہ سوال کیا کہ اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ چونکہ ہر پیغمبر اپنے وقت میں دین کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہی فرمادیا کہ میں ہی سب سے بڑا عالم ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ہدایت دی گئی کہ اس سوال کا صحیح جواب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ سب سے بڑا عالم کون ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم کے کچھ ایسے گوشوں سے روشناس کرائیں جو ان کی واقفیت کے دائرے سے باہر تھے۔ چنانچہ انہیں حکم دیا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جائیں۔ ان کو پتہ یہ بتایا گیا کہ جہاں دو دریا ملتے ہیں، وہاں تک سفر کریں، اور اپنے ساتھ ایک مچھلی لے جائیں۔ ایک موقع ایسا آئے گا کہ وہ مچھلی گم

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾

چنانچہ جب وہ ان کے سنگم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کا راستہ بنالیا۔ (۳۴) ﴿۶۱﴾ پھر جب دونوں آگے نکل گئے، تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ: "ہمارا ناشتہ لاؤ، سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہوگئی ہے۔" ﴿۶۲﴾

ہو جائے گی۔ بس اسی جگہ انہیں حضرت خضر علیہ السلام مل جائیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے نوجوان شاگرد حضرت یوشع علیہ السلام کو ساتھ لے کر اس سفر پر روانہ ہوئے، جو بعد میں خود پیغمبر بننے والے تھے۔ آگے کا واقعہ خود قرآن کریم میں آرہا ہے۔ البتہ یہاں اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو یہ سفر کرایا گیا، اس کا ایک مقصد تو یہ ادب سکھانا تھا کہ اپنے آپ کو سب سے بڑا عالم کہنا کسی کو بھی زیب نہیں دیتا۔ علم تو ایک ناپیدا کنار سمندر ہے، اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کونسا علم کس کے پاس زیادہ ہے۔ اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود آنکھوں سے اس بات کی ایک جھلک دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور علم سے اس کائنات کا نظام کس طرح چلا رہا ہے۔ اس کائنات میں بہت سے ایسے واقعات روزمرہ انسان کے سامنے آتے رہتے ہیں جن کا مقصد اس کی سمجھ میں نہیں آتا، حالانکہ کوئی واقعہ اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی حکمت کے بغیر نہیں ہوتا۔ انسان کی نظر چونکہ محدود ہے، اس لئے وہ اس حکمت کو بسا اوقات نہیں سمجھتا، لیکن جس قادرِ مطلق کے ہاتھ میں پوری کائنات کی باگ ڈور ہے، وہی جانتا ہے کہ کس وقت کیا واقعہ پیش آنا چاہئے۔ اس بات کی مزید وضاحت ان شاء اللہ اسی واقعے کے آخر میں آئے گی (دیکھئے ذیل میں حاشیہ نمبر ۴۱)۔

(۳۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک چٹان پر پہنچ کر کچھ دیر کے لئے سوگئے تھے۔ اسی دوران وہ مچھلی جو ایک زنبیل میں تھی، وہاں سے کھسک کر دریا میں جا گری، اور جس جگہ گری، وہاں پانی میں سرنگ سی بن گئی جس میں جا کر مچھلی غائب ہوگئی۔ حضرت یوشع علیہ السلام اس وقت جاگ رہے تھے، اور انہوں نے یہ عجیب واقعہ دیکھا، مگر چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے تھے، اس لئے ان کو جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ بعد میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جاگ کر آگے روانہ ہوئے تو حضرت یوشع علیہ السلام ان کو یہ بات بتانا بھول گئے۔ اور یاد اس وقت آیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگے چل کر ناشتہ مانگا۔

قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ ۫ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا
الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذَٰلِكَ مَا كُنَّا
نَبْغِ ۚ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً
مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ
مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾

اُس نے کہا: ''بھلا بتایئے! (عجیب قصہ ہوگیا) جب ہم اُس چٹان پر ٹھہرے تھے تو میں مچھلی (کا آپ سے ذکر کرنا) بھول گیا۔ اور شیطان کے سوا کوئی نہیں ہے جس نے مجھ سے اس کا تذکرہ کرنا بھلایا ہو۔ اور اُس (مچھلی) نے تو بڑے عجیب طریقے پر دریا میں اپنی راہ لے لی تھی۔'' ﴿۶۳﴾ موسیٰ نے کہا: ''اسی بات کی تو ہمیں تلاش تھی۔''(۳۵) چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔ ﴿۶۴﴾ تب انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ملا جس کو ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے نوازا تھا، اور خاص اپنی طرف سے ایک علم سکھایا تھا۔(۳۶) ﴿۶۵﴾ موسیٰ نے اُن سے کہا: ''کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اُس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں؟'' ﴿۶۶﴾

---

(۳۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہی علامت بتائی گئی تھی کہ جس جگہ مچھلی گم ہوگی، وہیں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوگی۔ اس لئے حضرت یوشع علیہ السلام نے تو ڈرتے ڈرتے یہ واقعہ ذکر کیا تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اُسے سن کر خوش ہوئے کہ منزلِ مقصود کا پتہ لگ گیا۔

(۳۶) صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس چٹان کے پاس واپس پہنچے تو وہاں وہ چادر اوڑھے ہوئے لیٹے نظر آئے۔ اور ان کو جس خصوصی علم کے سکھانے کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس سے مراد تکوینیات کا علم ہے جس کی تشریح اس واقعے کے آخر میں آرہی ہے۔

قَالَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ﴿٦٨﴾
قَالَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا
تَسْأَلْنِي عَن شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ فَانطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي
السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۖ قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ﴿٧١﴾ قَالَ أَلَمْ
أَقُلْ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٢﴾

انہوں نے کہا: "مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ رہتے ہوئے صبر نہیں کرسکیں گے۔ ﴿۶۷﴾ اور جن باتوں کی آپ کو پوری پوری واقفیت نہیں ہے، ان پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟" (۳۷) ﴿۶۸﴾ موسیٰ نے کہا: "ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔" ﴿۶۹﴾ انہوں نے کہا: "اچھا! اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو جب تک میں خود ہی آپ سے کسی بات کا تذکرہ شروع نہ کروں، آپ مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں سوال نہ کریں۔" ﴿۷۰﴾ چنانچہ دونوں روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ جب دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے تو ان صاحب نے کشتی میں چھید کردیا۔ (۳۸) موسیٰ بولے: "ارے کیا آپ نے اس میں چھید کردیا تاکہ سارے کشتی والوں کو ڈبو ڈالیں؟ یہ تو آپ نے بڑا خوفناک کام کیا۔" ﴿۷۱﴾ انہوں نے کہا: "کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کرسکیں گے؟" ﴿۷۲﴾

---

(۳۷) صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسا علم دیا ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، (یعنی تکوینیات کا علم) اور آپ کو ایک ایسا علم دیا ہے جو میرے پاس نہیں (یعنی شریعت کا علم)۔

(۳۸) صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کشتی کا ایک تختہ نکال کر اس میں سوراخ کردیا تھا۔

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ
إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا
نُكْرًا ﴿۷۴﴾ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ
عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ
إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا
يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴿۷۷﴾

موسیٰ نے کہا: "مجھ سے جو بھول ہوگئی، اس پر میری گرفت نہ کیجیے، اور میرے کام کو زیادہ مشکل نہ بنائیے۔" ﴿۷۳﴾ وہ دونوں پھر روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ ان کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی تو ان صاحب نے اُسے قتل کر ڈالا۔ (۳۹) موسیٰ بول اُٹھے: "ارے کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان کو ہلاک کردیا، جبکہ اُس نے کسی کی جان نہیں لی تھی جس کا بدلہ اُس سے لیا جائے؟ یہ تو آپ نے بہت ہی بُرا کام کیا!" ﴿۷۴﴾ انہوں نے کہا: "کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہتے پر صبر نہیں کرسکیں گے؟" ﴿۷۵﴾ موسیٰ بولے: "اگر اب میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے۔ یقیناً آپ میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ گئے ہیں۔" ﴿۷۶﴾ چنانچہ وہ دونوں پھر روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو اُس کے باشندوں سے کھانا مانگا تو اُن لوگوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کردیا۔ پھر انہیں وہاں ایک دیوار ملی جو گرا ہی چاہتی تھی، اُن صاحب نے اُسے کھڑا کردیا۔ موسیٰ نے کہا: "اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اُجرت لے لیتے۔" (۴۰) ﴿۷۷﴾

---

(۳۹) مذکورہ حدیث میں ہے کہ وہ لڑکا دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اُس کا سر دھڑ سے الگ کردیا۔

(۴۰) مطلب یہ ہے کہ بستی والوں نے مہمانی سے تو انکار کردیا تھا، لیکن اس دیوار کی مرمت پر اُن سے جائز اُجرت وصول کی جاسکتی تھی جس سے ہمارے کھانے کا بھی انتظام ہوسکتا تھا۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ
صَبْرًا ﴿۷۸﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ
اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ
اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا
رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ
يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ
اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ
اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾ ع ۱۰

انہوں نے کہا: "لیجئے میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا۔ اب میں آپ کو اُن باتوں کا مقصد بتائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا۔ ﴿۷۸﴾ جہاں تک کشتی کا تعلق ہے، وہ کچھ غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے تھے، میں نے چاہا کہ اُس میں کوئی عیب پیدا کر دوں، (کیونکہ) ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی چھین کر رکھ لیا کرتا تھا۔ ﴿۷۹﴾ اور لڑکے کا معاملہ یہ تھا کہ اُس کے ماں باپ مؤمن تھے، اور ہمیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ یہ لڑکا اُن دونوں کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔ ﴿۸۰﴾ چنانچہ ہم نے یہ چاہا کہ اُن کا پروردگار انہیں اس لڑکے کے بدلے ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں بھی اس سے بہتر ہو، اور حسنِ سلوک میں بھی اُس سے بڑھی ہوئی ہو۔ ﴿۸۱﴾ رہی یہ دیوار، تو وہ اس شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اُس کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہوا تھا، اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ اس لئے آپ کے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں، اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ سب کچھ آپ کے رَبّ کی رحمت کی بنا پر ہوا ہے۔ اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا۔ یہ تھا مقصد اُن باتوں کا جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا۔"[۳۱] ﴿۸۲﴾

(۴۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام سے ملوانے اور یہ واقعات دکھانے کا اصل مقصد ایک اہم حقیقت کا مشاہدہ کرانا تھا، اور اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے قرآن کریم نے یہ واقعہ ہمارے لئے بیان فرمایا ہے۔ اسلامی شریعت کی رُو سے کسی کے لئے یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی ملکیت میں اُس کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف کرے، خاص طور پر اس کی تو ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی کہ اُس کی ملکیت کو کوئی نقصان پہنچادے، چاہے وہ نقصان خود مالک کے فائدے کی نیت ہی سے پہنچایا گیا ہو۔ لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی والوں کی اجازت کے بغیر اس کا تختہ نکال دیا۔ اسی طرح کسی بے گناہ کو قتل کرنا شریعت میں انتہائی سنگین جرم ہے، خاص طور پر کسی نابالغ لڑکے کو قتل کرنا تو حالتِ جنگ میں بھی جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر یہ معلوم ہو کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر کوئی فساد مچائے گا، تب بھی اس وقت اُسے قتل کرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے کو قتل کر دیا، اور چونکہ یہ دونوں باتیں شریعت میں ناجائز تھیں، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان پر خاموش نہیں رہ سکے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے شریعت کے بالکل خلاف یہ کام کیسے کئے؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لئے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کائنات میں جتنے واقعات ہوتے ہیں، چاہے وہ ہماری نظر میں اچھے معلوم ہوتے ہوں یا بُرے، ان کا تعلق ایک ایسے جہان سے ہے جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے، اور جسے اصطلاح میں "عالمِ تکوین" کہا جاتا ہے، جو براہِ راست اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اُس کے تکوینی احکام کے ذریعے کنٹرول ہو رہا ہے۔ کس شخص کو کتنے عرصے زندہ رہنا ہے؟ اور کب اُس کی موت واقع ہوگی؟ وہ کتنے عرصے صحت مند رہے گا، اور کب بیمار ہو جائے گا؟ اُسے کب کونسا روزگار نصیب ہوگا؟ اور اُس کے ذریعے وہ کتنی روزی کما سکے گا؟ اس قسم کے سارے معاملات اللہ تعالیٰ براہِ راست طے فرماتے ہیں، اور ان فیصلوں کو نافذ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ کارندے مقرر فرما رکھے ہیں جو ہماری نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر اللہ تعالیٰ کے ان تکوینی احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرمایا کہ فلاں شخص کی موت کا وقت آگیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کا فرشتہ اُس شخص کی رُوح قبض کرنے کے لئے پہنچ جاتا ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم کی تعمیل میں کسی کی موت واقع کر رہا ہوتا ہے تو وہ کسی جرم کا ارتکاب نہیں کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے کی جان لے، لیکن جس فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے اسی کام پر مقرر فرمایا ہے، اُس کے لئے یہ کوئی جرم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکام کو نافذ کرنے کے لئے عام طور سے فرشتے مقرر ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں، یہ فریضہ سونپ سکتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام اگرچہ انسان تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو فرشتوں کی طرح عالمِ تکوین کا پیغمبر

بتا دیا تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا، اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم کے ذریعے کیا۔ لہٰذا جس طرح موت کے فرشتے پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ اُس نے ایک بے گناہ کی جان لے کر گناہ کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی بات کے لئے مامور تھا، اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام بھی اُس کشتی کو عیب لگانے اور اُس لڑکے کو قتل کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکوینی طور پر مامور تھے، اس لئے ان کا یہ عمل کوئی جرم نہیں تھا۔ البتہ ہم لوگ دُنیا میں رہتے ہوئے شریعت کے اَحکام کے پابند ہیں، اور ہمیں عالم تکوین کا نہ علم عطا کیا گیا ہے، اور نہ اس عالم سے متعلق ہمیں کوئی ذمہ داری سونپی گئی ہے، اس لئے ہم اُنہی اَحکام کے مکلف ہیں جو اِس جیتی جاگتی زندگی میں ہمیں آنکھوں سے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اسی جیتی جاگتی دُنیا کے پیغمبر تھے، اور جو شریعت ان کو دی گئی تھی، اُسی کے پابند تھے، اس لئے وہ نہ حضرت خضر علیہ السلام کی ان باتوں پر خاموش رہ سکے، اور نہ آئندہ ان کے ساتھ چل سکے۔ ان تین واقعات کے بعد وہ سمجھ گئے کہ ان صاحب کا دائرۂ کار میرے دائرۂ کار سے بالکل الگ ہے، اور میں ان کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ البتہ اس طرح انہیں یہ حقیقت کھلی آنکھوں دِکھادی گئی کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، اُس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی لامحدود حکمت کارفرما ہے۔ اگر ہمیں کسی واقعے کی وجہ سمجھ میں نہ آئے تو اس کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ جس عالم تکوین میں اُس کی حکمت واضح ہو سکتی ہے، وہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں ہمیں بہت سے منظر ایسے نظر آتے ہیں جن پر ہمارا دل دُکھتا ہے، بہت سے انسانوں کی مظلومیت کو دیکھ کر بعض اوقات دل میں شکوک وشبہات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کے ذریعے عالم تکوین کی ایک جھلک دِکھا کر ایک مؤمن کے لئے ایسے شکوک وشبہات کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ البتہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ عالم تکوین اور اس کے کارندے ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام بھی اسی طرح پوشیدہ تھے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عالم تکوین کی ایک جھلک دِکھانے کے لئے وحی کے ذریعے ان کا پتہ بتا دیا گیا۔ اب جبکہ وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے، کسی کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ یقینی طور پر تکوین کے کسی کارندے تک رسائی حاصل کر سکے، اور نہ نظر آنے والی دُنیا میں کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ تکوین کا کارندہ ہے، اور اُسے تکوینی اختیارات حاصل ہیں۔ لہٰذا جن لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کے واقعے کی بنیاد پر شریعت کے ظاہری اَحکام کی خلاف ورزی کو جائز قرار دینے کی کوشش کی ہے، انہوں نے سراسر گمراہی پھیلائی ہے۔ مثلاً بعض نام نہاد درویشوں کا تصوف وغیرہ کا نام لے کر یہ کہنا کہ: ”شریعت کے اَحکام ظاہر بین لوگوں کے لئے ہیں، اور ہم ان سے مستثنیٰ ہیں“ پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ آج کسی کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ شریعت کے اَحکام سے مستثنیٰ ہو سکے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾ اِنَّا مَكَّنَّا
لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ
مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ

اور یہ لوگ تم سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ (۴۲) کہہ دو کہ: ”میں ان کا کچھ حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔“ ﴿۸۳﴾ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو زمین میں اقتدار بخشا تھا، اور انہیں ہر کام کے وسائل عطا کیے تھے، ﴿۸۴﴾ جس کے نتیجے میں وہ ایک راستے کے پیچھے چل پڑے۔ ﴿۸۵﴾ یہاں تک کہ جب وہ سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچے، تو انہیں دکھائی دیا کہ وہ ایک دلدل جیسے (سیاہ) چشمے میں ڈوب رہا ہے، (۴۳) اور وہاں انہیں ایک قوم ملی۔

(۴۲) اس سورت کے تعارف میں گذر چکا ہے کہ مشرکین نے حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات کیے تھے، ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ اُس شخص کا حال بتائیں جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دُنیا کا سفر کیا تھا۔ یہاں سے اس سوال کا جواب دیا جارہا ہے۔ قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ اُس شخص کا نام ذوالقرنین تھا۔ ”ذوالقرنین“ کے لفظی معنی ہیں: ”دو سینگوں والا“ یہ کسی نامعلوم وجہ سے ایک بادشاہ کا لقب تھا۔ قرآنِ کریم نے اس بادشاہ کی تفصیلات نہیں بتائیں کہ وہ کون تھا، اور کس زمانے میں تھا۔ البتہ ہمارے زمانے کے بیشتر محققین کا رُجحان یہ ہے کہ وہ ایران کا بادشاہ سائرس تھا جس نے بنی اسرائیل کو بابل کی جلاوطنی سے نجات دلا کر انہیں دوبارہ فلسطین میں آباد کیا تھا۔ قرآنِ کریم نے اتنا بتایا ہے کہ انہوں نے تین لمبے سفر کیے تھے۔ پہلا دُنیا کی انتہائی مغربی آبادی تک، دوسرا انتہائی مشرقی آبادی تک، اور تیسرا انتہائی شمالی علاقے تک، جہاں انہوں نے یاجوج ماجوج کے وحشیانہ حملوں سے لوگوں کو بچانے کے لئے ایک دیوار تعمیر کی تھی۔

(۴۳) یہ اُن کے پہلے سفر کا ذکر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اُس وقت مغرب میں دُنیا کی جو آخری آبادی تھی، ذوالقرنین وہاں تک پہنچے۔ وہ ایسی جگہ تھی کہ اُس کے بعد کوئی آبادی نہیں تھی، اور حدِ نظر تک سمندر پھیلا ہوا تھا، اور سمندر کی شکل بھی ایک سیاہ رنگ کی دلدل جیسی تھی، اور شام کے وقت جب سورج غروب ہوتا تو دیکھنے والے کو ایسا لگتا تھا جیسے وہ ایک دلدل نما چشمے میں ڈوب رہا ہے۔

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّآ أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّآ أَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾ قَالَ أَمَّا
مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ إِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٧﴾ وَأَمَّا مَنْ
اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ ثُمَّ
أَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾

ہم نے (ان سے) کہا: "اے ذوالقرنین! (تمہارے پاس دو راستے ہیں:) یا تو ان لوگوں کو سزا دو، یا پھر ان کے معاملے میں اچھا رویہ اختیار کرو۔"(۴۴) ﴿۸۶﴾ انہوں نے کہا: "ان میں سے جو کوئی ظلم کا راستہ اختیار کرے گا، اُسے تو ہم سزا دیں گے، پھر اُسے اپنے رَبّ کے پاس پہنچا دیا جائے گا، اور وہ اُسے سخت عذاب دے گا۔ ﴿۸۷﴾ البتہ جو کوئی ایمان لائے گا، اور نیک عمل کرے گا، تو وہ بدلے کے طور پر اچھے انجام کا مستحق ہوگا، اور ہم بھی اُس کو اپنا حکم دیتے وقت آسانی کی بات کہیں گے۔"(۴۵) ﴿۸۸﴾ اس کے بعد وہ ایک اور راستے کے پیچھے چل پڑے۔ ﴿۸۹﴾

---

(۴۴) اس علاقے میں کافر لوگ آباد تھے، اور حضرت ذوالقرنین نے اُسے فتح کرلیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو دوسرے فاتحوں کی طرح تم بھی ان لوگوں کو قتلِ عام کر کے تکلیف میں مبتلا کرسکتے ہو، اور اگر چاہو تو ان کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرسکتے ہو۔ دوسری صورت کو "اچھا رویہ" قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمادیا کہ یہ صورت بہتر ہے۔ ذوالقرنین کے بارے میں یہ بات یقینی نہیں ہے کہ وہ پیغمبر تھے یا نہیں۔ اگر وہ پیغمبر تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات اُن سے براہِ راست وحی کے ذریعے فرمائی ہوگی، اور اگر وہ پیغمبر نہیں تھے تو ان کو اُس زمانے کے کسی پیغمبر کے ذریعے یہ بات پہنچائی ہوگی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وحی کے بجائے اِلہام کے ذریعے ان کے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

(۴۵) ذوالقرنین کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ میں انہیں راہِ راست پر آنے کی دعوت دوں گا، جو لوگ اس دعوت کو قبول نہ کر کے ظلم کا ارتکاب کریں گے، انہیں تو میں سزا دوں گا، اور جو لوگ دعوت قبول کر کے ایمان اور عملِ صالح اختیار کرلیں گے، ان کے ساتھ میں آسانی کا معاملہ کروں گا۔

حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰي قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا
سِتْرًا ۙ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰىٓ اِذَا
بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا
يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ
خَرْجًا عَلٰٓي اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾

یہاں تک کہ جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جسے ہم نے اُس (کی دھوپ) سے بچنے کے لئے کوئی اوٹ مہیا نہیں کی تھی۔ (۴۶) ﴿۹۰﴾ واقعہ اسی طرح ہوا، اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ (ساز و سامان) تھا، ہمیں اُس کی پوری پوری خبر تھی۔ ﴿۹۱﴾ اس کے بعد وہ ایک اور راستے کے پیچھے چل پڑے۔ ﴿۹۲﴾ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو انہیں ان پہاڑوں سے پہلے کچھ لوگ ملے جن کے بارے میں ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی بات نہیں سمجھتے۔ (۴۷) ﴿۹۳﴾ انہوں نے کہا: ''اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج اس زمین میں فساد پھیلانے والے لوگ ہیں۔ تو کیا ہم آپ کو کچھ مال کی پیش کش کر سکتے ہیں، جس کے بدلے آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دیوار بنا دیں؟'' (۴۸) ﴿۹۴﴾

(۴۶) یہ ذوالقرنین کے دوسرے سفر کا ذکر ہے۔ اس سفر میں وہ دنیا کی انتہائی مشرقی آبادی تک جا پہنچے تھے۔ یہاں کچھ غیر متمدن لوگ رہتے تھے۔ ان میں مکان بنانے اور چھتیں ڈالنے کا دستور نہیں تھا، سب کھلے میدان میں رہتے تھے، اس لئے دھوپ سے بچاؤ کے لئے کوئی اوٹ نہیں تھی، بلکہ سورج کی کرنیں ان پر براہ راست پڑتی تھیں۔

(۴۷) یہ ذوالقرنین کا تیسرا سفر ہے۔ قرآن کریم نے اس سفر کی سمت متعین نہیں فرمائی، لیکن بیشتر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ سفر شمال میں دنیا کی انتہائی آبادی کی طرف ہوا تھا۔ یہاں کے لوگوں کی زبان بالکل مختلف تھی، اور شاید حلیہ بھی ایسا ہو کہ ان میں سمجھ کے آثار نظر نہ آتے ہوں۔ اور آگے ان سے جو گفتگو ہوئی ہے، وہ یا تو کسی ترجمان کے ذریعے ہوئی ہوگی، یا اشاروں سے۔

(۴۸) یاجوج اور ماجوج دو وحشی قبیلے تھے جو ان پہاڑوں کے پیچھے رہتے تھے، اور تھوڑے تھوڑے وقفوں سے وہ

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾
آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انفُخُوا ۖ حَتَّىٰ إِذَا
جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾ فَمَا اسْطَاعُوا أَن يَظْهَرُوهُ وَمَا
اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ﴿٩٧﴾

ذوالقرنین نے کہا: "اللہ نے مجھے جو اقتدار عطا فرمایا ہے، وہی (میرے لئے) بہتر ہے۔ لہٰذا تم لوگ (ہاتھ پاؤں کی) طاقت سے میری مدد کرو، تو میں تمہارے اور اُن کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادوں گا۔ ﴿۹۵﴾ مجھے لوہے کی چادریں لادو۔" یہاں تک کہ جب انہوں نے (درمیانی خلا کو پاٹ کر) دونوں پہاڑی سروں کو ایک دوسرے سے ملادیا تو کہا کہ: "اب آگ دہکاؤ" (۴۹) یہاں تک کہ جب اس (دیوار) کو لال انگارا کردیا تو کہا کہ: "پگھلا ہوا تانبا لاؤ، اب میں اس پر انڈیلوں گا۔" ﴿۹۶﴾ چنانچہ (وہ دیوار ایسی بن گئی کہ) یاجوج ماجوج نہ اس پر چڑھنے کی طاقت رکھتے تھے، اور نہ اُس میں کوئی سوراخ بناسکتے تھے۔ ﴿۹۷﴾

پہاڑوں کے درمیانی درّے سے اس علاقے میں آکر قتل و غارت گری کا بازار گرم کردیتے تھے۔ علاقے کے لوگ ان سے پریشان تھے، اس لئے انہوں نے ذوالقرنین کو دیکھا کہ وہ بڑے وسائل کے مالک ہیں، تو ان سے درخواست کی کہ پہاڑوں کے درمیان جو درّہ ہے، اسے ایک دیوار بنا کر بند کردیں، تاکہ یاجوج ماجوج کا راستہ بند ہوجائے، اور وہ یہاں آکر فساد نہ پھیلاسکیں۔ اس کام کے لئے انہوں نے کچھ مال کی بھی پیش کش کی، لیکن حضرت ذوالقرنین نے کوئی معاوضہ لینے سے انکار کردیا، البتہ یہ کہا کہ تم اپنی افرادی طاقت سے میری مدد کرو تو میں یہ دیوار بلا معاوضہ بنادوں گا۔

(۴۹) ذوالقرنین نے پہلے لوہے کی بڑی بڑی چادریں پہاڑوں کے درمیان رکھ کر درّے کو پاٹ دیا، پھر اُن چادروں کو آگ سے گرم کرکے ان پر پگھلا ہوا تانبہ ڈالا، تاکہ وہ چادروں کی درمیانی درازوں میں جاکر بیٹھ جائے، اور اس طرح یہ دیوار نہایت مضبوط بن گئی۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾

ذُوالقرنین نے کہا: "یہ میرے رَبّ کی رحمت ہے (کہ اُس نے ایسی دیوار بنانے کی توفیق دی) پھر میرے رَبّ نے جس وقت کا وعدہ کیا ہے، جب وہ وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دے گا،(۵۰) اور میرے رَبّ کا وعدہ بالکل سچا ہے۔" ﴿۹۸﴾

(۵۰) ذُوالقرنین نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دینے کے بعد دو حقیقتوں کو واضح کیا۔ ایک یہ کہ یہ سارا کارنامہ میرے قوتِ بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مجھے اس کی توفیق ہوئی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اگرچہ اس وقت یہ دیوار بہت مستحکم بن گئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے اسے توڑنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، یہ قائم رہے گی، اور جب وہ وقت آجائے گا جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ٹوٹنا مقرر کر رکھا ہے تو یہ ٹوٹ کر زمین کے برابر ہو جائے گی۔ اس طرح قرآنِ کریم سے یہ بات یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتی کہ یہ دیوار قیامت تک قائم رہے گی، بلکہ اس کا قیامت سے پہلے ٹوٹنا بھی ممکن ہے۔ چنانچہ بعض محققین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ دیوار روس کے علاقے داغستان میں دربند کے مقام پر بنائی گئی تھی، اور اب وہ ٹوٹ چکی ہے۔ یاجوج ماجوج کے مختلف ریلے تاریخ کے مختلف زمانوں میں متمدن آبادیوں پر حملہ آور ہوتے رہے ہیں، اور پھر وہ ان متمدن علاقوں میں پہنچ کر خود بھی متمدن ہوتے رہے ہیں۔ البتہ ان کا آخری ریلا قیامت سے کچھ پہلے نکلے گا۔ اس موضوع کی مفصل تحقیق حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "قصص القرآن" میں اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "معارف القرآن" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اور آگے ذُوالقرنین نے جو فرمایا کہ: "میرے رَبّ کا وعدہ بالکل سچا ہے" اس سے مراد قیامت کا وعدہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تو ابھی معلوم نہیں ہے کہ اس دیوار کے ٹوٹنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کونسا وقت مقرر فرمایا ہے، لیکن ایک وعدہ واضح طور پر معلوم ہے کہ ایک وقت قیامت آنے والی ہے، اور جب وہ آئے گی تو ہر مضبوط سے مضبوط چیز بھی ٹوٹ پھوٹ کر فنا ہو جائے گی۔ ذُوالقرنین نے اس موقع پر قیامت کا جو حوالہ دیا، اُس کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے آگے قیامت کے کچھ حالات بیان فرمائے ہیں۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾
وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ
ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا ع ۱۱
عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ
نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ
يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾

اور اُس دن ہم ان کی یہ حالت کردیں گے کہ وہ موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے، (۵۱) اور صور پھونکا جائے گا، تو ہم سب کو ایک ساتھ جمع کرلیں گے۔ ﴿۹۹﴾ اور اُس دن ہم دوزخ کو اُن کافروں کے سامنے کھلی آنکھوں لے آئیں گے، ﴿۱۰۰﴾ جن کی آنکھوں پر (دُنیا میں) میری نصیحت کی طرف سے پردہ پڑا ہوا تھا، اور جو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ ﴿۱۰۱﴾ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، کیا وہ پھر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے چھوڑ کر میرے ہی بندوں کو اپنا رکھوالا بنالیں گے؟ یقین رکھو کہ ہم نے ایسے کافروں کی مہمانی کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ ﴿۱۰۲﴾ کہہ دو کہ: ”کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں؟ ﴿۱۰۳﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ دُنیوی زندگی میں ان کی ساری دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی رہی، اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔“ (۵۲) ﴿۱۰۴﴾

---

(۵۱) اس سے مراد یاجوج ماجوج کا وہ ریلا بھی ہوسکتا ہے جو قیامت کے قریب نکلے گا، اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ قیامت کے قریب نکلیں گے تو ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں نکلیں گے، اور موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قیامت کے وقت عام لوگوں کی بدحواسی کا بیان ہو کہ قیامت کے ہولناک مناظر دیکھ کر لوگ بدحواسی میں ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے۔

(۵۲) اس آیتِ کریمہ نے یہ بڑی اہم حقیقت واضح فرمائی ہے کہ کسی عمل کے مقبول ہونے کے لئے صرف خلوص

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِـَٔايَٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهِۦ فَحَبِطَتْ أَعْمَٰلُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ
الْقِيَٰمَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوٓا ءَايَٰتِى وَرُسُلِى
هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحَٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّٰتُ الْفِرْدَوْسِ
نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خَٰلِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَٰتِ
رَبِّى لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَٰتُ رَبِّى وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِۦ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مالک کی آیتوں کا اور اُس کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا، اس لئے ان کا سارا کیا دھرا غارت ہوگیا، چنانچہ قیامت کے دن ہم اُن کا کوئی وزن شمار نہیں کریں گے۔ ﴿۱۰۵﴾ یہ ہے جہنم کی شکل میں اُن کی سزا، کیونکہ انہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی، اور میری آیتوں اور میرے پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔ ﴿۱۰۶﴾ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن کی مہمانی کے لئے بیشک فردوس کے باغ ہوں گے، ﴿۱۰۷﴾ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، (اور) وہ وہاں سے کہیں اور جانا نہیں چاہیں گے۔ ﴿۱۰۸﴾ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: "اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر روشنائی بن جائے، تو میرے رب کی باتیں ختم نہیں ہوں گی کہ اُس سے پہلے سمندر ختم ہوچکا ہوگا، چاہے اُس سمندر کی کمی پوری کرنے کے لئے ہم ویسا ہی ایک اور سمندر کیوں نہ لے آئیں۔" (۵۴) ﴿۱۰۹﴾

نیت کافی نہیں ہے، بلکہ راستے کا سیدھا ہونا بھی ضروری ہے۔ بہت سے کافر خلوص کے ساتھ ایک کام کو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں، لیکن چونکہ وہ کام انہوں نے خود اپنی طرف سے گھڑا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ یا اُس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی طرف سے اُس کام کی کوئی سند نہیں ہوتی، اس لئے وہ ساری محنت اکارت ہوکر رہ جاتی ہے۔

(۵۴) "اللہ تعالیٰ کی باتوں" سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات اور کمالات کا تذکرہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت، اُس کی حکمت اور اُس کے کمالات اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان کو قلم بند کیا جائے تو بڑے بڑے سمندروں کو روشنائی بنا کر لکھا جائے تو سمندر کے سمندر خشک ہوجائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور کمالات کا بیان ختم نہیں ہوگا۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُو
لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿١١٠﴾ ع ۱۲

کہہ دو کہ: ”میں تو تم ہی جیسا ایک انسان ہوں، (البتہ) مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تم سب کا خدا بس ایک خدا ہے۔ لہٰذا جس کسی کو اپنے مالک سے جاملنے کی اُمید ہو، اُسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے، اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے۔“ ﴿۱۱۰﴾

الحمد للہ تعالیٰ! آج شب دوشنبہ ۲۹ر رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۴ر اکتوبر ۲۰۰۲ء کو رات کے چار بجے سحری سے کچھ قبل سورۂ کہف کا ترجمہ اور حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضا کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ مَرْيَمَ

تعارف

اس سورت کا بنیادی مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں صحیح عقائد کی وضاحت اور اُن کے بارے میں عیسائیوں کی تردید ہے۔ اگرچہ مکہ مکرمہ میں، جہاں یہ سورت نازل ہوئی، عیسائیوں کی کوئی خاص آبادی نہیں تھی، لیکن مکہ مکرمہ کے بت پرست کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کی تردید کے لئے عیسائیوں سے مدد لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے صحابہ کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے جہاں عیسائی مذہب ہی کی حکمرانی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ، حضرت مریم، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کی صحیح حقیقت سے واقف ہوں۔ چنانچہ اس سورت میں ان حضرات کے واقعات اسی سیاق وسباق میں بیان ہوئے ہیں۔ اور چونکہ یہ واضح کرنا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں ہیں، جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے، بلکہ وہ انبیائے کرام ہی کے مقدس سلسلے کی ایک کڑی ہیں، اس لئے بعض دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی مختصر تذکرہ اس سورت میں آیا ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت اور اُس وقت حضرت مریم علیہا السلام کی کیفیات سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوئی ہیں، اس لئے اس کا نام سورۂ مریم رکھا گیا ہے۔

آیاتها ۹۸ — ۱۹ سورۃ مریم مکیۃ ۴۴ — رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

كٓهٰيٰعٓصٓ ۟ۚ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ﴿۲﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً
خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ
بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا
فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ﴿۵﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

کہیٰعص[1] ﴿۱﴾ یہ تذکرہ ہے اُس رحمت کا جو تمہارے پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی، ﴿۲﴾ یہ اُس وقت کی بات ہے جب انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آہستہ آواز سے پکارا تھا۔ ﴿۳﴾ انہوں نے کہا تھا کہ: ''میرے پروردگار! میری ہڈیاں تک کمزور پڑ گئی ہیں، اور سر بڑھاپے کی سفیدی سے بھڑک اُٹھا ہے، اور میرے پروردگار! میں آپ سے دُعا مانگ کر کبھی نامراد نہیں ہوا۔ ﴿۴﴾ اور مجھے اپنے بعد اپنے چچازاد بھائیوں کا اندیشہ لگا ہوا ہے،[2] اور میری بیوی بانجھ ہے، لہٰذا آپ خاص اپنے پاس سے مجھے ایک ایسا وارث عطا کر دیجئے ﴿۵﴾

(۱) جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا، مختلف سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات آئے ہیں، ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔

(۲) یعنی میری کوئی اولاد تو ہے نہیں، اور میرے پیچھے میرے چچازاد بھائی اپنے علم اور تقویٰ کے اعتبار سے اس مقام پر نہیں ہیں کہ وہ میرے مشن کو آگے جاری رکھ سکیں، اس لئے مجھے اُن سے اندیشہ ہے کہ وہ دین کی خدمت نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا مجھے ایسا بیٹا عطا فرما دیجئے جو میرے علومِ نبوت کا وارث ہو۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی اس دُعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے جواب میں بیٹا عطا فرمانے کا تذکرہ پیچھے سورۂ آل عمران

يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾ يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ
بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَل لَّهُ مِن قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾ قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ
وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۸﴾ قَالَ كَذَٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ
هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِن قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿۹﴾

جو میرا بھی وارث ہو، اور یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد سے بھی میراث پائے۔(۳) اور یا رب! اُسے ایسا بنائیے جو (خود آپ کا) پسندیدہ ہو۔" ﴿۶﴾ (آواز آئی کہ:) اے زکریا! ہم تمہیں ایک ایسے لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحیٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے اس کے نام کا کوئی اور شخص پیدا نہیں کیا۔" ﴿۷﴾ زکریا نے کہا: "میرے پروردگار! میرے یہاں لڑکا کس طرح پیدا ہوگا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے، اور میں بڑھاپے سے اس حال کو پہنچ گیا ہوں کہ میرا جسم سوکھ چکا ہے!"(۴) ﴿۸﴾ کہا: "ہاں! ایسا ہی ہوگا۔ تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ یہ تو میرے لئے معمولی بات ہے۔ اور اس سے پہلے میں نے تمہیں پیدا کیا تھا جب تم کچھ بھی نہیں تھے۔"(۵) ﴿۹﴾

(۳:۳۸ تا ۴۰) میں بھی گذر چکا ہے۔ ان آیتوں کے حواشی بھی ملاحظہ فرمالئے جائیں۔

(۳) ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ میراث پانے سے حضرت زکریا علیہ السلام کا مطلب مال و دولت کی میراث نہیں تھا، بلکہ علوم نبوت کی میراث پانا مراد تھا، کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے مالی وراثت پانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان کی یہ دُعا اس اُصول کے خلاف نہیں ہے جو معروف حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ انبیائے علیہم السلام کا ترکہ ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا۔

(۴) یہ تعجب کا اظہار درحقیقت فرطِ مسرت میں اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر شکر ادا کرنے کا ایک اُسلوب تھا۔

(۵) یعنی جس اللہ تعالیٰ نے تمہیں عدم سے وجود عطا فرمایا ہے، وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمہیں بڑھاپے میں اولاد عطا فرمادے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَل لِّيٓ ءَايَةً ۚ قَالَ ءَايَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ ٱلنَّاسَ ثَلَٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾
فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِۦ مِنَ ٱلْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰٓ إِلَيْهِمْ أَن سَبِّحُوا۟ بُكْرَةً وَعَشِيًّا ﴿١١﴾ يَٰيَحْيَىٰ
خُذِ ٱلْكِتَٰبَ بِقُوَّةٍ ۖ وَءَاتَيْنَٰهُ ٱلْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَوٰةً ۖ وَكَانَ
تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَبَرًّۢا بِوَٰلِدَيْهِ وَلَمْ يَكُن جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَسَلَٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ
يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ ع

زکریا نے کہا: "میرے پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرمادیجئے۔"(۶) فرمایا: "تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم صحت مند ہونے کے باوجود تین رات تک لوگوں سے بات نہیں کرسکو گے۔"(۷) ﴿۱۰﴾ چنانچہ وہ عبادت گاہ سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آئے، اور ان کو اشارے سے ہدایت دی کہ تم لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح کیا کرو۔ ﴿۱۱﴾ (پھر جب یحییٰ پیدا ہوکر بڑے ہوگئے تو ہم نے ان سے فرمایا:) "اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھام لو۔"(۸) اور ہم نے بچپن ہی میں ان کو دانائی بھی عطا کردی تھی، ﴿۱۲﴾ اور خاص اپنے پاس سے نرم دلی اور پاکیزگی بھی۔ اور وہ بڑے پرہیزگار تھے، ﴿۱۳﴾ اور اپنے والدین کے خدمت گذار۔ نہ وہ سرکش تھے، نہ نافرمان۔ ﴿۱۴﴾ اور (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سلام ہے ان پر اس دن بھی جس روز وہ پیدا ہوئے، اس دن بھی جس روز انہیں موت آئے گی، اور اس دن بھی جس روز انہیں زندہ کرکے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ ﴿۱۵﴾

---

(۶) یعنی کوئی ایسی نشانی بتادیجئے جس سے مجھے یہ پتہ چل جائے کہ حمل قرار پاچکا ہے۔

(۷) یعنی جب حمل قرار پاجائے گا تو تم سے بولنے کی قوت تین دن کے لئے سلب کرلی جائے گی، البتہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور ذکر کرسکو گے۔

(۸) کتاب سے مراد تورات ہے، اور مضبوطی کے ساتھ تھامنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر خود بھی پورا پورا عمل کرو، اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرو۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ
دُونِهِمْ حِجَابًا ۖ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ
بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ ۖ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا
زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ أَنّٰى يَكُونُ لِي غُلٰمٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ
قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا ﴿٢١﴾

اور اس کتاب میں مریم کا بھی تذکرہ کرو۔ اس وقت کا تذکرہ جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر اُس جگہ چلی گئیں جو مشرق کی طرف واقع تھا۔ ﴿١٦﴾ پھر انہوں نے ان لوگوں کے اور اپنے درمیان ایک پردہ ڈال لیا۔(٩) اس موقع پر ہم نے ان کے پاس اپنی رُوح (یعنی ایک فرشتے) کو بھیجا جو ان کے سامنے ایک مکمل انسان کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ﴿١٧﴾ مریم نے کہا: ”میں تم سے خدائے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تم میں خدا کا خوف ہے (تو یہاں سے ہٹ جاؤ) ﴿١٨﴾ فرشتے نے کہا: ”میں تو تمہارے رَبّ کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں، (اور اس لئے آیا ہوں) تاکہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔(١٠)“ ﴿١٩﴾ مریم نے کہا: ”میرے لڑکا کیسے ہو جائے گا، جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے، اور نہ میں کوئی بدکار عورت ہوں؟“ ﴿٢٠﴾ فرشتے نے کہا: ”ایسے ہی ہو جائے گا۔ تمہارے رَبّ نے فرمایا ہے کہ: ”یہ میرے لئے ایک معمولی بات ہے۔ اور ہم یہ کام اس لئے کریں گے تاکہ اُس لڑکے کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) ایک نشانی بنائیں، اور اپنی طرف سے رحمت کا مظاہرہ کریں۔(١١) اور یہ بات پوری طرح طے ہو چکی ہے۔“ ﴿٢١﴾

(٩) علیحدہ جا کر پردہ ڈالنے کی وجہ بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ وہ غسل کرنا چاہتی تھیں، اور بعض نے کہا ہے کہ عبادت کے لئے تنہائی اختیار کرنا مقصود تھا۔ علامہ قرطبی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

(١٠) پاکیزہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے نسب اور اپنے اخلاق و عادات کے اعتبار سے پاکیزہ ہوگا۔

(١١) انسان کی پیدائش کا عام طریقہ تو یہ ہے کہ وہ مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ
قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا
تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّىْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ
عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾

پھر ہوا یہ کہ مریم کو اُس بچے کا حمل ٹھہر گیا، (اور جب ولادت کا وقت قریب آیا) تو وہ اس کو لے کر لوگوں سے الگ ایک دُور مقام پر چلی گئیں۔ ﴿۲۲﴾ پھر زچگی کے درد نے انہیں ایک کھجور کے درخت کے پاس پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگیں: ''کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی، اور مر کر بھولی بسری ہو جاتی!''(۱۲) ﴿۲۳﴾ پھر فرشتے نے ان کے نیچے ایک جگہ سے انہیں آواز دی کہ: ''غم نہ کرو، تمہارے ربّ نے تمہارے نیچے ایک چشمہ پیدا کر دیا ہے۔ ﴿۲۴﴾ اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، اُس میں سے پکی ہوئی تازہ کھجوریں تم پر جھڑیں گی۔ ﴿۲۵﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس طرح پیدا فرمایا کہ ان کی پیدائش میں نہ کسی مرد کا کوئی دخل تھا، نہ کسی عورت کا، اور حضرت حوا کو چونکہ انہی کی پسلی سے پیدا کیا گیا، اس لئے ان کی پیدائش میں مرد کا تو فی الجملہ دخل تھا، عورت کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے پیدائش کی چوتھی صورت اپنی قدرت سے ظاہر فرمائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باپ کے بغیر صرف ماں سے پیدا فرمایا۔ اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ مقصود تھا، اور دوسرے وہ ایک پیغمبر کی حیثیت میں لوگوں کے لئے رحمت بن کر تشریف لا رہے تھے۔

(۱۲) ایک پاکباز عورت کو کنوارے پن میں بچہ پیدا ہونے کے تصور سے جو بے چینی ہو سکتی ہے، وہ ظاہر ہے۔ اگرچہ عام حالات میں موت کی تمنا کرنا منع ہے، لیکن کسی دینی نقصان کے اندیشے سے ایسی تمنا منع نہیں۔ اور ایسا لگتا ہے کہ شدید بے چینی کے عالم میں حضرت مریم علیہا السلام کو فرشتے کی دی ہوئی بشارتوں کی طرف وقتی طور سے دھیان نہیں رہا۔ اس لئے بے ساختہ یہ کلمات زبان سے نکلے۔

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۖ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ
لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ﴿٢٦﴾ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا
يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا
كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾

اب کھاؤ، اور پیو، اور آنکھیں ٹھنڈی رکھو۔ (۱۳) اور اگر لوگوں میں سے کسی کو آتا دیکھو تو (اشارے سے) کہہ دینا کہ: "آج میں نے خدائے رحمٰن کے لئے ایک روزے کی منت مانی ہے، اس لئے میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی۔" (۱۴) ﴿۲۶﴾ پھر وہ اس بچے کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں۔ (۱۵) وہ کہنے لگے کہ: "مریم! تم نے تو بڑا غضب ڈھادیا۔ ﴿۲۷﴾ اے ہارون کی بہن! (۱۶) نہ تو تمہارا باپ کوئی برا آدمی تھا، نہ تمہاری ماں کوئی بدکار عورت تھی!" ﴿۲۸﴾

---

(۱۳) حضرت مریم علیہا السلام جس جگہ تشریف لے گئی تھیں، وہ کچھ بلندی پر واقع تھی، (اور شاید یہی جگہ بیت اللحم کہلاتی ہے جو بیت المقدس سے چند میل کے فاصلے پر ہے) اس کے نیچے نشیب میں سے فرشتہ ان سے دوبارہ ہم کلام ہوا، اور انہیں تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے کھانے پینے کا یہ انتظام فرمادیا ہے کہ نیچے ایک چشمہ بہہ رہا ہے، اور معمولی کوشش سے تازہ کھجوریں آپ پر خود بخود جھڑ جائیں گی جن میں پوری غذائیت بھی ہے، اور تقویت کا سامان بھی۔

(۱۴) بعض پچھلی شریعتوں میں بات چیت نہ کرنے کا روزہ رکھنا بھی عبادت کی ایک شکل تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں منسوخ ہوگئی۔ اب ایسا روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ ہدایت دی گئی کہ وہ ایسے روزے کی منت مان کر روزہ رکھ لیں، اور کوئی بات کرنا چاہے تو اسے اشاروں سے بتا دیں کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے، تا کہ خواہ مخواہ لوگوں کے سوال و جواب سے مزید تکلیف نہ ہو۔

(۱۵) بچے کی پیدائش کے بعد حضرت مریم علیہا السلام پوری طرح مطمئن ہوچکی تھیں کہ جس اللہ تعالیٰ نے یہ بچہ اپنی خاص قدرت سے پیدا فرمایا ہے، وہی ان کی براءت بھی ظاہر فرمائے گا، اس لئے اب اطمینان کے ساتھ خود ہی بچے کو لے کر لوگوں کے سامنے تشریف لے گئیں۔

(۱۶) یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں، اور ان کے قبیلے

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝۲۹ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ
اللّٰهِ ۣ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝۳۰ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ
بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝۳۱ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا
شَقِيًّا ۝۳۲ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝۳۳ ذٰلِكَ عِيْسَى
ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝۳۴

اس پر مریم نے اُس بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا: "بھلا ہم اس سے کیسے بات کریں جو
ابھی پالنے میں پڑا ہوا بچہ ہے؟" ﴿۲۹﴾ (اس پر) بچہ بول اٹھا کہ: "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس
نے مجھے کتاب دی ہے، اور نبی بنایا ہے،[۱۷] ﴿۳۰﴾ اور جہاں بھی میں رہوں، مجھے بابرکت بنایا ہے،
اور جب تک زندہ رہوں، مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے،[۱۸] ﴿۳۱﴾ اور مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار
بنایا ہے، اور مجھے سرکش اور سنگ دل نہیں بنایا۔ ﴿۳۲﴾ اور (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سلامتی ہے
مجھ پر اُس دن بھی جب میں پیدا ہوا، اور اُس دن بھی جس دن میں مروں گا، اور اُس دن بھی جب
مجھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔" ﴿۳۳﴾ یہ ہیں عیسیٰ بن مریم! ان (کی حقیقت) کے
بارے میں سچی بات یہ ہے جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں۔[۱۹] ﴿۳۴﴾

کی طرف منسوب کر کے ان کو ہارون کی بہن کہہ دیا گیا ہو جیسے حضرت ہود علیہ السلام کو "عاد کا بھائی" کہا گیا ہے۔
اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے کسی بھائی کا نام ہارون ہو، اور چونکہ وہ نیک نام بزرگ تھے، اس لئے ان کی قوم نے
ان کا حوالہ دیا ہو۔

(۱۷) یعنی بڑے ہو کر مجھے انجیل عطا کی جائے گی، اور نبی بنایا جائے گا، اور یہ بات اتنی یقینی ہے جیسے ہو ہی چکی۔
دودھ پیتے بچے کا اس طرح بولنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلا ہوا معجزہ تھا جس نے حضرت مریم علیہا السلام کی
برائت بالکل واضح کر دی۔

(۱۸) یعنی جب تک میں اس دنیا میں زندہ رہوں گا، مجھ پر نماز اور زکوٰۃ فرض رہے گی۔

(۱۹) اس پورے واقعے کو ذکر فرما کر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ
كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٣٥﴾ وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٣٦﴾
فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٣٧﴾
أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَأْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾
وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٩﴾
إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٤٠﴾

اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کوئی بیٹا بنائے، اُس کی ذات پاک ہے۔ جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اُس سے یہ کہتا ہے کہ: "ہو جا" چنانچہ وہ ہو جاتی ہے۔ ﴿۳۵﴾ اور (اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دو کہ:) یقیناً اللہ میرا بھی پروردگار ہے، اور تمہارا بھی پروردگار، اس لئے اُس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ ﴿۳۶﴾ پھر بھی ان میں سے مختلف گروہوں نے اختلاف ڈال دیا ہے، چنانچہ جس دن یہ ایک زبردست دن کا مشاہدہ کریں گے، اُس دن اُن کی بڑی تباہی ہوگی جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ ﴿۳۷﴾ جس روز یہ ہمارے پاس آئیں گے، اُس دن یہ کتنے سننے والے اور دیکھنے والے بن جائیں گے! لیکن یہ ظالم آج کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۳۸﴾ اور (اے پیغمبر!) ان کو اُس پچھتاوے کے دن سے ڈرایئے جب ہر بات کا آخری فیصلہ ہو جائے گا، جبکہ یہ لوگ (اس وقت) غفلت میں ہیں، اور ایمان نہیں لا رہے۔ ﴿۳۹﴾ یقین جانو کہ زمین اور اُس پر سارے رہنے والوں کے وارث ہم ہی ہوں گے، اور ہماری طرف ہی ان سب کو لوٹایا جائے گا۔ ﴿۴۰﴾

بارے میں جو افراط و تفریط اختیار کر رکھی ہے، وہ حقیقت نہیں ہے۔ نہ وہ الزامات درست ہیں جو یہودیوں نے ان پر لگا رکھے ہیں، اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا ماننا صحیح ہے جیسا کہ عیسائیوں نے مان رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی بیٹے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ
تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ
الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ
اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ
الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ
لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾

اور اس کتاب میں ابراہیم کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ سچائی کے خوگر نبی تھے۔ ﴿۴۱﴾ یاد کرو جب
انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ: "ابا جان! آپ ایسی چیزوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ
سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں، اور نہ آپ کا کوئی کام کرسکتی ہیں؟(۲۰) ﴿۴۲﴾ ابا جان! میرے پاس ایک ایسا
علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، اس لئے میری بات مان لیجئے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتلا دوں
گا۔ ﴿۴۳﴾ ابا جان! شیطان کی عبادت نہ کیجئے۔(۲۱) یقین جانئے کہ شیطان خدائے رحمٰن کا نافرمان
ہے۔ ﴿۴۴﴾ ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ خدائے رحمٰن کی طرف سے آپ کو کوئی عذاب نہ
آپکڑے، جس کے نتیجے میں آپ شیطان کے ساتھی بن کر رہ جائیں۔"(۲۲) ﴿۴۵﴾ ان کے باپ نے
کہا: "ابراہیم! کیا تم میرے خداؤں سے بیزار ہو؟ یاد رکھو، اگر تم باز نہ آئے تو میں تم پر پتھر برساؤں
گا، اور اب تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہوجاؤ۔" ﴿۴۶﴾

(۲۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر نہ صرف بت پرست تھا، بلکہ خود بت تراشی کیا کرتا تھا۔

(۲۱) بتوں کی عبادت کرنے کا خیال درحقیقت شیطان کا ڈالا ہوا خیال تھا، اس لئے بتوں کی عبادت کا مطلب یہی تھا کہ انسان شیطان کو قابل اطاعت سمجھ کر اس کی عبادت کرے۔

(۲۲) یعنی جو انجام شیطان کا ہو، وہ آپ کا بھی ہو۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾
فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا
جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ ع

ابراہیم نے کہا: "میں آپ کو (رخصت کا) سلام کرتا ہوں۔ (۲۳) میں اپنے پروردگار سے آپ کی بخشش کی دُعا کروں گا۔ (۲۴) بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ ﴿۴۷﴾ اور میں آپ لوگوں سے بھی الگ ہوتا ہوں، اور اللہ کو چھوڑ کر آپ لوگ جن جن کی عبادت کرتے ہیں، اُن سے بھی، اور میں اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ اپنے رَبّ کو پکار کر میں نامراد نہیں رہوں گا۔" ﴿۴۸﴾ چنانچہ جب وہ اُن سے اور ان (بتوں) سے الگ ہوگئے جنہیں وہ اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے، تو ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب (جیسی اولاد) بخشی، اور ان میں سے ہر ایک کو نبی بنایا۔ ﴿۴۹﴾ اور ان کو اپنی رحمت سے نوازا، اور انہیں اُونچے درجے کی نیک نامی عطا کی۔ (۲۵) ﴿۵۰﴾

(۲۳) عام حالات میں کافروں کو سلام کی ابتدا کرنا جائز نہیں ہے، لیکن جہاں کوئی دینی مصلحت داعی ہو تو اس نیت سے سلام کرنے کی گنجائش ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اسلام کی توفیق دے کر سلامتی سے ہم کنار فرمائیں۔

(۲۴) سورۂ توبہ (۹: ۱۱۴) میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس وعدے کا حوالہ دیا ہے، اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے یہ وعدہ اُس وقت کیا تھا جب آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اُس کے مقدر میں ایمان نہیں ہے، چنانچہ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو پھر آپ اس کے لئے دُعا کرنے سے دست بردار ہوگئے۔

(۲۵) چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ صرف مسلمان، بلکہ یہودی اور عیسائی بھی اپنا مقتدا سمجھتے ہیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ
جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ
نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا
نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ
فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾

اور اس کتاب میں موسیٰ کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ اللہ کے چنے ہوئے بندے تھے، اور رسول اور نبی تھے۔(۲۶) ﴿۵۱﴾ ہم نے انہیں کوہِ طور کی دائیں جانب سے پکارا، اور انہیں اپنا راز دار بنا کر اپنا قرب عطا کیا۔ ﴿۵۲﴾ اور ہم نے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر اپنی رحمت سے انہیں (ایک مددگار) عطا کیا۔ ﴿۵۳﴾ اور اس کتاب میں اسمٰعیل کا بھی تذکرہ کرو۔(۲۷) بیشک وہ وعدے کے سچے تھے، اور رسول اور نبی تھے۔ ﴿۵۴﴾ اور وہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے، اور اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے۔ ﴿۵۵﴾ اور اس کتاب میں ادریس کا بھی تذکرہ کرو۔ بیشک وہ سچائی کے خوگر نبی تھے۔ ﴿۵۶﴾

---

(۲۶) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا مفصل واقعہ اگلی سورت میں آرہا ہے۔

(۲۷) پیچھے آیت نمبر ۴۹ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا تھا کہ ان کی اہمیت کے پیش نظر ان کا تذکرہ علیحدہ کرنا مقصود تھا جو اس آیت میں کیا گیا ہے۔ یوں تو سارے انبیائے علیہم السلام ہی وعدے کے سچے ہوتے ہیں، لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے خاص طور پر یہ صفت اس لئے بیان فرمائی گئی ہے کہ جب انہیں ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اپنے والد سے وعدہ کیا تھا کہ ذبح کے وقت وہ انہیں صبر کرنے والا پائیں گے (جس کا ذکر سورۂ صافات میں آئے گا)۔ موت کو سامنے دیکھ کر بھی انہیں اپنا یہ وعدہ یاد رہا، اور انہوں نے مثالی صبر و ضبط کا مظاہرہ فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی وعدے کی پابندی کے معاملے میں ان کے کئی واقعات مفسرین نے بیان فرمائے ہیں۔

وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّنَ مِن ذُرِّيَّةِ
آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَّمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْرَآءِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا
وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾ فَخَلَفَ مِن
بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ إِلَّا
مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ﴿۶۰﴾

اور ہم نے انہیں رفعت دے کر ایک بلند مقام تک پہنچا دیا تھا۔ (۲۸) ﴿۵۷﴾ آدم کی اولاد میں سے یہ وہ نبی ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا، اور ان میں سے کچھ ان لوگوں کی اولاد میں سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، اور کچھ ابراہیم اور اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کی اولاد میں سے ہیں۔ اور یہ سب ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی، اور (اپنے دین کے لئے) منتخب کیا۔ جب ان کے سامنے خدائے رحمٰن کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی تو یہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے۔ (۲۹) ﴿۵۸﴾ پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کی جگہ آئے جنہوں نے نمازوں کو برباد کیا، اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلے۔ چنانچہ ان کی گمراہی بہت جلد ان کے سامنے آجائے گی۔ (۳۰) ﴿۵۹﴾ البتہ جن لوگوں نے توبہ کرلی، اور ایمان لے آئے، اور نیک عمل کئے تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۶۰﴾

---

(۲۸) اس سے مراد نبوت و رسالت اور تقویٰ اور بزرگی کا اعلیٰ مرتبہ ہے جو ان کے زمانے میں انہی کو عطا ہوا۔ بائبل میں ان کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا تھا۔ تفسیر کی بعض کتابوں میں بھی ایسی کچھ روایتیں آئی ہیں جن کی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن یہ روایتیں سند کے اعتبار سے نہایت کمزور اور ناقابل اعتبار ہیں۔

(۲۹) یہ سجدے کی آیت ہے۔ جو کوئی شخص عربی میں یہ آیت پڑھے یا سنے اُس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

(۳۰) یعنی ان کی گمراہی کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی صورت میں اُن کے سامنے آجائے گا۔

جَنّٰتِ عَدْنِ ۣالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا
يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ
الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا
بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ ع ۴

(ان کا داخلہ) ایسے ہمیشہ باقی رہنے والے باغات میں (ہوگا) جن کا خدائے رحمٰن نے اپنے بندوں سے ان کے دیکھے بغیر وعدہ کر رکھا ہے۔ یقیناً اس کا وعدہ ایسا ہے کہ یہ اس تک ضرور پہنچیں گے۔ ﴿۶۱﴾ وہ اس میں سلامتی کی باتوں کے سوا کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔ اور وہاں ان کا رزق انہیں صبح و شام ملا کرے گا۔ ﴿۶۲﴾ یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہو۔ ﴿۶۳﴾

اور (فرشتے تم سے یہ کہتے ہیں کہ) ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر اتر کر نہیں آتے۔ (۳۱) جو کچھ ہمارے آگے ہے، اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، وہ سب اسی کی ملکیت ہے۔ اور تمہارا رب ایسا نہیں ہے جو بھول جایا کرے۔ ﴿۶۴﴾ وہ آسمانوں اور زمین کا بھی مالک ہے، اور جو مخلوقات ان کے درمیان ہیں، ان کا بھی۔ لہٰذا تم اس کی عبادت کرو، اور اس کی عبادت پر جمے رہو۔ کیا تمہارے علم میں کوئی اور ہے جو اس جیسی صفات رکھتا ہو؟ ﴿۶۵﴾

(۳۱) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ہوئے کافی عرصہ ہوگیا تھا۔ اس پر بعض کفار نے آپ کا مذاق بھی اڑایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو (معاذ اللہ) چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ جب جبرئیل علیہ السلام آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ آپ جلدی جلدی ہمارے پاس کیوں نہیں آتے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا جواب نقل فرمایا ہے کہ ہمارا اتر کر آنا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ہوتا ہے۔ ساری کائنات کی مصلحتیں وہی جانتا ہے، کیونکہ آسمان، زمین

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا
خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ
حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ
عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾

اور (کافر) انسان یہ کہتا ہے کہ: "جب میں مرچکا ہوں گا تو کیا واقعی اُس وقت مجھے زندہ کر کے نکالا جائے گا؟" ﴿۶۶﴾ کیا اس انسان کو یہ بات یاد نہیں آتی کہ ہم نے اُسے شروع میں اُس وقت پیدا کیا تھا جب وہ کچھ بھی نہیں تھا؟ (۳۲) ﴿۶۷﴾ تو قسم ہے تمہارے پروردگار کی! ہم ان کو اور ان کے ساتھ سارے شیطانوں کو ضرور اکٹھا کریں گے، (۳۳) پھر ان کو دوزخ کے گرد اس طرح لے کر آئیں گے کہ یہ سب گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ ﴿۶۸﴾ پھر ان کے ہر گروہ میں سے اُن لوگوں کو کھینچ نکالیں گے جو خدائے رحمٰن کے ساتھ سرکشی کرنے میں زیادہ سخت تھے۔ ﴿۶۹﴾ پھر یہ بات ہم ہی خوب جانتے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں جو سب سے پہلے اس دوزخ میں جھونکے جانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ ﴿۷۰﴾

اور ان کی درمیانی مخلوقات سب اُسی کے قبضے میں ہیں۔ اور اگر کسی وقت دیر ہوتی ہے تو کسی حکمت کی وجہ سے ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور دیر کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ (معاذ اللہ) وہ وحی نازل کرنا بھول گیا ہے۔

(۳۲) یعنی جب انسان کا وجود بالکل تھا ہی نہیں، تب اللہ تعالیٰ نے اُسے محض اپنی قدرت سے پیدا فرمایا تھا۔ اب مرنے کے بعد تو انسان کے جسم کے کچھ نہ کچھ حصے کسی نہ کسی شکل میں باقی رہتے ہیں۔ ان کو دوبارہ زندگی دے دینا اُس کے لئے کیا مشکل ہے جو بالکل عدم سے انسان کو پیدا کر چکا ہے؟

(۳۳) یعنی اُن شیطانوں کو جو انہیں گمراہ کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہر انسان کے ساتھ وہ شیطان بھی لایا جائے گا جس نے اس انسان کو گمراہ کیا تھا (تفسیر حقانی)۔

وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا
وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ
كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ
أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ﴿٧٤﴾

اور تم میں سے کوئی نہیں ہے جس کا اس (دوزخ) پر گذر نہ ہو۔ (٢٢) اس بات کا تمہارے پروردگار نے حتمی طور پر ذمہ لے رکھا ہے۔ ﴿٧١﴾ پھر جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، انہیں تو ہم نجات دے دیں گے، اور جو ظالم ہیں، انہیں اس حالت میں چھوڑ دیں گے کہ وہ اس (دوزخ میں) گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے۔ ﴿٧٢﴾ اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، تو کافر لوگ مومنوں سے کہتے ہیں کہ: "بتاؤ، ہم دونوں فریقوں میں سے کس کا مقام زیادہ بہتر ہے اور کس کی مجلس زیادہ اچھی ہے؟" ﴿٧٣﴾ اور (یہ نہیں دیکھتے کہ) ان سے پہلے ہم کتنی نسلیں ہلاک کر چکے ہیں، جو اپنے سازوسامان اور ظاہری آن بان میں ان سے کہیں بہتر تھیں۔ ﴿٧٤﴾

---

(٢٢) اس سے مراد پل صراط ہے جو دوزخ ہی پر بنا ہوا ہے، اور اس پل پر سے ہر شخص کو گذرنا ہوگا، چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر، نیک ہو یا بدعمل۔ پھر جیسے اگلی آیت میں آرہا ہے، نیک لوگ تو اس پل سے اس طرح گذر جائیں گے کہ انہیں دوزخ کی ذرا سی بھی تکلیف نہیں ہوگی، اور کافر اور بدعمل لوگوں کو دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔ پھر جن کے دلوں میں ایمان ہوگا، انہیں تو اپنے اعمال کی سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نکال لیا جائے گا، اور جن کے دلوں میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہوگا، وہ دوزخ میں پڑے رہیں گے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور نیک لوگوں کو دوزخ سے گذارنے کی حکمت یہ بھی ہے کہ جہنم کا ہولناک نظارہ دیکھنے کے بعد جنت کی قدر و قیمت یقیناً زیادہ ہوگی۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ
اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾
وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ
ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾

کہہ دو کہ: ”جو لوگ گمراہی میں جا پڑیں تو ان کے لئے مناسب یہی ہے کہ خدائے رحمٰن انہیں خوب ڈھیل دیتا رہے۔“ یہاں تک کہ جب یہ لوگ وہ چیز خود دیکھ لیں گے جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے، چاہے وہ (اس دنیا کا) عذاب ہو، یا قیامت، تو اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ بدترین مقام کس کا تھا، اور لشکر کس کا زیادہ کمزور تھا۔ ﴿۷۵﴾ اور جن لوگوں نے سیدھا راستہ اختیار کر لیا ہے، اللہ ان کو ہدایت میں اور ترقی دیتا ہے۔ اور جو نیک عمل باقی رہنے والے ہیں، ان کا بدلہ بھی تمہارے پروردگار کے یہاں بہتر ملے گا، اور ان کا (مجموعی) انجام بھی بہتر ہوگا۔ ﴿۷۶﴾ بھلا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں کو ماننے سے انکار کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ: ”مجھے مال اور اولاد (آخرت میں بھی) ضرور ملیں گے۔“ (۳۵) ﴿۷۷﴾

---

(۳۵) صحیح بخاری میں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے مکہ مکرمہ میں لوہار کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ اور (اسی سلسلے میں) میرے کچھ پیسے مکہ مکرمہ کے ایک کافر سردار عاص بن وائل کے ذمے واجب ہوگئے تھے۔ میں اس سے اپنا حق مانگنے کے لئے گیا تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ: ”میں تمہارے پیسے اس وقت تک نہیں دوں گا جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہ جھٹلاؤ۔“ میں نے کہا کہ: ”تم مر کر دوبارہ زندہ ہو جاؤ، تب بھی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا نہیں سکتا۔“ اس پر عاص بن وائل نے کہا: ”اچھا جب میں مر کر دوبارہ زندہ ہوں گا تو وہاں بھی میرے پاس بہت سا مال اور اولاد ہوگی، اس وقت میں تمہارے پیسے ادا کر دوں گا۔“ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔

أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ
وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوا مِن
دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ
عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ ع ۱۷ / ۸

کیا اُس نے عالمِ غیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے، یا اُس نے خدائے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟ ﴿۷۸﴾ ہرگز نہیں! جو کچھ یہ کہہ رہا ہے، ہم اُسے بھی لکھ رکھیں گے، اور اُس کے عذاب میں اور اضافہ کردیں گے۔ ﴿۷۹﴾ اور جس (مال اور اولاد) کا یہ حوالہ دے رہا ہے، اُس کے وارث ہم ہوں گے، اور یہ ہمارے پاس تن تنہا آئے گا۔ ﴿۸۰﴾ اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود اس لئے بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کی پشت پناہی کریں۔[۳۶] ﴿۸۱﴾ یہ سب غلط بات ہے! وہ تو ان کی عبادت ہی کا انکار کردیں گے، اور اُلٹے ان کے مخالف ہوجائیں گے۔ ﴿۸۲﴾

(۳۶) بعض مشرکین یہ کہا کرتے تھے کہ ہم لات اور عزیٰ جیسے بتوں یا دوسرے معبودوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں (سورۂ یونس ۱۰:۱۸)۔ یہ اُن کے اسی عقیدے کی طرف اشارہ ہے۔ اور جواب میں فرمایا گیا ہے کہ جن دیوتاؤں پر یہ بھروسہ کئے بیٹھے ہیں، قیامت کے دن وہ تو اس بات ہی سے انکار کردیں گے کہ ان کی عبادت کی گئی تھی، اور وہ ان کی سفارش تو کیا کرتے، اُلٹے ان کے مخالف ہوجائیں گے۔ یہ مضمون سورۂ نحل (۱۶:۸۶) میں بھی گذرا ہے، جیسا کہ وہاں بھی عرض کیا گیا تھا، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بتوں کو بھی زبان دیدے، اور وہ ان کے جھوٹا ہونے کا اعلان کریں، کیونکہ دُنیا میں بے جان ہونے کی بنا پر انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ کون ان کی عبادت کر رہا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زبانِ حال سے یہ بات کہیں، اور شیاطین واقعی زبان سے یہ بات کہہ کر ان سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کریں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ
إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَنَسُوقُ
الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ
الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ
السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَنْ دَعَوْا
لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾

(اے پیغمبر!) کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ہم نے کافروں پر شیاطین چھوڑ رکھے ہیں جو انہیں برابر اُکساتے رہتے ہیں؟ ﴿۸۳﴾ لہٰذا تم ان کے معاملے میں جلدی نہ کرو۔ ہم تو ان کے لئے گنتی گن رہے ہیں۔ ﴿۸۴﴾ (اُس دن کو نہ بھولو) جس دن ہم سارے متقی لوگوں کو مہمان بنا کر خدائے رحمٰن کے پاس جمع کریں گے، ﴿۸۵﴾ اور مجرموں کو پیاسے جانوروں کی طرح ہنکا کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ ﴿۸۶﴾ لوگوں کو کسی کی سفارش کرنے کا اختیار بھی نہیں ہوگا، سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے خدائے رحمٰن سے کوئی اجازت حاصل کرلی ہو۔ ﴿۸۷﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن کی کوئی اولاد ہے! ﴿۸۸﴾ (ایسی بات کہنے والو!) حقیقت یہ ہے کہ تم نے بڑی سنگین حرکت کی ہے۔ ﴿۸۹﴾ کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ ﴿۹۰﴾ کہ ان لوگوں نے خدائے رحمٰن کے لئے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ﴿۹۱﴾ حالانکہ خدائے رحمٰن کی یہ شان نہیں ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ ﴿۹۲﴾ آسمانوں اور زمین میں جتنے لوگ ہیں، ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو خدائے رحمٰن کے حضور بندہ بن کر نہ آئے۔ ﴿۹۳﴾

لَقَدْ أَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ
لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هَلْ
تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

یقین رکھو کہ اُس نے سب کا احاطہ کر رکھا ہے اور انہیں خوب اچھی طرح گن رکھا ہے۔ ﴿۹۴﴾ اور قیامت کے دن ان میں سے ایک ایک شخص اُس کے پاس اکیلا آئے گا۔ ﴿۹۵﴾ (ہاں) بیشک جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، خدائے رحمٰن ان کے لئے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔ (۲۷) ﴿۹۶﴾ چنانچہ (اے پیغمبر!) ہم نے اس قرآن کو تمہاری زبان میں آسان بنا دیا ہے تاکہ تم اس کے ذریعے متقی لوگوں کو خوشخبری دو، اور اسی کے ذریعے ان لوگوں کو ڈراؤ جو ضد کی وجہ سے جھگڑے پر آمادہ ہیں۔ ﴿۹۷﴾ ان سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ کیا تمہیں ٹٹولنے سے بھی ان میں سے کسی کا پتہ ملتا ہے، یا ان میں سے کسی کی بھنک بھی تمہیں سنائی دیتی ہے؟ ﴿۹۸﴾

(۲۷) یعنی اس وقت تو مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ کفار ان کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔ لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب مخلوقِ خدا کے دلوں میں ان مسلمانوں کی محبت پیدا ہو جائے گی۔

الحمد للہ! آج شب جمعہ ۲ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۳ نومبر ۲۰۰۱ء کو بحرین میں بعد نماز عشاء سورۂ مریم کے ترجمے اور حواشی کی تکمیل ہوئی، اللہ تعالیٰ بندے کے گناہوں کو معاف فرما کر اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین۔

سُورَةُ طٰهٰ

تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی۔ مستند روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی سورت کو سن کر اسلام لائے تھے۔ ان کی بہن حضرت فاطمہ اور ان کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما ان سے پہلے خفیہ طور پر اسلام لا چکے تھے جس کا انہیں پتہ نہیں تھا۔ ایک روز وہ گھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے۔ راستے میں نعیم بن عبداللہ نامی ایک صاحب انہیں ملے، انہوں نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ پہلے اپنے گھر کی خبر لیں جہاں آپ کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر غصے کے عالم میں واپس آئے تو بہن اور بہنوئی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر کو آتے دیکھا تو انہوں نے وہ صحیفہ جس پر سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی، کہیں چھپا دیا، لیکن حضرت عمر پڑھنے کی آواز سن چکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو، اور یہ کہہ کر بہن اور بہنوئی دونوں کو بہت مارا۔ اس وقت ان دونوں نے کہا کہ آپ ہمیں کوئی بھی سزا دیں، ہم مسلمان ہو چکے ہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، وہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر نے کہا کہ اچھا مجھے بھی دکھاؤ، وہ کیسا کلام ہے۔ بہن نے ان سے غسل کروا کر صحیفہ ان کو دکھایا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ اسے پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مبہوت رہ گئے، اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا نہیں، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں اسلام لانے کی ترغیب دی، اور بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ابوجہل یا عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو اسلام کی توفیق دے کر اسلام کی قوت کا سامان پیدا فرما دے۔ چنانچہ اسی وقت وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام قبول کر لیا۔

جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی، وہ مسلمانوں کے لئے بڑی آزمائش اور تکلیفوں کا زمانہ تھا۔ کفارِ مکہ نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اس لئے اس سورت کا بنیادی مقصد ان کو تسلی دینا تھا کہ اس قسم کی آزمائشیں حق کے علم برداروں کو ہر زمانے میں پیش آئی ہیں، لیکن آخری انجام انہی کے حق میں ہوا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوا ہے جس سے دونوں باتیں ثابت ہوتی ہیں، یہ بھی کہ ایمان والوں کو آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہ بھی کہ آخری فتح انہی کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ثابت کرنا مقصود ہے کہ تمام انبیائے کرام کی بنیادی دعوت ایک ہی ہوتی ہے کہ انسان خدائے واحد پر ایمان لائے، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

آیاتها ۱۳۵ ۲۰ سورۃ طٰهٰ مکیۃ ۴۵ رکوعاتها ۸

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

طٰهٰ ۚ﴿۱﴾ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۙ﴿۲﴾ اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ۙ﴿۳﴾ تَنۡزِيۡلًا
مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰى ؕ﴿۴﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

طٰہٰ[1] ﴿۱﴾ ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم تکلیف اُٹھاؤ۔[2] ﴿۲﴾ البتہ یہ اس شخص کے لئے ایک نصیحت ہے جو ڈرتا ہو۔[3] ﴿۳﴾ اُس ذات کی طرف سے تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا جارہا ہے جس نے زمین اور اُونچے اُونچے آسمان پیدا کئے ہیں۔ ﴿۴﴾

(۱) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ طٰہٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی میں سے ایک نام ہے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ ان حروفِ مقطعات میں سے ہے جو مختلف سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، اور ان کے ٹھیک ٹھیک معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۲) اس تکلیف سے مراد وہ تکلیفیں بھی ہوسکتی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے پہنچ رہی تھیں، اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ یہ تکلیفیں ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دور فرما کر آپ کو فتح عطا فرمائے گا۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں ساری ساری رات جاگ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت فرماتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ اس آیت نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو اتنی تکلیف اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے رات کے شروع حصے میں سونا اور آخری حصے میں عبادت کرنا شروع کردیا۔

(۳) یہ نصیحت اس کے لئے کارآمد ہے جو ڈرتا رہتا ہو کہ میرا طرزِ عمل صحیح ہے یا نہیں، دوسرے الفاظ میں جس کے دل میں حق کی طلب ہو، اور جو ہٹ دھرمی یا لاپروائی کی روش اختیار کرنے کے بجائے بے فکر ہو کر نہ بیٹھ گیا ہو۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿۵﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿۷﴾ اَللّٰهُ لَآ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴿۸﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۹﴾ اِذْ رَاٰ
نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ
عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿۱۰﴾

وہ بڑی رحمت والا عرش پر استوا فرمائے ہوئے ہے۔ (۴) ﴿۵﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اور
ان کے درمیان جو کچھ ہے، وہ سب بھی اسی کی ملکیت ہے، اور زمین کی تہوں کے نیچے جو کچھ ہے وہ
بھی۔ ﴿۶﴾ اگر تم کوئی بات بلند آواز سے کہو (یا آہستہ)، تو وہ چپکے سے کہی ہوئی باتوں کو، بلکہ اور
زیادہ چھپی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ (۵) ﴿۷﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی کے
اچھے اچھے نام ہیں۔ ﴿۸﴾

اور (اے پیغمبر!) کیا تم تک موسیٰ کا واقعہ پہنچا ہے؟ ﴿۹﴾ یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کو ایک
آگ نظر آئی تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: "تم یہیں ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔
شاید میں اس میں سے کوئی شعلہ تمہارے پاس لے آؤں، یا اس آگ کے پاس مجھے راستے کا پتہ مل
جائے۔" (۶) ﴿۱۰﴾

---

(۴) اس کی تشریح پیچھے سورۂ اعراف (۷: ۵۴) کے حاشیے میں گذر چکی ہے۔

(۵) اور زیادہ چھپی ہوئی باتیں وہ ہیں جو زبان سے کہی ہی نہیں گئیں، بلکہ جن کا صرف خیال دل میں آیا۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بھی باخبر ہے۔

(۶) سورۂ قصص میں آگے اس واقعے کی تفصیل آنے والی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں ایک عرصہ دراز گذارنے کے بعد اپنی اہلیہ کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ جب صحرائے سینا میں پہنچے تو راستہ بھول گئے، اور سخت سردی کا بھی احساس ہوا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آگ کی سی شکل نظر آئی جو

فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿١١﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ
الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿١٣﴾ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ
اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿١٤﴾

چنانچہ جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز دی گئی کہ: ''اے موسیٰ! ﴿۱۱﴾ یقین سے جان لو کہ میں ہی تمہارا رب ہوں۔ (۷) اب تم اپنے جوتے اُتار دو۔ تم اس وقت طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔ (۸) ﴿۱۲﴾ اور میں نے تمہیں (نبوت کے لئے) منتخب کیا ہے۔ لہٰذا جو بات وحی کے ذریعے کہی جارہی ہے، اُسے غور سے سنو۔ ﴿۱۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس لئے میری عبادت کرو، اور مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز قائم کرو۔ ﴿۱۴﴾

درحقیقت ایک نور تھا۔ اُس وقت انہوں نے اپنی اہلیہ کو وہاں رکنے کی ہدایت دی، اور خود آگ کی طرف چلے۔

(۷) سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ یقین کیسے آیا کہ یہ آواز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آرہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو یہ اطمینان عطا فرمادیا کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے ہم کلام ہیں۔ اور حالات بھی ایسے پیدا کردیئے گئے کہ انہیں یہ یقین آجائے۔ مثلاً بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو یہ عجیب منظر نظر آیا کہ وہ آگ ایک درخت کے اوپر شعلے ماررہی ہے، مگر درخت کا کوئی پتہ جلتا نہیں ہے۔ انہوں نے انتظار کیا کہ شاید کوئی چنگاری اُڑ کر ان کے پاس آجائے، مگر وہ بھی نہ آئی۔ پھر انہوں نے کچھ گھاس پھونس لے کر اسے آگ کے قریب کیا، تاکہ اس میں آگ لگ جائے تو وہ آگ پیچھے ہٹ گئی۔ اسی وقت یہ آواز سنائی دی، اور آواز کسی ایک جہت سے نہیں، بلکہ چاروں طرف سے آتی محسوس ہورہی تھی، اور موسیٰ علیہ السلام صرف کان سے نہیں، بلکہ تمام اعضاء سے یہ آواز سن رہے تھے۔

(۸) کوہِ طور کے دامن میں جو وادی ہے، اس کا نام ''طویٰ'' ہے۔ اور یہ ان مقامات میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خصوصی تقدس عطا فرمایا ہے۔ اور جوتے اُتارنے کا حکم ایک تو اس وادی کے تقدس کی وجہ سے تھا، اور دوسرے یہ موقع جبکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف مل رہا تھا، ادب اور عجز و نیاز کے اظہار کا موقع تھا، اس لئے بھی جوتے اُتار دینا مناسب تھا۔

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿١٥﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا
مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ﴿١٦﴾ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ﴿١٧﴾ قَالَ
هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ﴿١٨﴾
قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ ﴿١٩﴾ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ
سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ
سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾

یقین رکھو کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے۔ میں اس (کے وقت) کو خفیہ رکھنا چاہتا ہوں، تا کہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ ملے۔ ﴿۱۵﴾ لہٰذا کوئی ایسا شخص تمہیں اس سے ہرگز غافل نہ کرنے پائے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو، اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا ہو، ورنہ تم ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔ ﴿۱۶﴾ اور موسیٰ! یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟" ﴿۱۷﴾ موسیٰ نے کہا: "یہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس کا سہارا لیتا ہوں، اور اس سے اپنی بکریوں پر (درخت سے) پتے جھاڑتا ہوں، اور اس سے میری دوسری ضروریات بھی پوری ہوتی ہیں۔" ﴿۱۸﴾ فرمایا: "موسیٰ! اسے نیچے پھینک دو۔" ﴿۱۹﴾ چنانچہ انہوں نے اسے پھینک دیا۔ بس پھر کیا تھا! وہ اچانک ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گئی۔ ﴿۲۰﴾ اللہ نے فرمایا: "اسے پکڑ لو، اور ڈرو نہیں۔ ہم ابھی اسے اس کی پچھلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ ﴿۲۱﴾ اور اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں دباؤ، وہ کسی بیماری کے بغیر سفید ہو کر نکلے گا۔(۹) یہ (تمہاری نبوت کی) ایک اور نشانی ہوگی۔ ﴿۲۲﴾

---

(۹) یعنی جب ہاتھ کو بغل سے نکالو گے تو سفیدی سے چمک رہا ہوگا، اور یہ سفیدی برص وغیرہ کی کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوگی۔

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۚ (۲۳) اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۠ (۲۴) قَالَ رَبِّ اشْرَحْ
لِيْ صَدْرِيْ ۙ (۲۵) وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۙ (۲۶) وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۙ (۲۷) يَفْقَهُوْا
قَوْلِيْ (۲۸) وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۙ (۲۹) هٰرُوْنَ اَخِي ۙ (۳۰) اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۙ (۳۱) وَ
اَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ۙ (۳۲) كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۙ (۳۳) وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ۭ (۳۴) اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا
بَصِيْرًا (۳۵) قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى (۳۶)

(یہ ہم اس لئے کر رہے ہیں) تاکہ اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ تمہیں دکھائیں۔ ﴿۲۳﴾ (اب)
فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ سرکشی میں حد سے نکل گیا ہے۔" ﴿۲۴﴾
موسیٰ نے کہا: "پروردگار! میری خاطر میرا سینہ کھول دیجئے، ﴿۲۵﴾ اور میرے لئے میرا کام آسان
بنا دیجئے، ﴿۲۶﴾ اور میری زبان میں جو گرہ ہے، اُسے دُور کر دیجئے،(۱۰) ﴿۲۷﴾ تاکہ لوگ میری
بات سمجھ سکیں۔ ﴿۲۸﴾ اور میرے لئے میرے خاندان ہی کے ایک فرد کو مددگار مقرر
کر دیجئے، ﴿۲۹﴾ یعنی ہارون کو جو میرے بھائی ہیں! ﴿۳۰﴾ ان کے ذریعے میری طاقت مضبوط
کر دیجئے، ﴿۳۱﴾ اور ان کو میرا شریکِ کار بنا دیجئے، ﴿۳۲﴾ تاکہ ہم کثرت سے آپ کی تسبیح
کریں، ﴿۳۳﴾ اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں۔(۱۱) ﴿۳۴﴾ بیشک آپ ہمیں اچھی طرح دیکھنے
والے ہیں۔" ﴿۳۵﴾ اللہ نے فرمایا: "موسیٰ! تم نے جو کچھ مانگا ہے، تمہیں دے دیا گیا، ﴿۳۶﴾

---

(۱۰) بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک انگارا زبان پر رکھ لیا تھا جس کی وجہ سے ان کی زبان میں تھوڑی سی لکنت پیدا ہو گئی تھی۔ اسی لکنت کو یہاں "گرہ" سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۱۱) اگرچہ تسبیح اور ذکر تنہا بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر اچھے رفقاء میسر ہوں، اور ماحول سازگار ہو تو یہ رفاقت خود بخود اس تسبیح اور ذکر کا داعیہ بن جاتی ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿٣٧﴾ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿٣٨﴾ أَنِ
اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي
وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ﴿٣٩﴾

اور ہم نے تم پر ایک اور مرتبہ بھی احسان کیا تھا، ﴿٣٧﴾ جب ہم نے تمہاری ماں سے وحی کے ذریعے وہ بات کہی تھی جو اب وحی کے ذریعے (تمہیں) بتائی جارہی ہے۔ ﴿٣٨﴾ کہ اس (بچے) کو صندوق میں رکھو، پھر اس صندوق کو دریا میں ڈال دو۔(١٢) پھر دریا کو چھوڑ دو کہ وہ اسے ساحل کے پاس لاکر ڈال دے، جس کے نتیجے میں ایک ایسا شخص اس (بچے) کو اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہوگا، اور اس کا بھی دشمن۔(١٣) اور میں نے اپنی طرف سے تم پر ایک محبوبیت نازل کردی تھی،(١٤) اور یہ سب اس لئے کیا تھا تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔(١٥) ﴿٣٩﴾

(١٢) فرعون کو کسی نجومی نے یہ کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص تمہاری سلطنت ختم کرے گا۔ اس لئے اُس نے یہ حکم جاری کردیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو کوئی بچہ پیدا ہو اُسے قتل کردیا جائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو فکر ہوئی کہ ان کو بھی فرعون کے آدمی قتل کرڈالیں گے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پر الہام فرمایا کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دو۔

(١٣) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا، اور فرعون کے کارندوں نے بچے کو اٹھاکر فرعون کے پاس پیش کیا، اور اس کی بیوی حضرت آسیہ نے اسے آمادہ کرلیا کہ اُسے اپنا بیٹا بناکر پالیں۔

(١٤) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکل وصورت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی معصومیت رکھ دی تھی کہ جو بھی آپ کو دیکھتا، آپ سے محبت کرتا تھا۔ اسی وجہ سے فرعون بھی انہیں اپنے گھر میں رکھنے پر راضی ہوگیا۔

(١٥) یوں تو ہر شخص کی پرورش اللہ تعالیٰ ہی کی نگرانی میں ہوتی ہے، مگر یہاں مطلب یہ ہے کہ عام طور سے پرورش کے جو اسباب ہوتے ہیں کہ ماں باپ اپنے خرچ اور ذمہ داری پر بچے کی پرورش کرتے ہیں، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں اختیار نہیں فرمائے گئے۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے براہِ راست ان کی پرورش ان کے دشمن سے کرائی۔

إِذْ تَمْشِيٓ أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُۥ ۖ فَرَجَعْنَٰكَ إِلَىٰٓ أُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَٰكَ مِنَ ٱلْغَمِّ وَفَتَنَّٰكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِىٓ أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَٰمُوسَىٰ ﴿٤٠﴾

اس وقت کا تصور کرو جب تمہاری بہن گھر سے چلتی ہے، اور (فرعون کے کارندوں سے) یہ کہتی ہے کہ: "کیا میں تمہیں اُس (عورت) کا پتہ بتاؤں جو اِس (بچے) کو پالے؟"(۱۶) اس طرح ہم نے تمہیں تمہاری ماں کے پاس لوٹا دیا، تاکہ اُس کی آنکھ ٹھنڈی رہے، اور وہ غمگین نہ ہو۔ اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا،(۱۷) پھر ہم نے تمہیں اس گھٹن سے نجات دی، اور تمہیں کئی آزمائشوں سے گذارا۔(۱۸) پھر تم کئی سال مدین والوں میں رہے، اس کے بعد اے موسیٰ! تم ایک ایسے وقت پر یہاں آئے ہو جو پہلے سے مقدر تھا۔ ﴿۴۰﴾

(۱۶) فرعون کی اہلیہ نے جب بچے کو پالنے کا ارادہ کرلیا تو ان کو دودھ پلانے والی کی تلاش شروع ہوئی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی بھی عورت کا دودھ منہ میں نہیں لیتے تھے۔ حضرت آسیہ نے اپنی کنیزیں بھیجیں کہ وہ کوئی ایسی عورت تلاش کریں جس کا دودھ یہ قبول کرلیں۔ اُدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو دریا میں ڈالنے کے بعد بے چین تھیں۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو دیکھنے کے لئے بھیجا کہ بچے کا انجام کیا ہوا؟ یہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اُسی جگہ پہنچ گئیں جہاں فرعون کی کنیزیں پریشانی کے عالم میں دودھ پلانے والی عورتوں کو تلاش کررہی تھیں۔ ان کو موقع مل گیا، اور انہوں نے اپنی والدہ کو یہ خدمت سونپنے کی تجویز پیش کی، اور انہیں وہاں لے بھی آئیں۔ جب انہوں نے بچے کو دودھ پلانا چاہا تو بچے نے آرام سے دودھ پی لیا، اور پھر اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق بچہ دوبارہ ان کے پاس آگیا۔

(۱۷) یہ سارے واقعات تفصیل سے سورۂ قصص میں آنے والے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے ایک مظلوم اسرائیلی کو ایک ظالم سے بچانے کے لئے اُسے ایک مکا مارا تھا، ان کا مقصد اُسے ظلم سے باز رکھنا تھا، قتل کرنا مقصود نہیں تھا، لیکن وہ مکے ہی سے مرگیا۔

(۱۸) ان آزمائشوں کی تفصیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک طویل روایت میں بتائی ہے جو تفسیر ابن کثیرؒ میں مروی ہے، اور اس کا مکمل ترجمہ "معارف القرآن" جلد ۶ ص ۸۲ تا ۱۰۳ میں موجود ہے۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ﴿۴۲﴾
اِذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿۴۳﴾ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿۴۴﴾
قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَّطْغَىٰ ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا
أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ﴿۴۶﴾ فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ
وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۖ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۖ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ ﴿۴۷﴾ إِنَّا
قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۴۸﴾

اور میں نے تمہیں خاص اپنے لئے بنایا ہے۔ ﴿۴۱﴾ تم اور تمہارا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر
جاؤ، اور میرا ذکر کرنے میں سستی نہ کرنا۔(۱۹) ﴿۴۲﴾ دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ حد سے آگے نکل
چکا ہے۔ ﴿۴۳﴾ جا کر دونوں اُس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے، یا (اللہ
سے) ڈر جائے۔" ﴿۴۴﴾ دونوں نے کہا: "ہمارے پروردگار! ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ہم پر
زیادتی نہ کرے، یا کہیں سرکشی پر آمادہ نہ ہوجائے۔" ﴿۴۵﴾ اللہ نے فرمایا: "ڈرو نہیں، میں
تمہارے ساتھ ہوں، سن بھی رہا ہوں، اور دیکھ بھی رہا ہوں۔ ﴿۴۶﴾ اب اُس کے پاس جاؤ، اور کہو
کہ ہم دونوں تمہارے رَبّ کے پیغمبر ہیں، اس لئے بنو اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو، اور انہیں
تکلیفیں نہ پہنچاؤ، ہم تمہارے پاس تمہارے رَبّ کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں، اور سلامتی
اُسی کے لئے ہے جو ہدایت کی پیروی کرے۔ ﴿۴۷﴾ ہم پر یہ وحی نازل کی گئی ہے کہ عذاب اُس کو
ہوگا جو (حق کو) جھٹلائے، اور منہ موڑے۔" ﴿۴۸﴾

(۱۹) یہاں یہ سبق دینا مقصود ہے کہ ایک داعیٔ حق کو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنا چاہئے، اور ہر مشکل میں اسی سے مدد مانگنی چاہئے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾

(یہ ساری باتیں سن کر) فرعون نے کہا: "موسیٰ! تم دونوں کا رَبّ ہے کون؟" ﴿۴۹﴾ موسیٰ نے کہا: "ہمارا رَبّ وہ ہے جس نے ہر چیز کو وہ بناوٹ عطا کی جو اُس کے مناسب تھی، پھر (اس کی) رہنمائی بھی فرمائی۔"(۲۰) ﴿۵۰﴾ فرعون بولا: "اچھا پھر ان قوموں کا کیا معاملہ ہوا جو پہلے گذر چکی ہیں؟"(۲۱) ﴿۵۱﴾ موسیٰ نے کہا: "ان کا علم میرے رَبّ کے پاس ایک کتاب میں محفوظ ہے۔ میرے رَبّ کو نہ کوئی غلطی لگتی ہے، نہ وہ بھولتا ہے۔" ﴿۵۲﴾

(۲۰) یعنی یہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور حکمت ہے کہ جس مخلوق کے لئے جو بناوٹ مقرر کردی، اُس کو اسی کے مطابق کائنات میں اپنی ڈیوٹی بجالانے کا طریقہ بھی سکھادیا۔ مثلاً سورج کو کائنات میں روشنی اور حرارت پیدا کرنے کے لئے ایک خاص بناوٹ عطا فرمائی تو اسے یہ طریقہ بھی سکھادیا کہ وہ کس طرح اپنے نظامِ شمسی کے ساتھ گردش کرے، اسی طرح ہر جان دار کو یہ سکھادیا کہ وہ کس طرح چلے، اور کس طرح اپنی غذا حاصل کرے۔ مچھلی کا بچہ پانی میں پیدا ہوتا ہے، اور کسی کے سکھائے بغیر تیرنا شروع کردیتا ہے۔ پرندے ہوا میں اُڑنا خود بخود سیکھ لیتے ہیں۔ غرض ہر مخلوق کو اس کی ساخت کے مناسب زندہ رہنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ ہی سکھاتے ہیں۔

(۲۱) اس سوال سے فرعون کا مقصد یہ تھا کہ مجھ سے پہلے بہت سی قومیں گذر چکی ہیں جو توحید کی قائل نہیں تھیں، اس کے باوجود وہ زندہ رہیں، اور ان پر کوئی عذاب نازل نہیں ہوا۔ اگر توحید کے انکار سے انسان عذابِ الٰہی کا مستحق ہوجاتا ہے تو ان قوموں پر عذاب کیوں نہیں آیا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر ہر شخص کا اور اُس کے کئے ہوئے کاموں کا پورا پورا حال معلوم ہے۔ وہ اپنی حکمت ہی سے فیصلہ فرماتا ہے کہ حق کا انکار کرنے والوں میں سے کس کو اسی دُنیا میں سزا دینی ہے، اور کس کی سزا آخرت تک مؤخر کرنی ہے۔ اگر کسی کافر قوم کو دُنیا میں کسی عذاب کا سامنا نہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے معاذ اللہ کوئی بھول چوک ہوگئی ہے، بلکہ یہ اس کی حکمت کا فیصلہ ہے کہ اس کو دُنیا کے بجائے آخرت میں عذاب دیا جائے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ
مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْ نَبَاتٍ شَتَّىٰ ﴿٥٣﴾ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ۗ إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِأُولِي النُّهَىٰ ﴿٥٤﴾ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ ع ۱۱
تَارَةً أُخْرَىٰ ﴿٥٥﴾ وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَىٰ ﴿٥٦﴾ قَالَ أَجِئْتَنَا
لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوسَىٰ ﴿٥٧﴾ فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِثْلِهِ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا
وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ
يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾

یہ وہ ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنادیا، اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعے طرح طرح کی مختلف نباتات نکالیں۔ ﴿۵۳﴾ خود بھی کھاؤ، اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔ یقیناً ان سب باتوں میں عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ ﴿۵۴﴾ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا، اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے، اور اسی سے ایک مرتبہ پھر تمہیں نکال لائیں گے۔ ﴿۵۵﴾ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس (فرعون) کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں، مگر وہ جھٹلاتا ہی رہا، اور مان کر نہیں دیا۔ ﴿۵۶﴾ کہنے لگا: "موسیٰ! کیا تم اس لئے آئے ہو کہ اپنے جادو کے ذریعے ہمیں اپنی زمین سے نکال باہر کرو؟ ﴿۵۷﴾ اچھا تو ہم بھی تمہارے سامنے ایسا ہی جادو لا کر رہیں گے۔ اب تم کسی کھلے میدان میں ہمارے اور اپنے درمیان مقابلے کا ایسا وقت طے کرلو جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں، نہ تم کرو۔" ﴿۵۸﴾ موسیٰ نے کہا: "تم سے وہ دن طے ہے جس میں جشن منایا جاتا ہے،(۲۲) اور یہ بھی طے ہے کہ دن چڑھے ہی لوگوں کو جمع کرلیا جائے۔" ﴿۵۹﴾

(۲۲) یہ کوئی تہوار تھا جس میں فرعون کی قوم جشن منایا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا انتخاب اس لئے فرمایا تا کہ ایک بڑا مجمع موجود ہو، اور اس کے سامنے حق کی فتح کا مظاہرہ ہو سکے۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى
اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ
بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ
اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ
وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ
اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ
سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾

چنانچہ فرعون (اپنی جگہ) واپس چلا گیا، اور اُس نے اپنی ساری تدبیریں اکٹھی کیں، پھر (مقابلے کے لئے) آگیا۔ ﴿۶۰﴾ موسیٰ نے ان (جادوگروں سے) کہا: "افسوس ہے تم پر! اللہ پر بہتان نہ باندھو،(۲۳) ورنہ وہ ایک سخت عذاب سے تمہیں ملیا میٹ کردے گا، اور جو کوئی بہتان باندھتا ہے، نامراد ہوتا ہے۔" ﴿۶۱﴾ اس پر ان کے درمیان اپنی رائے قائم کرنے میں اختلاف ہوگیا، اور وہ چپکے چپکے سرگوشیاں کرنے لگے۔ ﴿۶۲﴾ (آخرکار) انہوں نے کہا کہ: "یقینی طور پر یہ دونوں (یعنی موسیٰ اور ہارون) جادوگر ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور پر تم لوگوں کو تمہاری سرزمین سے نکال باہر کریں، اور تمہارے بہترین (دینی) طریقے کا خاتمہ ہی کر ڈالیں۔ ﴿۶۳﴾ لہٰذا اپنی ساری تدبیریں پختہ کرلو، پھر صف باندھ کر آؤ، اور یقین رکھو کہ آج جو غالب آجائے گا، فلاح اُسی کو حاصل ہوگی۔" ﴿۶۴﴾ جادوگر بولے: "موسیٰ! یا تو تم (اپنی لاٹھی پہلے) ڈال دو، یا پھر ہم ڈالنے میں پہل کریں؟" ﴿۶۵﴾ موسیٰ نے کہا: "نہیں، تم ہی ڈالو۔" بس پھر اچانک ان کی (ڈالی ہوئی) رسیاں اور لاٹھیاں اُن کے جادو کے نتیجے میں موسیٰ کو ایسی محسوس ہونے لگیں جیسے دوڑ رہی ہیں۔ ﴿۶۶﴾

---

(۲۳) یعنی کفر کی راہ اختیار نہ کرو، کیونکہ کفر کا ہر باطل عقیدہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے کے مرادف ہے۔

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ ﴿٦٨﴾ وَأَلْقِ مَا
فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا ۖ إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ
أَتَىٰ ﴿٦٩﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ﴿٧٠﴾ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ
قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ

اس پر موسیٰ کو اپنے دل میں کچھ خوف محسوس ہوا۔[۲۴] ﴿۶۷﴾ ہم نے کہا: "ڈرو نہیں، یقین رکھو تم ہی تم سربلند رہو گے۔ ﴿۶۸﴾ اور جو (لاٹھی) تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے، اُسے (زمین پر) ڈال دو، ان لوگوں نے جو کاریگری کی ہے، وہ اُس سب کو نگل جائے گی۔ ان کی ساری کاریگری ایک جادوگر کے کرتب کے سوا کچھ نہیں، اور جادوگر چاہے کہیں چلا جائے، اُسے فلاح نصیب نہیں ہوتی۔" ﴿۶۹﴾ چنانچہ (یہی ہوا اور) سارے جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے۔[۲۵] کہنے لگے کہ: "ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔" ﴿۷۰﴾ فرعون بولا: "تم ان پر میرے اجازت دینے سے پہلے ہی ایمان لے آئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ (موسیٰ) تم سب کا سرغنہ ہے جس نے تمہیں جادو سکھلایا ہے۔

---

(۲۴) یہ طبعی خوف تھا، اور اس لئے تھا کہ جو شعبدہ ان جادوگروں نے دکھایا، وہ بظاہر اُس معجزے سے ملتا جلتا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام دکھا چکے تھے۔ لہٰذا خوف یہ تھا کہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو بھی کہیں جادو ہی نہ سمجھ بیٹھیں۔

(۲۵) یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر پھینکا تو اُس نے ایک اژدہا بن کر جادوگروں کے بنائے ہوئے جعلی سانپوں کو ایک ایک کر کے نگل لیا۔ اس پر جادوگروں کو یقین ہوگیا کہ یہ جادو نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ چنانچہ وہ سجدے میں گر پڑے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قرآنِ کریم نے ان کے لئے "سجدے میں گر گئے" کے بجائے "سجدے میں گرا دیئے گئے" فرمایا ہے۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ دکھلایا، وہ اس درجہ موثر تھا کہ اس نے انہیں بے ساختہ سجدے میں گرا دیا۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ
وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰي مَا جَاۗءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ
الَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا
بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝
اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝

اب میں نے بھی پکا ارادہ کرلیا ہے کہ تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹوں گا، اور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا۔ اور تمہیں یقیناً پتہ لگ جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔" ﴿۷۱﴾ جادوگروں نے کہا: "قسم اُس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے! ہمارے سامنے جو روشن نشانیاں آگئی ہیں، ان پر ہم تمہیں ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے۔ اب تمہیں جو کچھ کرنا ہو، کرلو۔ تم جو کچھ بھی کروگے، اسی دُنیوی زندگی کے لئے ہوگا۔ ﴿۷۲﴾ ہم تو اپنے رَبّ پر ایمان لاچکے ہیں، تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو بھی بخش دے، اور جادو کے اُس کام کو بھی جس پر تم نے ہمیں مجبور کیا۔ (۲۶) اور اللہ ہی سب سے اچھا اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔" ﴿۷۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس مجرم بن کر آئے گا، اُس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جئے گا۔ (۲۷) ﴿۷۴﴾

---

(۲۶) اندازہ لگایئے کہ جب ایمان دل میں گھر کر جاتا ہے تو وہ انسان کی سوچ اور اس کے ارادوں میں کتنا بڑا انقلاب پیدا کردیتا ہے۔ یہ وہ جادوگر تھے جن کی سب سے بڑی معراج یہ تھی کہ فرعون ان کو انعام و اکرام سے نواز کر اپنی خوشنودی اور تقرب عطا کردے۔ چنانچہ مقابلے پر آنے کے وقت فرعون سے ان کا سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ: "اگر ہم غالب آگئے تو ہمیں کوئی اُجرت بھی ملے گی؟" (دیکھئے سورۂ اعراف ۷: ۱۱۳) لیکن جب حق کھل کر ان کے سامنے آگیا اور اس پر ایمان و یقین دل میں گھر کرگیا تو انہیں نہ فرعون کی ناراضی کا خوف رہا، نہ اپنے ہاتھ پاؤں کٹوانے یا سولی پر لٹکنے کا۔ اللہ اکبر!

(۲۷) مرے گا تو اس لئے نہیں کہ وہاں کسی کو موت نہیں آئے گی، اور جینے کی جو نفی کی گئی ہے، اس کا مطلب یہ

وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَأُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ
عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ وَلَقَدْ ع ۱۲
أَوْحَيْنَآ إِلٰى مُوسٰٓى ۙ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا
تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾

اور جو شخص اُس کے پاس مؤمن بن کر آئے گا جس نے نیک عمل بھی کیے ہوں گے، تو ایسے ہی لوگوں کے لئے بلند درجات ہیں، ﴿۷۵﴾ وہ ہمیشہ رہنے والے باغات جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے! اور یہ صلہ ہے اُس کا جس نے پاکیزگی اختیار کی۔ ﴿۷۶﴾

اور ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی کہ: "تم میرے بندوں کو لے کر راتوں رات روانہ ہو جاؤ، (۲۸) پھر ان کے لئے سمندر میں ایک خشک راستہ اس طرح نکال لینا کہ نہ تمہیں (دشمن کے) آ پکڑنے کا اندیشہ رہے، اور نہ کوئی اور خوف ہو۔" (۲۹) ﴿۷۷﴾

ہے کہ وہ جینا چونکہ موت سے بھی بدتر ہوگا، اس لئے وہ جینے میں شمار کرنے کے لائق نہیں ہوگا۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔

(۲۸) جادوگروں سے مقابلے میں فتح پانے کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کافی عرصے مصر میں رہے، اور اس دوران فرعون کو ان کی تبلیغ بھی جاری رہی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعدد نشانیاں بھی دکھائی جاتی رہیں، جن کا ذکر سورۂ اعراف میں گذرا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ تمام بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جائیں۔

(۲۹) یعنی تمہارے راستے میں سمندر آئے گا، تم اپنا عصا اُس پر مارو گے تو اُس میں تمہاری قوم کے گذرنے کے لئے خشک راستہ بن جائے گا۔ اس کی تفصیل سورۂ یونس (۱۰: ۸۹ تا ۹۲) میں بھی گذری ہے، اور سورۂ شعراء (۲۶: ۶۰ تا ۶۶) میں بھی آئے گی۔ چونکہ یہ راستہ اللہ تعالیٰ نے صرف تمہارے لئے پیدا کیا ہوگا، اس لئے فرعون کا لشکر اس سے گذر کر تمہیں نہیں پکڑ سکے گا، لہٰذا نہ تمہیں پکڑے جانے کا خوف ہوگا، نہ ڈوب جانے کا۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ
قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ
جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا
رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ
هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَمَآ
اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾

چنانچہ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت اُن کا پیچھا کیا تو سمندر کی جس (خوفناک) چیز نے انہیں ڈھانپا، وہ انہیں ڈھانپ کر ہی رہی۔(۳۰) ﴿۷۸﴾ اور فرعون نے اپنی قوم کو بُرے راستے پر لگایا، اور انہیں صحیح راستہ نہ دکھایا۔ ﴿۷۹﴾ اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہیں تمہارے دُشمن سے نجات دی، اور تم سے کوہِ طور کے دائیں جانب آنے کا وعدہ ٹھہرایا، اور تم پر من و سلویٰ نازل کیا۔ ﴿۸۰﴾ جو پاکیزہ رزق ہم نے تمہیں عطا کیا ہے، اُس میں سے کھاؤ، اور اس میں سرکشی نہ کرو جس کے نتیجے میں تم پر میرا غضب نازل ہوجائے۔ اور جس کسی پر میرا غضب نازل ہوجاتا ہے، وہ تباہی میں گر کر رہتا ہے۔ ﴿۸۱﴾ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جو شخص توبہ کرے، ایمان لائے، اور نیک عمل کرے، پھر سیدھے راستے پر قائم رہے تو میں اُس کے لئے بہت بخشنے والا ہوں۔ ﴿۸۲﴾ اور (جب موسیٰ کوہِ طور پر اپنے لوگوں سے پہلے چلے آئے تو اللہ نے ان سے کہا:) "موسیٰ! تم اپنی قوم سے پہلے جلدی کیوں آگئے؟"(۳۱) ﴿۸۳﴾

---

(۳۰) عربی محاورے کے مطابق "وہ چیز" کہہ کر اس کے ناقابلِ بیان حد تک خوفناک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

(۳۱) صحرائے سینا میں قیام کے دوران اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلایا تھا، تاکہ وہ وہاں چالیس دن تک اعتکاف کریں تو انہیں تورات عطا کی جائے گی۔ شروع میں بنی اسرائیل کے کچھ منتخب لوگوں کے

قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ﴿۸۴﴾ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا
قَوْمَكَ مِن بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ
أَسِفًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ
أَرَدتُّمْ أَن يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي ﴿۸۶﴾ قَالُوا مَا
أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلَٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّن زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَٰلِكَ
أَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾

انہوں نے کہا: "وہ میرے پیچھے آیا ہی چاہتے ہیں، اور پروردگار! میں آپ کے پاس اس لئے جلدی آگیا تا کہ آپ خوش ہوں۔" ﴿۸۴﴾ اللہ نے فرمایا: "پھر تمہارے آنے کے بعد ہم نے تمہاری قوم کو فتنے میں مبتلا کر دیا ہے، اور انہیں سامری نے گمراہ کر ڈالا ہے۔"(۳۲) ﴿۸۵﴾ چنانچہ موسیٰ غم و غصے میں بھرے ہوئے اپنی قوم کے پاس واپس لوٹے۔ کہنے لگے: "میری قوم کے لوگو! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟(۳۳) تو کیا تم پر کوئی بہت لمبی مدت گذر گئی تھی،(۳۴) یا تم چاہتے ہی یہ تھے کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو جائے، اور اس وجہ سے تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟" ﴿۸۶﴾ کہنے لگے: "ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی، بلکہ ہوا یہ کہ ہم پر لوگوں کے زیورات کے بوجھ لدے ہوئے تھے، اس لئے ہم نے انہیں پھینک دیا،(۳۵) پھر اسی طرح سامری نے بھی کچھ ڈالا"(۳۶) ﴿۸۷﴾

بارے میں بھی یہ طے ہوا تھا کہ وہ بھی آپ کے ساتھ جائیں گے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام جلدی روانہ ہوگئے، اور ان کا خیال تھا کہ باقی ساتھی بھی پیچھے آ رہے ہوں گے۔ لیکن وہ لوگ نہیں آئے۔

(۳۲) سامری ایک جادوگر تھا جو بظاہر حضرت موسیٰ پر ایمان لے آیا تھا، اور اس لئے ان کے ساتھ لگ گیا تھا، مگر حقیقت میں وہ منافق تھا۔

(۳۳) اچھے وعدے سے مراد کوہِ طور پر تورات دینے کا وعدہ ہے۔

(۳۴) یعنی مجھے کوہِ طور پر گئے ہوئے کوئی ایسی لمبی مدت تو نہیں گذری تھی کہ تم میرا انتظار کئے بغیر اس بچھڑے کو معبود بنا بیٹھو۔

(۳۵) بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ فرعون کے لشکر کا چھوڑا ہوا مالِ غنیمت تھا، اُس دور میں مالِ غنیمت کو استعمال کرنا جائز نہیں تھا۔ اس کے بجائے اُسے ایک میدان میں رکھ دیا جاتا تھا، اور آسمان سے ایک آگ آکر اُسے جلا دیتی تھی۔ شاید ان زیورات کو پھینکنے کا یہی مقصد ہو کہ آسمانی آگ انہیں آکر جلا دے۔ اس کے برخلاف عام طور پر تفسیروں میں یہ روایت مذکور ہے کہ بنی اسرائیل جب مصر سے نکلے تھے تو نکلنے سے پہلے انہوں نے فرعون کی قوم کے لوگوں سے بہت سے زیورات عید کے موقع پر پہننے کے لئے مستعار لئے تھے۔ وہ سارے زیورات مصر سے نکلتے ہوئے ان کے ساتھ تھے۔ چونکہ یہ زیورات دوسروں کی امانت تھی، اس لئے بنی اسرائیل کے لئے جائز نہیں تھا کہ وہ انہیں مالکوں کی اجازت کے بغیر استعمال کریں۔ دوسری طرف انہیں واپس کرنے کا بھی کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس لئے حضرت ہارون علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ یہ زیورات یہیں پھینک دو، اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو دشمن سے حاصل کئے ہوئے مالِ غنیمت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی روایت بہت مستند نہیں ہے، اور احتمال یہ بھی ہے کہ سامری نے اپنا شعبدہ دکھانے کے لئے لوگوں سے کہا ہو کہ تم اپنے اپنے زیور نیچے پھینکو، میں تمہیں ایک تماشا دکھاتا ہوں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ عام لوگوں نے جو زیورات پھینکے، اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے "قذف" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اور سامری نے جو کچھ پھینکا، اُس کے لئے دوسرا لفظ "القاء" استعمال فرمایا ہے۔ اس میں یہ بھی امکان ہے کہ یہ صرف اُسلوب کی تبدیلی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ سامری کے پھینکنے سے مراد اس کی شعبدہ بازی کی کاریگری ہو، کیونکہ "القاء" کا لفظ جادوگروں کے کرتب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

(۳۶) جب سارے لوگوں نے اپنے زیورات پھینک دیئے تو سامری بھی کوئی چیز مٹھی میں دبا کر لایا، اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا کہ کیا میں بھی پھینک دوں؟ حضرت ہارون علیہ السلام نے سمجھا کہ وہ بھی کوئی زیور ہوگا، اس لئے فرمایا کہ ڈال دو۔ اس پر سامری نے کہا کہ آپ میرے لئے دُعا فرمائیں کہ جب میں ڈالوں تو جو کچھ میں چاہتا ہوں، وہ پورا ہو جائے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو اس کی منافقت معلوم نہیں تھی، اس لئے دُعا فرمادی۔ حقیقت میں وہ مٹھی میں زیور کے بجائے مٹی لے کر آیا تھا، اور اُس نے وہ مٹی ان زیورات پر ڈال کر انہیں پگھلایا، اور اُن سے ایک بچھڑے کی سی مورت بنائی جس میں سے آواز نکلتی تھی۔

فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ
فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾ أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾
وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِن قَبْلُ يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ ۖ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَٰنُ
فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ﴿٩٠﴾ قَالُوا لَن نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا
مُوسَىٰ ﴿٩١﴾ قَالَ يَا هَارُونُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ﴿٩٢﴾

اور لوگوں کے سامنے ایک بچھڑا بنا کر نکال لیا، ایک جسم تھا جس میں سے آواز نکلتی تھی۔ لوگ کہنے لگے کہ: "یہ تمہارا معبود ہے، اور موسیٰ کا بھی معبود ہے، مگر موسیٰ بھول گئے ہیں۔" ﴿۸۸﴾ بھلا کیا انہیں یہ نظر نہیں آرہا تھا کہ وہ نہ ان کی بات کا جواب دیتا تھا، اور نہ ان کو کوئی نقصان یا نفع پہنچا سکتا تھا؟ ﴿۸۹﴾

اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہا تھا کہ: "میری قوم کے لوگو! تم اس (بچھڑے) کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہوگئے ہو، اور حقیقت میں تمہارا رب تو رحمٰن ہے، اس لئے تم میرے پیچھے چلو اور میری بات مانو۔" (۴۷) ﴿۹۰﴾ وہ کہنے لگے کہ: "جب تک موسیٰ واپس نہ آجائیں، ہم تو اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے۔" ﴿۹۱﴾ موسیٰ نے (واپس آکر) کہا: "ہارون! جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ یہ لوگ گمراہ ہوگئے ہیں تو تمہیں کس چیز نے روکا تھا ﴿۹۲﴾

(۴۷) قرآن کریم کی اس آیت نے بائبل کی اس روایت کی واضح طور پر تردید فرمادی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام خود بھی (معاذ اللہ) بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہوگئے تھے (دیکھئے خروج ۳۲: ۱تا۲۴)۔ یہ روایت اس لئے بھی قطعی طور پر غلط ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے، اور کسی نبی کے شرک میں ملوث ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

أَلَّا تَتَّبِعَنِ ۖ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۖ
إِنِّي خَشِيتُ أَن تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ﴿٩٤﴾ قَالَ فَمَا
خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ
الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ﴿٩٦﴾

کہ تم میرے پیچھے چلے آتے؟ بھلا کیا تم نے میری بات کی خلاف ورزی کی؟"(۳۸) ﴿۹۳﴾ ہارون نے کہا: "میرے ماں کے بیٹے! میری داڑھی نہ پکڑو، اور نہ میرا سر۔ حقیقت میں مجھے یہ اندیشہ تھا کہ تم یہ کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا، اور میری بات کا پاس نہیں کیا۔"(۳۹) ﴿۹۴﴾ موسیٰ نے کہا: "اچھا تو سامری! تجھے کیا ہوا تھا؟" ﴿۹۵﴾ وہ بولا: "میں نے ایک ایسی چیز دیکھی تھی جو دوسروں کو نظر نہیں آئی تھی۔ اس لئے میں نے رسول کے نقشِ قدم سے ایک مٹھی اٹھالی، اور اُسے (بچھڑے پر) ڈال دیا۔(۴۰) اور میرے دل نے مجھے کچھ ایسا ہی سمجھایا۔" ﴿۹۶﴾

---

(۳۸) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جا رہے تھے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بناتے ہوئے انہوں نے فرمایا تھا کہ: "اصلاح کرتے رہنا اور مفسدوں کے پیچھے نہ چلنا" (۷: ۱۴۲) یہاں اپنی اسی ہدایت کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تھے تو آپ کو چاہئے تھا کہ ان سے الگ ہو کر میرے پاس چلے آتے۔ اس طرح آپ مفسدوں کے ساتھی بھی نہ بنتے، اور میرے ذریعے اصلاح بھی کرتے۔

(۳۹) یعنی میرے چلے جانے سے قوم دو ٹکڑوں میں بٹ جاتی، کچھ لوگ میرا ساتھ دیتے، اور کچھ ان گمراہوں کا جو مجھے قتل تک کرنے کے درپے تھے۔ (جیسا کہ سورۂ اعراف ۷: ۱۵۰ میں حضرت ہارون علیہ السلام کی زبانی بیان فرمایا گیا ہے) لہٰذا آپ نے جو فرمایا تھا کہ "اصلاح کرتے رہنا" مجھے اندیشہ تھا کہ ایسا کرنے سے آپ کے اس حکم کی خلاف ورزی ہو جاتی۔

(۴۰) رسول سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے ساتھ تھے۔ عام طور سے مفسرین نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں ایک گھوڑے پر سوار تھے، اور سامری نے دیکھا کہ گھوڑے کا پاؤں جس جگہ پڑتا، وہاں زندگی کے کچھ آثار پیدا ہو جاتے تھے۔ سامری نے سمجھا

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ
تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي
الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

موسیٰ نے کہا: "اچھا تو جا، اب زندگی بھر تیرا کام یہ ہوگا کہ تو لوگوں سے یہ کہا کرے گا کہ مجھے نہ چھونا۔ (۴۱) اور (اس کے علاوہ) تیرے لئے ایک وعدے کا وقت مقرر ہے جو تجھ سے ٹلایا نہیں جاسکتا۔ (۴۲) اور دیکھ اپنے اس (جھوٹے) معبود کو جس پر تو جما بیٹھا تھا! ہم اسے جلا ڈالیں گے، اور پھر اس (کی راکھ) کو چورا چورا کر کے سمندر میں بکھیر دیں گے۔ ﴿۹۷﴾ حقیقت میں تم سب کا معبود تو بس ایک ہی اللہ ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ﴿۹۸﴾

کہ اس مٹی میں جو زندگی کے آثار پیدا ہو رہے ہیں، ان سے یہ کام بھی لیا جاسکتا ہے کہ کسی بے جان چیز پر ڈالنے سے اس میں زندگی کچھ خصوصیات پیدا ہو جائیں، چنانچہ اُس نے ایک مٹھی اس مٹی کی لے کر بچھڑے پر ڈال دی جس سے آواز نکلنے لگی۔ لیکن بعض مفسرین مثلاً حضرت مولانا حقانی نے تفسیر حقانی (جلد: ۳ ص: ۲۷۲-۲۷۳) میں فرمایا ہے کہ یہ سامری کی طرف سے ایک جھوٹا بہانہ تھا، ورنہ بچھڑے میں آواز خلا میں ہوا کے گذرنے سے نکلتی تھی۔ چونکہ قرآن کریم نے نہ کوئی تفصیل خود بیان فرمائی، نہ کسی مضبوط حدیث سے ثابت ہے، اور نہ کوئی دینی ضرورت اس کے جاننے پر موقوف ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس تفصیل کو اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے کیا جائے۔

(۴۱) سامری کے جرم کی سزا اس کو یہ دی گئی کہ تمام لوگ اُس کا بائیکاٹ کریں، نہ کوئی اُسے چھوئے، اور نہ وہ کسی کو ہاتھ لگائے۔ اب یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو یہ سزا قانونی حکم کے ذریعے دی گئی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے جیسا کہ بعض روایات میں آیا بھی ہے، کہ اس کے جسم میں کوئی ایسی بیماری پیدا ہوگئی تھی کہ کوئی شخص اُسے ہاتھ لگاتا تو اس کو بھی اور ہاتھ لگانے والے کو بھی بخار چڑھ جاتا تھا۔

(۴۲) اس سے مراد آخرت کے عذاب کا وعدہ ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾
مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۗ وَسَآءَ لَهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾
يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ
ع اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ ۱۴

(اے پیغمبر!) ماضی میں جو حالات گذرے ہیں اُن میں سے کچھ واقعات ہم اسی طرح تم کو سناتے ہیں، اور ہم نے تمہیں خاص اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ عطا کیا ہے۔(۴۳) ﴿۹۹﴾ جو لوگ اُس سے منہ موڑیں گے تو وہ قیامت کے دن بڑا بھاری بوجھ لادے ہوں گے، ﴿۱۰۰﴾ جس (کے عذاب) میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور قیامت کے دن اُن کے لئے یہ بدترین بوجھ ہوگا، ﴿۱۰۱﴾ جس دن صور پھونکا جائے گا، اور اُس دن ہم سارے مجرموں کو گھیر کر اس طرح جمع کریں گے کہ وہ نیلے پڑے ہوں گے، ﴿۱۰۲﴾ آپس میں سرگوشیاں کررہے ہوں گے کہ تم (قبروں میں یا دُنیا میں) دس دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔(۴۴) ﴿۱۰۳﴾ جس بارے میں وہ باتیں کریں گے اُس کی حقیقت ہمیں خوب معلوم ہے،(۴۵) جبکہ ان میں سے جس کا طریقہ سب سے بہتر ہوگا، وہ کہے گا کہ تم ایک دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔(۴۶) ﴿۱۰۴﴾

(۴۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد اس آیت میں بتایا جارہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر اس جیسے واقعات کا جاری ہونا جبکہ آپ اُمّی ہیں، اور آپ کے پاس ان معلومات کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، اور جو آیات آپ تلاوت کررہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی ہیں۔

(۴۴) قیامت کا دن ان کے لئے اتنا ہولناک ہوگا کہ وہ دُنیا کی ساری زندگی کو ایسا سمجھیں گے جیسے وہ دس دن کی بات ہو۔

(۴۵) یعنی جن دنوں کا شمار وہ صرف دس دن سمجھ کر کررہے تھے، اُن کی صحیح تعداد ہم جانتے ہیں۔

(۴۶) یعنی جس شخص کو زیادہ سمجھ دار سمجھا جاتا تھا، وہ تو کہے گا کہ ہمارے دُنیا میں قیام کی مدت یا قبروں میں رہنے کی مدت صرف ایک ہی دن تھی۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾
لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ
الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ
لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ
عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ
يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ
قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾

اور لوگ تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (کہ قیامت میں ان کا کیا بنے گا؟) جواب میں کہہ دو کہ میرا پروردگار ان کو دُھول کی طرح اُڑا دے گا ﴿۱۰۵﴾ اور زمین کو ایسا ہموار چٹیل میدان بنا کر چھوڑے گا ﴿۱۰۶﴾ کہ اس میں تمہیں نہ کوئی بل نظر آئے گا، نہ کوئی اُبھار ﴿۱۰۷﴾ اُس دن سب کے سب منادی کے پیچھے اس طرح چلے آئیں گے کہ اُس کے سامنے کوئی ٹیڑھ نہیں دکھا سکیں گے۔ اور خدائے رحمٰن کے آگے تمام آوازیں دب کر رہ جائیں گی، چنانچہ تمہیں پاؤں کی سرسراہٹ کے سوا کچھ سنائی نہیں دے گا۔ ﴿۱۰۸﴾ اُس دن کسی کی سفارش کام نہیں آئے گی، سوائے اُس شخص (کی سفارش) کے جسے خدائے رحمٰن نے اجازت دے دی ہو، اور جس کے بولنے پر وہ راضی ہو۔ ﴿۱۰۹﴾ وہ لوگوں کی ساری اگلی پچھلی باتوں کو جانتا ہے، اور وہ اُس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ ﴿۱۱۰﴾ اور سارے کے سارے چہرے اُس حی و قیوم کے آگے جھکے ہوں گے، اور جو کوئی ظلم کا بوجھ لاد کر لایا ہوگا، نامراد ہوگا۔ ﴿۱۱۱﴾ اور جس نے نیک عمل کئے ہوں گے، جبکہ وہ مومن بھی ہو، تو اُسے نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا، نہ کسی حق تلفی کا۔ ﴿۱۱۲﴾ اور ہم نے اسی طرح یہ وحی ایک عربی قرآن کی شکل میں نازل کی ہے، اور اُس میں تنبیہات کو طرح طرح سے بیان کیا ہے، تاکہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں، یا یہ قرآن اُن میں کچھ سوچ سمجھ پیدا کرے۔ ﴿۱۱۳﴾

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ ع ۱۵

ایسی ہی اُونچی شان ہے اللہ کی، جو سلطنت کا حقیقی مالک ہے! اور (اے پیغمبر!) جب قرآن وحی کے ذریعے نازل ہو رہا ہو تو اُس کے مکمل ہونے سے پہلے قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو،(۴۷) اور یہ دُعا کرتے رہا کرو کہ: ”میرے پروردگار! مجھے علم میں اور ترقی عطا فرما۔“(۴۸) ﴿۱۱۴﴾

اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک بات کی تاکید کی تھی، پھر اُن سے بھول ہوگئی، اور ہم نے اُن میں عزم نہیں پایا۔(۴۹) ﴿۱۱۵﴾

---

(۴۷) جب حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن کریم کی آیتیں وحی کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے، تو آپ اس ڈر سے کہ کہیں بھول نہ جائیں، ساتھ ساتھ اُن آیتوں کو دُہراتے رہتے تھے جس سے ظاہر ہے کہ آپ کو سخت مشقت ہوتی تھی۔ اس آیت میں آپ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ کو یہ محنت اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی قرآن کریم کو آپ کے سینۂ مبارک میں محفوظ فرمادے گا۔ یہی بات سورۂ قیامہ (۷۵: ۱۶-۱۸) میں بھی فرمائی گئی ہے۔

(۴۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دُعا کی تلقین فرما کر یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ علم ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، اور انسان کو علم کے کسی بھی درجے پر قناعت کرکے نہیں بیٹھنا چاہیے، بلکہ ہر وقت علم میں ترقی کی کوشش اور دُعا کرتے رہنا چاہیے۔ اس دُعا میں یادداشت کی قوت کی دُعا بھی شامل ہے، اور معلومات کی زیادتی اور ان کی صحیح سمجھ کی بھی۔

(۴۹) جس تاکید کا یہاں ذکر ہے، اُس سے مراد ایک خاص درخت کا پھل نہ کھانے کی تاکید ہے۔ اس واقعے کی تفصیل اور اس سے متعلق سوالات کا جواب سورۂ بقرہ (۲: ۳۴ تا ۳۶) میں گذر چکا ہے۔ اور یہاں آدم علیہ السلام کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ان میں عزم نہیں پایا، اس کا ایک مطلب بعض مفسرین نے یہ

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ ﴿١١٦﴾ فَقُلْنَا
يَا آدَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ ﴿١١٧﴾ إِنَّ لَكَ
أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ﴿١١٨﴾ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ﴿١١٩﴾ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ
الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ﴿١٢٠﴾

یاد کرو وہ وقت جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو، چنانچہ سب نے سجدہ کیا، البتہ ابلیس تھا جس نے انکار کیا۔ ﴿۱۱۶﴾ چنانچہ ہم نے کہا کہ: "اے آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، لہٰذا ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے، اور تم مشقت میں پڑ جاؤ۔[(۵۰)] ﴿۱۱۷﴾ یہاں تو تمہیں یہ فائدہ ہے کہ نہ تم بھوکے ہوگے، نہ ننگے، ﴿۱۱۸﴾ اور نہ یہاں پیاسے رہوگے، نہ دھوپ میں تپوگے۔" ﴿۱۱۹﴾ پھر شیطان نے اُن کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ کہنے لگا: "اے آدم! کیا میں تمہیں ایک ایسا درخت بتاؤں جس سے جاودانی زندگی اور وہ بادشاہی حاصل ہو جاتی ہے جو کبھی پرانی نہیں پڑتی؟"[(۵۱)] ﴿۱۲۰﴾

بیان فرمایا ہے کہ ان سے درخت کا پھل کھانے کے سلسلے میں جو غلطی ہوئی، اُس میں ان کے عزم کو دخل نہیں تھا، یعنی انہوں نے نافرمانی کے ارادے سے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی، بلکہ ان سے بھول ہوگئی۔ اور دوسرے مفسرین نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اُن میں ایسا پختہ عزم نہیں تھا کہ شیطان کے بہکانے میں نہ آتے۔ اس سے انسان کی اُس سرشت کی طرف اشارہ ہے جس میں شیطان اور نفس کے بہکانے میں آنے کی صلاحیت موجود ہے۔ چونکہ قرآن کریم نے عزم کی نفی کو بھول ہو جانے کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے، اس لئے یہاں پہلے معنی زیادہ بہتر معلوم ہوتے ہیں۔

(۵۰) اس آیت کو اگلی آیت سے ملا کر پڑھا جائے تو مطلب یہ ہے کہ جنت میں تو تمہیں زندگی کی ساری ضروریات یعنی خوراک، کپڑا اور رہنے کے لئے گھر بغیر کسی محنت کے حاصل ہے۔ جنت سے نکل گئے تو ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے محنت اور مشقت اُٹھانی پڑے گی۔

(۵۱) ساتھ ہی شیطان نے یہ تاویل بھی سمجھائی کہ اس درخت کی جو ممانعت کی گئی تھی، وہ اس لئے تھی کہ تم میں اُس وقت اس درخت کا پھل کھانے کی طاقت نہیں تھی۔ اب ایک عرصہ گذر جانے کے بعد یہ رکاوٹ باقی نہیں رہی۔

فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَ
عَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ﴿١٢١﴾ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ﴿١٢٢﴾ قَالَ اهْبِطَا
مِنْهَا جَمِيعًا ۖ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ
هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا
وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ﴿١٢٤﴾

چنانچہ ان دونوں نے اُس درخت میں سے کچھ کھالیا جس سے اُن دونوں کے شرم کے مقامات اُن کے سامنے کھل گئے، اور وہ دونوں جنت کے پتوں کو اپنے اُوپر گانٹھنے لگے۔ اور (اس طرح) آدم نے اپنے رَبّ کا کہا ٹالا، اور بھٹک گئے۔(۵۲) ﴿۱۲۱﴾ پھر اُن کے رَبّ نے اُنہیں چن لیا، چنانچہ ان کی توبہ قبول فرمائی، اور انہیں ہدایت عطا فرمائی۔ ﴿۱۲۲﴾ اللہ نے فرمایا: ”تم دونوں کے دونوں یہاں سے نیچے اُتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دُشمن ہوگے۔(۵۳) پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ گمراہ ہوگا، اور نہ کسی مشکل میں گرفتار ہوگا۔ ﴿۱۲۳﴾ اور جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اُس کو بڑی تنگ زندگی ملے گی، اور قیامت کے دن ہم اُسے اندھا کرکے اُٹھائیں گے۔(۵۴) ﴿۱۲۴﴾

(۵۲) سورۂ بقرہ میں ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی اِجتہادی غلطی تھی جس کی حقیقت اُوپر آیت نمبر ۱۱۵ میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اُن سے بھول ہوگئی، اور اِجتہادی غلطی اور بھول میں جو کام کیا جاتا ہے، وہ گناہ نہیں ہوتا، لیکن چونکہ پیغمبروں کی شان بہت بلند ہوتی ہے، اس لئے ان سے اس قسم کی اِجتہادی غلطی کا سرزد ہونا بھی ان کے شایانِ شان نہیں ہوتا، اس لئے اُسے حکم ٹالنے اور بھٹکنے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس پر بھی توبہ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

(۵۳) یعنی انسان اور شیطان ایک دوسرے کے دُشمن ہوں گے۔

(۵۴) جب قبر سے اُٹھا کر حشر کی طرف لائے جائیں گے، اُس وقت تو یہ لوگ اندھے ہوں گے، لیکن بعد میں انہیں بینائی دے دی جائے گی، جیسا کہ سورۂ کہف (۱۸:۵۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہنم کی آگ کو دیکھیں گے۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا
فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ ﴿١٢٦﴾ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِن
بِآيَاتِ رَبِّهِ ۚ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ ﴿١٢٧﴾ أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم
مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ ﴿١٢٨﴾ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ ع ۱۶
سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾

وہ کہے گا کہ: "یا رَبّ! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اُٹھایا، حالانکہ میں تو آنکھوں والا تھا؟" ﴿۱۲۵﴾
اللہ کہے گا: "اسی طرح ہماری آیتیں تیرے پاس آئی تھیں، مگر تو نے انہیں بھلا دیا۔ اور آج اُسی طرح تجھے بھلا دیا جائے گا۔" ﴿۱۲۶﴾
اور جو شخص حد سے گذر جاتا ہے، اور اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتا، اُسے ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں، اور آخرت کا عذاب واقعی زیادہ سخت اور زیادہ دیر رہنے والا ہے۔ ﴿۱۲۷﴾ پھر کیا ان لوگوں کو اس بات نے بھی کوئی ہدایت کا سبق نہیں دیا کہ ان سے پہلے کتنی نسلیں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا، جن کی بستیوں میں یہ لوگ چلتے پھرتے بھی ہیں؟ یقیناً جن لوگوں کے پاس عقل ہے، اُن کے لئے اس بات میں عبرت کے بڑے سامان ہیں۔ ﴿۱۲۸﴾ اور اگر تمہارے رَبّ کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ کر دی گئی ہوتی، اور (اس کے نتیجے میں عذاب کی) ایک میعاد مقرر نہ ہوتی، تو لازمی طور پر عذاب (ان کو) چمٹ چکا ہوتا۔ (۵۵) ﴿۱۲۹﴾

---

(۵۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ان کافروں کو عذاب دینے کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، اور یہ طے کر رکھا ہے کہ اس سے پہلے ان کو مہلت دی جائے گی۔ اس لئے ان کی نافرمانیوں کے باوجود ان پر عذاب نازل نہیں ہو رہا ہے۔ اگر یہ بات پہلے سے طے نہ ہوتی تو ان کے کرتوت ایسے تھے کہ ان کو فوری طور پر عذاب آ چمٹتا۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ
وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ
اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ
رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْــَٔـلُكَ رِزْقًا ۭ
نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

لہٰذا (اے پیغمبر!) یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں، تم ان پر صبر کرو، اور سورج نکلنے سے پہلے اور اُس کے غروب سے پہلے اپنے ربّ کی تسبیح اور حمد کرتے رہو، اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو، اور دن کے کناروں میں بھی، تاکہ تم خوش ہو جاؤ۔(۵۶) ﴿۱۳۰﴾ اور دُنیوی زندگی کی اُس بہار کی طرف آنکھیں اُٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے اُڑانے کے لئے دے رکھی ہے، تاکہ ہم ان کو اُس کے ذریعے آزمائیں۔ اور تمہارے ربّ کا رزق سب سے بہتر اور سب سے زیادہ دیرپا ہے۔ ﴿۱۳۱﴾ اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی اُس پر ثابت قدم رہو۔ ہم تم سے رزق نہیں چاہتے، رزق تو ہم تمہیں دیں گے۔(۵۷) اور بہتر انجام تقویٰ ہی کا ہے۔ ﴿۱۳۲﴾

---

(۵۶) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ یہ لوگ آپ کے خلاف جو بے ہودہ باتیں کرتے ہیں، ان کا جواب دینے کے بجائے ان پر صبر کرتے رہئے، اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس میں لگے رہئے جس کا بہترین طریقہ نماز پڑھنا ہے، چنانچہ سورج نکلنے سے پہلے فجر کی نماز اور غروب سے پہلے عصر کی نماز اور رات میں عشاء اور تہجد کی نماز اور دن کے کناروں پر مغرب کی نماز کا اہتمام کرتے رہئے۔ اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بالآخر آپ خوش ہو جائیں گے، ایک تو اس لئے کہ اس پر آپ کو جو اجر ملنے والا ہے، وہ انتہائی عظیم الشان ہے، اور دوسرے یہی طرزِ عمل آخر کار دشمنوں پر آپ کی فتح کا ضامن ہے، اور تیسرے اس لئے کہ آپ کو اُمت کی شفاعت کا مقام حاصل ہوگا تو اُمت کی نجات سے آپ کو خوشی ہوگی۔

(۵۷) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح دُنیا میں آقا اپنے غلاموں کو معاشی مشغلے میں لگا کر ان کی آمدنی

وَقَالُوْا لَوْلَا يَأْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾
وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا
فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ
فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع ۸ ۱۷

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: "یہ (نبی) ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتے؟" بھلا کیا ان کے پاس پچھلے (آسمانی) صحیفوں کے مضامین کی گواہی نہیں آگئی؟(۵۸) ﴿۱۳۳﴾ اور اگر ہم انہیں اس (قرآن) سے پہلے ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ کہتے کہ: "ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہیں بھیجا، تاکہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے؟" ﴿۱۳۴﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: "(ہم) سب انتظار کر رہے ہیں، لہٰذا تم بھی انتظار کرو۔"(۵۹) کیونکہ عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ سیدھے راستے والے لوگ کون ہیں، اور کون ہیں جو ہدایت پاگئے ہیں؟ ﴿۱۳۵﴾

سے رزق حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری اس طرح کی بندگی سے بے نیاز ہے، اس کے بجائے وہ خود تمہیں رزق دینے کا وعدہ کر چکا ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم نے تم پر یہ ذمہ داری عائد نہیں کی کہ تم اپنا رزق خود پیدا کرو۔ تم زیادہ سے زیادہ جو کچھ کرتے ہو، وہ یہ کہ اسباب کو اختیار کر لیتے ہو، مثلاً زمین میں بیج بو دیتے ہو، لیکن اس بیج سے دانہ اُگانے کا کام ہم نے تم پر نہیں رکھا، بلکہ ہم خود اس سے وہ پیداوار پیدا کرتے ہیں جو تمہیں رزق مہیا کرتی ہے۔

(۵۸) اس سے مراد قرآن کریم ہے، اور آیت کی تشریح دو طرح کی جاسکتی ہے۔ ایک یہ کہ یہ قرآن وہ کتاب ہے جس کی پیشین گوئی پچھلے آسمانی صحیفوں میں موجود تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان صحیفوں نے قرآن کریم کی حقانیت کی گواہی دی تھی، اور دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ قرآن کریم پچھلے آسمانی صحیفوں کے مضامین کی تصدیق کر کے ان کی گواہی دے رہا ہے، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی زبان مبارک پر یہ کلام جاری ہوا

ہے، وہ اُمی ہیں، اور ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ پچھلی کتابوں کا علم حاصل کر سکتے۔ اب جو ان آسمانی کتابوں کے مضامین ان کی زبان پر جاری ہو رہے ہیں، اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ مضامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں، اور قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی اور کیا نشانی چاہتے ہو؟

(۵۹) یعنی دلیلیں اور حجتیں تو ساری تمام ہو چکیں۔ اب اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا تم بھی انتظار کرو، اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب ہر شخص کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو کر واضح ہو جائے گا۔

الحمد للہ! سورۂ طٰہٰ کا ترجمہ اور حواشی آج بتاریخ ۲۷ر دسمبر ۲۰۰۱ء – ۵ر ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ دبئی سے کراچی جاتے ہوئے طیارے میں تکمیل کو پہنچے۔ اور اس سورت کا بیشتر کام بحرین، دبئی، لاہور اور اسلام آباد کے سفروں میں انجام پایا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ الأنبياء

تعارف

اس سورت کا بنیادی مقصد اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات ہے، اور ان عقائد کے خلاف کفارِ مکہ جو اعتراضات اُٹھایا کرتے تھے، سورت میں اُن کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ان لوگوں کا ایک اعتراض یہ تھا کہ ایک ہم جیسے انسان کو پیغمبر بنا کر کیوں بھیجا گیا ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ انسانوں کے پاس انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا مناسب تھا، اور اس ضمن میں بہت سے پچھلے پیغمبروں کا حوالہ دیا گیا ہے کہ وہ سب انسان ہی تھے، اور انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو انہی عقائد کی تعلیم دی تھی جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقائد ہیں۔ انبیائے کرام کے اسی حوالے کی بنا پر اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء رکھا گیا ہے۔

آیاتها ۱۱۲ | ۲۱ سورۃ الانبیاء مکیۃ ۷۳ | رکوعاتها ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ
رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۲ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا
النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ
تُبْصِرُوْنَ ۝۳ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۴

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت قریب آپہنچا ہے، اور وہ ہیں کہ غفلت کی حالت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں! ﴿۱﴾ جب بھی ان کے پروردگار کی طرف سے نصیحت کی کوئی نئی بات ان کے پاس آتی ہے تو وہ اسے مذاق بنا بنا کر اس حالت میں سنتے ہیں ﴿۲﴾ کہ ان کے دل فضولیات میں منہمک ہوتے ہیں۔ اور یہ ظالم چپکے چپکے (ایک دوسرے سے) سرگوشی کرتے ہیں کہ: "یہ شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمہی جیسا ایک انسان نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا پھر بھی تم سوچتے بوجھتے جادو کی بات سننے جاؤ گے؟" ﴿۳﴾ پیغمبر نے (جواب میں) کہا کہ: "آسمان اور زمین میں جو کچھ کہا جاتا ہے، میرا پروردگار اس سب کو جانتا ہے۔ وہ ہر بات سنتا ہے، ہر چیز سے باخبر ہے۔"(1) ﴿۴﴾

(۱) جو باتیں یہ کافر لوگ خفیہ طور پر کیا کرتے تھے، بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے ذریعے اُن سے باخبر ہو کر وہ باتیں بتا دیا کرتے تھے، اس بات کو وہ لوگ جادو کہہ دیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ یہ جادو نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی وحی ہے جو زمین و آسمان میں کہی ہوئی ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ
الْاَوَّلُوْنَ ⑤ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥ وَمَآ
اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا
تَعْلَمُوْنَ ⑦ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ⑧

یہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ: ''یہ (قرآن) بے جوڑ خوابوں کا مجموعہ ہے، بلکہ یہ ان صاحب نے خود گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ ایک شاعر ہیں۔ بھلا یہ ہمارے سامنے کوئی نشانی تو لے آئیں جیسے پچھلے پیغمبر (نشانیوں کے ساتھ) بھیجے گئے تھے!'' ﴿۵﴾ حالانکہ ان سے پہلے جس کسی بستی کو ہم نے ہلاک کیا، وہ ایمان نہیں لائی، اب کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟[۲] ﴿۶﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کسی اور کو نہیں، آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے۔ لہٰذا (کافروں سے کہو کہ) اگر تمہیں خود علم نہیں ہے تو نصیحت کا علم رکھنے والوں سے پوچھ لو[۳] ﴿۷﴾ اور ہم نے ان (رسولوں) کو ایسے جسم بنا کر پیدا نہیں کر دیا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہ وہ ایسے تھے کہ ہمیشہ زندہ رہیں۔ ﴿۸﴾

---

(۲) نشانی سے مراد معجزہ ہے۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزات ان کے سامنے آچکے تھے، لیکن وہ نت نئے معجزوں کے مطالبات کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ پچھلی قوموں نے بھی ایسے مطالبات کیے تھے، لیکن جب ان کو ان کی فرمائش کے مطابق معجزات دکھائے گئے تب بھی وہ ایمان نہیں لائے جس کے نتیجے میں انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ بھی اپنے فرمائشی معجزے دیکھنے کے بعد ایمان نہیں لائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنے فرمائشی معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے تو اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور ابھی اللہ تعالیٰ کو ان کی فوری ہلاکت منظور نہیں ہے۔

(۳) نصیحت کا علم رکھنے والوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ یعنی اگر تمہیں خود پچھلے پیغمبروں کا علم نہیں ہے تو اہل کتاب سے پوچھ لو، وہ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ تمام انبیائے کرام انسانوں ہی میں سے آئے ہیں۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۹﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ
اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً ع
وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾
لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾

پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا، اُسے سچا کر دکھایا کہ ان کو بھی بچالیا، اور (ان کے علاوہ) جن کو ہم نے چاہا ان کو بھی، اور جو لوگ حد سے گذر چکے تھے، انہیں ہلاک کر دیا۔ ﴿۹﴾ (اب) ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب اُتاری ہے جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔(۴) کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟ ﴿۱۰﴾ اور ہم نے کتنی بستیوں کو پیس ڈالا جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری نسلیں پیدا کیں۔ ﴿۱۱﴾ چنانچہ جب انہوں نے ہمارے عذاب کی آہٹ پائی تو وہ ایک دم وہاں سے بھاگنے لگے۔ ﴿۱۲﴾ (ان سے کہا گیا:) "بھاگو مت، اور واپس جاؤ اپنے انہی مکانات اور اسی عیش و عشرت کے سامان کی طرف جس کے مزے تم لوٹ رہے تھے، شاید تم سے کچھ پوچھا جائے۔"(۵) ﴿۱۳﴾

---

(۴) اس آیت کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: "ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب اُتاری ہے جس میں تمہارے ہی ذکر خیر کا سامان ہے" اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ کتاب عربی زبان میں نازل کی گئی ہے جس کے براہِ راست مخاطب تم عرب لوگ ہو، اور یہ تمہارے لئے بہت بڑے اعزاز کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری کلام تم پر تمہاری زبان میں نازل فرمایا، اور اس سے رہتی دُنیا تک دُنیا کی ساری قوموں میں تمہارا ذکر خیر جاری رہے گا۔

(۵) یہ بات اُن سے طنز کے طور پر کہی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے عیش و عشرت میں منہمک تھے تو تمہارے نوکر چاکر تم سے پوچھا کرتے تھے کہ "کیا حکم ہے؟" اب ذرا اپنے گھروں میں واپس جا کر دیکھو، شاید تمہارے نوکر چاکر تم سے تمہارا حکم پوچھیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اب نہ تمہیں اپنے گھروں کا کوئی نشان ملے گا، نہ عیش و عشرت کے سامان کا، اور نہ ان نوکروں کا جو تمہارے احکام کے منتظر رہا کرتے تھے۔

قَالُوا يٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ ﴿١٤﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيدًا
خٰمِدِينَ ﴿١٥﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِينَ ﴿١٦﴾ لَوْ أَرَدْنَآ
أَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ إِنْ كُنَّا فٰعِلِينَ ﴿١٧﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ
عَلَى الْبٰطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾

وہ کہنے لگے: "ہائے ہماری کم بختی! سچی بات یہ ہے کہ ہم لوگ ہی ظالم تھے۔" ﴿١٤﴾ ان کی یہی پکار جاری رہی یہاں تک کہ ہم نے ان کو ایک کٹی ہوئی کھیتی، ایک بجھی ہوئی آگ بنا کر رکھ دیا۔ ﴿١٥﴾ اور ہم نے آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اُس کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ ہم کوئی کھیل کرنا چاہتے ہوں۔(٦) ﴿١٦﴾ اگر ہمیں کوئی کھیل بنانا ہوتا تو ہم خود اپنے پاس سے بنا لیتے، اگر ہمیں ایسا کرنا ہی ہوتا۔(٧) ﴿١٧﴾ بلکہ ہم تو حق بات کو باطل پر کھینچ مارتے ہیں، جو اُس کا سر توڑ ڈالتا ہے، اور وہ ایک دم ملیامیٹ ہوجاتا ہے۔(٨) اور جو باتیں تم بنا رہے ہو، اُن کی وجہ سے خرابی تمہاری ہی ہے۔ ﴿١٨﴾

---

(٦) جو لوگ دُنیا کے بعد آخرت کی زندگی کا انکار کرتے ہیں، در حقیقت اُن کے دعوے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات یونہی کسی مقصد کے بغیر ایک کھیل بنا کر پیدا کردی ہے، اور جو کچھ اس دُنیا میں ہو رہا ہے، اُس کا کوئی نتیجہ بعد میں ظاہر ہونے والا نہیں ہے، نہ کسی شخص کو اس کی نیکی کا کوئی صلہ ملے گا، اور نہ کسی ظالم اور بدکار کو اُس کے گناہ کی سزا ملے گی۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات کی نسبت بہت بڑی گستاخی ہے۔

(٧) یعنی اوّل تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور کرنا حماقت ہے کہ وہ کوئی کھیل کرنا چاہتا ہے، دوسرے اگر بفرضِ محال اُسے کوئی دل لگی کرنی ہوتی تو اُس کے لئے کائنات کا یہ سارا کارخانہ پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی، وہ اپنے پاس ہی سے کوئی مشغلہ بنا سکتا تھا۔

(٨) یعنی کھیل دل لگی ہمارا کام نہیں ہے۔ ہم تو جو کام کرتے ہیں، وہ حق ہی حق ہوتا ہے، اور اس کے مقابلے میں باطل آتا ہے تو حق ہی کے ذریعے اُس کا توڑ کیا جاتا ہے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا
يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ
الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ
رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور آسمانوں اور زمین میں جو لوگ بھی ہیں، اللہ کے ہیں۔ اور جو (فرشتے) اللہ کے پاس ہیں، وہ نہ
اُس کی عبادت سے سرکشی کرتے ہیں، نہ تھکتے ہیں۔ ﴿۱۹﴾ وہ رات دن اُس کی تسبیح کرتے رہتے
ہیں، اور سست نہیں پڑتے۔ ﴿۲۰﴾
بھلا کیا ان لوگوں نے زمین میں سے ایسے خدا بنا رکھے ہیں جو نئی زندگی دیتے ہیں؟(۹) ﴿۲۱﴾ اگر
آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا دوسرے خدا ہوتے تو دونوں درہم برہم ہوجاتے۔(۱۰) لہٰذا عرش کا
مالک اللہ اُن باتوں سے بالکل پاک ہے جو یہ لوگ بنایا کرتے ہیں۔ ﴿۲۲﴾

---

(۹) اکثر مفسرین نے نئی زندگی دینے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جن دیوتاؤں کو انہوں نے خدا بنا رکھا ہے، کیا وہ اس بات پر قادر ہیں کہ مردوں کو نئی زندگی دے سکیں؟ اگرچہ مشرکینِ عرب مرنے کے بعد کی زندگی کے قائل نہیں تھے، لیکن جب کسی ذات کو خدا مان لیا تو اُس کا منطقی تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ اُس ذات کو نئی زندگی دینے پر بھی قدرت حاصل ہو، تو کیا یہ لوگ بتوں کو ایسا قادر مانتے ہیں؟ لیکن بعض مفسرین نے یہاں نئی زندگی دینے کا مطلب یہ لیا ہے کہ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دیوتا زمین کو نئی زندگی دیتے ہیں جس سے وہ سرسبز و شاداب ہوجاتی ہے، کیونکہ ان میں سے بعض کافروں کا یہ عقیدہ تھا کہ آسمان کا خدا کوئی اور ہے، اور زمین کا کوئی اور، اللہ تعالیٰ کی خدائی تو آسمان پر ہے، اور زمین کا سارا انتظام دیوتا کرتے ہیں۔

(۱۰) یہ توحید کی ایک عام فہم دلیل ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر اس کائنات میں ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو ہر خدا مستقل خدائی کا حامل ہوتا، اور کوئی کسی کا تابع نہ ہوتا۔ اس صورت میں ان کے فیصلوں کے درمیان اختلاف بھی ہوسکتا تھا۔ اب اگر ایک خدا نے ایک فیصلہ کیا، اور دوسرے خدا نے دوسرا فیصلہ تو یا تو اُن میں سے ایک دوسرے کے آگے ہار مان لیتا، تو پھر وہ خدا ہی کیا ہوا جو کسی سے ہار مان لے، یا دونوں اپنے اپنے فیصلے کو نافذ کرنے کے لئے

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ﴿۲۳﴾ أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا
بُرْهَانَكُمْ ۖ هَٰذَا ذِكْرُ مَن مَّعِيَ وَذِكْرُ مَن قَبْلِي ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ۖ
فَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿۲۴﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا
إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿۲۵﴾

وہ جو کچھ کرتا ہے، اُس کا کسی کو جواب دہ نہیں ہے، اور ان سب کو جواب دہی کرنی ہوگی۔ ﴿۲۳﴾ بھلا کیا اُسے چھوڑ کر انہوں نے دوسرے خدا بنا رکھے ہیں؟ (اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ: "لاؤ اپنی دلیل!" یہ (قرآن) بھی موجود ہے جس میں میرے ساتھ والوں کے لئے نصیحت ہے، اور وہ (کتابیں) بھی موجود ہیں جن میں مجھ سے پہلے لوگوں کے لئے نصیحت تھی۔ (۱۱) لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حق بات کا یقین نہیں کرتے، اس لئے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۲۴﴾ اور تم سے پہلے ہم نے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جس پر ہم نے یہ وحی نازل نہ کی ہو کہ: "میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، لہٰذا میری عبادت کرو۔" ﴿۲۵﴾

زور لگاتے تو متضاد فیصلوں کی تنفیذ سے آسمان اور زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اسی دلیل کی ایک دوسری تشریح یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ جو لوگ آسمان اور زمین کے لئے الگ الگ خدا مانتے ہیں، اُن کا یہ عقیدہ اس لئے بالکل باطل ہے کہ مشاہدے سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ پوری کائنات ایک ہی مربوط نظام میں بندھی ہوئی ہے۔ چاند، سورج اور ستاروں سے لے کر دریاؤں، پہاڑوں اور زمین کی نباتات اور جمادات تک سب میں ایک ہم آہنگی پائی جاتی ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان سب کو ایک ہی ارادے، ایک ہی مشیت اور ایک ہی منصوبہ بندی نے کام پر لگا رکھا ہے۔ اگر آسمان اور زمین کے خدا الگ الگ ہوتے تو کائنات میں اس ربط اور ہم آہنگی کا فقدان ہوتا، جس کے نتیجے میں یہ سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر ایک عقلی دلیل تو پچھلی آیت میں بیان فرمادی گئی ہے جس کی تشریح اوپر کے حاشیے میں گذری۔ اب اس آیت میں نقلی دلیل بیان کی جارہی ہے کہ تمام آسمانی کتابوں میں توحید کے عقیدے

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ
بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا
يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ
اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ اَوَلَمْ يَرَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ

یہ لوگ کہتے ہیں کہ: "خدائے رحمٰن (فرشتوں کی شکل میں) اولاد رکھتا ہے۔"(١٢) سبحان اللہ! بلکہ (فرشتے تو اللہ کے) بندے ہیں جنہیں عزت بخشی گئی ہے۔ ﴿٢٦﴾ وہ اُس سے آگے بڑھ کر کوئی بات نہیں کرتے، اور وہ اُسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ ﴿٢٧﴾ وہ اُن کی تمام اگلی پچھلی باتوں کو جانتا ہے، اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرسکتے، سوائے اُس کے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہو، اور وہ اُس کے خوف سے سہمے رہتے ہیں۔ ﴿٢٨﴾ اور اگر اُن میں سے کوئی (بالفرض) یہ کہے کہ: "اللہ کے علاوہ میں بھی معبود ہوں" تو اُس کو ہم جہنم کی سزا دیں گے۔ ایسے ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ﴿٢٩﴾ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، کیا اُنہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ سارے آسمان اور زمین بند تھے، پھر ہم نے اُنہیں کھول دیا،(١٣)

پر ہی زور دیا گیا ہے۔ اس قرآنِ کریم کے علاوہ جتنی کتابیں پچھلی قوموں پر نازل کی گئیں، اُن سب میں یہی عقیدہ بیان ہوا ہے۔

(١٢) اہلِ عرب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔

(١٣) اکثر مفسرین کی تفسیر کے مطابق اس آیت میں آسمان کے بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس سے بارش نہیں ہوتی تھی، اور زمین کے بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس سے کوئی پیداوار نہیں ہوتی تھی، اور ان دونوں کو کھولنے کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی برسنے لگا، اور زمین سے سبزیاں اُگنے لگیں۔ یہ تفسیر متعدد صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔ لیکن دوسرے بعض مفسرین نے اس کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ آسمان اور زمین دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے اور یک جان تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو الگ الگ کیا۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٣﴾

اور پانی سے ہر جاندار چیز پیدا کی ہے؟ [۱۴] کیا پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے؟ ﴿۳۰﴾ اور ہم نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ پیدا کیے ہیں، تاکہ وہ انہیں لے کر ہلنے نہ پائے، [۱۵] اور اس میں ہم نے چوڑے چوڑے راستے بنائے ہیں، تاکہ وہ منزل تک پہنچ سکیں۔ ﴿۳۱﴾ اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا ہے، [۱۶] اور یہ لوگ ہیں کہ اس کی نشانیوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ﴿۳۲﴾ اور وہی (اللہ) ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند پیدا کیے۔ سب کسی نہ کسی مدار میں تیر رہے ہیں۔ [۱۷] ﴿۳۳﴾

---

(۱۴) اس آیت نے واضح کر دیا ہے کہ ہر جاندار چیز کی تخلیق میں پانی کا کوئی نہ کوئی دخل ضرور ہے۔

(۱۵) یہ حقیقت قرآن کریم نے کئی مقامات پر بیان فرمائی ہے کہ جب زمین کو بچھایا گیا تو وہ ہلتی تھی، اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے پہاڑ پیدا کر کے اس پر جمائے تو اس کو قرار حاصل ہوا۔ جدید سائنس نے بھی صدیوں کے بعد یہ پتہ لگایا ہے کہ بڑے بڑے براعظم اب بھی بہت سست رفتار سے سمندر کے پانی پر سرکتے رہتے ہیں، مگر اب ان کی رفتار اتنی دھیمی ہے کہ عام آنکھیں ان کا ادراک نہیں کر سکتیں۔

(۱۶) یعنی وہ گرنے اور ٹوٹنے پھوٹنے سے بھی محفوظ ہے، اور شیطانوں کی دست برد سے بھی۔

(۱۷) قرآن کریم میں اصل لفظ "فلک" ہے جو عربی زبان میں گول دائرے کو کہتے ہیں۔ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے، اس وقت فلکیات میں یہ بطلیموسی نظریہ دنیا پر چھایا ہوا تھا کہ چاند سورج اور دوسرے سیارے آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں، اور آسمان کی گردش کے ساتھ وہ سیارے بھی گردش کرتے ہیں۔ لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو الفاظ اختیار فرمائے، وہ اس بطلیموسی نظریے پر پوری طرح منطبق نہیں ہوتے۔ اس کے بجائے اس آیت کے مطابق ہر سیارے کا اپنا مدار ہے جس میں وہ "تیر رہا ہے"۔ تیرنے کا لفظ بطور خاص قابل توجہ ہے، جو خلا میں تیرنے پر زیادہ صادق آتا ہے۔ سائنس اس حقیقت تک بھی بہت بعد میں پہنچی ہے کہ سیارے خلا میں تیر رہے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ
ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا
رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ
وَهُم بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٦﴾

اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے بھی ہمیشہ زندہ رہنا ہم نے کسی فرد بشر کے لئے طے نہیں کیا۔ (۱۸) چنانچہ اگر تمہارا انتقال ہوگیا تو کیا یہ لوگ ایسے ہیں جو ہمیشہ زندہ رہیں؟ ﴿۳۴﴾ ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم تمہیں آزمانے کے لئے بری بھلی حالتوں میں مبتلا کرتے ہیں، اور تم سب ہمارے پاس ہی لوٹا کر لائے جاؤ گے۔ ﴿۳۵﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے، وہ جب تمہیں دیکھتے ہیں تو اس کے سوا ان کا کوئی کام نہیں ہوتا کہ وہ تمہارا مذاق بنانے لگتے ہیں (اور کہتے ہیں:) ''کیا یہی صاحب ہیں جو تمہارے خداؤں کا ذکر کیا کرتے ہیں؟ (یعنی یہ کہتے ہیں کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں)'' حالانکہ ان (کافروں) کی اپنی حالت یہ ہے کہ وہ خدائے رحمٰن ہی کا ذکر کرنے سے انکار کئے بیٹھے ہیں! (۱۹) ﴿۳۶﴾

---

(۱۸) سورۂ طور (۵۲:۳۰) میں مذکور ہے کہ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے تھے کہ ہم ان کی موت کا انتظار کررہے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے انتقال کے موقع پر وہ خوشی منائیں گے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اول تو موت ہر شخص کو آنی ہے، اور کیا خود یہ خوشی منانے والے موت سے بچ جائیں گے؟

(۱۹) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بتوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کی خدائی کی کوئی حقیقت نہیں، اس پر یہ لوگ عیب لگاتے ہیں کہ آپ ہمارے خداؤں کا برائی سے ذکر کررہے ہیں، لیکن ان کا اپنا حال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا نام "رحمٰن" ذکر کرتے ہیں تو یہ اس کا انکار کرتے ہیں کہ: "رحمٰن کیا ہوتا ہے؟" دیکھئے سورۂ فرقان (۲۵:۶۰)۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿٣٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى
هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ
وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٣٩﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ
ع فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤١﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ
بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٢﴾

انسان جلد بازی کی خصلت لے کر پیدا ہوا ہے۔ میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھلا دوں گا، لہٰذا تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ۔ (٢٠) ﴿٣٧﴾ اور یہ لوگ (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ: "اگر تم سچے ہو تو آخر یہ (عذاب کی) دھمکی کب پوری ہوگی؟" ﴿٣٨﴾ کاش ان کافروں کو اُس وقت کی کچھ خبر لگ جاتی جب یہ نہ اپنے چہروں سے آگ کو دُور کر سکیں گے، اور نہ اپنی پشتوں سے، اور نہ ان کو کوئی مدد میسر آئے گی۔ ﴿٣٩﴾ بلکہ وہ (آگ) ان کے پاس ایک دم آدھمکے گی، اور ان کے ہوش و حواس گم کر کے رکھ دے گی، پھر نہ یہ اُسے پیچھے ہٹا سکیں گے، اور نہ انہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔ ﴿٤٠﴾ اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے بھی پیغمبروں کا مذاق اُڑایا گیا تھا، پھر اُن کا مذاق بنانے والوں کو اُسی چیز نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ ﴿٤١﴾ کہہ دو کہ: "کون ہے جو رات میں اور دن میں خدائے رحمٰن (کے عذاب سے) سے تمہارا بچاؤ کرے؟" مگر وہ ہیں کہ اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ ﴿٤٢﴾

---

(٢٠) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے تھے تو یہ لوگ اُس کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ وہ عذاب ابھی لے آؤ۔ ان آیتوں میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔

أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُم مِّن دُونِنَا ۚ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنفُسِهِمْ وَلَا هُم مِّنَّا
يُصْحَبُونَ ﴿٤٣﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هَٰؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ أَفَلَا يَرَوْنَ
أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾ قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُم
بِالْوَحْيِ ۚ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنذَرُونَ ﴿٤٥﴾ وَلَئِن مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ
مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٤٦﴾

بھلا کیا ان کے پاس ہمارے سوا کوئی ایسے خدا ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہوں؟ وہ تو خود اپنی مدد نہیں کرسکتے، اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔ ﴿۴۳﴾ بلکہ معاملہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو اور ان کے آباؤ اجداد کو سامانِ عیش عطا کیا، یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ان پر ایک عمر گذر گئی۔(۲۱) بھلا کیا انہیں یہ نظر نہیں آتا کہ ہم زمین کو اس کے مختلف کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں۔(۲۲) پھر کیا وہ غالب آجائیں گے؟ ﴿۴۴﴾ کہہ دو کہ: ”میں تو تمہیں وحی کے ذریعے ڈراتا ہوں“ لیکن بہرے لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں ڈرایا جاتا ہے تو وہ کوئی پکار نہیں سنتے۔ ﴿۴۵﴾ اور اگر تمہارے پروردگار کے عذاب کا ایک جھونکا بھی انہیں چھو جائے تو یہ کہنے لگیں گے کہ: ”ہائے ہماری کم بختی! واقعی ہم لوگ ظالم تھے۔“ ﴿۴۶﴾

---

(۲۱) یعنی ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو عیش و عشرت کا جو سامان دے دیا تھا، اُس سے وہ لمبے عرصے تک مزے اُڑاتے رہے، اور یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ ان کا حق ہے، اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں، ٹھیک کر رہے ہیں۔ اسی غرور میں مبتلا ہو کر وہ حق کے انکار پر آمادہ ہو گئے۔

(۲۲) یہ وہی بات ہے جو سورۂ رعد (۱۳: ۴۱) میں بھی گذری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جزیرۂ عرب کے مختلف اطراف سے شرک اور مشرکین کا اثر و رسوخ گھٹتا چلا جا رہا ہے، اور اسلام اور مسلمانوں کے اثرات بڑھ رہے ہیں۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَإِنْ كَانَ
مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ ﴿٤٧﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ
وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٨﴾ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ
بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿٤٩﴾ وَهَٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ ۚ أَفَأَنْتُمْ
لَهُ مُنْكِرُونَ ﴿٥٠﴾

اور ہم قیامت کے دن ایسی ترازویں لا رکھیں گے جو سراپا انصاف ہوں گی،(۲۲) چنانچہ کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اُسے سامنے لے آئیں گے۔ اور حساب لینے کے لئے ہم کافی ہیں۔ ﴿۴۷﴾ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق و باطل کا ایک معیار، (ہدایت کی) ایک روشنی اور اُن متقی لوگوں کے لئے نصیحت کا سامان عطا کیا تھا ﴿۴۸﴾ جو دیکھے بغیر اپنے پروردگار سے ڈریں، اور جن کو قیامت کی گھڑی کا خوف لگا ہوا ہو۔ ﴿۴۹﴾ اور اب یہ (قرآن) برکتوں والا پیغام نصیحت ہے جو ہم نے نازل کیا ہے۔ کیا پھر بھی تم اسے ماننے سے انکار کرتے ہو؟ ﴿۵۰﴾

---

(۲۲) اس آیت نے واضح فرمایا ہے کہ قیامت کے دن صرف یہی نہیں کہ تمام لوگوں سے انصاف ہوگا، بلکہ اس بات کا بھی اہتمام کیا جائے گا کہ انصاف سب لوگوں کو آنکھوں سے نظر آئے۔ اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ ایسی ترازویں برسرِعام نصب فرمائیں گے جن میں انسانوں کے اعمال کو تولا جائے گا، اور اعمال کے وزن کے حساب سے انسانوں کے انجام کا فیصلہ ہوگا۔ انسان جو عمل بھی کرتا ہے، اس دُنیا میں اگرچہ ان کا نہ کوئی جسم نظر آتا ہے، اور نہ ان میں کسی وزن کا احساس ہوتا ہے، لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کا وزن کرنے کی ایسی صورت پیدا فرمائیں گے جن سے ان اعمال کی حقیقت واضح ہوجائے۔ اگر انسان سردی گرمی جیسی چیزوں کو تولنے کے لئے نئے نئے آلات ایجاد کرسکتا ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ ان اعمال کو تولنے کا عملی مظاہرہ فرمادیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ﴿٥١﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ
وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا
عَابِدِينَ ﴿٥٣﴾ قَالَ لَقَدْ كُنتُمْ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٥٤﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا
بِالْحَقِّ أَمْ أَنتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ﴿٥٥﴾ قَالَ بَل رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
الَّذِي فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلَىٰ ذَٰلِكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٦﴾ وَتَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُم
بَعْدَ أَن تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ ﴿٥٧﴾

اور اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو وہ سمجھ بوجھ عطا کی تھی جو اُن کے لائق تھی، اور ہم اُنہیں خوب جانتے تھے۔ ﴿۵۱﴾ وہ وقت یاد کرو جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ: "یہ کیا مورتیں ہیں جن کے آگے تم دھرنا دیے بیٹھے ہو؟" ﴿۵۲﴾ وہ بولے کہ: "ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔" ﴿۵۳﴾ ابراہیم نے کہا: "حقیقت یہ ہے کہ تم بھی اور تمہارے باپ دادے بھی کھلی گمراہی میں مبتلا رہے ہو۔" ﴿۵۴﴾ انہوں نے کہا: "کیا تم ہم سے سچ مچ کی بات کر رہے ہو، یا دل لگی کر رہے ہو؟"(۲۲) ﴿۵۵﴾ ابراہیم نے کہا: "نہیں، بلکہ تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، جس نے یہ ساری چیزیں پیدا کی ہیں، اور لوگو! میں اس بات پر گواہی دیتا ہوں۔ ﴿۵۶﴾ اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک (ایسا) کام کروں گا (جس سے ان کی حقیقت کھل جائے گی)۔" ﴿۵۷﴾

---

(۲۲) انہیں چونکہ توقع نہیں تھی کہ کوئی ان کے بتوں کے بارے میں ایسی بات کہہ سکتا ہے، اس لئے شروع میں انہیں یہ شک ہوا کہ شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام سنجیدگی سے نہیں، بلکہ مذاق کے طور پر یہ بات کہہ رہے ہیں۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا
بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ
اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ
فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ
اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

چنانچہ ابراہیم نے ان کے بڑے بت کے سوا سارے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا، تاکہ وہ لوگ اُن کی طرف رجوع کریں۔ (۲۵) ﴿۵۸﴾ وہ کہنے لگے کہ: "ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ وہ کوئی بڑا ہی ظالم تھا۔" ﴿۵۹﴾ کچھ لوگوں نے کہا: "ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ ان بتوں کے بارے میں باتیں بنایا کرتا ہے، اُسے ابراہیم کہتے ہیں۔" ﴿۶۰﴾ انہوں نے کہا: "تو پھر اُس کو سب لوگوں کے سامنے لے کر آؤ، تاکہ سب گواہ بن جائیں۔" ﴿۶۱﴾ (پھر جب ابراہیم کو لایا گیا تو) وہ بولے: "ابراہیم! کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت تم ہی نے کی ہے؟" ﴿۶۲﴾ ابراہیم نے کہا: "نہیں، بلکہ یہ حرکت اُن کے اس بڑے سردار نے کی ہے، اب انہی بتوں سے پوچھ لو، اگر یہ بولتے ہوں۔" (۲۶) ﴿۶۳﴾

---

(۲۵) جیسا کہ سورۂ صافات (۳۷: ۸۸-۸۹) میں آنے والا ہے، وہ کوئی جشن کا دن تھا جس میں ساری قوم شہر چھوڑ کر کہیں جایا کرتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے ساتھ جانے سے معذرت کرلی تھی، اور جب سارے لوگ چلے گئے تو بت خانے میں جاکر سارے بتوں کو توڑ ڈالا، صرف ایک بڑے بت کو چھوڑ دیا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کلہاڑی بھی اُس کی گردن میں لٹکا کر چھوڑ دی۔ اس عمل سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ اپنی آنکھوں سے ان بتوں کی بے بسی کا منظر دیکھ سکیں، اور یہ سوچیں کہ جو بت خود اپنا دفاع نہیں کرسکتے، وہ دوسروں کی کیا مدد کریں گے۔ بڑے بت کو چھوڑنے کی مصلحت اس سوال وجواب سے واضح ہوگی جو آیت نمبر ۶۳ میں آگے آرہا ہے۔

(۲۶) یہ درحقیقت ان کے عقیدے پر ایک طنز تھا، وہ لوگ چونکہ بتوں کو بڑے اختیارات کا مالک سمجھتے تھے، اور

فَرَجَعُوٓا إِلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوٓا إِنَّكُمْ أَنتُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ نُكِسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ
لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَـٰٓؤُلَآءِ يَنطِقُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكُمْ
شَيْـًٔا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾

اس پر وہ لوگ اپنے دل میں کچھ سوچنے لگے، اور (اپنے آپ سے) کہنے لگے کہ: "سچی بات تو یہی ہے کہ تم خود ظالم ہو۔" ﴿٦٤﴾ پھر انہوں نے اپنے سر جھکا لئے، اور کہا: "تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔" (٢٧) ﴿٦٥﴾ ابراہیم نے کہا: "بھلا بتاؤ کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کر رہے ہو جو تمہیں نہ کچھ فائدہ پہنچاتی ہیں نہ نقصان؟ ﴿٦٦﴾ تف ہے تم پر بھی، اور اُن پر بھی جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ بھلا کیا تمہیں اتنی سمجھ نہیں؟" ﴿٦٧﴾

بڑا بت بنانے کا مقصد بھی تھا کہ یہ چھوٹے چھوٹے خداؤں کے لئے سرداری کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے اس طرح سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ جب تم اس بڑے بت کو بتوں کا سردار سمجھتے ہو، اور سردار اپنے ماتحتوں کا محافظ ہوا کرتا ہے، اس لئے اگر کسی اور شخص نے چھوٹے بتوں کو توڑا ہوتا تو تمہارے اعتقاد کے مطابق یہ سردار اُسے ایسا کرنے نہ دیتا۔ یہ احتمال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی اور شخص بتوں کی یہ گت بنائے، اور ان کا یہ سردار چپ چاپ دیکھتا رہے، اب تمہارے اعتقاد کے مطابق ایک ہی احتمال رہ جاتا ہے کہ خود یہ سردار ہی ان سے ناراض ہو گیا ہو، اور اسی نے ان کو توڑ پھوڑ ڈالا ہو۔ چونکہ یہ واضح طور پر ایک طنز تھا، اس لئے اس میں غلط بیانی کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ چھوٹے بت بھی ان کے عقیدے کے مطابق چھوٹے ہونے کے باوجود خدا ہی تھے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ان میں اتنی طاقت تو ہونی چاہئے کہ جو واقعہ ان کے ساتھ پیش آیا ہے، کم از کم وہ تمہیں بتا سکیں، اس لئے انہی سے پوچھ کر دیکھ لو کہ کیا قصہ ہوا تھا۔

(٢٧) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی حقیقت بتانے کے لئے جو طریقہ اختیار فرمایا، اُس نے انہیں کم از کم اپنے دل میں سوچنے پر مجبور کر دیا، اور اُن کے دل نے گواہی دی کہ قصور دراصل ہمارا ہی ہے۔ لیکن مدتوں سے جمے ہوئے عقیدے کو چھوڑنے کی جرأت نہ ہوئی، لاجواب ہو کر سر تو جھکا دیا، لیکن کہا یہ کہ یہ بات تو تم بھی جانتے ہو، اور ہم بھی پہلے سے جانتے ہیں کہ یہ بت بولتے نہیں ہیں۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا
عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى
الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ ۖ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ
وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿٧٢﴾

وہ (ایک دوسرے سے) کہنے لگے: "آگ میں جلا ڈالو اس شخص کو، اور اپنے خداؤں کی مدد کرو، اگر تم میں کچھ کرنے کا دم خم ہے۔" ﴿۶۸﴾ (چنانچہ انہوں نے ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا، اور) ہم نے کہا: "اے آگ! ٹھنڈی ہوجا، اور ابراہیم کے لئے سلامتی بن جا۔"(۲۸) ﴿۶۹﴾ اُن لوگوں نے ابراہیم کے لئے برائی کا منصوبہ بنایا تھا، مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُنہی کو بری طرح ناکام کر دیا۔ ﴿۷۰﴾ اور ہم اُنہیں اور لوط کو بچا کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے دُنیا جہان کے لوگوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔(۲۹) ﴿۷۱﴾ اور ہم نے اُن کو اِنعام کے طور پر اسحاق اور یعقوب عطا کئے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے نیک بنایا۔ ﴿۷۲﴾

---

(۲۸) اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ معجزہ دکھایا کہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا سبب بن گئی۔ جو لوگ معجزات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، ان کا موقف درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر شک کرنے کے مرادف ہے۔ حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ آگ میں جلانے کی خاصیت اسی نے پیدا فرمائی ہے، اگر وہ اپنے ایک جلیل القدر پیغمبر کو دشمنوں کے ظلم سے بچانے کے لئے اس کی یہ خاصیت ختم کردے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

(۲۹) لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، اور سورۂ عنکبوت (۲۹:۲۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم میں سے تنہا وہی ان پر ایمان لائے تھے۔ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انہیں آگ میں ڈالنے کی سازش ناکام ہوگئی تو نمرود نے مرعوب ہوکر ان سے تعرض نہیں کیا، اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے بھتیجے کو لے کر عراق سے شام کے علاقے میں تشریف لے گئے۔ قرآن کریم نے کئی مقامات پر شام اور فلسطین کے علاقے کو برکتوں والا علاقہ قرار دیا ہے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ
وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ
الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾
وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور ان سب کو ہم نے پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور ہم نے وحی کے ذریعے انہیں نیکیاں کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید کی تھی، اور وہ ہمارے عبادت گذار تھے۔ ﴿۷۳﴾ اور لوط کو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا، اور انہیں اُس بستی سے نجات دی جو گندے کام کرتی تھی۔(۳۰) حقیقت میں وہ بہت برائی والی نافرمان قوم تھی۔ ﴿۷۴﴾ اور لوط کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کرلیا، وہ یقیناً نیک لوگوں میں سے تھے۔ ﴿۷۵﴾ اور نوح کو بھی (ہم نے حکمت اور علم عطا کیا)، وہ وقت یاد کرو جب اس واقعے سے پہلے انہوں نے ہمیں پکارا، تو ہم نے ان کی دعا قبول کی، اور ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بڑی بھاری مصیبت سے بچالیا۔ ﴿۷۶﴾ اور جس قوم نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، اُس کے مقابلے میں اُن کی مدد کی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت بُرے لوگ تھے، اس لئے ہم نے اُن سب کو غرق کردیا۔ ﴿۷۷﴾

---

(۳۰) یوں تو یہ قوم بہت سے گندے کاموں میں مبتلا تھی، لیکن ان کی جس گھناؤنی حرکت کا قرآن کریم نے خاص طور پر ذکر کیا ہے، وہ ہم جنس پرستی یعنی مردوں کا مردوں سے جنسی لذت حاصل کرنا ہے۔ اس کا مفصل تذکرہ سورۂ ہود (۱۱:۷۷-۸۳) میں گذر چکا ہے۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا
لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ
دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ
لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً
تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾

اور داود اور سلیمان (کو بھی ہم نے حکمت اور علم عطا کیا تھا) جب وہ دونوں ایک کھیت کے جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے، کیونکہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت اُس کھیت میں جا گھسی تھیں،(۳۱) اور ان لوگوں کے بارے میں جو فیصلہ ہوا اُسے ہم خود دیکھ رہے تھے۔ ﴿۷۸﴾ چنانچہ اس فیصلے کی سمجھ ہم نے سلیمان کو دے دی، اور (ویسے) ہم نے دونوں ہی کو حکمت اور علم عطا کیا تھا۔(۳۲) اور ہم نے داود کے ساتھ پہاڑوں کو تابع دار بنا دیا تھا کہ وہ پرندوں کو ساتھ لے کر تسبیح کریں،(۳۳) اور یہ سارے کام کرنے والے ہم تھے۔ ﴿۷۹﴾

اور ہم نے انہیں تمہارے فائدے کے لئے ایک جنگی لباس (یعنی زرہ) بنانے کی صنعت سکھائی تاکہ وہ تمہیں لڑائی میں ایک دوسرے کی زد سے بچائے۔(۳۴) اب بتاؤ کہ کیا تم شکر گذار ہو؟ ﴿۸۰﴾ اور ہم نے تیز چلتی ہوئی ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا تھا جو ان کے حکم سے اُس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔(۳۵) اور ہمیں ہر ہر بات کا پورا پورا علم ہے۔ ﴿۸۱﴾

---

(۳۱) واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک شخص کی بکریوں نے رات کے وقت دوسرے کے کھیت میں گھس کر ساری فصل تباہ کر دی تھی۔ کھیت والا مقدمہ لے کر حضرت داود علیہ السلام کے پاس آیا۔ حضرت داود علیہ السلام نے فیصلہ یہ فرمایا

کہ بکریوں کے مالک کا فرض تھا کہ وہ رات کے وقت بکریوں کو باندھ کر رکھتا، اور چونکہ اُس کی غلطی سے کھیت والے کا نقصان ہوا، اس لئے بکری والا اپنی اتنی بکریاں کھیت والے کو دے جو قیمت میں تباہ ہونے والی فصل کے برابر ہوں۔ یہ فیصلہ عین شریعت کے مطابق تھا، لیکن جب یہ لوگ باہر نکلنے لگے تو دروازے پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُن سے پوچھا کہ میرے والد نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ انہوں نے بتادیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ذہن میں ایک اور صورت آرہی ہے جس میں دونوں کا فائدہ ہے۔ حضرت داود علیہ السلام نے اُن کی یہ بات سن لی تو انہیں بلا کر پوچھا کہ وہ کیا صورت ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ بکری والا کچھ عرصے کے لئے اپنی بکریاں کھیت والے کو دیدے جن کے دودھ وغیرہ سے کھیت والا فائدہ اُٹھاتا رہے، اور کھیت والا اپنا کھیت بکری والے کے حوالے کردے کہ وہ اُس میں کھیتی اُگائے، اور جب فصل اُتنی ہی ہوجائے جتنی بکریوں کے نقصان پہنچانے سے پہلے تھی تو اُس وقت بکریوں والا کھیت والے کو کھیت واپس کردے، اور کھیت والا اُسے بکریاں واپس کردے۔ یہ ایک مصالحت کی صورت تھی جس میں دونوں کا فائدہ تھا، اس لئے حضرت داود علیہ السلام نے اسے پسند فرمایا، اور دونوں فریق بھی اس پر راضی ہوگئے۔

(۳۲) چونکہ حضرت داود علیہ السلام کا فیصلہ اصل قانون کے مطابق تھا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی تجویز باہمی رضامندی سے ایک صلح کی صورت تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں کے بارے میں یہ فرمایا کہ ہم نے علم اور حکمت دونوں کو عطا کی تھی، لیکن مصالحت کی جو صورت حضرت سلیمان علیہ السلام نے تجویز کی، اُس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس کی سمجھ انہیں ہم نے عطا فرمائی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقدمے کے دوران قانونی فیصلہ حاصل کرنے سے بہتر ہے کہ فریقین آپس کی رضامندی سے مصالحت کی کوئی ایسی شکل نکال لیں جس میں دونوں کا بھلا ہو۔

(۳۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو بہت دلکش آواز عطا فرمائی تھی، اور معجزے کے طور پر یہ خصوصیت بخشی تھی کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ ذکر اور تسبیح میں شریک ہوتے تھے، اور اُڑتے ہوئے پرندے بھی رُک جاتے، اور وہ بھی ذکر کرنے لگتے تھے۔

(۳۴) سورۂ سبا (۳۴: ۱۰) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو ان کے ہاتھ میں نرم کردیا تھا، اور وہ اُسے جس طرح چاہتے موڑ لیتے تھے، اور لوہے کی زرہ اس طرح بناتے تھے کہ اُس کے تمام خانے نہایت متوازن ہوتے تھے۔ علمائے کرام نے اس آیت کے تحت فرمایا ہے کہ اس میں ہراُس صنعت کے قابلِ تعریف ہونے کی طرف اشارہ ہے جو انسانوں کے لئے فائدہ مند ہو۔

(۳۵) حضرت داود علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے لوہے جیسی سخت چیز کو نرم کردیا تھا، اور حضرت سلیمان علیہ

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿٨٢﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٨٣﴾

اور کچھ ایسے شریر جنات بھی ہم نے ان کے تابع کردیے تھے جو ان کی خاطر پانی میں غوطے لگاتے تھے،(٣٦) اور اس کے سوا اور بھی کام کرتے تھے۔ اور ان سب کی دیکھ بھال کرنے والے ہم تھے۔ ﴿٨٢﴾

اور ایوب کو دیکھو! جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ: "مجھے یہ تکلیف لگ گئی ہے، اور تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔"(٣٧) ﴿٨٣﴾

السلام کے لئے ہوا جیسی لطیف چیز کو۔ چنانچہ وہ اپنے تخت پر بیٹھ کر ہوا کو حکم دیتے تو وہ انہیں ان کی مرضی کے مطابق جہاں چاہتے لے جاتی تھی، اور سورۂ سبا (٣٤: ١٢) میں مذکور ہے کہ وہ ایک مہینے کا فاصلہ صبح کے سفر میں، اور ایک مہینے کا فاصلہ شام کے سفر میں طے کرلیا کرتے تھے۔ اور برکتوں والی سرزمین سے مراد شام یا فلسطین کا علاقہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ کہیں دور چلے جاتے تو وہ ہوا انہیں تیز رفتاری کے ساتھ واپس اپنے شہر میں لے آتی تھی جو فلسطین میں واقع تھا۔

(٣٦) شریر جنات سے مراد وہ جنات ہیں جو ایمان نہیں لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کردیا تھا، وہ ان کے حکم سے دریا میں غوطے لگا کر موتی نکالتے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو لاکر دیتے تھے۔ اور اس کے سوا اور کام بھی کرتے تھے جن کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ سورۂ سبا (٣٤: ١٣) میں آئے گی۔

(٣٧) حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم نے اتنا بتایا ہے کہ انہیں کوئی سخت بیماری لاحق ہوگئی تھی، لیکن انہوں نے صبر وضبط سے کام لیا، اور اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا عطا فرمائی۔ وہ بیماری کیا تھی؟ اس کی تشریح قرآن کریم نے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، اس لئے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، اور جو روایتیں اس سلسلے میں مشہور ہیں، وہ عام طور سے مستند نہیں ہیں۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ
عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝٨٤ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ
الصّٰبِرِيْنَ ۝٨٥ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝٨٦ وَذَا النُّوْنِ اِذْ
ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ
سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٨٧

پھر ہم نے ان کی دُعا قبول کی، اور انہیں جو تکلیف لاحق تھی، اُسے دُور کردیا، اور ان کو ان کے گھر والے بھی دیئے، اور ان کے ساتھ اتنے ہی لوگ اور بھی،[۳۸] تاکہ ہماری طرف سے رحمت کا مظاہرہ ہو، اور عبادت کرنے والوں کو ایک یادگار سبق ملے۔ ﴿۸۴﴾ اور اسماعیل اور اِدریس اور ذُوالکفل کو دیکھو! یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔[۳۹] ﴿۸۵﴾ اور ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کرلیا تھا۔ یقیناً ان کا شمار نیک لوگوں میں ہے۔ ﴿۸۶﴾

اور مچھلی والے (پیغمبر یعنی یونس علیہ السلام) کو دیکھو! جب وہ خفا ہوکر چل کھڑے ہوئے تھے، اور یہ سمجھے تھے کہ ہم ان کی کوئی پکڑ نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے اندھیریوں میں سے آواز لگائی کہ: "(یا اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے۔ بیشک میں قصوروار ہوں۔"[۴۰] ﴿۸۷﴾

---

(۳۸) بیماری کے دوران اُن کی بارہ بیوی کے سوا گھر کے بیشتر افراد حضرت ایوب علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ گئے تھے، پھر جب انہیں صحت حاصل ہوئی تو ان کی اولاد اور پوتے پوتیوں کی تعداد ان لوگوں سے دُگنی ہوگئی جو بیماری کے دوران ان کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

(۳۹) حضرت اسماعیل اور حضرت اِدریس علیہما السلام کا ذکر تو پہلے سورۂ مریم میں گذر چکا ہے۔ حضرت ذُوالکفل کا قرآن کریم میں صرف نام آیا ہے، ان کا کوئی واقعہ قرآن کریم نے بیان نہیں فرمایا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ بھی کوئی پیغمبر تھے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت الیسع علیہ السلام کے خلیفہ تھے، اور نبی تو نہیں تھے، لیکن بڑے اونچے درجے کے ولی اللہ تھے۔ واللہ اعلم۔

(۴۰) حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ پیچھے سورۂ یونس (۱۰: ۹۸) میں گذر چکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے سے

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۙ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذَٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَزَكَرِيَّا إِذْ
نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿٨٩﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَ
وَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ
وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ﴿٩٠﴾

اس پر ہم نے ان کی دُعا قبول کی، اور انہیں گھٹن سے نجات عطا کی۔ اور اسی طرح ہم ایمان رکھنے والوں کو نجات دیتے ہیں۔ ﴿۸۸﴾ اور زکریا کو دیکھو! جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا کہ: "یا رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑیئے، اور آپ سب سے بہتر وارث ہیں۔"(۲۱) ﴿۸۹﴾

چنانچہ ہم نے ان کی دُعا قبول کی، اور ان کو یحیٰی (جیسا بیٹا) عطا کیا، اور ان کی خاطر ان کی بیوی کو اچھا کردیا۔(۲۲) یقیناً یہ لوگ بھلائی کے کاموں میں تیزی دکھاتے تھے، اور ہمیں شوق اور رُعب کے عالم میں پکارا کرتے تھے، اور ان کے دِل ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔ ﴿۹۰﴾

پہلے اپنی بستی کو چھوڑ گئے تھے، اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی، اور اس کی وجہ سے ان پر یہ آزمائش آئی کہ جس کشتی میں وہ سوار ہوئے تھے، انہیں اس میں سے دریا میں اُتار دیا گیا، اور ایک مچھلی انہیں نگل گئی، جس کے پیٹ میں وہ تین دن رہے۔ اس آیت میں اندھیریوں سے مراد مچھلی کے پیٹ کی اندھیریاں ہیں۔ وہاں وہ مستقل اللہ تعالیٰ کو ان الفاظ میں پکارتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انہیں ایک کنارے پر لاکر پھینک دے، اور اس طرح انہیں اس گھٹن سے نجات ملی۔ واقعے کی مزید تفصیل ان شاء اللہ سورۂ صافات (۳۷: ۱۳۹ تا ۱۴۸) میں آئے گی۔

(۲۱) حضرت زکریا علیہ السلام کی کوئی اولاد نہیں تھی، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لئے دُعا کی تو انہیں حضرت یحیٰی علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا گیا۔ اس واقعے کی تفصیل سورۂ آل عمران (۳: ۳۷ تا ۴۰) میں گذر چکی ہے۔

(۲۲) یعنی ان کی بیوی بانجھ تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں اولاد کی صلاحیت پیدا فرمادی۔

وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً
لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾
وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ
مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ
اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور اُس خاتون کو دیکھو جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی، پھر ہم نے اُس کے اندر اپنی رُوح پھونکی، اور اُنھیں اور اُن کے بیٹے کو دُنیا جہان کے لوگوں کے لئے ایک نشانی بنادیا۔[۴۳] ﴿۹۱﴾ (لوگو!) یقین رکھو کہ یہ (دِین جس کی یہ تمام انبیاء دعوت دیتے رہے ہیں) تمہارا دِین ہے جو ایک ہی دِین ہے، اور میں تمہارا پروردگار ہوں، لہٰذا تم میری عبادت کرو۔ ﴿۹۲﴾ اور لوگوں نے اپنے دِین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرکے بانٹ لیا، (مگر) سب ہمارے پاس لوٹ کر آنے والے ہیں۔ ﴿۹۳﴾ پھر جو مؤمن بن کر نیک عمل کرے گا تو اُس کی کوشش کی ناقدری نہیں ہوگی، اور ہم اُس کوشش کو لکھتے جاتے ہیں۔ ﴿۹۴﴾ اور جس بستی (کے لوگوں) کو ہم نے ہلاک کیا ہے، اُس کے لئے ناممکن ہے کہ وہ پلٹ کر (دُنیا میں) آجائیں۔[۴۴] ﴿۹۵﴾

---

(۴۳) مراد حضرت مریم علیہا السلام ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرکے انہیں اپنی قدرتِ کاملہ کی ایک عظیم نشانی بنادیا تھا۔

(۴۴) کافر لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر مرنے کے بعد دوبارہ زندگی آنے والی ہے تو جو کافر پہلے مرچکے ہیں، انہیں زندہ کرکے ابھی ان کا حساب کیوں نہیں لے لیا جاتا؟ یہ آیت اس کا جواب دے رہی ہے کہ حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، اس سے پہلے کسی کا زندہ ہوکر اس دُنیا میں آجانا ممکن نہیں ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَاقْتَرَبَ
الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ
مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٩٧﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ
اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٩٩﴾
لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾

یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کو کھول دیا جائے گا، اور وہ ہر بلندی سے پھسلتے نظر آئیں گے۔(۳۵) ﴿۹۶﴾ اور سچا وعدہ پورا ہونے کا وقت قریب آجائے گا تو اچانک حالت یہ ہوگی کہ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا تھا اُن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، (اور وہ کہیں گے کہ:) "ہائے ہماری کم بختی! ہم اس چیز سے بالکل ہی غفلت میں تھے، بلکہ ہم نے بڑے ستم ڈھائے تھے۔" ﴿۹۷﴾
(اے شرک کرنے والو!) یقین رکھو کہ تم اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔(۳۶) تمہیں اسی جہنم میں جا اُترنا ہے۔ ﴿۹۸﴾ اگر یہ واقعی خدا ہوتے تو اُس (جہنم) میں نہ جاتے۔ اور سب کے سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۹۹﴾ وہاں اُن کی چیخیں نکلیں گی، اور وہاں وہ کچھ سن نہیں سکیں گے۔ ﴿۱۰۰﴾

---

(۳۵) مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنا اُس وقت ہوگا جب قیامت آئے گی، اور اُس کی ایک علامت یہ ہوگی کہ یاجوج اور ماجوج کے وحشی قبیلے بہت بڑی تعداد میں دُنیا پر حملہ آور ہوں گے، اور ایسا محسوس ہوگا کہ وہ ہر بلند جگہ سے پھسلتے ہوئے آرہے ہیں۔

(۳۶) پتھر کے جن بتوں کی یہ مشرکین عبادت کرتے تھے، ان کو بھی سزا کے طور پر نہیں، بلکہ اس لئے جہنم میں ڈالا جائے گا تا کہ اس بات کا عملی مظاہرہ کیا جائے کہ جن بتوں کو تم خدا سمجھتے تھے، وہ آخر کار کتنے بے بس ثابت ہوئے۔

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُونَ
حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ
وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٠٣﴾ يَوْمَ نَطْوِي
السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ
إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٠٤﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا
عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾

(البتہ) جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی پہلے سے لکھی جا چکی ہے، (یعنی نیک مؤمن)
اُن کو اُس جہنم سے دُور رکھا جائے گا۔ ﴿۱۰۱﴾ وہ اُس کی سرسراہٹ بھی نہیں سنیں گے، اور وہ ہمیشہ
ہمیشہ اپنی من پسند چیزوں کے درمیان رہیں گے۔ ﴿۱۰۲﴾ اُن کو وہ (قیامت کی) سب سے بڑی
پریشانی غمگین نہیں کرے گی، اور فرشتے اُن کا (یہ کہہ کر) استقبال کریں گے (کہ:) "یہ تمہارا وہ دن
ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔" ﴿۱۰۳﴾
اُس دن (کا دھیان رکھو) جب ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے کاغذوں کے طومار میں
تحریریں لپیٹ دی جاتی ہیں۔ جس طرح ہم نے پہلی بار تخلیق کی ابتدا کی تھی، اسی طرح ہم اُسے
دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ یہ ایک وعدہ ہے جسے پورا کرنے کا ہم نے ذمہ لیا ہے۔ ہمیں یقیناً یہ کام کرنا
ہے۔ ﴿۱۰۴﴾ اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک
بندے ہوں گے۔(۴۷) ﴿۱۰۵﴾

---

(۴۷) یعنی آخرت میں ساری زمین پر کسی کافر کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں ہی کو ملے گی۔

إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ﴿١٠٦﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ
إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٨﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ
آذَنتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَم بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ ﴿١٠٩﴾ إِنَّهُ يَعْلَمُ
الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿١١٠﴾ وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ
حِينٍ ﴿١١١﴾ قَالَ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمَٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١١٢﴾ ع

بیشک اس (قرآن) میں عبادت گذار لوگوں کے لئے کافی پیغام ہے۔ ﴿۱۰۶﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ﴿۱۰۷﴾ کہہ دو کہ: "مجھ پر تو یہی وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔ تو کیا تم اطاعت قبول کرتے ہو؟" ﴿۱۰۸﴾ پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ: "میں نے تمہیں علی الاعلان خبردار کر دیا ہے۔ اور مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ جس (سزا) کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے، وہ قریب ہے یا دور۔ ﴿۱۰۹﴾ بیشک اللہ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو بلند آواز سے کہی جاتی ہیں، اور وہ باتیں بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔ ﴿۱۱۰﴾ اور میں نہیں جانتا شاید (سزا میں) یہ (تاخیر) تمہارے لئے ایک آزمائش ہے، اور کسی خاص وقت تک کے لئے مزے کرنے کا موقع دینا ہے۔" ﴿۱۱۱﴾ (آخرکار) پیغمبر نے کہا کہ: "اے میرے پروردگار! حق کا فیصلہ کر دیجئے، اور ہمارا پروردگار بڑی رحمت والا ہے، اور جو باتیں تم بناتے ہو، اُن کے مقابلے میں اُسی کی مدد درکار ہے۔" ﴿۱۱۲﴾

الحمد للہ! سورۂ انبیاء کے ترجمے اور تشریحی حواشی کی تکمیل آج شبِ جمعہ میں عشاء کے بعد لندن میں ۱۵ر فروری ۲۰۰۷ء مطابق ۲۶ر محرم ۱۴۲۸ھ کو ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کاوش کو شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سورۃ الحج

تعارف

اس سورت کا کچھ حصہ مدنی ہے، اور کچھ مکی۔ مطلب یہ ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شروع ہو چکا تھا، اور تکمیل ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ اسی سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حج کی عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کس طرح شروع ہوئی، اور اس کے بنیادی ارکان کیا ہیں؟ اسی وجہ سے اس کا نام سورۂ حج ہے۔ مکہ مکرمہ میں مشرکین نے مسلمانوں کو طرح طرح کے ظلم کا نشانہ بنایا تھا، وہاں مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی جاتی تھی، لیکن مدینہ منورہ آنے کے بعد اسی سورت میں پہلی بار مسلمانوں کو کفار کے ظلم و ستم کے مقابلے میں جہاد کی اجازت دی گئی، اور فرمایا گیا کہ جن کافروں نے مسلمانوں پر ظلم کر کے انہیں اپنا وطن اور گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا ہے، اب مسلمان ان کے خلاف تلوار اٹھا سکتے ہیں۔ اس طرح جہاد کو ایک عبادت قرار دے کر یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ نہ صرف اس کا ثواب آخرت میں ملے گا، بلکہ دُنیا میں بھی مسلمانوں کو ان شاء اللہ فتح نصیب ہوگی۔ اس کے علاوہ اسلام کے بنیادی عقائد بھی بیان کیے گئے ہیں۔ چنانچہ سورت کا آغاز آخرت کے بیان سے ہوا ہے جس میں قیامت کا ہولناک منظر بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

آیاتہا ۷۸ | ۲۲ سورۃ الحج مدنیۃ ۱۰۳ | رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝۱ يَوْمَ تَرَوْنَهَا
تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ
سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝۲ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ
فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۳ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ
يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۴

سورۂ حج مدنی ہے، اور اس میں اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے لوگو! اپنے پروردگار (کے غضب) سے ڈرو۔ یقین جانو کہ قیامت کا بھونچال بڑی زبردست چیز ہے۔ ﴿۱﴾ جس دن وہ تمہیں نظر آجائے گا، اُس دن ہر دودھ پلانے والی اُس بچے (تک) کو بھول بیٹھے گی جس کو اُس نے دودھ پلایا، اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا بیٹھے گی، اور لوگ تمہیں یوں نظر آئیں گے کہ وہ نشے میں بدحواس ہیں، حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوگا۔ ﴿۲﴾ اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بے جانے بوجھے جھگڑے کرتے ہیں، اور اُس سرکش شیطان کے پیچھے چل کھڑے ہوتے ہیں ﴿۳﴾ جس کے مقدر میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو کوئی اُسے دوست بنائے گا، تو وہ اُس کو گمراہ کرے گا، اور اُسے بھڑکتی دوزخ کے عذاب کی طرف لے جائے گا۔ ﴿۴﴾

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ
مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي
الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَ
مِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ

اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں کچھ شک ہے تو (ذرا سوچو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا،[1] پھر نطفے سے، پھر ایک جمے ہوئے خون سے، پھر ایک گوشت کے لوتھڑے سے جو (کبھی) پورا بن جاتا ہے، اور (کبھی) پورا نہیں بنتا،[2] تاکہ ہم تمہارے لئے (تمہاری) حقیقت کھول کر بتا دیں، اور ہم (تمہیں) ماؤں کے پیٹ میں جب تک چاہتے ہیں، ایک متعین مدت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تمہیں ایک بچے کی شکل میں باہر لاتے ہیں، پھر (تمہیں پالتے ہیں) تاکہ تم اپنی بھرپور عمر تک پہنچ جاؤ، اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو (پہلے ہی) دنیا سے اٹھا لئے جاتے ہیں، اور تمہی میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کو بدترین عمر (یعنی انتہائی بڑھاپے) تک لوٹا دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتے۔[3]

(۱) جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن یا مشکل سمجھتے ہیں، اُن سے کہا جا رہا ہے کہ خود اپنی تخلیق پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کس حیرت انگیز طریقے پر کتنے مرحلوں سے گذار کر تمہیں پیدا فرمایا تھا۔ تمہارا کوئی وجود نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں وجود بخشا، تم میں جان نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے تم میں جان ڈالی۔ جس ذات نے اس حیرت انگیز طریقے سے تمہیں اس وقت پیدا کیا جب تم کچھ بھی نہیں تھے تو کیا وہ تمہیں مردہ لاش بننے کے بعد دوبارہ زندگی نہیں دے سکتا؟

(۲) یعنی بعض اوقات تو اس گوشت کے لوتھڑے سے ماں کے پیٹ میں بچے کے اعضاء پورے بن جاتے ہیں، اور بعض اوقات پورے نہیں بنتے۔ پھر بعض اوقات اسی نامکمل حالت میں عورت کا اسقاط ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات بچہ ناقص اعضاء کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔

(۳) یعنی زیادہ بڑھاپے کی حالت میں انسان بچپن کی سی ناسمجھی کی طرف لوٹ جاتا ہے، اور جوانی میں اُس نے

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن
كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝٥ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ ۝٦ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ ۝٧
وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ۝٨

اور تم دیکھتے ہو کہ زمین مرجھائی ہوئی پڑی ہے، پھر جب ہم اُس پر پانی برساتے ہیں تو وہ حرکت میں آتی ہے، اُس میں بڑھوتری ہوتی ہے، اور وہ ہر قسم کی خوشنما چیزیں اُگاتی ہے۔(۴) ﴿۵﴾ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی کا وجود برحق ہے،(۵) اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے، اور وہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے، ﴿۶﴾ اور اس لئے کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے، جس میں کوئی شک نہیں ہے، اور اس لئے کہ اللہ اُن سب لوگوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جو قبروں میں ہیں۔(۶) ﴿۷﴾ اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑے کرتے ہیں، حالانکہ اُن کے پاس نہ کوئی علم ہے، نہ ہدایت، اور نہ کوئی روشنی دینے والی کتاب۔ ﴿۸﴾

کتنا علم حاصل کیا ہو، اس بڑھاپے میں وہ سب یا اکثر حصہ بھول جاتا ہے۔

(۴) یہ دوبارہ زندگی دینے کی دوسری دلیل ہے، اور وہ یہ کہ زمین جب خشک ہوتی ہے تو اُس میں زندگی کے آثار ختم ہو جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ بارش برسا کر اُس میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دیتا ہے، اور اُسی بے جان زمین سے پودے اُگنے لگتے ہیں۔ جو خدا اس پر قادر ہے، کیا وہ تمہیں دوبارہ زندگی دینے پر قادر نہیں؟

(۵) مطلب یہ ہے کہ تمہاری اپنی تخلیق ہو، یا زمین سے پودے اُگانے کا معاملہ، ان ساری باتوں کی اصل علت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کا وجود ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں، اور باقی ساری چیزیں اُسی کی قدرت سے وجود میں آتی ہیں۔ لہٰذا وہ مردوں کو زندہ کرنے کی بھی پوری قدرت رکھتا ہے۔

(۶) انسان کی جس پیدائش کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، وہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے مرنے کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کر سکتا ہے، اور دوسری طرف اسی سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جن لوگوں کو دنیا میں پیدا کیا گیا ہے، اُن کی پیدائش ہی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝٩ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝١٠
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰي حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ
فِتْنَةُۨ انْقَلَبَ عَلٰي وَجْهِهٖ ۫ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝١١
يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝١٢

وہ تکبر سے اپنا پہلو اکڑائے ہوئے ہیں، تاکہ دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے گمراہ کریں۔ ایسے ہی شخص کے لئے دُنیا میں رُسوائی ہے، اور قیامت کے دن ہم اُسے جلتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں گے ﴿۹﴾ (کہ) یہ سب کچھ تیرے اُس کرتوت کا بدلہ ہے جو تو نے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجا تھا، اور یہ بات طے ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم ڈھانے والا نہیں ہے۔ ﴿۱۰﴾

اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو ایک کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ چنانچہ اگر اُسے (دُنیا میں) کوئی فائدہ پہنچ گیا تو وہ اُس سے مطمئن ہوجاتا ہے، اور اگر اُسے کوئی آزمائش پیش آگئی تو وہ منہ موڑ کر (پھر کفر کی طرف) چل دیتا ہے۔(۷) ایسے شخص نے دُنیا بھی کھوئی، اور آخرت بھی۔ یہی تو کھلا ہوا گھاٹا ہے۔ ﴿۱۱﴾ وہ اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتا ہے جو نہ اُسے نقصان پہنچا سکتے ہیں، نہ کوئی فائدہ دے سکتے ہیں۔ یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ ﴿۱۲﴾

انہیں ایک اور زندگی دی جائے، کیونکہ اگر دوسری زندگی نہ ہو تو دُنیا میں نیکی کرنے والے اور بدی کرنے والے، ظالم اور مظلوم سب برابر ہوجائیں گے، اور اللہ تعالیٰ ایسی ناانصافی کے لئے انسانوں کو پیدا نہیں کرسکتا کہ جو چاہے دوسروں پر ظلم کرتا رہے، یا گناہوں کا طومار لگادے، اور اُسے اپنے عمل کی کوئی سزا نہ ملے، اور اسی طرح دُنیا میں کوئی شخص کتنی پاکباز زندگی گذارے، اُس کو کوئی انعام نہ ملے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ جب انسانوں کو دُنیا میں پیدا کیا ہے تو آخرت میں انہیں دوسری زندگی دے کر انہیں انعام یا سزا ضرور دے۔

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ کچھ لوگ

يَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ ۚ لَبِئْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَبِئْسَ الْعَشِيرُ ﴿١٣﴾ إِنَّ اللَّهَ
يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ إِنَّ
اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿١٤﴾

یہ ایسے (جھوٹے خدا) کو پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے فائدے سے زیادہ قریب ہے۔(۸) ایسا مددگار بھی کتنا برا ہے، اور ایسا ساتھی بھی کتنا برا!(۹) ﴿۱۳﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اللہ یقیناً ان کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یقیناً اللہ ہر وہ کام کرتا ہے جس کا ارادہ کر لیتا ہے۔ ﴿۱۴﴾

اس لالچ میں اسلام لائے کہ اسلام کی وجہ سے انہیں دُنیا میں کچھ فوائد حاصل ہوں گے، لیکن جب ان کی توقع پوری نہیں ہوئی، بلکہ کوئی آزمائش آگئی تو وہ دوبارہ کفر کی طرف لوٹ گئے۔ یہ آیت ان کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ لوگ حق کو حق ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کرتے، بلکہ دُنیا کے مفادات کی خاطر قبول کرتے ہیں، اور ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کسی جنگ میں اس نیت سے ایک کنارے کھڑا ہو گیا ہو کہ دونوں لشکروں میں سے جس کا پلہ بھاری نظر آئے گا، اُس کے ساتھ ہو جاؤں گا، تاکہ کچھ مفادات حاصل کر سکوں۔ سبق یہ دیا گیا ہے کہ اسلام پر عمل اس لالچ میں نہ کرو کہ اس دُنیا ہی میں تمہیں کوئی فائدہ مل جائے گا، بلکہ اس لئے کرو کہ وہ برحق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا تقاضا یہی ہے۔ جہاں تک دُنیا کے مفادات کا تعلق ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ مشیت پر ہے کہ کس کو کیا دیا جائے، چنانچہ اسلام لانے کے بعد دُنیوی فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور کوئی آزمائش بھی آسکتی ہے جس میں صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی چاہئے کہ مصیبت دُور فرما کر آزمائش سے نکال دے۔

(۸) اصل میں ان جھوٹے خداؤں میں خود تو نہ کوئی فائدہ پہنچانے کی طاقت ہے، نہ نقصان پہنچانے کی۔ البتہ یہ نقصان پہنچنے کا سبب بن سکتے ہیں، اور وہ اس طرح کہ جو شخص انہیں اللہ تعالیٰ کی خدائی میں شریک مانے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا مستحق ہوگا۔

(۹) جس کا نقصان فائدے سے زیادہ ہو، وہ نہ مددگار بنانے کے لائق ہے، اور نہ ساتھی بنانے کے لائق۔ لہٰذا ان بتوں سے اُمیدیں لگانا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ
ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿١٥﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ
وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿١٦﴾

جو شخص یہ سمجھتا تھا کہ اللہ دُنیا اور آخرت میں اس (پیغمبر) کی مدد نہیں کرے گا تو وہ آسمان تک ایک رسّی تان کر رابطہ کاٹ ڈالے، پھر دیکھے کہ کیا اُس کی یہ تدبیر اُس کی جھنجلاہٹ دُور کرسکتی ہے؟ (10) ﴿١٥﴾

اور ہم نے اس (قرآن) کو کھلی کھلی نشانیوں کی صورت میں اسی طرح اُتارا ہے، اور اللہ جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔ ﴿١٦﴾

---

(10) رسّی تان کر رابطہ کاٹ ڈالنے کے ایک معنی تو عربی محاورے کے مطابق پھانسی دے کر گلا گھونٹنے کے ہوتے ہیں۔ اگر یہاں یہ معنی لئے جائیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں، تو اُس صورت میں آسمان سے مراد اُوپر کی سمت یعنی چھت ہوگی، اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا شخص جس کا خیال یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی کامیابی حاصل نہیں ہوگی، اُس کا یہ خیال نہ تو پورا ہوا ہے، نہ ہوگا۔ اس پر اگر اُسے غصہ اور جھنجلاہٹ ہے تو وہ چھت کی طرف ایک رسّی تان کر اپنے آپ کو پھانسی دے، اور اپنا گلا گھونٹ لے۔

اور آسمان تک رسّی تان کر رابطہ کاٹ لینے کی ایک دوسری تشریح حضرت جابر بن زید سے منقول ہے، اور وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کامیابیاں حاصل ہورہی ہیں، اُن کا سرچشمہ وہ وحی ہے جو آپ پر آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اب اگر کسی شخص کو ان کامیابیوں پر غم وغصہ ہے، اور وہ ان کامیابیوں کا راستہ روکنا چاہتا ہے تو اُس کا ایک ہی طریقہ ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی رسّی تان کر آسمان تک جائے، اور وہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ رابطہ کاٹ دے جس کے ذریعے آپ پر وحی آرہی ہے، اور کامیابیاں حاصل ہورہی ہیں۔ ظاہر

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ
أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
شَهِيدٌ ﴿۱۷﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَ
الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ
النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ
يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۩ ﴿۱۸﴾

السجدة

بلاشبہ مومن ہوں یا یہودی، صابی ہوں یا نصرانی اور مجوسی، یا وہ جنہوں نے شرک اختیار کیا ہے، اللہ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا گواہ ہے۔ ﴿۱۷﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے آگے وہ سب سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو زمین میں ہیں، نیز سورج اور چاند، اور ستارے اور پہاڑ، اور درخت اور جانور، اور بہت سے انسان بھی!(11) اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن پر عذاب طے ہو چکا ہے۔ اور جسے اللہ ذلیل کردے، کوئی نہیں ہے جو اُسے عزت دے سکے۔ یقیناً اللہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ ﴿۱۸﴾

ہے کہ یہ بات کسی کے بس میں نہیں ہے، اس لئے آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کو مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوسکتا (روح المعانی)۔

(11) ان مخلوقات کے سجدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی تابع فرمان ہیں، اور ہر چیز اُس کے ہر حکم کے آگے سر جھکائے ہوئے ہے۔ نیز اس سے عبادت کا سجدہ بھی مراد ہوسکتا ہے، کیونکہ اتنی سمجھ کائنات کی ہر چیز میں موجود ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اور اُسی کی عبادت کرنی چاہئے، البتہ ہر چیز کے سجدے کی صورت مختلف ہے۔ اس پوری کائنات میں انسان ہی ایسی مخلوق ہے جس کے تمام افراد

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ
نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ﴿١٩﴾ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿٢٠﴾
وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا
فِیْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿٢٢﴾ اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا ع
الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ
لُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿٢٣﴾

یہ (مومن اور کافر) دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا کیا ہے۔ اب (اس کا فیصلہ اس طرح ہوگا کہ) جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، اُن کے لئے آگ کے کپڑے تراشے جائیں گے۔ اُن کے سروں کے اُوپر سے کھولتا ہوا پانی چھوڑا جائے گا ﴿۱۹﴾ جس سے اُن کے پیٹ کے اندر کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی، ﴿۲۰﴾ اور اُن کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے، ﴿۲۱﴾ جب کبھی تکلیف سے تنگ آکر وہ اُس سے نکلنا چاہیں گے، تو انہیں پھر اُسی میں لوٹا دیا جائے گا، کہ چکھو جلتی آگ کا مزہ! ﴿۲۲﴾ (دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک کام کئے ہیں، اللہ اُن کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں انہیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے سجایا جائے گا، اور جہاں اُن کا لباس ریشم ہوگا۔ ﴿۲۳﴾

عبادت کا یہ سجدہ نہیں کرتے، بلکہ بہت سے کرتے ہیں، بعض نہیں کرتے، اس لئے انسانوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا ہے کہ "بہت سے انسان بھی"۔ یاد رہے کہ یہ سجدے کی آیت ہے، جو شخص اصل عربی میں یہ آیت تلاوت کرے یا سنے، اُس پر سجدہ کرنا واجب ہے۔

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۖۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ
سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ
اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـــًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ ع ۲
لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْقَاۗىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

اور (وجہ یہ ہے کہ) ان لوگوں کی رسائی پاکیزہ بات (یعنی کلمۂ توحید) تک ہوگئی تھی، اور وہ اُس خدا کے راستے تک پہنچ گئے تھے جو ہر تعریف کا مستحق ہے۔ ﴿۲۴﴾ بیشک وہ لوگ (سزا کے لائق ہیں) جنہوں نے کفر اپنالیا ہے، اور جو دوسروں کو اللہ کے راستے سے اور اُس مسجدِ حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے لوگوں کے لئے ایسا بنایا ہے کہ اُس میں وہاں کے باشندے اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں۔ (۱۲) اور جو کوئی شخص اُس میں ظلم کرکے ٹیڑھی راہ نکالے گا، (۱۳) ہم اُسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ ﴿۲۵﴾ اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیم کو اس گھر (یعنی خانہ کعبہ) کی جگہ بتادی تھی، (۱۴) (اور یہ ہدایت دی تھی کہ:) "میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اور میرے گھر کو اُن لوگوں کے لئے پاک رکھنا جو (یہاں) طواف کریں، اور عبادت کے لئے کھڑے ہوں، اور رکوع سجدے بجالائیں۔ ﴿۲۶﴾

(۱۲) مسجدِ حرام اور اس کے آس پاس کے وہ مقامات جن میں حج کے افعال ادا ہوتے ہیں، مثلاً صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی جگہ، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں، بلکہ وہ دُنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے وقفِ عام ہیں، اور ان کو عبادت کے لئے استعمال کرنے میں مقامی باشندے اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں۔

(۱۳) ٹیڑھی راہ نکالنے سے مراد کفر و شرک، حرم کے احکام کی خلاف ورزی، بلکہ ہر قسم کا گناہ ہے۔ حرم میں جس طرح ہر نیکی کا ثواب بڑھ جاتا ہے، اسی طرح بعض صحابہ کرام سے منقول ہے کہ یہاں گناہوں کا وبال بھی دوسری جگہوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

(۱۴) جیسا کہ سورۂ بقرہ (۲: ۱۲۷) میں گذر چکا ہے، بیت اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے تعمیر ہوکر منہدم

وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ
عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا
رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ
لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾

اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو، کہ وہ تمہارے پاس پیدل آئیں، اور دُور دراز کے راستوں سے سفر کرنے والی اُن اُونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں جو (لمبے سفر سے) دُبلی ہوگئی ہوں، ﴿۲۷﴾ تاکہ وہ اُن فوائد کو آنکھوں سے دیکھیں جو اُن کے لئے رکھے گئے ہیں، اور متعین دنوں میں اُن چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے اُنہیں عطا کئے ہیں۔"(۱۵) چنانچہ (مسلمانو!) اُن جانوروں میں سے خود بھی کھاؤ، اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ۔ ﴿۲۸﴾ پھر (حج کرنے والے) لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنا میل کچیل دُور کریں، اور اپنی منتیں پوری کریں، اور اس بیتِ عتیق کا طواف کریں۔"(۱۶) ﴿۲۹﴾

ہوگیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں وہ جگہ بتائی جہاں بیت اللہ کو دوبارہ تعمیر کرنا منظور تھا۔

(۱۵) حج کے کاموں میں ایک اہم کام جانوروں کی قربانی ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اُنہیں ذبح کیا جائے۔ یہ اُس کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۶) حج کے دوران انسان احرام میں ہوتا ہے تو اُس کے لئے بال کاٹنا اور ناخن تراشنا جائز نہیں رہتا۔ یہ پابندیاں اُس وقت ختم ہوتی ہیں جب وہ حج کی قربانی سے فارغ ہوجائے۔ چنانچہ یہاں میل کچیل دُور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حج کرنے والے قربانی کے بعد جسم کے بال اور ناخن کاٹ سکتے ہیں۔ اور منتیں پوری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ واجب قربانی کے علاوہ بہت سے حضرات یہ منتیں مان لیا کرتے تھے کہ حج کے موقع پر ہم اپنی طرف سے بھی قربانی کریں گے۔ اس کے بعد بیت اللہ شریف کے جس طواف کا ذکر ہے، اُس سے مراد "طوافِ زیارت" ہے۔ یہ طواف عام طور پر قربانی اور سر منڈانے کے بعد کیا جاتا ہے، اور حج کا اہم رکن ہے۔ بیت اللہ کو یہاں "بیتِ عتیق" کہا گیا ہے۔ اس کے ایک معنی تو قدیم کے ہیں، یعنی یہ اس معنی میں قدیم ترین گھر ہے کہ دُنیا

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ
اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ﴿۳۰﴾
حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ
فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

یہ ساری باتیں یاد رکھو، اور جو شخص اُن چیزوں کی تعظیم کرے گا جن کو اللہ نے حرمت دی ہے، تو اُس کے حق میں یہ عمل اُس کے پروردگار کے نزدیک بہت بہتر ہے۔ سارے مویشی تمہارے لئے حلال کردیے گئے ہیں، سوائے اُن جانوروں کے جن کی تفصیل تمہیں پڑھ کر سنادی گئی ہے۔[۱۷] لہٰذا بتوں کی گندگی سے اور جھوٹی بات سے اس طرح بچ کر رہو ﴿۳۰﴾ کہ تم یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف رُخ کیے ہوئے ہو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانتے ہو۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر یا تو پرندے اُسے اُچک لے جائیں، یا ہوا اُسے کہیں دور دراز کی جگہ لا پھینکے۔[۱۸] ﴿۳۱﴾

میں سب سے پہلا گھر ہے جو عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا۔ اور اس کے ایک معنی "آزاد" کے بھی ہیں، اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے آزاد کہنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ظالموں کے قبضہ کرلینے سے آزاد رکھا ہے۔

(۱۷) جانوروں کی قربانی کا ذکر آیا تو مشرکین عرب کی اُس جاہلانہ رسم کی بھی تردید کردی گئی جس کی رُو سے انہوں نے بتوں کے نام پر بہت سے جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا (تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ انعام ۶:۱۳۶ تا ۱۴۴)۔ چنانچہ یہ بتادیا گیا کہ یہ سب چوپائے تمہارے لئے حلال ہیں، سوائے اُن چیزوں کے جنہیں قرآن کریم نے سورۂ مائدہ (۵:۳) میں حرام قرار دیا ہے۔ پھر اسی کے ساتھ جس بنیاد پر مشرکین ان جانوروں کو حرام قرار دیتے تھے، یعنی بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ماننا اور اُن کے نام پر جانوروں کو چھوڑ دینا، اُس بنیاد کو بھی یہ فرما کر ختم کردیا گیا ہے کہ بتوں کی گندگی سے اور جھوٹی باتوں سے بچو۔

(۱۸) اس تمثیل کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کی مثال آسمان کی سی ہے۔ جو شخص شرک کا ارتکاب کرتا ہے، وہ ایمان

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى
ع ۱۱ اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا
لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ
اَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾

یہ ساری باتیں یاد رکھو، اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔(۱۹) ﴿۳۲﴾ تمہیں ایک معین وقت تک ان (جانوروں سے) فوائد حاصل کرنے کا حق ہے،(۲۰) پھر اُن کے حلال ہونے کی منزل اُسی قدیم گھر (یعنی خانہ کعبہ) کے آس پاس ہے۔ ﴿۳۳﴾ اور ہم نے ہر اُمت کے لئے قربانی اس غرض کے لئے مقرر کی ہے کہ وہ اُن مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے اُنہیں عطا فرمائے ہیں۔ لہٰذا تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے، چنانچہ تم اُسی کی فرماں برداری کرو، اور خوشخبری سنا دو اُن لوگوں کو جن کے دل اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں، ﴿۳۴﴾

کے بلند مقام سے نیچے گر پڑتا ہے۔ پھر پرندوں کے اُچک لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی خواہشات اُسے راہِ راست سے بھٹکا کر اِدھر اُدھر لئے پھرتی ہیں، اور ہوا کے دُور دراز پھینک دینے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان اُسے مزید گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایسا شخص ایمان کے بلند مقام سے نیچے گر کر اپنی نفسانی خواہشات اور شیاطین کا غلام بن بیٹھتا ہے جو اُسے گمراہی کی انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔

(۱۹) "شعائر" کے معنی ہیں وہ علامتیں جن کو دیکھ کر کوئی دوسری چیز یاد آئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو عبادتیں واجب قرار دی ہیں، اور خاص طور پر جن مقامات پر حج کی عبادت مقرر فرمائی ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے شعائر میں داخل ہیں، اور اُن کی تعظیم ایمان کا تقاضا ہے۔

(۲۰) یعنی جب تک تم نے ان جانوروں کو حج کی قربانی کے لئے خاص نہ کرلیا ہو، اُس وقت تک تم ان سے ہر طرح کے فوائد حاصل کر سکتے ہو، ان پر سواری کرنا بھی جائز ہے، اُن کا دودھ پینا بھی، اُن کے جسم سے اُون حاصل کرنا بھی، لیکن جب انہیں حج کے لئے خاص کرلیا گیا تو پھر ان میں سے کوئی کام جائز نہیں رہتا۔ اُس کے

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي
الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٥﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ
فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ ۖ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَ
أَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٦﴾ لَن يَنَالَ
اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ
لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٧﴾

جن کا حال یہ ہے کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دلوں پر رُعب طاری ہو جاتا
ہے، اور جو اپنے اُوپر پڑنے والی ہر مصیبت پر صبر کرنے والے ہیں، اور نماز کو قائم کرنے والے ہیں،
اور جو رزق ہم نے اُنہیں دیا ہے، اُس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۳۵﴾
اور قربانی کے اُونٹ اور گائے کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں شامل کیا ہے، تمہارے لئے
اُن میں بھلائی ہے۔ چنانچہ جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں، اُن پر اللہ کا نام لو، پھر جب (ذبح
ہو کر) اُن کے پہلو زمین پر گر جائیں تو اُن (کے گوشت) میں سے خود بھی کھاؤ، اور اُن محتاجوں کو بھی
کھلاؤ جو صبر سے بیٹھے ہوں، اور اُن کو بھی جو اپنی حاجت ظاہر کریں۔(۲۱) اور ان جانوروں کو ہم نے اسی
طرح تمہارے تابع بنا دیا ہے تاکہ تم شکر گذار بنو۔ ﴿۳۶﴾ اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے، نہ ان کا
خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اُس نے یہ جانور اسی طرح تمہارے تابع بنا دیئے
ہیں، تاکہ تم اس بات پر اللہ کی تکبیر کرو کہ اُس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ اور جو لوگ خوش اسلوبی
سے نیک عمل کرتے ہیں، اُنہیں خوشخبری سنا دو۔ ﴿۳۷﴾

بعد تو اُنہیں بیت اللہ کے آس پاس یعنی حدودِ حرم میں ذبح کر کے حلال کرنا ہی واجب ہے۔ اور حج کے لئے خاص کرنے کی مختلف علامتیں ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

(۲۱) یہاں قرآنِ کریم نے دو لفظ استعمال فرمائے ہیں، ایک "قانع" جس کا مطلب ہے وہ شخص جو حاجت مند تو

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ﴿٣٨﴾ أُذِنَ
لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ
أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ
بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ
كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ إِن
مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ
الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾

بیشک اللہ اُن لوگوں کا دفاع کرے گا جو ایمان لے آئے ہیں۔[٢٢] یقین جانو کہ اللہ کسی دغاباز ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۳۸﴾ جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے، اُنہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دفاع میں لڑیں) کیونکہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے،[٢٣] اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہے۔ ﴿۳۹﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں صرف اتنی بات پر اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا ہے کہ اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے، سب مسمار کردی جاتیں۔[٢٤] اور اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اُس (کے دین) کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔ ﴿۴۰﴾ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں۔[٢٥] اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ ﴿۴۱﴾

ہے، لیکن اپنی حاجت کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتا، بلکہ صبر کیے بیٹھا ہے، اور دوسرا "معتر" جس کا مطلب وہ شخص ہے جو اپنی حاجت اپنے کسی قول یا فعل سے ظاہر کردے۔

(۲۲) مکہ مکرمہ میں کافروں کی طرف سے مسلمانوں پر جو ظلم توڑے جارہے تھے، شروع میں قرآن کریم ہی نے انہیں بار بار صبر سے کام لینے کا حکم دیا تھا۔ اب اس آیت میں یہ تسلی دی جارہی ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ صبر آزما مرحلہ اب ختم ہونے والا ہے، اور وقت آگیا ہے کہ ان ظالموں کے ظلم کا جواب دیا جائے، چنانچہ اگلی آیت میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن اس سے پہلے یہ خوشخبری دے دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود مسلمانوں کا دفاع کرے گا، اس لئے وہ اب بے خوف ہوکر لڑیں۔ اور وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں سے لڑائی ہونی ہے، وہ دغاباز اور ناشکرے لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ اس لئے وہ ان کے خلاف مسلمانوں ہی کی مدد کرے گا۔

(۲۳) مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک صبر وضبط کی تلقین کے بعد یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کافروں کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو کفار کے ظلم وستم کا کوئی جواب دینے کی اجازت نہیں تھی، بلکہ ہر زیادتی پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

(۲۴) اس آیت میں جہاد کی حکمت بیان فرمائی گئی ہے، اور وہ یہ کہ جتنے انبیائے کرام علیہم السلام دُنیا میں آئے ہیں، اپنے اپنے وقت میں اُنہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تعلیم دی، اور اس کے لئے عبادت گاہیں بنائیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اس کام کے لئے خانقاہیں اور کلیسا بنائے گئے جنہیں عربی میں "صومعہ" اور "بیعہ" کہا جاتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں نے جو عبادت گاہیں بنائیں، اُن کو صلوات کہا گیا ہے، اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو مسجد کہا جاتا ہے۔ جو لوگ ان آسمانی مذاہب کے مخالف تھے، وہ ان عبادت گاہوں کو مٹانے کے درپے رہے، اگر ان کے خلاف جہاد کی اجازت نہ ہوتی، تو وہ ان عبادت گاہوں کو مسمار کرڈالتے۔

(۲۵) مسلمانوں کو مدینہ منورہ میں حکومت قائم کرنے اور کافروں کے خلاف لڑائی میں ان کی مدد کرنے کا مقصد اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ زمین میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد اپنی جان اور مال سے اللہ تعالیٰ کی عبادت خود بھی کریں گے، اور دوسروں کو بھی نیکی کی تلقین اور برائی سے روکنے کا فریضہ انجام دیں گے۔ اس طرح یہ آیت ایک اسلامی ریاست کے بنیادی اغراض ومقاصد بیان فرمارہی ہے۔

وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ﴿٤٢﴾ وَقَوْمُ إِبْرَٰهِيمَ وَ
قَوْمُ لُوطٍ ﴿٤٣﴾ وَأَصْحَٰبُ مَدْيَنَ ۖ وَكُذِّبَ مُوسَىٰ فَأَمْلَيْتُ لِلْكَٰفِرِينَ ثُمَّ
أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٤﴾ فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ
خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ﴿٤٥﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِى الْأَرْضِ
فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَآ أَوْ ءَاذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَٰرُ
وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِى فِى الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾

اور (اے پیغمبر!) اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں، تو ان سے پہلے نوح کی قوم، اور عاد و ثمود کی قومیں بھی (اپنے اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکی ہیں، ﴿۴۲﴾ نیز ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم ﴿۴۳﴾ اور مدین کے لوگ بھی۔ اور موسیٰ کو بھی جھٹلایا گیا تھا، چنانچہ ان کافروں کو میں نے کچھ ڈھیل دی، پھر انہیں پکڑ میں لے لیا، اب دیکھ لو کہ میری پکڑ کیسی تھی! ﴿۴۴﴾ غرض کتنی بستیاں تھیں جن کو ہم نے اُس وقت ہلاک کیا جب وہ ظلم کر رہی تھیں، چنانچہ وہ اپنی چھتوں کے بل گری پڑی ہیں، اور کتنے ہی کنویں جو اب بیکار ہوئے پڑے ہیں، اور کتنے پکے بنے ہوئے محل (جو کھنڈر بن چکے ہیں) ﴿۴۵﴾ تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں جس سے انہیں وہ دل حاصل ہوتے جو انہیں سمجھ دے سکتے، یا ایسے کان حاصل ہوتے جن سے وہ سن سکتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ ﴿۴۶﴾

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿٤٧﴾ وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا ۚ وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٤٨﴾ ع ۶ ۱۲

اور یہ لوگ تم سے عذاب جلدی لانے کا مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ اللہ اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا، اور یقین جانو کہ تمہارے ربّ کے یہاں کا ایک دن تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کی طرح کا ہوتا ہے۔[۲۶] ﴿۴۷﴾ اور کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں جنہیں میں نے مہلت دی تھی، اور وہ ظلم کرتی رہیں، پھر میں نے اُنہیں پکڑ میں لے لیا، اور سب کو آخرکار میرے پاس ہی لوٹنا ہوگا۔ ﴿۴۸﴾

(۲۶) اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے ایک ہزار سال کے برابر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کی صحیح تشریح تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے متشابہات میں بھی شمار کیا ہے، لیکن اس آیت کو سمجھنے کے لئے اتنی تشریح کافی ہے کہ کفار کے سامنے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ان کے کفر کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُنیا یا آخرت میں عذاب آئے گا تو وہ اس کا مذاق اُڑاتے تھے، اور کہتے تھے کہ اتنے دن گذر گئے، لیکن کوئی عذاب نہیں آیا، اگر واقعی عذاب آتا ہے تو ابھی کیوں نہیں آجاتا؟ اس کے جواب میں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ تو ضرور پورا ہوگا۔ رہا اُس کا وقت، تو وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت کے مطابق متعین ہوگا۔ اور تم جو سمجھ رہے ہو کہ اس کے آنے میں بہت دیر ہوگئی ہے تو درحقیقت تم جس مدت کو ایک ہزار سال سمجھتے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔ اس آیت کی کچھ مزید تفصیل ان شاء اللہ سورۂ معارج (۷۰: ۴) میں آئے گی۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى
الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾

(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ: "اے لوگو! میں تو تمہیں وضاحت کے ساتھ خبردار کرنے والا ہوں۔" ﴿۴۹﴾ پھر جو لوگ ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرنے لگے تو اُن کے لئے مغفرت ہے، اور باعزت رزق ہے۔ ﴿۵۰﴾ اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو نیچا دکھانے کے لئے دوڑ دھوپ کی ہے، تو وہ دوزخ کے باسی ہیں۔ ﴿۵۱﴾ اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے ہم نے جب بھی کوئی رسول یا نبی بھیجا تو اس کے ساتھ یہ واقعہ ضرور ہوا کہ جب اُس نے (اللہ کا کلام) پڑھا تو شیطان نے اُس کے پڑھنے کے ساتھ ہی (کفار کے دلوں میں) کوئی رُکاوٹ ڈال دی، پھر جو رُکاوٹ شیطان ڈالتا ہے، اللہ اُسے دور کر دیتا ہے، پھر اپنی آیتوں کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے۔(۲۷) اور اللہ بڑے علم کا، بڑی حکمت کا مالک ہے۔ ﴿۵۲﴾

---

(۲۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ کے مخالفین کی طرف سے جن شکوک وشبہات کا اظہار ہو رہا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ پچھلے انبیائے کرام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ جب وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر سناتے تو شیطان کافروں کے دل میں شکوک وشبہات پیدا کر دیتا جس کی بنا پر وہ لوگ ایمان نہیں لاتے تھے، لیکن چونکہ یہ شکوک وشبہات اصل میں بے بنیاد ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کا کوئی اثر مخلص مسلمانوں پر باقی نہیں رہنے دیتا، بلکہ انہیں نیست ونابود کر دیتا ہے۔ اس آیت کا ایک اور ترجمہ اس طرح بھی ممکن ہے کہ: "تم سے پہلے ہم نے جو کوئی رسول یا نبی بھیجا تو اُس کے ساتھ یہی ہوا کہ جب اُس نے کوئی تمنا کی تو شیطان نے اُس کی تمنا میں کوئی کھنڈت ڈال دی، پھر شیطان جو کھنڈت ڈالتا ہے، اللہ اُسے ختم کر دیتا ہے

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ
قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ
السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾

یہ (شیطان نے رکاوٹ اس لئے ڈالی) تاکہ جو رکاوٹ شیطان نے ڈالی تھی، اللہ اُسے اُن لوگوں کے لئے فتنہ بنا دے جن کے دلوں میں روگ ہے، اور جن کے دل سخت ہیں۔ اور یقین جانو کہ یہ ظالم لوگ مخالفت میں بہت دور چلے گئے ہیں۔ ﴿۵۳﴾ اور (اُس رکاوٹ کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے دور کیا) تاکہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے، وہ جان لیں کہ یہی (کلام) برحق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے، پھر وہ اُس پر ایمان لائیں، اور اُن کے دل اُس کے آگے جھک جائیں۔ اور یقین رکھو کہ اللہ ایمان والوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا ہے۔ ﴿۵۴﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ اس (کلام) کی طرف سے برابر شک ہی میں پڑے رہیں گے، یہاں تک کہ اُن پر اچانک قیامت آجائے، یا ایسے دن کا عذاب اُن تک آپہنچے جو (اُن کے لئے) کسی بھلائی کو جنم دینے کی صلاحیت سے خالی ہوگا۔ ﴿۵۵﴾

پھر اپنی آیتوں کو اور مضبوط کر دیتا ہے۔" اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انبیائے کرام اپنی قوم کی اصلاح کے لئے کسی بات کی تمنا کرتے تھے، مگر شروع میں شیطان اس تمنا کے پورے ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا کر دیتا تھا، لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ اُس رکاوٹ کو دور فرما کر اپنی اُن آیتوں کو مزید مستحکم بنا دیتا جن میں انبیائے کرام کی مدد کی بشارت دی گئی تھی، البتہ شیطان نے جو رکاوٹ ڈالی تھی، وہ کافر لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے، اُسے انبیائے کرام کے خلاف دلیل کے طور پر پیش کر کے فتنے میں مبتلا ہو جاتے تھے۔

الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ
النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥٧﴾ وَ
الَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَ
إِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٥٨﴾ لَيُدْخِلَنَّهُم مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ
حَلِيمٌ ﴿٥٩﴾ ذَٰلِكَ ۖ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنصُرَنَّهُ اللَّهُ ۗ
إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴿٦٠﴾

بادشاہی اُس دن اللہ کی ہوگی، وہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے گا، چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے۔ ﴿۵۶﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، تو ایسے لوگوں کے لئے ذلت والا عذاب ہوگا۔ ﴿۵۷﴾ اور جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی، پھر قتل کردیئے گئے یا اُن کا انتقال ہوگیا، تو اللہ اُنہیں ضرور اچھا رزق دے گا، اور یقین رکھو کہ اللہ ہی بہترین رزق دینے والا ہے۔ ﴿۵۸﴾ وہ انہیں ضرور ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ خوش ہوجائیں گے، اور اللہ یقیناً ہر بات جاننے والا، بڑا بُردبار ہے۔ ﴿۵۹﴾ یہ بات تو طے ہے، اور (آگے یہ بھی سن لو کہ) جس شخص نے کسی کو بدلے میں اُتنی ہی تکلیف پہنچائی جتنی اُس کو پہنچائی گئی تھی، اُس کے بعد پھر اُس سے زیادتی کی گئی، تو اللہ اُس کی ضرور مدد کرے گا۔(۲۸) یقین رکھو کہ اللہ بہت معاف کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے۔ ﴿۶۰﴾

---

(۲۸) اُوپر آیت نمبر ۳۹ میں مسلمانوں کو ان کافروں سے لڑنے کی اجازت دی گئی تھی جنہوں نے اُن پر ظلم ڈھائے تھے، حالانکہ اس سے پہلے ان کے ظلم کے جواب میں صبر اور درگذر کے اَحکام دیئے جاتے رہے تھے۔ اب یہاں صرف جنگ ہی کے معاملے میں نہیں، بلکہ ہر قسم کے ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت دی جارہی ہے، بشرطیکہ

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ
بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ
الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ ع ۱۵

یہ اس لئے کہ اللہ (کی قدرت اتنی بڑی ہے کہ وہ) رات کو دن میں داخل کر دیتا اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے،(۲۹) اور اس لئے کہ اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز دیکھتا ہے۔ ﴿۶۱﴾ یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے، اور یہ لوگ اُسے چھوڑ کر جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں، وہ سب باطل ہیں، اور اللہ ہی وہ ہے جس کی شان بھی اُونچی ہے، رُتبہ بھی بڑا۔ ﴿۶۲﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا، جس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا مہربان، ہر بات سے باخبر ہے۔ ﴿۶۳﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اُسی کا ہے۔ اور یقین رکھو کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جو سب سے بے نیاز ہے، بذاتِ خود قابلِ تعریف۔ ﴿۶۴﴾

وہ اتنا ہی ہو جتنا ظلم ہوا، اور بتایا جا رہا ہے کہ اگرچہ درگذر کا معاملہ زیادہ افضل ہے، لیکن برابر کا بدلہ لینا بھی جائز ہے، اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا وعدہ ہے۔ بلکہ یہاں اور آگے بڑھ کر یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر برابر کا بدلہ لینے کے بعد ظالم دوبارہ زیادتی کرے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔

(۲۹) یعنی ایک موسم میں جو دن کا وقت تھا، دوسرے موسم میں اللہ تعالیٰ نے اُسے رات بنا دیا، اور ایک موسم میں جو رات کا وقت تھا، اُسے دوسرے موسم میں دن بنا دیا۔ چاند سورج کی گردش کا یہ نظام اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اس طرح بنایا ہے کہ اس میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بیشمار مظاہر میں سے یہاں خاص طور پر اس کو شاید اس لئے ذکر کیا گیا ہو کہ یہاں مظلوم کی مدد فرمانے کا ذکر ہے، اور جس طرح رات دن کے اوقات بدلتے رہتے ہیں، اسی طرح جو کبھی مظلوم تھا، اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کر کے اُسے فتح دلا دیتے ہیں، اور جو ظالم اور بالادست تھا، اُسے نیچا دکھا دیتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۗ
وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَن تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ
رَّحِيمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾
لِّكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۗ
إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَإِن جَادَلُوكَ فَقُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے کام میں لگا رکھی ہیں، اور وہ کشتیاں بھی جو اُس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں؟ اور اُس نے آسمان کو اس طرح تھام رکھا ہے کہ وہ اُس کی اجازت کے بغیر زمین پر نہیں گر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۶۵﴾ اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی، پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ واقعی انسان بڑا ناشکرا ہے۔ ﴿۶۶﴾ ہم نے ہر اُمت کے لوگوں کے لئے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے، جس کے مطابق وہ عبادت کرتے ہیں، (۳۰) لہٰذا (اے پیغمبر!) لوگوں کو تم سے اس معاملے میں جھگڑا نہیں کرنا چاہئے، اور تم اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیتے رہو۔ تم یقیناً سیدھے راستے پر ہو۔ ﴿۶۷﴾ اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ: ”جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ ﴿۶۸﴾

(۳۰) بعض لوگ اس بات پر اعتراض کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام دیئے ہیں، اُن میں سے کچھ اُن احکام سے مختلف ہیں جو پچھلے انبیائے کرام کی اُمتوں کو دیئے گئے تھے۔ اس آیت میں اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ یعنی مختلف انبیائے کرام کی شریعتوں میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کے مختلف طریقے مقرر فرمائے تھے اور ہر دور کے مناسب شریعت کے مختلف احکام دیئے تھے۔ لہٰذا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے کچھ احکام پچھلی شریعتوں سے الگ ہیں تو اس میں نہ کوئی اعتراض کی بات ہے، اور نہ بحث مباحثے کا کوئی موقع۔

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ
يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۗ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۗ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾ وَ
يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۗ وَمَا
لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۗ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۗ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ
بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۗ اَلنَّارُ ۗ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع ۹ ۱۶

اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔" ﴿۶۹﴾ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین کی تمام چیزیں اللہ کے علم میں ہیں؟ یہ سب باتیں ایک کتاب میں محفوظ ہیں۔ بیشک یہ سارے کام اللہ کے لئے بہت آسان ہیں۔ ﴿۷۰﴾ اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کے معبود ہونے) کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، اور خود ان لوگوں کو بھی اس کے بارے میں کوئی علم حاصل نہیں۔(۳۱) اور ان ظالموں کا (آخرت میں) کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ ﴿۷۱﴾ اور جب ان کو ہماری آیتیں اپنی پوری وضاحتوں کے ساتھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو تم ان کافروں کے چہروں پر ناگواری کے اثرات صاف پہچان لیتے ہو، ایسا لگتا ہے کہ یہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں گے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ کہہ دو کہ: "لوگو! کیا میں تمہیں ایسی چیز بتلا دوں جو اس سے زیادہ ناگوار ہے؟(۳۲) آگ! اللہ نے کافروں سے اس کا وعدہ کر رکھا ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔" ﴿۷۲﴾

---

(۳۱) یعنی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے جس سے یہ علم حاصل ہو سکے کہ یہ بت واقعی خدائی کا درجہ رکھتے ہیں۔

(۳۲) مطلب یہ ہے کہ ابھی تو تم ان آیتوں ہی کو ناگوار سمجھ رہے ہو، آخرت میں جب آگ سامنے آئے گی تو پتہ چلے گا کہ اصل ناگوار چیز کیا تھی؟

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن
يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ
مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ﴿٧٣﴾ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ
لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٧٤﴾ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ
بَصِيرٌ ﴿٧٥﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٧٦﴾
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۩ ﴿٧٧﴾ السجدة

لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے، اب اُسے کان لگا کر سنو! تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو دُعا کے لیے پکارتے ہو، وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے، چاہے اس کام کے لیے سب کے سب اکٹھے ہوجائیں، اور اگر مکھی اُن سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اُس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ ایسا دُعا مانگنے والا بھی بودا اور جس سے دُعا مانگی جارہی ہے وہ بھی! ﴿۷۳﴾ ان لوگوں نے اللہ کی ٹھیک ٹھیک قدر نہیں پہچانی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ قوت کا بھی مالک ہے، اقتدار کا بھی مالک۔ ﴿۷۴﴾ اللہ فرشتوں میں سے بھی اپنا پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے، اور انسانوں میں سے بھی۔(۴۳) یقیناً اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز دیکھتا ہے۔ ﴿۷۵﴾ وہ اُن کے آگے اور پیچھے کی ساری باتوں کو جانتا ہے، اور اللہ ہی پر تمام معاملات کا دارومدار ہے۔ ﴿۷۶﴾ اے ایمان والو! رُکوع کرو، اور سجدہ کرو، اور اپنے پروردگار کی بندگی کرو، اور بھلائی کے کام کرو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔(۴۴) ﴿۷۷﴾

(۴۳) کون سے فرشتے پیغمبروں کے پاس وحی کا پیغام لے کر جائیں، اور کن انسانوں کو پیغمبری کے مقام پر سرفراز کیا جائے، ان سب باتوں کا تعین اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں۔

(۴۴) شافعی مذہب میں یہاں سجدہ ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ
حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ
الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ ع ۱۰ / ۱۴

اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو، جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔[۳۵] اُس نے تمہیں (اپنے دین کے لئے) منتخب کرلیا ہے، اور تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اپنے باپ ابراہیم کے دین کو مضبوطی سے تھام لو، اُس نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا، اور اس (قرآن) میں بھی، تاکہ یہ رسول تمہارے لئے گواہ بنیں، اور تم دوسرے لوگوں کے لئے گواہ بنو۔[۳۶] لہٰذا نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو، وہ تمہارا رکھوالا ہے، دیکھو، کتنا اچھا رکھوالا، اور کتنا اچھا مددگار! ﴿۷۸﴾

(۳۵) "جہاد" کے لفظی معنی جدوجہد اور کوشش کے ہیں، اور یہ لفظ دین کے راستے میں ہر کوشش کو شامل ہے۔ اس میں مسلح جدوجہد یعنی اللہ کے راستے میں جنگ کرنا بھی داخل ہے، پر اُن جدوجہد بھی، اور انسان اپنی اصلاح کے لئے جو محنت کرے، وہ بھی۔

(۳۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے مؤمنوں کے حق میں گواہی دیں گے کہ یہ لوگ ایمان لے آئے تھے، اور مسلمان دوسری اُمتوں کے بارے میں گواہی دیں گے کہ پیغمبروں نے اُن کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ یہ مضمون سورۂ بقرہ (۲: ۱۴۳) میں گذر چکا ہے۔ وہاں اس کی تشریح دیکھ لی جائے۔

الحمد للہ، آج بروز دوشنبہ ۱۵ ر صفر المظفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۵ مارچ ۲۰۰۷ء مدینہ منورہ میں سورۂ حج کا ترجمہ اور حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرما کر باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سورة المؤمنون

تعارف

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے وہ بنیادی صفات ذکر فرمائی ہیں جو مسلمانوں میں پائی جانی چاہئیں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ اس سورت کی پہلی دس آیتوں میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں، اگر کوئی شخص وہ ساری باتیں اپنے اندر پیدا کرلے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ اسی لئے اس سورت کا نام "مؤمنون" ہے، یعنی وہ سورت جو یہ بیان کرتی ہے کہ مسلمانوں کو کیسا ہونا چاہئے۔ نیز نسائی میں روایت ہے کہ ایک صاحب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور اوصاف کیسے تھے؟ اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورۂ مؤمنون کی یہ دس آیتیں تلاوت فرمادیں کہ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف تھے۔ سورت کا بنیادی مقصد انسان کو اُس کی اصلیت کی طرف متوجہ کرکے اس بات پر غور وفکر کی دعوت دینا ہے کہ اُس کے دُنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے، اور بالآخر مرنے کے بعد جو زندگی آنی ہے، اُس میں انسان کا انجام کیا ہوگا؟ اس کے علاوہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بہت سے انبیائے کرام کے واقعات اس سورت میں دُہرائے گئے ہیں، تاکہ یہ بات واضح ہو کہ ان سب پیغمبروں کی دعوت تواتر کے ساتھ ایک ہی تھی، اور جن لوگوں نے اُن کا انکار کیا، اُنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا نشانہ بننا پڑا۔ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرکے اُن کی نیکیوں اور برائیوں کا حساب لیں گے، اور ہر انسان کو اپنے عقیدے اور عمل کے اعتبار سے جزا وسزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس عقیدے کو کائنات میں پھیلی ہوئی قدرتِ خداوندی کی نشانیوں کی طرف متوجہ کرکے ثابت کیا گیا ہے۔

آیاتها ۱۱۸ ۲۳ سورة المؤمنون مكية ۷۴ ركوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ
اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اُن ایمان والوں نے یقیناً فلاح پالی ہے ﴿۱﴾ جو اپنی نماز میں دل سے جھکنے والے ہیں،(۱) ﴿۲﴾ اور
جو لغو چیزوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں(۲) ﴿۳﴾ اور جو زکوٰۃ پر عمل کرنے والے ہیں،(۳) ﴿۴﴾

---

(۱) یہ "خشوع" کا ترجمہ ہے۔ عربی میں "خضوع" کے معنی ہیں ظاہری اعضاء کو جھکانا، اور "خشوع" کے معنی ہیں دل کو عاجزی کے ساتھ نماز کی طرف متوجہ رکھنا۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان نماز میں جو کچھ زبان سے پڑھ رہا ہو، اُس کی طرف دھیان رکھے، اور اگر غیر اختیاری طور پر کوئی خیال آجائے تو وہ معاف ہے، لیکن جونہی یاد آئے، دوبارہ نماز کے الفاظ کی طرف متوجہ ہوجانا چاہئے۔

(۲) "لغو" کا مطلب ہے بیکار مشغلہ جس میں نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہو، نہ آخرت کا۔

(۳) "زکوٰۃ" کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو پاک صاف کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو فریضہ عائد کیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ غریبوں کے لئے نکالیں، اُسے زکوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے اُن کا باقی مال بھی پاک صاف ہوجاتا ہے، اور ان کے دلوں کو بھی پاکی حاصل ہوتی ہے۔ یہاں زکوٰۃ سے مراد وہ مالی فریضہ بھی ہوسکتا ہے، اور اُس کے دوسرے معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں، یعنی اپنے آپ کو بُرے اعمال اور اخلاق سے پاک صاف کرنا۔ اس کو "تزکیہ" بھی کہتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہاں زکوٰۃ کے ساتھ "ادا کرنے" کے بجائے زکوٰۃ پر "عمل کرنے والے" کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے، اُس کی وجہ سے بہت سے مفسرین نے یہاں دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ
غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٧﴾ وَالَّذِينَ هُمْ
لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٩﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ
الْوَارِثُونَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١﴾

اور جو اپنی شرم گاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں،[۴] ﴿۵﴾ سوائے اپنی بیویوں اور اُن
کنیزوں کے جو اُن کی ملکیت میں آچکی ہوں،[۵] کیونکہ ایسے لوگ قابلِ ملامت نہیں ہیں۔ ﴿۶﴾ ہاں
جو اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیں تو ایسے لوگ حد سے گزرے ہوئے ہیں۔[۶] ﴿۷﴾
اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں، ﴿۸﴾ اور جو اپنی نمازوں کی پوری نگرانی
رکھتے ہیں۔[۷] ﴿۹﴾ یہ ہیں وہ وارث ﴿۱۰﴾ جنہیں جنت الفردوس کی میراث ملے گی۔[۸] یہ اُس میں
ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۱۱﴾

---

(۴) یعنی اس بات سے حفاظت کرتے ہیں کہ اپنی جنسی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے کوئی ناجائز طریقہ اختیار کیا جائے۔

(۵) اس سے مراد وہ کنیزیں ہیں جو شرعی احکام کے مطابق کسی کی ملکیت میں آئی ہوں، لیکن آج کل ایسی کنیزوں کا کوئی وجود نہیں رہا۔

(۶) یعنی بیوی اور شرعی کنیز کے سوا کسی اور طریقے سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کی کوشش کرنا حرام ہے۔

(۷) نمازوں کی نگرانی میں یہ بات بھی داخل ہے کہ نماز کی پوری پابندی کی جائے، اور یہ بھی کہ ان کو صحیح طریقے سے آداب اور شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے۔

(۸) جنت کو مؤمنوں کی میراث اس لئے کہا گیا ہے کہ ملکیت کے اسباب میں سے میراث ہی ایک ایسا طریقہ ہے جس میں ایک چیز خود بخود اس طرح انسان کی ملکیت میں آجاتی ہے کہ اس ملکیت کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اشارہ اس طرف ہے کہ جنت کے مل جانے کے بعد اس کے چھن جانے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ﴿١٢﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ
مَّكِينٍ ﴿١٣﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا
فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿١٤﴾
ثُمَّ إِنَّكُم بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا
فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ ﴿١٧﴾

اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے پیدا کیا،(۹) ﴿۱۲﴾ پھر ہم نے اُسے ٹپکی ہوئی بوند کی شکل میں
ایک محفوظ جگہ پر رکھا،(۱۰) ﴿۱۳﴾ پھر ہم نے اُس بوند کو جمے ہوئے خون کی شکل دے دی، پھر اُس جمے
ہوئے خون کو ایک لوتھڑا بنا دیا، پھر اُس لوتھڑے کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا، پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس
پہنایا، پھر اُسے ایسی اُٹھان دی کہ وہ ایک دوسری ہی مخلوق بن کر کھڑا ہو گیا۔ غرض بڑی شان ہے اللہ
کی جو سارے کاریگروں سے بڑھ کر کاریگر ہے! ﴿۱۴﴾ پھر اس سب کے بعد تمہیں یقیناً موت
آنے والی ہے، ﴿۱۵﴾ پھر قیامت کے دن تمہیں یقیناً دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ ﴿۱۶﴾ اور ہم نے
تمہارے اُوپر سات تہ بر تہ راستے پیدا کیے ہیں، اور ہم مخلوق سے غافل نہیں ہیں۔(۱۱) ﴿۱۷﴾

(۹) انسان کا مٹی سے پیدا ہونا یا تو اس اعتبار سے ہے کہ تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے تھے، پھر تمام انسان اُن کی پشت سے پیدا ہوئے۔ اس لئے بالواسطہ تمام انسانوں کی اصل مٹی ہے، یا پھر اس کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انسان کی تخلیق منی کے قطرے سے ہوتی ہے، اور وہ غذا سے پیدا ہوتی ہے جس کے کھانے اور بننے میں مٹی کا دخل واضح ہے۔

(۱۰) محفوظ جگہ سے مراد رحم مادر ہے۔

(۱۱) یہاں آسمانوں کو تہ بر تہ راستوں سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے انہی آسمانوں سے آتے جاتے ہیں۔ اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ ہماری مخلوق کی ضروریات کیا ہیں، اور ان کی مصلحت کا کیا تقاضا ہے۔ اس لئے ہماری تمام تخلیقات میں ان مصالح کی پوری رعایت ہے۔

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ
لَقَادِرُونَ ﴿١٨﴾ فَأَنشَأْنَا لَكُم بِهِ جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ
كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٩﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِن طُورِ سَيْنَاءَ تَنبُتُ بِالدُّهْنِ
وَصِبْغٍ لِّلْآكِلِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ
فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٢٢﴾

اور ہم نے آسمان سے ٹھیک اندازے کے مطابق پانی اُتارا، پھر اُسے زمین میں ٹھہرا دیا،(۱۲) اور یقین رکھو، ہم اُسے غائب کردینے پر بھی قادر ہیں۔ ﴿۱۸﴾ پھر ہم نے اُس سے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کئے جن سے تمہیں بہت سے میوے حاصل ہوتے ہیں، اور اُنہی میں سے تم کھاتے ہو۔ ﴿۱۹﴾ اور وہ درخت بھی پیدا کیا جو طورِ سینا سے نکلتا ہے،(۱۳) جو اپنے ساتھ تیل لے کر اور کھانے والوں کے لئے سالن لے کر اُگتا ہے۔ ﴿۲۰﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے مویشیوں میں بڑی نصیحت کا سامان ہے۔ جو (دودھ) ان کے پیٹ میں ہے، اُس سے ہم تمہیں سیراب کرتے ہیں، اور اُن میں تمہارے لئے بہت سے فوائد ہیں، اور اُنہی سے تم غذا بھی حاصل کرتے ہو۔ ﴿۲۱﴾ اور اُنہی پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار بھی کیا جاتا ہے۔ ﴿۲۲﴾

---

(۱۲) یعنی اگر آسمان سے پانی برسا کر تمہیں ذمہ داری دی جاتی کہ تم خود اس کا ذخیرہ کرو، تو یہ تمہارے بس میں نہیں تھا۔ ہم نے یہ پانی پہاڑوں پر برسا کر اُسے برف کی شکل میں جما دیا، جو رفتہ رفتہ پگھل کر دریاؤں کی شکل اختیار کرتا ہے، اور اس کی جڑیں زمین بھر میں پھیلی ہوئی ہیں، جن سے کنویں بنتے ہیں، اور اس طرح زمین کی تہہ میں وہ پانی محفوظ رہتا ہے۔

(۱۳) اس سے مراد زیتون کا درخت ہے جو طورِ سینا کے علاقے میں کثرت سے پایا جاتا تھا۔ اس سے جو تیل نکلتا ہے اس سے روغن کا کام بھی لیا جاتا ہے، اور عرب میں اُسے روٹی کے ساتھ سالن کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اس درخت کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کے فوائد بہت ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ
أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا
بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ
حِينٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٢٦﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ
بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ

اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ اُنہوں نے (قوم سے) کہا کہ: "میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ بھلا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟" ﴿۲۳﴾ اس پر اُن کی قوم کے کافر سرداروں نے (ایک دوسرے سے) کہا: "اس شخص کی اس کے سوا کوئی حقیقت نہیں کہ یہ تمہی جیسا ایک انسان ہے جو تم پر اپنی برتری جتانا چاہتا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے نازل کردیتا۔ یہ بات تو ہم نے اپنے پچھلے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی۔ ﴿۲۴﴾ (رہا یہ شخص، تو) یہ اور کچھ نہیں، ایک ایسا آدمی ہے جسے جنون لاحق ہوگیا ہے، اس لئے کچھ وقت تک اس کا انتظار کرکے دیکھ لو (کہ شاید اپنے حواس میں آجائے)۔" ﴿۲۵﴾ نوح نے کہا: "یارب! ان لوگوں نے مجھے جس طرح جھوٹا بنایا ہے، اس پر تو ہی میری مدد فرما۔" ﴿۲۶﴾ چنانچہ ہم نے اُن کے پاس وحی بھیجی کہ: "تم ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ۔ پھر جب ہمارا حکم آجائے، اور تنور اُبل پڑے (۱۴)

---

(۱۴) تنور چولھے کو بھی کہتے ہیں، اور سطحِ زمین کو بھی۔ بعض روایات میں ہے کہ طوفانِ نوح اس طرح شروع ہوا تھا کہ ایک چولھے سے پانی اُبلنے لگا، اوپر سے بارش شروع ہوگئی، اور رفتہ رفتہ وہ ایک ہولناک طوفان میں بدل گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ سورۂ ہود (۱۱: ۲۵ تا ۴۸) میں گذر چکا ہے۔

فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ
مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ
وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾
وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَ
إِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٣١﴾ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ
ع رَسُولًا مِنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣٢﴾

تو ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا لے کر اُسے بھی اس کشتی میں سوار کر لینا،(۱۵) اور اپنے گھر والوں کو بھی، سوائے اُن کے جن کے خلاف پہلے ہی حکم صادر ہو چکا ہے۔(۱۶) اور ان ظالموں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا، یہ بات طے ہے کہ یہ سب غرق کیے جائیں گے۔ ﴿۲۷﴾ پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں ٹھیک ٹھیک بیٹھ چکیں، تو کہنا: "شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی۔" ﴿۲۸﴾ اور کہنا: "یا رب! مجھے ایسا اترنا نصیب کر جو برکت والا ہو، اور تو بہترین اُتارنے والا ہے۔" ﴿۲۹﴾ اس سارے واقعے میں بڑی نشانیاں ہیں، اور یقینی بات ہے کہ ہمیں آزمائش تو کرنی ہی کرنی تھی۔ ﴿۳۰﴾ پھر اُن کے بعد ہم نے دوسری نسلیں پیدا کیں، ﴿۳۱﴾ اور اُن کے درمیان اُنہی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا(۱۷) (جس نے کہا) کہ: "اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ بھلا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟" ﴿۳۲﴾

(۱۵) تاکہ ضرورت کے جانوروں کی نسل باقی رہے۔

(۱۶) اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کے خاندان کے وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائے تھے، اور نہ اُن کا ایمان لانا مقدر تھا، مثلاً اُن کا بیٹا کنعان جس کا واقعہ سورۂ ہود میں گذر چکا ہے۔

(۱۷) یہاں قرآن کریم نے پیغمبر کا نام نہیں لیا، لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت صالح علیہ السلام

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا
تَشْرَبُونَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ ﴿۳۴﴾ أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ
إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُمْ مُخْرَجُونَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا
تُوعَدُونَ ﴿۳۶﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۳۷﴾
إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾

اُن کی قوم کے وہ سردار جنہوں نے کفر اپنا رکھا تھا، اور جنہوں نے آخرت کا سامنا کرنے کو جھٹلایا تھا، اور جن کو ہم نے دُنیوی زندگی میں خوب عیش دے رکھا تھا، اُنہوں نے (ایک دوسرے سے) کہا: "اس شخص کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ تمہی جیسا ایک انسان ہے۔ جو چیز تم کھاتے ہو، یہ بھی کھاتا ہے، اور جو تم پیتے ہو، یہ بھی پیتا ہے۔ ﴿۳۳﴾ اور اگر کہیں تم نے اپنے ہی جیسے ایک انسان کی فرماں برداری قبول کرلی تو تم بڑے ہی گھاٹے کا سودا کرو گے۔ ﴿۳۴﴾ بھلا بتاؤ، یہ شخص تمہیں ڈراتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے، اور مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہوجاؤ گے، تو تمہیں دوبارہ زمین سے نکالا جائے گا؟ ﴿۳۵﴾ جس بات سے تمہیں ڈرایا جارہا ہے، وہ تو بہت ہی بعید بات ہے، بجھ سے بالکل ہی دور! ﴿۳۶﴾ زندگی تو ہماری اس دُنیوی زندگی کے سوا کوئی اور نہیں ہے، (یہیں) ہم مرتے اور جیتے ہیں، اور ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جاسکتا۔ ﴿۳۷﴾ (رہا یہ شخص، تو) یہ اور کچھ نہیں، ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان گھڑا ہے، اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔" ﴿۳۸﴾

ہیں جنہیں قوم ثمود کی طرف بھیجا گیا تھا، کیونکہ آگے آیت نمبر ۴۰ میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی قوم کو چنگھاڑ سے ہلاک کیا گیا تھا۔ اور بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ شاید حضرت ہود علیہ السلام مراد ہوں جنہیں قوم عاد کی طرف بھیجا گیا تھا، اور چنگھاڑ سے مراد ہوا کا وہ عذاب ہے جس کے ساتھ یقیناً خوفناک آواز بھی ہوگی۔ ان دونوں قوموں کے واقعات سورۂ اعراف (۷:۶۵ و ۷۳) اور سورۂ ہود (۱۱:۵۰ و ۶۱) میں گذر چکے ہیں۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿٣٩﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿٤٠﴾
فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَاۤءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤١﴾ ثُمَّ
أَنْشَأْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿٤٢﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا
يَسْتَأْخِرُوْنَ ﴿٤٣﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۖ كُلَّمَا جَاۤءَ أُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ
فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ أَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٤٤﴾ ثُمَّ
أَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَأَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٥﴾ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ
فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿٤٦﴾

پیغمبر نے کہا: ''یا رَبّ! ان لوگوں نے مجھے جس طرح جھوٹا بتایا ہے، اُس پر تو ہی میری مدد
فرما۔'' ﴿۳۹﴾ اللہ نے فرمایا: ''اب تھوڑی ہی دیر کی بات ہے کہ یہ لوگ پچھتاتے رہ جائیں
گے۔'' ﴿۴۰﴾ چنانچہ اس سچے وعدے کے مطابق اُن کو ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا، اور ہم نے انہیں
کوڑا کرکٹ بنا کر رکھ دیا۔ پھٹکار ہے ایسے ظالم لوگوں پر! ﴿۴۱﴾ اس کے بعد ہم نے دوسری نسلیں
پیدا کیں۔ ﴿۴۲﴾ کوئی اُمت نہ اپنے معین وقت سے پہلے جاسکتی ہے، نہ اُس کے بعد ٹھہر سکتی
ہے۔(۱۸) ﴿۴۳﴾ پھر ہم نے پے در پے اپنے پیغمبر بھیجے۔ جب بھی کسی قوم کے پاس اُس کا پیغمبر آتا تو
وہ اُسے جھٹلاتے، چنانچہ ہم نے بھی ایک کے بعد ایک (کو ہلاک کرنے) کا سلسلہ باندھ دیا، اور
انہیں قصہ کہانیاں بنا ڈالا۔ پھٹکار ہے اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے! ﴿۴۴﴾ پھر ہم نے موسیٰ
اور اُن کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور واضح ثبوت کے ساتھ فرعون اور اُس کے سرداروں کے
پاس بھیجا تو اُنہوں نے گھمنڈ کا مظاہرہ کیا، اور وہ بڑے تکبر والے لوگ تھے۔ ﴿۴۵ و ۴۶﴾

---

(۱۸) یعنی تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے جس قوم کے لئے فنا ہونے کا جو وقت مقرر کر رکھا ہے، وہ اُس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ
الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ
وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا ع
مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

چنانچہ کہنے لگے: "کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں، حالانکہ اُن کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہے؟"(۱۹) ﴿۴۷﴾ اس طرح انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا، اور آخر کار وہ بھی اُن لوگوں سے جا ملے جنہیں ہلاک کیا گیا تھا۔ ﴿۴۸﴾ اور موسیٰ کو ہم نے کتاب عطا فرمائی، تاکہ اُن کے لوگ رہنمائی حاصل کریں۔ ﴿۴۹﴾ اور مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو اور اُن کی ماں کو ہم نے ایک نشانی بنایا، اور ان دونوں کو ایک ایسی بلندی پر پناہ دی جو ایک پُرسکون جگہ تھی، اور جہاں صاف ستھرا پانی بہتا تھا۔"(۲۰) ﴿۵۰﴾ اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزوں میں سے (جو چاہو) کھاؤ، اور نیک عمل کرو۔ یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، مجھے اُس کا پورا پورا علم ہے۔ ﴿۵۱﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تمہارا دین ہے، (سب کے لئے) ایک ہی دین! اور میں تمہارا پروردگار ہوں، اس لئے دل میں (صرف) میرا رعب رکھو۔ ﴿۵۲﴾

---

(۱۹) حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی قوم بنی اسرائیل تھی جسے فرعون نے غلام بنایا ہوا تھا۔

(۲۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی کے طور پر بغیر باپ کے بیت اللحم کے مقام پر پیدا ہوئے تھے۔ بیت اللحم کا بادشاہ ان کا اور ان کی والدہ کا دشمن ہوگیا تھا، اس لئے حضرت مریم علیہا السلام کو وہاں سے نکل کر کسی ایسی جگہ اپنے آپ کو اور اپنے صاحبزادے کو چھپانا پڑا جہاں اُس بادشاہ کی پہنچ نہ ہو۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں ایک ایسی بلند جگہ پر پناہ دی جو اُن کے لئے پُرسکون بھی تھی، اور وہاں چشمے کا پانی بھی بہتا تھا جو اُن کی ضروریات پوری کرسکے۔

فَتَقَطَّعُوٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ
غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾
نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ
رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ
بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

پھر ہوا یہ کہ لوگوں نے اپنے دین میں باہم پھوٹ ڈال کر فرقے بنا لئے۔ ہر گروہ نے اپنے خیال میں جو طریقہ اختیار کرلیا ہے، اُسی پر مگن ہے۔ ﴿۵۳﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) ان کو ایک خاص وقت تک اپنی جہالت میں ڈوبا رہنے دو۔ ﴿۵۴﴾ کیا یہ لوگ اس خیال میں ہیں کہ ہم ان کو جو دولت اور اولاد دیئے جارہے ہیں، ﴿۵۵﴾ تو اُن کو بھلائیاں پہنچانے میں جلدی دکھا رہے ہیں؟(۲۱) نہیں، بلکہ ان کو حقیقت کا شعور نہیں ہے۔ ﴿۵۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے پروردگار کے رُعب سے ڈرے رہتے ہیں، ﴿۵۷﴾ اور جو اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، ﴿۵۸﴾ اور جو اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے، ﴿۵۹﴾

---

(۲۱) بہت سے کفار اپنے حق پر ہونے کی یہ دلیل دیتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بہت سا مال و دولت دے رکھا ہے، ہماری اولاد بھی خوشحال ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہے، اور ہمیں آئندہ بھی خوشحال رکھے گا۔ اگر ناراض ہوتا تو یہ مال اور اولاد ہمیں میسر نہ ہوتا۔ یہ آیت اُن کا جواب دے رہی ہے، اور وہ یہ کہ دُنیا میں مال و دولت مل جانا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ وہ کافروں اور نافرمانوں کو بھی رزق دیتا ہے۔ اس کے بجائے وہ اُن لوگوں سے خوش ہے، اور اُن کا انجام بہتر کرے گا جن کے حالات آیت نمبر ۵۷ تا ۶۰ میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝٦٠ أُولَٰئِكَ
يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝٦١ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا
وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝٦٢ بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا وَ
لَهُمْ أَعْمَالٌ مِّن دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَامِلُونَ ۝٦٣ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم
بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ ۝٦٤ لَا تَجْأَرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُم مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ ۝٦٥ قَدْ
كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ۝٦٦

اور وہ جو عمل بھی کرتے ہیں، اُسے کرتے وقت ان کے دل اس بات سے سہمے ہوتے ہیں کہ انہیں
اپنے پروردگار کے پاس واپس جانا ہے،(۲۲) ﴿۶۰﴾ وہ ہیں جو بھلائیاں حاصل کرنے میں جلدی
دکھا رہے ہیں، اور وہ ہیں جو اُن کی طرف تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ﴿۶۱﴾ اور ہم کسی شخص کو
اُس کی طاقت سے زیادہ کسی کام کی ذمہ داری نہیں دیتے، اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو
(سب کا حال) ٹھیک ٹھیک بول دے گی، اور اُن پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ ﴿۶۲﴾ لیکن ان کے دل اس
بات سے غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور اس کے علاوہ اُن کی اور بھی کارستانیاں ہیں جو وہ کرتے
رہتے ہیں(۲۳) ﴿۶۳﴾ یہاں تک کہ جب ہم اُن کے دولت مند لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیں گے تو وہ
ایک دم بلبلا اٹھیں گے۔ ﴿۶۴﴾ آج بلبلاؤ نہیں، ہماری طرف سے تمہیں کوئی مدد نہیں ملے
گی۔ ﴿۶۵﴾ میری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی تھیں، تو تم اُلٹے پاؤں مڑ جاتے تھے، ﴿۶۶﴾

---

(۲۲) یعنی نیک عمل کرتے ہوئے بھی اُن کے دل میں کوئی بڑائی نہیں آتی، بلکہ وہ سہمے رہتے ہیں کہ اس عمل میں کوئی ایسی کوتاہی نہ رہ گئی ہو جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بن جائے۔

(۲۳) یعنی کفر اور شرک کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی بہت سے برے کام ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں۔

مُسْتَكْبِرِينَ ۖ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ
آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ
بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٠﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ
أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِذِكْرِهِمْ
فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ ﴿٧١﴾

بڑے غرور سے اس (قرآن) کے بارے میں رات کو مجلسیں جما کر بے ہودہ باتیں کرتے
تھے۔﴿۶۷﴾ بھلا کیا ان لوگوں نے اس کلام پر غور نہیں کیا، یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آگئی
ہے جو ان کے پچھلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی؟﴿۶۸﴾ یا یہ اپنے پیغمبر کو (پہلے سے)
جانتے ہی نہیں تھے، اس وجہ سے ان کا انکار کر رہے ہیں؟(۲۴) ﴿۶۹﴾ یا ان کا کہنا ہے کہ ان (پیغمبر) کو
جنون لاحق ہوگیا ہے؟ نہیں، بلکہ (اصل وجہ یہ ہے کہ) یہ پیغمبر ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں،
اور ان میں سے اکثر لوگ حق کو پسند نہیں کرتے۔(۲۵) ﴿۷۰﴾ اور اگر حق ان کی خواہشات کے تابع
ہو جاتا تو آسمان اور زمین اور اُن میں بسنے والے سب برباد ہو جاتے۔ نہیں، بلکہ ہم ان کے
پاس خود ان کے لئے نصیحت کا سامان لے کر آئے ہیں، اور وہ ہیں کہ خود اپنی نصیحت سے منہ
موڑے ہوئے ہیں۔﴿۷۱﴾

---

(۲۴) اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سچائی اور امانت و دیانت سے واقف نہ ہوتا تو اس کے دل میں آپ کی نبوت میں شک ہونا کم از کم شروع میں سمجھ میں آسکتا تھا، لیکن یہ لوگ چالیس سال سے آپ کی سچائی اور اعلیٰ اخلاق و کردار کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے رہے ہیں، اور انہیں یقین سے معلوم ہے کہ آپ نے کبھی نہ جھوٹ بولا ہے، نہ کسی کو دھوکا دیا ہے، اس کے باوجود وہ آپ کو اس طرح جھٹلا رہے ہیں جیسے وہ آپ کے حالات سے کبھی واقف ہی نہیں تھے۔

(۲۵) ان کے جھٹلانے کی نہ یہ وجہ ہے کہ آپ کوئی ایسی نئی بات لے کر آئے ہیں جو پچھلے انبیائے کرام لے کر نہ

أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٧٢﴾ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ
إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ
لَنَاكِبُونَ ﴿٧٤﴾ وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِم مِّن ضُرٍّ لَّلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٥﴾
وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿٧٦﴾ حَتَّىٰ إِذَا
فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٧﴾

یا (ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ) تم ان سے کوئی معاوضہ مانگ رہے ہو؟ تو (یہ بات بھی غلط ہے، اس لئے کہ) تمہارے پروردگار کا دیا ہوا معاوضہ (تمہارے لئے) کہیں بہتر ہے، اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ ﴿۷۲﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ تم تو انہیں سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہو، ﴿۷۳﴾ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ راستے سے بالکل ہٹے ہوئے ہیں۔ ﴿۷۴﴾ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور اُس تکلیف کو دور کردیں جس میں یہ مبتلا ہیں تب بھی یہ بھٹکتے ہوئے اپنی سرکشی پر اَڑے رہیں گے۔[۲۶] ﴿۷۵﴾ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو (ایک مرتبہ) عذاب میں پکڑا تھا، تو اُس وقت بھی یہ لوگ اپنے پروردگار کے سامنے نہیں جھکے۔ اور یہ تو عاجزی کی روش اختیار کرتے ہی نہیں ہیں۔ ﴿۷۶﴾ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب والا دروازہ کھول دیں گے تو یہ ایک دم اس میں مایوس ہو کر رہ جائیں گے۔ ﴿۷۷﴾

آئے ہوں، نہ آپ کے اعلیٰ اخلاق ان لوگوں سے پوشیدہ ہیں، اور نہ یہ سچ مچ آپ کو (معاذ اللہ) مجنون سمجھتے ہیں۔ اصل وجہ اس کے برعکس یہ ہے کہ حق کی جو بات آپ لے کر آئے ہیں، وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہے، اس لئے اُسے جھٹلانے کے لئے مختلف بہانے بناتے رہتے ہیں۔

(۲۶) اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو جھنجھوڑنے کے لئے دو ایک مرتبہ انہیں قحط اور معاشی بدحالی میں مبتلا کیا۔ یہ آیت کسی ایسے ہی موقع پر نازل ہوئی تھی۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٧٨﴾ وَهُوَ
الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٧٩﴾ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ
اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٨٠﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿٨١﴾
قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٨٢﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ
وَآبَاؤُنَا هَٰذَا مِن قَبْلُ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨٣﴾ قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ
وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٤﴾

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کیے۔ (مگر) تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔(۲۷) ﴿۷۸﴾ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا، اور اُسی کی طرف تمہیں اکٹھا کرکے لے جایا جائے گا۔ ﴿۷۹﴾ اور وہی ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے، اور اُسی کے قبضے میں رات اور دن کی تبدیلیاں ہیں۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۸۰﴾ اس کے بجائے یہ لوگ بھی ویسی ہی باتیں کرتے ہیں جیسی پچھلے لوگوں نے کی تھیں۔ ﴿۸۱﴾ کہتے ہیں کہ: ”کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہوجائیں گے، تو کیا واقعی ہمیں دوبارہ زندہ کرکے اُٹھایا جائے گا؟ ﴿۸۲﴾ یہ وہ یقین دہانی ہے جو ہم سے بھی کی گئی ہے، اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادوں سے بھی کی گئی تھی۔ اس کی کوئی حقیقت اس کے سوا نہیں کہ یہ پچھلے لوگوں کے بنائے ہوئے افسانے ہیں۔“ ﴿۸۳﴾ (اے پیغمبر! ذرا ان سے) کہو کہ: ”یہ ساری زمین اور اُس میں بسنے والے کس کی ملکیت ہیں؟ بتاؤ اگر جانتے ہو۔“ ﴿۸۴﴾

---

(۲۷) یہاں سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے مختلف مظاہر بیان فرمارہے ہیں جنہیں کفارِ مکہ بھی مانتے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ جو ذات اتنے عظیم اور حیرت انگیز کام کرنے پر قادر ہے، وہ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیوں نہیں کرسکتی؟

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ
الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ
كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ
فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ﴿۸۹﴾ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن
وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ ۚ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ
بَعْضٍ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۹۱﴾

وہ ضرور یہی کہیں گے کہ: "یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔"(۲۸) کہو کہ: "کیا پھر بھی تم سبق نہیں لیتے؟" ﴿۸۵﴾
کہو کہ: "ساتوں آسمانوں کا مالک اور عالیشان عرش کا مالک کون ہے؟" ﴿۸۶﴾ وہ ضرور یہی کہیں
گے کہ: "یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔" کہو کہ: "کیا پھر بھی تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟" ﴿۸۷﴾ کہو کہ:
"کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اختیار ہے، اور جو پناہ دیتا ہے، اور اس کے مقابلے میں
کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ بتاؤ اگر جانتے ہو۔" ﴿۸۸﴾ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ: "سارا اختیار
اللہ کا ہے۔" کہو کہ: "پھر کہاں سے تم پر کوئی جادو چل جاتا ہے؟" ﴿۸۹﴾ نہیں، (یہ افسانے نہیں)
بلکہ ہم نے انہیں حق بات پہنچائی ہے، اور یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔ ﴿۹۰﴾ نہ تو اللہ نے کوئی بیٹا
بنایا ہے، اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا،
اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتے۔(۲۹) پاک ہے اللہ ان باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں، ﴿۹۱﴾

---

(۲۸) کفارِ عرب مانتے تھے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے، اس کے باوجود مختلف خداؤں کے بھی قائل تھے۔

(۲۹) یہ توحید کی تقریباً وہی دلیل ہے جو سورۂ بنی اسرائیل (۱۷: ۴۲) اور سورۂ انبیاء (۲۱: ۲۲) میں گزری ہے۔ تشریح کے لئے ان آیتوں کے حواشی ملاحظہ فرمایئے۔

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا
يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا
نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا
يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ
يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾

وہ اللہ جسے تمام چھپی اور کھلی باتوں کا مکمل علم ہے۔ لہٰذا وہ ان کے شرک سے بہت بلند وبالا
ہے۔ ﴿۹۲﴾ (اے پیغمبر!) دُعا کرو کہ: "میرے پروردگار! جس عذاب کی دھمکی ان (کافروں)
کو دی جارہی ہے، اگر آپ اُسے میری آنکھوں کے سامنے لے آئیں، ﴿۹۳﴾ تو اے میرے
پروردگار! مجھے ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کیجئے گا۔" ﴿۹۴﴾ اور یقین جانو کہ ہم جس چیز کی انہیں
دھمکی دے رہے ہیں، اُسے تمہاری آنکھوں کے سامنے لانے پر پوری طرح قادر ہیں۔ ﴿۹۵﴾
(لیکن جب تک وہ وقت نہ آئے) تم برائی کا دفعیہ ایسے طریقے سے کرتے رہو جو بہترین ہو۔(۳۰) جو
باتیں یہ لوگ بناتے ہیں، ہم خوب جانتے ہیں۔ ﴿۹۶﴾ اور دُعا کرو کہ: "میرے پروردگار! میں
شیطان کے لگائے ہوئے چرکوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، ﴿۹۷﴾ اور میرے پروردگار! میں اُن
کے اپنے قریب آنے سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔" ﴿۹۸﴾ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی
پر موت آکھڑی ہوگی تو وہ کہے گا کہ: "میرے پروردگار! مجھے واپس بھیج دیجئے، ﴿۹۹﴾

---

(۳۰) یعنی ان کی بے ہودگیوں کا اور ان کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں اُن کا جواب حتی الامکان نرمی، خوش اخلاقی اور احسان سے دیتے جائیے۔

لَعَلِّيٓ أَعْمَلُ صَٰلِحًا فِيمَا تَرَكْتُۚ كَلَّآۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَاۖ وَمِن وَرَآئِهِم
بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٠٠﴾ فَإِذَا نُفِخَ فِي ٱلصُّورِ فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا
يَتَسَآءَلُونَ ﴿١٠١﴾ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ
مَوَٰزِينُهُۥ فَأُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓاْ أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَٰلِدُونَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ
ٱلنَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَٰلِحُونَ ﴿١٠٤﴾ أَلَمْ تَكُنْ ءَايَٰتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٠٥﴾

تاکہ جس دُنیا کو میں چھوڑ آیا ہوں، اُس میں جاکر نیک عمل کروں۔" ہرگز نہیں! یہ تو ایک بات ہی بات ہے جو وہ زبان سے کہہ رہا ہے، اور ان (مرنے والوں) کے سامنے عالمِ برزخ کی آڑ ہے (۳۱) جو اُس وقت تک قائم رہے گی جب تک ان کو دوبارہ زندہ کرکے اُٹھایا جائے۔ ﴿۱۰۰﴾ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اُس دن نہ ان کے درمیان رشتے ناتے باقی رہیں گے، اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ (۳۲) ﴿۱۰۱﴾ اُس وقت جن کے پلڑے بھاری نکلے، تو وہی ہوں گے جو فلاح پائیں گے، ﴿۱۰۲﴾ اور جن کے پلڑے ہلکے پڑ گئے، تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے لئے گھاٹے کا سودا کیا تھا، وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۱۰۳﴾ آگ اُن کے چہروں کو جھلس ڈالے گی، اور اُس میں اُن کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔ ﴿۱۰۴﴾ (اُن سے کہا جائے گا کہ:) "کیا میری آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں؟ اور تم اُن کو جھٹلایا کرتے تھے۔" ﴿۱۰۵﴾

---

(۳۱) مرنے کے بعد سے قیامت تک مردہ جس عالم میں رہتا ہے، اُسے "عالمِ برزخ" کہا جاتا ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد تمہارا دُنیا میں واپس جانا اب ممکن نہیں، کیونکہ تمہارے سامنے عالمِ برزخ ہے، جو قیامت تک باقی رہے گا۔

(۳۲) دُنیا میں رشتہ دار اور دوست ایک دوسرے کے بارے میں یہ پوچھتے رہتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔ قیامت کا منظر اتنا ہولناک ہوگا کہ ہر شخص کو اپنی فکر پڑی ہوگی، اور اُسے اتنی فرصت نہیں ہوگی کہ وہ رشتہ داروں اور ملاقاتیوں کا حال معلوم کرے۔

قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا
فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿۱۰۸﴾ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِنْ
عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿۱۰۹﴾
فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنْسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿۱۱۰﴾ إِنِّي
جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ
عَدَدَ سِنِينَ ﴿۱۱۲﴾

وہ کہیں گے: "ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری بدبختی چھا گئی تھی، اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ ﴿۱۰۶﴾ ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے باہر نکال دیجیے، پھر اگر ہم دوبارہ وہی کام کریں تو بیشک ہم ظالم ہوں گے۔" ﴿۱۰۷﴾ اللہ فرمائے گا: "اسی (دوزخ) میں ذلیل ہوکر پڑے رہو، اور مجھ سے بات بھی نہ کرو۔ ﴿۱۰۸﴾ میرے بندوں میں سے ایک جماعت یہ دعا کرتی تھی کہ: 'اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، پس ہمیں بخش دیجیے، اور ہم پر رحم فرمایئے، اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے ہیں' ﴿۱۰۹﴾ تو تم نے ان لوگوں کا مذاق بنایا تھا۔ یہاں تک کہ اُن ہی (کے ساتھ چھیڑ چھاڑ) نے تمہیں میری یاد تک سے غافل کردیا، اور تم اُن کی ہنسی اُڑاتے رہے۔(۳۳) ﴿۱۱۰﴾ اُنہوں نے جس طرح صبر سے کام لیا تھا، آج میں نے اُنہیں اُس کا یہ بدلہ دیا ہے کہ اُنہوں نے اپنی مراد پالی ہے۔" ﴿۱۱۱﴾ (پھر) اللہ (ان دوزخیوں سے) فرمائے گا: "تم زمین میں گنتی کے کتنے سال رہے؟" ﴿۱۱۲﴾

---

(۳۳) یعنی تمہارا جرم صرف یہی نہیں ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے حقوق پامال کئے، بلکہ نیک بندوں پر ظلم کرکے حقوق العباد بھی پامال کئے۔ اس دن کی ہولناک سزا سے تمہیں پہلے ہی آگاہ کردیا گیا تھا، مگر تم اس کا مذاق اُڑاتے رہے، اس لئے اب تم کسی رعایت کے مستحق نہیں ہو۔

قٰلُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ
اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾
فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ
اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

وہ کہیں گے کہ: "ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے۔(۳۴) (ہمیں پوری طرح یاد نہیں) اس لئے جنہوں نے (وقت کی) گنتی کی ہو، اُن سے پوچھ لیجئے۔" ﴿۱۱۳﴾ اللہ فرمائے گا: "تم تھوڑی مدت سے زیادہ نہیں رہے۔ کیا خوب ہوتا اگر یہ بات تم نے (اُس وقت) سمجھ لی ہوتی!(۳۵) ﴿۱۱۴﴾ بھلا کیا تم یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ہم نے تمہیں یونہی بے مقصد پیدا کر دیا،(۳۶) اور تمہیں واپس ہمارے پاس نہیں لایا جائے گا؟" ﴿۱۱۵﴾ غرض بہت اُونچی شان ہے اللہ کی جو صحیح معنی میں بادشاہ ہے! اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عزت والے عرش کا مالک ہے۔ ﴿۱۱۶﴾ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کو پکارے، جس پر اُس کے پاس کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں، تو اُس کا حساب اُس کے پروردگار کے پاس ہے۔ یقین جانو کہ کافر لوگ فلاح نہیں پاسکتے۔ ﴿۱۱۷﴾ اور تم (اے پیغمبر!) یہ کہو کہ: "میرے پروردگار! ہماری خطائیں بخش دے، اور رحم فرمادے، تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔" ﴿۱۱۸﴾

---

(۳۴) آخرت کا عذاب اتنا سخت ہوگا کہ اُس کے مقابلے میں دُنیا کی ساری زندگی اور اُس میں جو عیش وعشرت کئے تھے، وہ ان دوزخیوں کو ایک دن یا اُس سے بھی کم معلوم ہوں گے۔

(۳۵) یعنی اب تو تم نے خود دیکھ لیا کہ دُنیا کا عیش ایک دن کا نہ سہی، مگر آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑا سا تھا۔ یہی بات تم سے دُنیا میں کہی جاتی تھی تو تم وہ ماننے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ کاش یہ حقیقت تم نے اُس وقت

بھول ہوتی تو آج تمہارا یہ حشر نہ ہوتا۔

(۳۶) جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، اُن کے موقف کا لازمی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بے مقصد پیدا کردی ہے۔ یہاں جس کے جو جی میں آئے کرتا رہے، اُس کا کوئی بدلہ کسی اور زندگی میں ملنے والا نہیں ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود اور اُس کی حکمت پر ایمان رکھتا ہو، اُس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی غلط بات منسوب کرے، لہٰذا آخرت پر ایمان اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا منطقی تقاضا ہے۔

الحمد للہ! سورۂ مؤمنون کا ترجمہ اور تشریحی حواشی آج شب جمعہ ۲۶ / صفر المظفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۶ / مارچ ۲۰۰۷ء کو کراچی میں تکمیل تک پہنچے، جبکہ سورت کا آغاز مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین۔

سُورَةُ النُّور

تعارف

اس سورت کا مرکزی موضوع معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کو روکنے اور عفت و عصمت کو فروغ دینے کے لئے ضروری ہدایات اور احکام دینا ہے۔ پچھلی سورت کے شروع میں مومنوں کی جو خصوصیات بیان فرمائی گئی تھیں، اُن میں سے ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی باعفت زندگی گذارتے ہیں۔ اب اس سورت میں باعفت زندگی گذارنے کے ضروری تقاضے بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ سورت کے شروع ہی میں زنا کی شرعی سزا بیان فرمائی گئی ہے، اور ساتھ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح زنا انتہائی گھناؤنا جرم ہے، اُسی طرح کسی بے گناہ پر شرعی ثبوت کے بغیر زنا کا الزام لگانا بھی نہ صرف سخت گناہ ہے، بلکہ اُس پر بھی سخت قانونی سزا مقرر فرمائی گئی ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ سورت ہجرت کے بعد چھٹے سال نازل ہوئی۔ اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے ایک قبیلے بنوالمصطلق کے بارے میں یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ آپ پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر جمع کر رہا ہے۔ آپ نے اُس کے حملے سے پہلے ہی پیش قدمی کر کے اُس کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ اسی سفر سے واپسی پر منافقین نے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خلاف بڑی کمینگی کے ساتھ ایک بے بنیاد تہمت لگائی، اور اُسے مدینہ منورہ میں بڑے پیمانے پر شہرت دی جس سے کچھ مخلص مسلمان بھی متاثر ہو گئے۔ اس سورت کی آیات ۱۱ تا ۲۰ حضرت عائشہؓ کی براءت کا اعلان کرنے کے لئے نازل ہوئیں، اور جن لوگوں نے تہمت لگانے کا گھناؤنا جرم کیا تھا، اُن کو اور معاشرے میں عریانی و فحاشی پھیلانے والوں کو سخت عذاب کی وعیدیں سنائی گئیں۔ نیز عفت و عصمت کی حفاظت کے پہلے قدم کے طور پر خواتین کو پردے کے احکام بھی اسی سورت میں دیئے گئے ہیں، اور دوسروں کے گھر جانے کے لئے ضروری آداب و احکام کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

آیاتہا ۶۴ ۲۴ سُوْرَۃُ النُّوْرِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۲ رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِیْهَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①
اَلزَّانِیَةُ وَ الزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا
رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَ لْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا
طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ②

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

یہ ایک سورت ہے جو ہم نے نازل کی ہے، اور جس (کے احکام) کو ہم نے فرض کیا ہے، اور اس میں کھلی کھلی آیتیں نازل کی ہیں، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ ﴿۱﴾ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ،(۱) اور اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو اللہ کے دین کے معاملے میں ان پر ترس کھانے کا کوئی جذبہ تم پر غالب نہ آئے۔ اور یہ بھی چاہئے کہ مومنوں کا ایک مجمع ان کی سزا کو کھلی آنکھوں دیکھے۔ ﴿۲﴾

(۱) یہ وہ سزا ہے جو مرد یا عورت کے زنا کرنے پر قرآن کریم نے مقرر فرمائی ہے، اور جسے اصطلاح میں "حدِ زنا" کہا جاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور اپنے عمل سے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اگر زنا کا ارتکاب کسی غیر شادی شدہ مرد یا عورت نے کیا ہو تب تو یہی سزا دی جائے گی، اور اگر اس جرم کا ارتکاب شادی شدہ مرد یا عورت نے کیا ہو، تو اس کی سزا رجم یعنی سنگساری ہے۔ اس مسئلے کی مکمل تحقیق میری کتاب "عدالتی فیصلے" میں دیکھی جاسکتی ہے۔

الزَّانِي لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ
وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣﴾ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا
بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٤﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا
أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ ۙ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٦﴾

زانی مرد نکاح کرتا ہے تو زناکار یا مشرک عورت ہی سے نکاح کرتا ہے، اور زناکار عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہی مرد جو خود زانی ہو، یا مشرک ہو، (۲) اور یہ بات مومنوں کے لئے حرام کردی گئی ہے۔ (۳) ﴿۳﴾ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، تو ان کو اسّی کوڑے لگاؤ، (۴) اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، (۵) اور وہ خود فاسق ہیں۔ ﴿۴﴾ ہاں جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں، اور (اپنی) اصلاح کرلیں تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (۶) ﴿۵﴾ اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں، (۷) اور خود اپنے سوا ان کے پاس کوئی اور گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی شخص کو جو گواہی دینی ہوگی وہ یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ بیان دے کہ وہ (بیوی پر لگائے ہوئے الزام میں) یقیناً سچا ہے۔ ﴿۶﴾

(۲) یعنی جو شخص بدکاری کا عادی ہو، اور اس پر نہ شرمندہ ہو، نہ توبہ کرتا ہو، اس کا مزاج ایسی ہی عورت سے ملتا ہے جو بدکار ہو، اس لئے اوّل تو وہ بدکاری ہی کی کوشش میں رہتا ہے، اور اگر نکاح کرنا پڑ جائے تو وہ نکاح بھی ایسی ہی بدکار عورت سے کرنا چاہتا ہے، چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح جو عورت اسی طرح کی عادی بدکار ہو اس کا مزاج بھی بدکار مرد ہی سے ملتا ہے، اس لئے اس سے نکاح وہی کرتا ہے جو خود بدکاری کا عادی رہا ہو اور اسے اس بات سے کوئی شرم محسوس نہ ہوتی ہو کہ اس کی بیوی بدکاری میں ملوث ہے، اور وہ خود بھی ایسے ہی

مرد کو پسند کرتی ہے، چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) یعنی بدکار مرد یا عورت کو نکاح کے لئے پسند کرنا مسلمانوں کے لئے حرام ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے لئے شریکِ زندگی تلاش کرتے وقت اُس کی نیکی اور پاک دامنی کا ضرور خیال رکھیں۔ یہ اور بات ہے کہ اگر کسی نے کسی بدکار مرد یا عورت سے نکاح کرلیا تو اُس نکاح کو باطل نہیں کہا جائے گا، اور اُس پر نکاح کے تمام اَحکام جاری ہوں گے، لیکن اس غلط انتخاب کا گناہ ضرور ہوگا۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ حکم اُن عادی بدکاروں کا ہے جنہوں نے اپنے اس گناہ سے توبہ نہ کی ہو۔ لیکن اگر کسی نے توبہ کرلی تو پھر اس کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس آیت کی تشریح اس کے علاوہ بھی دوسرے طریقوں سے کی گئی ہے لیکن جو تشریح یہاں لکھی گئی ہے وہ آسان اور بے غبار ہے۔ حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی "بیان القرآن" میں اسی کو ترجیح دی ہے۔

(۴) جس طرح زنا ایک انتہائی گھناؤنا جرم ہے، اور اس پر سزا بھی بڑی سخت رکھی گئی ہے، اسی طرح کسی بے گناہ پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کو بھی نہایت سنگین جرم قرار دیا گیا ہے، اور اس کی سزا اسّی کوڑے مقرر کی گئی ہے۔ اس کو اصطلاح میں "حدِّ قذف" کہا جاتا ہے۔

(۵) یہ بھی جھوٹی تہمت کی سزا کا ایک حصہ ہے کہ ایسی تہمت لگانے والے کی گواہی کسی بھی مقدمے میں قبول نہیں کی جائے گی۔

(۶) توبہ سے جھوٹی تہمت کا گناہ تو معاف ہوجائے گا، لیکن جو سزائیں اوپر بیان کی گئی ہیں، وہ پھر بھی دی جائیں گی۔

(۷) اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو اوپر جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے، اُس کی رُو سے اگر وہ چار گواہ نہ لاسکے تو اُس پر بھی اسّی کوڑوں کی سزا لاگو ہونی چاہئے تھی، لیکن میاں بیوی کے تعلقات کی خصوصی نوعیت کی وجہ سے اُن کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک الگ خصوصی طریقہ مقرر فرمایا ہے جسے اصطلاح میں "لعان" کہا جاتا ہے۔ یہ طریقہ ان آیات میں بیان ہوا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں کو قاضی اُن الفاظ میں پانچ پانچ قسمیں کھانے کو کہے گا جو ان آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس سے پہلے دونوں کو یہ ترغیب دے گا کہ آخرت کا عذاب دُنیا کی سزا سے زیادہ سخت ہے، اس لئے جھوٹی قسم کھانے کے بجائے اصل حقیقت کا اعتراف کرلو۔ اگر بیوی قسم کھانے کے بجائے اپنے جرم کا اعتراف کرلے تو اُس پر زنا کی حد جاری ہوگی، اور اگر شوہر قسم کھانے کے بجائے یہ اعتراف کرلے کہ اس نے جھوٹا الزام لگایا تھا تو اُس پر وہ حدِّ قذف جاری ہوگی جو آیت نمبر ۴ میں بیان ہوئی ہے۔ اور اگر دونوں قسم کھالیں تو کسی پر دُنیا میں سزا جاری نہیں ہوگی، البتہ اس کے بعد قاضی دونوں کے درمیان نکاح فسخ کردے گا۔ اور اگر کوئی بچہ پیدا ہوا اور شوہر اُسے اپنا بچہ ماننے سے انکار کرے تو وہ صرف ماں کی طرف منسوب ہوگا۔

وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٧﴾ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا
الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ ۙ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٨﴾ وَالْخَامِسَةَ
أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
ع وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ
لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ
الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾

اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ: "اگر میں (اپنے الزام میں) جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔" ﴿۷﴾ اور عورت سے (زنا کی) سزا دور کرنے کا راستہ یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ اُس کا شوہر (اس الزام میں) جھوٹا ہے۔ ﴿۸﴾ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ: "اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔" ﴿۹﴾ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ کثرت سے توبہ قبول کرنے والا، حکمت والا ہے (تو خود سوچ لو کہ تمہارا کیا بنتا؟)۔[8] ﴿۱۰﴾

یقین جانو کہ جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گھڑ کر لائے ہیں، وہ تمہارے اندر ہی کا ایک ٹولہ ہے۔[9] تم اس بات کو اپنے لئے برا نہ سمجھو، بلکہ یہ تمہارے لئے بہتر ہی بہتر ہے۔[10] ان لوگوں میں سے ہر ایک کے حصے میں اپنے کئے کا گناہ آیا ہے۔ اور ان میں سے جس شخص نے اس (بہتان) کا بڑا حصہ اپنے سر لیا ہے، اس کے لئے تو زبردست عذاب ہے۔[11] ﴿۱۱﴾

---

(۸) یعنی لعان کا جو طریقہ کار مقرر کیا گیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے، ورنہ اگر میاں بیوی کے درمیان بھی وہی قاعدہ جاری ہوتا کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو بدکاری میں مبتلا دیکھے تو اُس وقت تک زبان نہ کھولے جب تک چار گواہ میسر نہ ہوں، ورنہ خود اُس کو اَسّی کوڑے لگائے جائیں گے تو سخت دُشواری کا سامنا ہوتا۔

(۹) یہاں سے آیت نمبر ۲۶ تک جس واقعے کی طرف اشارہ ہے، اُس کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اسلام کو جو تیز رفتار فروغ حاصل ہوا، اُس پر کفر کی طاقتیں وانت

پہنچ رہی تھیں۔ خود مدینہ منورہ میں اُن منافقوں کا ایک گروہ موجود تھا جو زبان سے تو اسلام لے آئے تھے، لیکن اُن کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے خلاف کینہ بھرا ہوا تھا، اور وہ مسلمانوں کو بدنام کرنے اور تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع چھوڑتے نہیں تھے۔ اسی زمانے میں غزوۂ بنو المصطلق پیش آیا جس میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ واپسی کے سفر میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا تو حضرت عائشہؓ کا ایک ہار گم ہوگیا، اور وہ اُس کی تلاش میں جنگل کی طرف نکل گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کا علم نہیں تھا، اس لئے آپ نے لشکر کو روانہ ہونے کا حکم دے دیا، اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو قافلہ جاچکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ذہانت اور تحمل کا غیر معمولی مقام عطا فرمایا تھا، وہ پریشان ہوکر اِدھر اُدھر جانے کے بجائے اُسی جگہ بیٹھ گئیں جہاں سے روانہ ہوئی تھیں، کیونکہ اُنہیں یقین تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اُن کی غیر موجودگی کا احساس ہوگا تو آپ اُن کی تلاش میں اسی جگہ یا تو خود تشریف لائیں گے یا کسی کو بھیجیں گے۔ قافلوں کا ایک دستور یہ تھا کہ ایک شخص کو قافلے کے بالکل پیچھے اس طرح رکھا جاتا تھا کہ قافلے کی روانگی کے بعد وہ یہ دیکھتا ہوا آئے کہ کوئی چیز گری پڑی تو نہیں رہ گئی ہے۔ اس قافلے میں آپ نے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مقرر فرمایا تھا۔ وہ جب اُس جگہ سے گذرے جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں تو اُنہیں اس سانحے کا علم ہوا، اور پھر اُنہوں نے اپنا اُونٹ اُمّ المؤمنین کو پیش کیا جس پر سوار ہوکر وہ مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔ اس واقعے کو منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی نے ایک بتنگڑ بنالیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تنہا صفوان بن معطلؓ کے ساتھ سفر کیا ہے، اور اس کی وجہ سے آپ پر وہ گھناؤنی تہمت لگائی جسے زبان سے نکالنا بھی ایک غیرت مند مسلمان کے لئے مشکل ہے۔ عبداللہ بن اُبی نے اس تہمت کو اتنی شہرت دی کہ دو تین سادہ لوح مسلمان بھی اس کے فریب میں آگئے، اور اس طرح کئی دن تک یہ بے سروپا باتیں لوگوں میں پھیلائی جاتی رہیں۔ بالآخر سورۂ نور کی یہ آیات نازل ہوئیں جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مکمل براءت ظاہر کرنے کے ساتھ اُن لوگوں کو سخت وعیدیں سنائیں جو اس سازش کے کرتا دھرتا تھے۔

(۱۰) یعنی اگرچہ بظاہر یہ واقعہ بڑا تکلیف دہ تھا، لیکن انجام کے لحاظ سے تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے، اوّل تو اس لئے کہ اس کے ذریعے وہ لوگ بے نقاب ہوگئے جو خانوادۂ نبوت کے خلاف سازشیں کرتے تھے، دوسرے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقام بلند لوگوں پر ظاہر ہوا، تیسرے اس واقعے سے مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی، اُس پر انہیں بڑا ثواب ہوا۔

(۱۱) اس سے مراد منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی ہے جس نے یہ ساری سازش تیار کی تھی۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ
اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ
فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَ
الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ
وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ
عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ
هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾

جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ مؤمن مرد بھی اور مؤمن عورتیں بھی اپنے
بارے میں نیک گمان رکھتے اور کہہ دیتے کہ یہ کھلم کھلا جھوٹ ہے؟ ﴿۱۲﴾ وہ (بہتان لگانے
والے) اس بات پر چار گواہ کیوں نہیں لے آئے؟ اب جبکہ وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہی
جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۳﴾ اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو جن
باتوں میں تم پڑ گئے تھے، اُن کی وجہ سے تم پر اُس وقت سخت عذاب آپڑتا، ﴿۱۴﴾ جب تم اپنی
زبانوں سے اس بات کو ایک دوسرے سے نقل کر رہے تھے، (۱۲) اور اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے
جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا، اور تم اس بات کو معمولی سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بڑی
سنگین بات تھی۔ ﴿۱۵﴾ اور جس وقت تم نے یہ بات سنی تھی، اُسی وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ:
"ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم یہ بات منہ سے نکالیں، یا اللہ! آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے،
یہ تو بڑا زبردست بہتان ہے۔" ﴿۱۶﴾

---

(۱۲) اگرچہ اکثر مخلص مسلمان اس تہمت کو جھوٹ ہی سمجھتے تھے، لیکن مجلسوں میں اس کا تذکرہ ہونے لگا تھا۔ اس آیت نے بتایا کہ اس طرح کی بے بنیاد اور بے دلیل باتوں کا تذکرہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا
تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ
يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ
اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا، اگر واقعی تم مؤمن ہو۔ ﴿۱۷﴾ اور اللہ تمہارے سامنے ہدایت کی باتیں صاف صاف بیان کر رہا ہے۔ اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۱۸﴾ یاد رکھو کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔ ﴿۱۹﴾ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت تمہارے شاملِ حال ہے، اور اللہ بڑا شفیق، بڑا مہربان ہے (تو تم بھی نہ بچتے) ﴿۲۰﴾ اے ایمان والو! تم شیطان کے پیچھے نہ چلو، اور اگر کوئی شخص شیطان کے پیچھے چلے، تو شیطان تو ہمیشہ بے حیائی اور بدی کی تلقین کرے گا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک صاف نہ ہوتا، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے، پاک صاف کر دیتا ہے، اور اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔ ﴿۲۱﴾

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَ
الْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ
لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ
الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ
أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾

اور تم میں سے جو لوگ اہلِ خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے،(۳) اور انہیں چاہیے کہ معافی اور درگذر سے کام لیں۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اللہ تمہاری خطائیں بخش دے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۲۲﴾ یاد رکھو کہ جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی مسلمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، اُن پر دُنیا اور آخرت میں پھٹکار پڑ چکی ہے، اور اُن کو اُس دن زبردست عذاب ہوگا ﴿۲۳﴾ جس دن خود اُن کی زبانیں، اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں اُن کے خلاف اُس کرتوت کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں۔ ﴿۲۴﴾

---

(۳) جو دو تین مخلص مسلمان اپنی سادہ لوحی سے منافقوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہوگئے تھے، اُن میں ایک مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جو مہاجر صحابی تھے، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رشتہ دار بھی تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ اُن کی مالی مدد فرمایا کرتے تھے۔ جب اُن کو پتہ چلا کہ مسطح رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عائشہؓ کے خلاف ایسی باتیں کی ہیں تو انہوں نے قسم کھالی کہ میں آئندہ ان کی مالی مدد نہیں کروں گا۔ حضرت مسطح سے غلطی ضرور ہوگئی تھی، لیکن پھر انہوں نے سچے دل سے توبہ بھی کرلی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں متنبہ فرمایا کہ اُن کی مالی مدد نہ کرنے کی قسم کھانا ٹھیک نہیں ہے۔ جب انہوں نے توبہ کرلی ہے تو اُن کو معاف کردینا چاہیے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے نزول کے بعد اُن کی مالی امداد دوبارہ جاری کردی، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا، اور فرمایا کہ آئندہ بھی اس امداد کو بند نہیں کروں گا۔

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾
اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ
لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۗ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا ع
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى
اَهْلِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اُس دن اللہ اُن کو وہ بدلہ پورا پورا دیدے گا جس کے وہ مستحق ہیں، اور اُن کو پتہ چل جائے گا کہ اللہ
ہی حق ہے، اور وہی ساری بات کھول دینے والا ہے۔ ﴿۲۵﴾ گندی عورتیں گندے مردوں کے
لائق ہیں، اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق۔ اور پاکباز عورتیں پاکباز مردوں کے لائق ہیں، اور
پاکباز مرد پاکباز عورتوں کے لائق۔[۱۴] یہ (پاکباز مرد اور عورتیں) اُن باتوں سے بالکل مبرا ہیں جو یہ
لوگ بنارہے ہیں۔ اُن (پاکبازوں) کے حصے میں تو مغفرت ہے اور باعزت رزق۔ ﴿۲۶﴾
اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اُس وقت تک داخل نہ ہو جب تک
اجازت نہ لے لو، اور اُن میں بسنے والوں کو سلام نہ کرلو۔[۱۵] یہی طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے، اُمید
ہے کہ تم خیال رکھو گے۔ ﴿۲۷﴾

(۱۴) اشارہ فرمادیا گیا کہ اس کائنات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پاکباز شخصیت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ اس اُصول کے تحت یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زوجیت میں کسی ایسی خاتون کو لائے جو (معاذ اللہ) پاکباز نہ ہو۔ کوئی شخص اسی بات پر غور کرلیتا تو اُس پر اس تہمت کی حقیقت واضح ہوجاتی۔

(۱۵) یہاں سے معاشرے میں بے حیائی پھیلنے کے بنیادی اسباب پر پہرہ بٹھانے کے لئے کچھ احکام دیئے جارہے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا حکم یہ دیا گیا ہے کہ کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اُس سے اجازت لینا ضروری ہے۔ اس میں ایک تو حکمت یہ ہے کہ کسی دوسرے کے گھر میں بے جا مداخلت نہ ہو جس سے اُسے تکلیف پہنچے۔ دوسرے بلا اجازت کسی کے گھر میں چلے جانے سے بے حیائی کو بھی فروغ مل سکتا ہے۔ اور اجازت لینے کا طریقہ بھی یہ بتایا گیا ہے کہ باہر سے "السلام علیکم" کہا جائے، یا اگر یہ خیال ہو کہ گھر والا سلام نہیں

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ
ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ
وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ
اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور اگر تم اُن گھروں میں کسی کو نہ پاؤ، تب بھی اُن میں اُس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تمہیں اجازت نہ دے دی جائے۔[۱۶] اور اگر تم سے کہا جائے کہ: "واپس چلے جاؤ" تو واپس چلے جاؤ۔ یہی تمہارے لئے پاکیزہ ترین طریقہ ہے، اور تم جو عمل بھی کرتے ہو، اللہ کو اُس کا پورا پورا علم ہے۔ ﴿۲۸﴾ تمہارے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم ایسے گھروں میں (اجازت لئے بغیر) داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو، اور اُن سے تمہیں فائدہ اٹھانے کا حق ہو۔[۱۷] اور تم جو کام علانیہ کرتے ہو، اور جو چھپ کر کرتے ہو، اللہ اُن سب کو جانتا ہے۔ ﴿۲۹﴾ مؤمن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی اُن کے لئے پاکیزہ ترین طریقہ ہے۔ وہ جو کارروائیاں کرتے ہیں، اللہ اُن سب سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۳۰﴾

سن سکے گا، اور اجازت دستک دے کر یا گھنٹی بجا کر لی جارہی ہے تو جب گھر والا سامنے آجائے اُس وقت اُسے سلام کیا جائے۔

(۱۶) یعنی اگر کوئی گھر کسی اور کا ہے اور بظاہر خالی معلوم ہو رہا ہے، تب بھی اُس میں بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اوّل تو ممکن ہے کہ وہ اندر موجود ہو، اور نظر نہ آرہا ہو، اور اگر موجود نہ بھی ہو تو کسی اور کے گھر میں اُس کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

(۱۷) اس سے مراد وہ عوامی مقامات ہیں جو کسی ایک شخص یا اشخاص کی ملکیت نہیں ہوتے، بلکہ عوام کو اُن سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہوتی ہے، مثلاً عوامی مسافر خانے، ہوٹل کے بیرونی حصے، ہسپتال، ڈاک خانے، پارک، مدرسے، وغیرہ۔ اجازت طلب کرنے کے مفصل احکام کے لئے ان آیات کے تحت "معارف القرآن" کی طرف رجوع کیا جائے جس میں یہ اہم احکام بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ
زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ
زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ
بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ
يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ
زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۱

اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی سجاوٹ کو کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اُس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے،(۱۸) اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں، اور اپنی سجاوٹ اور کسی پر ظاہر نہ کریں،(۱۹) سوائے اپنے شوہروں کے، یا اپنے باپ، یا اپنے شوہروں کے باپ کے، یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے،(۲۰) یا اُن کے جو اپنے ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں،(۲۱) یا اُن خدمت گذاروں کے جن کے دل میں کوئی (جنسی) تقاضا نہیں ہوتا،(۲۲) یا اُن بچوں کے جو ابھی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے آشنا نہیں ہوئے۔(۲۳) اور مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ انہوں نے جو زینت چھپا رکھی ہے، وہ معلوم ہو جائے۔(۲۴) اور اے مومنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ ﴿۳۱﴾

---

(۱۸) سجاوٹ سے مراد جسم کے وہ حصے ہیں جن پر زیور پہنا جاتا ہے، یا خوشنما کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس

آیتِ کریمہ نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ غیر محرم مردوں کے سامنے اپنا پورا جسم کسی ایسی چادر یا برقع سے چھپائیں جو ان کے سجاوٹ کے مقامات کو چھپا لے۔ البتہ ان مقامات میں سے کوئی حصہ کام کاج کے دوران بے اختیار کھل جائے، یا کسی ضرورت کی وجہ سے کھولنا پڑے تو اُسے یہ کہہ کر مستثنیٰ کر دیا گیا ہے کہ "سوائے اُس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے۔" تفسیر ابن جریرؒ کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد وہ چادر ہے جو عورت نے اوڑھی ہوئی ہو کہ اُس کو چھپانا ممکن نہیں ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ضرورت کے وقت عورت کو اگر اپنا چہرہ اور ہتھیلیوں تک ہاتھ کھولنے پڑیں تو اس آیت نے اُس کی بھی اجازت دی ہے۔ لیکن چونکہ چہرہ ہی عورت کے حسن کا اصل مرکز ہوتا ہے، اس لئے عام حالات میں اُس کو بھی چھپانے کا حکم ہے جیسا کہ سورۂ احزاب (۵۹:۳۳) میں بیان فرمایا گیا ہے، البتہ صرف ضرورت کے مواقع پر اُسے کھولنے کی اجازت ہے، اور اُس حالت میں بھی مردوں کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، جیسا کہ پچھلی آیت میں گذرا۔

(۱۹) یہاں سے اُن افراد کی فہرست دی جارہی ہے جن سے عورتوں کو پردہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲۰) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں، لہٰذا غیر مسلم عورتوں سے بھی پردہ ضروری ہے۔ لیکن چونکہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ غیر مسلم عورتیں ازواجِ مطہراتؓ کے پاس جایا کرتی تھیں، اس لئے امام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ "اپنی عورتوں" سے مراد اپنے میل جول کی عورتیں ہیں، چاہے مسلمان ہوں یا کافر۔ اُن سے پردہ واجب نہیں ہے (معارف القرآن)۔

(۲۱) اس سے مراد باندیاں ہیں، چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ اور بعض فقہاء نے اپنے غلاموں کو بھی اس میں شامل قرار دیا ہے، یعنی اُن سے پردہ نہیں ہے۔

(۲۲) قرآن کریم میں اصل لفظ "تابعین" استعمال ہوا ہے، اس کے معنیٰ ایسے لوگ ہیں جو کسی دوسرے کے تابع ہوں۔ اکثر مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اُس زمانے میں کچھ بے عقل قسم کے لوگ ایسے ہوتے تھے جو کسی گھر والے کے اس لئے پیچھے لگ جاتے تھے کہ وہ انہیں کھانا کھلا دے، یا کسی مہمان کے طفیلی بن کر کسی کے گھر میں چلے جاتے تھے، اور کھانے کے سوا انہیں کسی سے سروکار نہیں ہوتا تھا، اور نہ ان میں کوئی جنسی خواہش ہوتی تھی۔ البتہ امام شعبیؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ نوکر چاکر ہیں جو اتنے بوڑھے ہو چکے ہوں کہ اُن کے دل میں عورتوں کی طرف کوئی میلان باقی نہ رہا ہو (تفسیر ابن جریر)۔

(۲۳) یعنی وہ نابالغ بچے جن کو ابھی مرد و عورت کے جنسی تعلقات کا کچھ پتہ ہی نہ ہو۔

(۲۴) یعنی اگر پاؤں میں پازیب پہنی ہوئی ہے تو اس طرح نہ چلیں کہ پازیب کی آواز سنائی دے، یا زیوروں کے ایک دوسرے سے ٹکرا کر بجنے کی آواز غیر محرم مرد سنیں۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۚ اِنْ يَّكُوْنُوْا
فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا
يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ
اٰتٰىكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾

تم میں سے جن (مردوں یا عورتوں) کا اس وقت نکاح نہ ہو، اُن کا بھی نکاح کراؤ، اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے قابل ہوں، اُن کا بھی۔ اگر وہ تنگ دست ہوں تو اللہ اپنے فضل سے انہیں بے نیاز کردے گا۔ اور اللہ بہت وسعت والا ہے، سب کچھ جانتا ہے۔ ﴿۳۲﴾

اور جن لوگوں کو نکاح کے مواقع میسر نہ ہوں، وہ پاک دامنی کے ساتھ رہیں، یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں بے نیاز کردے۔ اور تمہاری ملکیت کے غلام باندیوں میں سے جو مکاتبت کا معاہدہ کرنا چاہیں، اگر اُن میں بھلائی دیکھو تو اُن سے مکاتبت کا معاہدہ کرلیا کرو، (۲۶) اور (مسلمانو!) اللہ نے تمہیں جو مال دے رکھا ہے، اُس میں سے ایسے غلام باندیوں کو بھی دیا کرو۔ اور اپنی باندیوں کو دُنیوی زندگی کا ساز و سامان حاصل کرنے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاک دامنی چاہتی ہوں۔ (۲۷) اور جو کوئی انہیں مجبور کرے گا تو اُن کو مجبور کرنے کے بعد اللہ (اُن باندیوں کو) بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (۲۸) ﴿۳۳﴾

---

(۲۵) اس سورت میں جہاں بے حیائی اور بدکاری کو روکنے کے لئے مختلف احکام دیے گئے ہیں، وہاں انسان کی

فطرت میں جو جنسی خواہش موجود ہے، اُس کو حلال طریقے سے پورا کرنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے، چنانچہ اس آیت میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ جو بالغ مرد و عورت نکاح کے قابل ہوں، تمام متعلقین کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اُن کا نکاح ہو جائے، اور یہ اندیشہ نہ کرنا چاہئے کہ اگرچہ اس وقت تو وسعت موجود ہے، لیکن نکاح کے نتیجے میں بیوی بچوں کا خرچ زیادہ ہونے کی وجہ سے کہیں مفلسی نہ ہو جائے، بلکہ جب اس وقت نکاح کی وسعت موجود ہے تو اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر نکاح کر لینا چاہئے۔ پاک دامنی کی نیت سے نکاح کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ آئندہ اخراجات کا بھی مناسب انتظام فرما دے گا۔ البتہ اگلی آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جن کے پاس اس وقت بھی نکاح کی وسعت نہیں ہے۔ اُن کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان میں وسعت پیدا کرے، اُس وقت تک وہ پاک دامنی کے ساتھ رہیں۔

(۲۶) جب غلاموں اور باندیوں کا رواج تھا، اُس وقت وہ اپنے آقاؤں سے یہ معاملہ کر لیتے تھے کہ وہ ایک طے شدہ رقم کما کر اپنے آقاؤں کو دیں گے جس کے بعد وہ آزاد ہو جائیں گے۔ یہ معاملہ "مکاتبت" کہلاتا ہے۔ اس آیت نے آقاؤں کو یہ ترغیب دی ہے کہ جب اُن کے غلام یا باندیاں اُن سے یہ معاملہ کرنا چاہیں تو اُنہیں قبول کر لینا چاہئے، اور دوسرے مسلمانوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ وہ ایسے غلاموں اور باندیوں کی مالی مدد کریں، تاکہ وہ آزادی حاصل کر سکیں۔

(۲۷) جاہلیت میں یہ بھی رواج تھا کہ لوگ اپنی کنیزوں سے عصمت فروشی کراتے، اور اس طرح اُن کو بدکاری پر مجبور کر کے پیسہ کماتے تھے۔ اس آیت نے اس گھناؤنی رسم کو شدید گناہ قرار دے کر اسے ختم کیا۔

(۲۸) یعنی جس کنیز کو اس کی مرضی کے خلاف بدکاری پر مجبور کیا گیا، اُس کو مجبور ہونے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں ہوگا، بشرطیکہ اس نے بدکاری سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی ہو، نیز اُسے بدکاری کی شرعی سزا بھی نہیں دی جائے گی، البتہ بدکاری کی سزا اُس کو ملے گی جس نے اُس سے بدکاری کی، نیز اُس آقا کو بھی تعزیری سزا ہوگی جس نے اُسے عصمت فروشی پر مجبور کیا۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ
وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ ع ۱۰
فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ
شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ

اور ہم نے وہ آیتیں بھی اُتار کر تم تک پہنچادی ہیں جو ہر بات کو واضح کرنے والی ہیں، اور ان لوگوں کی مثالیں بھی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں، اور وہ نصیحت بھی جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے کارآمد ہے۔ ﴿۳۴﴾ اللہ تمام آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔[۲۹] اُس کے نور کی مثال کچھ یوں ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ رکھا ہو،[۳۰] چراغ ایک شیشے میں ہو۔ شیشہ ایسا ہو جیسے ایک ستارا، موتی کی طرح چمکتا ہوا! وہ چراغ ایسے برکت والے درخت یعنی زیتون سے روشن کیا جائے جو نہ (صرف) مشرقی ہو نہ (صرف) مغربی،[۳۱]

---

(۲۹) اس جملے کا سادہ مطلب یہ ہے کہ آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات کو ہدایت کا نور پہنچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ البتہ امام غزالیؒ نے اس آیت کی تشریح میں ایک مستقل مقالہ لکھا ہے جس میں اس فقرے کا مطلب بڑے لطیف فلسفیانہ انداز میں سمجھایا ہے۔ اُن کی یہ پوری بحث امام رازیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت نقل فرمائی ہے جو اہلِ علم کے لئے قابلِ دید ہے۔

(۳۰) امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ سورج کی روشنی ایک چراغ کی روشنی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کے نورِ ہدایت کی مثال سورج کے بجائے چراغ سے اس لئے دی گئی ہے کہ یہاں مقصود اُس ہدایت کی مثال دینا ہے جو گمراہی کے اندھیروں کے بیچ درمیان راستہ دکھائے، اور چراغ ہمیشہ اندھیرے کے بیچوں بیچ روشنی پیدا کرتا ہے، اس کے برعکس سورج کی موجودگی میں کوئی اندھیرا باقی نہیں رہتا، اس لئے اندھیرے سے اُس کا تقابل ساتھ ساتھ ظاہر نہیں ہوتا (تفسیر کبیر)۔

(۳۱) یعنی سورج چاہے مشرق میں ہو یا مغرب میں، اُس کی دھوپ اُس درخت کو ہر حال میں پہنچتی ہو۔ ایسے درخت کا پھل اچھی طرح پکتا ہے، اور اُس کا تیل بھی زیادہ شفاف ہوتا ہے۔

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۚ نُّورٌ عَلَىٰ نُورٍ ۗ يَهْدِي ٱللَّهُ لِنُورِهِۦ مَن
يَشَآءُ ۚ وَيَضْرِبُ ٱللَّهُ ٱلْأَمْثَٰلَ لِلنَّاسِ ۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿٣٥﴾ فِى بُيُوتٍ
أَذِنَ ٱللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا ٱسْمُهُۥ يُسَبِّحُ لَهُۥ فِيهَا بِٱلْغُدُوِّ وَٱلْـَٔاصَالِ ﴿٣٦﴾
رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَٰرَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَإِقَامِ ٱلصَّلَوٰةِ وَإِيتَآءِ
ٱلزَّكَوٰةِ ۙ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ ٱلْقُلُوبُ وَٱلْأَبْصَٰرُ ﴿٣٧﴾

ایسا لگتا ہو کہ اُس کا تیل خود ہی روشنی دیدے گا، چاہے اُسے آگ بھی نہ لگے۔[۳۲] نور بالائے نور! اللہ اپنے نور تک جسے چاہتا ہے، پہنچا دیتا ہے، اور اللہ لوگوں کے فائدے کے لیے تمثیلیں بیان کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ ﴿۳۵﴾ جن گھروں کے بارے میں اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اُن کو بلند مقام دیا جائے، اور اُن میں اُس کا نام لے کر ذکر کیا جائے، اُن میں صبح و شام وہ لوگ تسبیح کرتے ہیں جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ دینے سے۔[۳۳] وہ اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور نگاہیں اُلٹ پلٹ کر رہ جائیں گی۔ ﴿۳۶-۳۷﴾

---

(۳۲) پکے ہوئے زیتون کا تیل اگر خالص ہو تو خود اُس میں اتنی چمک ہوتی ہے کہ وہ دُور سے روشن معلوم ہوتا ہے۔

(۳۳) پچھلی آیت میں یہ بیان تھا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے نورِ ہدایت تک پہنچا دیتا ہے۔ اب اُن لوگوں کی خصوصیات بیان فرمائی جا رہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نورِ ہدایت تک پہنچایا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ مسجدوں اور عبادت گاہوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ یہ مسجدیں اور عبادت گاہیں ایسے گھر ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ان کو بلند مرتبہ دے کر اُن کی تعظیم کی جائے۔ پھر یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ ان عبادت گاہوں میں عبادت کرنے والے دُنیا کو بالکل چھوڑ کر نہیں بیٹھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق معاشی کاروبار میں حصہ لے کر تجارت اور خرید و فروخت بھی کرتے ہیں، لیکن یہ تجارتی سرگرمیاں اُن کو اللہ تعالیٰ کی

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ
يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۸ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ
الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ
حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۳۹

نتیجہ یہ ہے کہ اللہ ان لوگوں کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے گا، اور اپنے فضل سے مزید کچھ اور بھی دے گا۔(۳۴) اور اللہ جس کو چاہتا ہے، بے حساب دیتا ہے۔ ﴿۳۸﴾ اور (دوسری طرف) جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اُن کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹیل صحرا میں ایک سراب ہو جسے پیاسا آدمی پانی سمجھ بیٹھتا ہے، یہاں تک کہ جب اُس کے پاس پہنچتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا،(۳۵) اور اُس کے پاس اللہ کو پاتا ہے، چنانچہ اللہ اُس کا پورا پورا حساب چکا دیتا ہے۔(۳۶) اور اللہ بہت جلدی حساب لے لیتا ہے۔ ﴿۳۹﴾

یاد اور اُس کے احکام کی اطاعت سے غافل نہیں کرتیں۔ چنانچہ وہ اپنے وقت پر نماز بھی قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ بھی دیتے ہیں، اور کسی وقت اس حقیقت سے بے پروا نہیں ہوتے کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جس میں سارے اعمال کا حساب دینا ہوگا، اور وہ دن اتنا ہولناک ہوگا کہ اُس میں لوگوں اور خاص طور پر نافرمانوں کے دل اُلٹ جائیں گے، اور آنکھیں پلٹ کر رہ جائیں گی۔

(۳۴) نیک اعمال کا ثواب کچھ تو وہ ہے جس کا ذکر قرآن و حدیث میں آگیا ہے۔ اس آیت نے بڑے لطیف انداز میں یہ بتایا ہے کہ نیک لوگوں کا ثواب صرف اُن نعمتوں میں منحصر نہیں ہوگا جن کا تذکرہ قرآن و حدیث میں کردیا گیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اُس کے علاوہ وہ ایسی نعمتیں بھی عطا فرمائیں گے جن کا تذکرہ نہ قرآن و حدیث میں آیا ہے، اور نہ کسی کے دل میں اُن کا تصور آیا ہے۔

(۳۵) ریگستان میں جو ریت چمکتا نظر آتا ہے، دور سے وہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ پانی ہو، اُسے "سراب" کہتے ہیں۔ جس طرح سفر کرتے ہوئے آدمیوں کو سراب دھوکا دیتا ہے کہ وہ اُسے پانی سمجھتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں ہوتا، اسی طرح کافر لوگ جو عبادت نیکی سمجھ کر کرتے ہیں، وہ سراب کی طرح ایک دھوکا ہے۔

(۳۶) یہ مثال اُن کافروں کی ہے جو آخرت کو مانتے ہیں، لیکن توحید اور رسالت کے منکر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ

أَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

یا پھر اُن (اعمال) کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں پھیلے ہوئے اندھیرے، کہ سمندر کو ایک موج نے ڈھانپ رکھا ہو، جس کے اُوپر ایک اور موج ہو، اور اُس کے اُوپر بادل، غرض اُوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے! اگر کوئی اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اُسے بھی نہ دیکھ پائے۔(۳۷) اور جس شخص کو اللہ ہی نور عطا نہ کرے، اُس کے نصیب میں کوئی نور نہیں۔ ﴿۴۰﴾

جن اعمال کے بارے میں یہ کافر لوگ سمجھے بیٹھے تھے کہ وہ ان کو آخرت میں فائدہ پہنچائیں گے، مرنے کے بعد اُنہیں اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کا پورا پورا حساب دُنیا میں چکا کر انہیں سزا کا مستحق قرار دیا ہے، اور اس طرح اُن سارے کاموں نے فائدے کے بجائے نقصان پہنچایا ہے۔

(۳۷) یہ اُن کافروں کی مثال ہے جو آخرت کو سرے سے مانتے ہی نہیں، اس لئے ان کے پاس اتنا نور بھی نہیں جتنا پہلے گروہ کے پاس تھا کہ کم از کم وہ یہ اُمید رکھتے تھے کہ اُن کے اعمال اُنہیں آخرت میں فائدہ پہنچائیں گے، لیکن ان لوگوں کے پاس اُمید کی یہ کرن بھی نہیں ہے۔ اور بعض مفسرین نے دونوں مثالوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ کافروں کے اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو وہ نیکی سمجھ کر کرتے ہیں، اور اُن سے فائدے کی اُمید رکھتے ہیں، اُن کی مثال تو سراب جیسی ہے، اور ایک وہ اعمال ہیں جو وہ نیکی سمجھ کر نہیں کرتے، اُن کی مثال اُن اندھیروں کی ہے جن میں روشنی کی کوئی کرن نہیں ہوتی۔ پھر سمندر کی تہہ کا اندھیرا اُن کے کافرانہ عقائد کی مثال ہے، اور ایک موج کا اندھیرا اُن کے بُرے اعمال کی مثال ہے، اور دوسری موج کا اندھیرا اُن کی ہٹ دھرمی کی مثال ہے۔ اس طرح اُن میں اُوپر تلے بہت سے اندھیرے جمع ہوگئے ہیں۔ ایسے سخت اندھیرے میں جس طرح انسان کو اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا، اسی طرح کفر اور فسق کے اندھیروں میں ان لوگوں کو خود اپنی حقیقت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۖ كُلٌّ قَدْ
عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿٤٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ
ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهِ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ
جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ ۖ يَكَادُ
سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿٤٣﴾

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں، اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں، اور وہ پرندے بھی جو پر پھیلائے ہوئے اُڑتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی نماز اور اپنی تسبیح کا طریقہ معلوم ہے۔(۳۸) اور اللہ ان کے سارے کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔﴿۴۱﴾ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے، اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے۔﴿۴۲﴾ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ بادلوں کو ہنکاتا ہے، پھر ان کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتا ہے، پھر انہیں تہہ بر تہہ گھٹا میں تبدیل کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش اُس کے درمیان سے برس رہی ہے۔ اور آسمان میں (بادلوں کی شکل میں) جو پہاڑ ہوتے ہیں، اللہ ان سے اولے برساتا ہے، پھر جس کے لئے چاہتا ہے، ان کو مصیبت بنا دیتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے، اُن کا رُخ پھیر دیتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اُس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی اُچک لے جائے گی۔﴿۴۳﴾

---

(۳۸) سورۂ بنی اسرائیل (۴۴:۱۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمادیا ہے کہ ہر چیز کے تسبیح کرنے کا طریقہ مختلف ہے، اور کائنات کی تمام چیزیں اپنے اپنے مخصوص انداز میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کررہی ہیں۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کے حاشیے میں عرض کیا گیا، قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن چیزوں کو ہم دُنیا میں بے حس سمجھتے ہیں، ان میں سب میں کچھ نہ کچھ حس موجود ہے، اور یہ بات اب رفتہ رفتہ موجودہ سائنس بھی تسلیم کررہی ہے۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۴۴ وَاللّٰهُ خَلَقَ
كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي
رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۵ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴۶ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ
مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷

وہی اللہ رات اور دن کا اُلٹ پھیر کرتا ہے۔ یقیناً ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لئے نصیحت کا سامان ہے جن کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہیں۔ ﴿۴۴﴾ اور اللہ نے زمین پر چلنے والے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں، کچھ وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو چار (پاؤں) پر چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ یقیناً اللہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۴۵﴾ بیشک ہم نے وہ آیتیں نازل کی ہیں جو حقیقت کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہیں، اور اللہ جس کو چاہتا ہے، سیدھے راستے تک پہنچا دیتا ہے۔ ﴿۴۶﴾ اور یہ (منافق) لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم فرماں بردار ہوگئے ہیں، پھر ان میں سے ایک گروہ اس کے بعد بھی منہ موڑ لیتا ہے۔ یہ لوگ (حقیقت میں) مؤمن نہیں ہیں۔(۲۹) ﴿۴۷﴾

---

(۲۹) منافقین چونکہ دل سے ایمان نہیں لائے تھے، اس لئے اُن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے خلاف معاندانہ حرکتیں سرزد ہوتی رہتی تھیں۔ چنانچہ ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ بشر نامی ایک منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا ہوگیا۔ یہودی جانتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق کا فیصلہ کریں گے، اس لئے اُس نے بشر کو پیشکش کی کہ چلو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرالیں۔ بشر کے دل میں چور تھا، اس لئے

وَإِذَا دُعُوٓا إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٤٨﴾ وَإِن
يَكُن لَّهُمُ ٱلْحَقُّ يَأْتُوٓا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿٤٩﴾ أَفِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ٱرْتَابُوٓا أَمْ
يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ ٱللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُۥ ۚ بَلْ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّمَا
كَانَ قَوْلَ ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوٓا إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا
سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَخْشَ
ٱللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَآئِزُونَ ﴿٥٢﴾

اور جب انہیں اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان میں سے کچھ لوگ ایک دم رُخ پھیر لیتے ہیں۔ ﴿۴۸﴾ اور اگر خود انہیں حق وصول کرنا ہو تو وہ بڑے فرماں بردار بن کر رسول کے پاس چلے آتے ہیں۔ ﴿۴۹﴾ کیا ان کے دلوں میں کوئی روگ ہے، یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں، یا انہیں یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اُس کا رسول ان پر ظلم ڈھائے گا؟ نہیں، بلکہ ظلم ڈھانے والے تو خود یہ لوگ ہیں۔ ﴿۵۰﴾ مومنوں کی بات تو یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول اُن کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ: ''ہم نے (حکم) سن لیا، اور مان لیا'' اور ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۵۱﴾ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کریں، اللہ سے ڈریں، اور اس کی نافرمانی سے بچیں، تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ ﴿۵۲﴾

اُس نے آپ سے فیصلہ کرانے کے بجائے ایک یہودی سردار کعب بن اشرف سے فیصلہ کرانے کی تجویز پیش کی۔ اُس کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں (ابن جریر طبری)۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ
طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا
الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ
تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪

اور یہ (منافق لوگ) بڑے زوروں سے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر (اے پیغمبر!) تم انہیں حکم دو گے تو یہ نکل کھڑے ہوں گے۔ (ان سے) کہو کہ: ''قسمیں نہ کھاؤ۔ (تمہاری) فرماں برداری کا سب کو پتہ ہے۔[۲۰] یقین جانو کہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔'' ﴿۵۳﴾ (ان سے) کہو کہ: ''اللہ کا حکم مانو، اور رسول کے فرماں بردار بنو۔ پھر بھی اگر تم نے منہ پھیرے رکھا تو رسول پر تو اتنا ہی بوجھ ہے جس کی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی ہے، اور جو بوجھ تم پر ڈالا گیا ہے، اس کے ذمہ دار تم خود ہو۔ اگر تم ان کی فرماں برداری کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے، اور رسول کا فرض اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ صاف صاف بات پہنچا دیں۔'' ﴿۵۴﴾ تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا، جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا،

---

(۲۰) جب جہاد کا موقع نہ ہوتا تو یہ منافق لوگ منہ بھر بھر کر قسمیں کھاتے تھے کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو یہ جہاد کے لئے گھروں سے نکل کھڑے ہوں گے، لیکن جب وقت آتا تو کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے جہاد سے جان چھڑا لیتے تھے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ تمہاری فرماں برداری کی حقیقت تو سب کو معلوم ہے۔ بار بار تجربہ ہو چکا ہے کہ وقت پڑنے پر تمہاری ساری قسمیں دھری رہ جاتی ہیں۔

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ
يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْفَاسِقُونَ ﴿٥٥﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُونَ ﴿٥٦﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَأْوَاهُمُ
ع ۱۳ النَّارُ ۖ وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٥٧﴾

اور اُن کے لئے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے اُن کے لئے پسند کیا ہے، اور اُن کو جو خوف لاحق رہا ہے، اُس کے بدلے انہیں ضرور امن عطا کرے گا۔ (بس) وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور جو لوگ اس کے بعد بھی ناشکری کریں گے، تو ایسے لوگ نافرمان ہوں گے۔(۴۱) ﴿۵۵﴾ اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور رسول کی فرماں برداری کرو، تاکہ تمہارے ساتھ رحمت کا برتاؤ کیا جائے۔ ﴿۵۶﴾ یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جن لوگوں نے کفر کا راستہ اپنایا ہے، وہ زمین میں (کہیں بھاگ کر ہمیں) بے بس کردیں گے۔ اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور یقیناً وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ ﴿۵۷﴾

(۴۱) مکہ مکرمہ میں صحابہ کرام نے کفار کے ظلم وستم کا سامنا کیا تھا، اور جب وہ ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے تو اُس کے بعد بھی کافروں کی طرف سے ہر وقت حملوں کا خوف لاحق رہتا تھا۔ اس موقع پر ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہم ہتھیار کھول کر چین سکون کے ساتھ رہ سکیں۔ اُس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے۔ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی، اور اس میں پیشین گوئی فرمائی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو زمین پر اقتدار حاصل ہونے والا ہے۔ چنانچہ اس وعدے کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے میں پورا جزیرۂ عرب اسلام کے جھنڈے تلے آچکا تھا، اور خلافتِ راشدہ کے دور میں اسلامی حکومت کا دائرہ تقریباً آدھی دنیا تک وسیع ہوگیا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا
الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ
الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ
جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ
الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٨﴾

اے ایمان والو! جو غلام لونڈیاں تمہاری ملکیت میں ہیں، اور تم میں سے جو بچے ابھی بلوغ تک نہیں پہنچے، ان کو چاہئے کہ وہ تین اوقات میں (تمہارے پاس آنے کے لئے) تم سے اجازت لیا کریں: نماز فجر سے پہلے، اور جب تم دوپہر کے وقت اپنے کپڑے اُتار کر رکھا کرتے ہو، اور نماز عشاء کے بعد۔(۴۲) یہ تین وقت تمہارے پردے کے اوقات ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ نہ تم پر کوئی تنگی ہے، نہ اُن پر۔ اُن کا بھی تمہارے پاس آنا جانا لگا رہتا ہے، تمہارا بھی ایک دوسرے کے پاس۔ اللہ اسی طرح آیتوں کو تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۵۸﴾

---

(۴۲) آیات: ۲۷ تا ۲۹ میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ کسی دوسرے کے گھر میں اجازت مانگے بغیر داخل نہیں ہونا چاہئے۔ عام طور سے مسلمان اس حکم پر عمل کرنے لگے تھے، لیکن کسی گھر کے غلام باندیوں اور نابالغ لڑکے لڑکیوں کو چونکہ بکثرت گھروں میں آنا جانا رہتا تھا، اس لئے وہ اس حکم کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ بعض واقعات ایسے پیش آئے کہ یہ لوگ کسی کے گھر میں ایسے وقت بلا اجازت داخل ہوگئے جو اُس کے آرام اور تنہائی کا وقت تھا، جس سے نہ صرف یہ کہ اُس کو تکلیف ہوئی، بلکہ بے پردگی بھی ہوئی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوگئیں، اور ان میں یہ واضح کردیا گیا کہ کم از کم تین اوقات میں ان لوگوں کو بھی بلا اجازت گھروں میں داخل

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن
قَبْلِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٩﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ
النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ
مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۖ وَأَن يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٠﴾

اور جب تمہارے بچے بلوغ کو پہنچ جائیں، تو وہ بھی اُسی طرح اجازت لیا کریں جیسے اُن سے پہلے بالغ ہونے والے اجازت لیتے رہے ہیں۔ اللہ اسی طرح اپنی آیتیں کھول کھول کر تمہارے سامنے بیان کرتا ہے، اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۵۹﴾ اور جن بڑی بوڑھی عورتوں کو نکاح کی کوئی توقع نہ رہی ہو، اُن کے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے، (مثلاً چادریں نامحرموں کے سامنے) اُتار کر رکھ دیں، بشرطیکہ زینت کی نمائش نہ کریں،(۴۳) اور اگر وہ احتیاط ہی رکھیں تو اُن کے لئے اور زیادہ بہتر ہے۔ اور اللہ سب کچھ سنتا، ہر بات جانتا ہے۔ ﴿۶۰﴾

نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تین اوقات وہ ہیں جن میں عام طور سے انسان تنہائی پسند کرتا ہے، اور بے تکلفی سے صرف ضروری کپڑوں میں رہنا چاہتا ہے، اور ایسے میں کسی کے اچانک آجانے سے بے پردگی کا بھی احتمال رہتا ہے۔ البتہ دوسرے اوقات میں چونکہ یہ خطرہ نہیں ہے، اس لئے ضرورت کی وجہ سے ان کو بلا اجازت بھی چلے جانے کی اجازت دی گئی ہے۔

(۴۳) یہ ان بوڑھی عورتوں کا حکم ہے جن کی طرف نہ کسی کو رغبت ہوتی ہے، نہ وہ نکاح کے قابل ہوتی ہیں۔ ان کو یہ سہولت دی گئی ہے کہ عام عورتیں غیر محرموں کے سامنے جانے کے لئے جو چادر یا برقع وغیرہ استعمال کرتی ہیں، یہ بوڑھی عورتیں اُن کے بغیر بھی نامحرم مردوں کے سامنے جا سکتی ہیں، بشرطیکہ بن سنور کر اور سنگھار کر کے نہ جائیں۔ اس سہولت کے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ ان کے لئے بھی احتیاط اس میں ہے کہ وہ بھی دوسری عورتوں کی طرح پردہ کریں۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَىٰ
أَنفُسِكُمْ أَن تَأْكُلُوا مِن بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ
إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ
أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُم مَّفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ ۚ لَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۚ فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ
أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦١﴾ ع

نہ کسی نابینا کے لئے اس میں کوئی گناہ ہے، نہ کسی پاؤں سے معذور شخص کے لئے کوئی گناہ ہے، نہ کسی بیمار شخص کے لئے کوئی گناہ ہے، اور نہ خود تمہارے لئے کہ تم اپنے گھروں سے کچھ کھالو،(۴۴) یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے،(۴۵) یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا اُن گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے اختیار میں ہوں،(۴۶) یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ اس میں بھی تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں ہے کہ سب مل کر کھاؤ، یا الگ الگ۔ چنانچہ جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو، کہ یہ ملاقات کی وہ بابرکت پاکیزہ دعا ہے جو اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ اللہ اسی طرح آیتوں کو تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم سمجھ جاؤ۔ ﴿۶۱﴾

---

(۴۴) ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ بعض افراد جو نابینا یا پاؤں سے معذور یا بیمار ہوتے تھے، وہ دوسروں کے

ساتھ مل کر کھانا کھانے سے اس لئے شرماتے تھے کہ شاید دوسروں کو ان کے ساتھ کھاتے ہوئے کراہیت محسوس ہو، اور بعض معذور افراد یہ بھی سوچتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی معذوری کی وجہ سے دوسروں سے زیادہ جگہ گھیر لیں، یا نابینا ہونے کی بنا پر دوسروں سے زیادہ کھالیں۔ دوسری طرف صحت مند لوگ بھی بعض اوقات یہ خیال کرتے تھے کہ کہیں یہ اپنی معذوری کی وجہ سے دوسروں کا ساتھ نہ دے سکیں، کم کھائیں اور مشترک کھانے میں سے اپنا مناسب حصہ نہ لے سکیں۔ یہ احساس ان حضرات کے دل میں اسلام کے اُن احکام نے پیدا کیا تھا جن کی رُو سے کسی دوسرے کو اپنی طرف سے ادنیٰ سی تکلیف پہنچانا گناہ قرار دیا گیا ہے، نیز مشترک چیزوں کے استعمال میں احتیاط کی تاکید کی گئی ہے۔ ان آیات نے یہ واضح فرمایا کہ بے تکلف مقامات پر اتنی باریک بینی کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴۵) عرب کے لوگوں میں یہ عام رواج تھا کہ اُن کے گھر میں آنے والے یہ رشتہ دار جن کا اس آیت میں ذکر ہے، اگر ان کی اجازت کے بغیر بھی اُن کے گھر سے کچھ کھا لیتے تو وہ نہ صرف یہ کہ برا نہیں مناتے تھے، بلکہ خوش ہوتے تھے۔ جب یہ احکام آئے کہ کسی کی چیز اُس کی خوش دلی کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں تو بعض صحابہ یہاں تک پرہیز کرنے لگے کہ اگر کسی شخص کی غیر موجودگی میں اُس کے گھر جاتے، اور اُس کے بیوی بچے اُن کی کچھ خاطر تواضع کرتے تو اُن کو کھانے میں تردد ہوتا تھا کہ گھر کا اصل مالک تو موجود نہیں ہے، اس لئے ہمیں اُس کی اجازت کے بغیر کھانا نہیں چاہئے۔ اس آیت نے واضح فرمادیا کہ جہاں یہ بات یقینی ہو کہ اصل مالک ہمارے کھانے سے خوش ہوگا، وہاں کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ البتہ جہاں یہ بات مشکوک ہو، وہاں یہ حکم نہیں ہے، چاہے وہ کتنے قریبی رشتہ دار کا گھر ہو (روح المعانی و معارف القرآن)۔

(۴۶) بعض حضرات جب جہاد کے لئے جاتے تو اپنے گھر کی چابیاں ایسے معذور افراد کے حوالے کر جاتے جو جہاد میں جانے کے لائق نہیں تھے، اور اُن کو یہ بھی کہہ جاتے تھے کہ ہمارے گھر کی کوئی چیز اگر آپ کھانا چاہیں تو کھالیا کریں، اس کے باوجود یہ معذور حضرات احتیاط کی وجہ سے کھانے سے پرہیز کرتے تھے۔ اس آیت نے اُن کو بھی یہ ہدایت فرمادی کہ اتنی احتیاط کی ضرورت نہیں ہے، جب مالک کی طرف سے چابیاں تک آپ کے حوالے کردی گئی ہیں، اور اجازت بھی دے دی گئی ہے تو آپ کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ
يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَ
اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ
كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ

مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کو دل سے مانتے ہیں، اور جب رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں شریک ہوتے ہیں تو اُن سے اجازت لئے بغیر کہیں نہیں جاتے۔ (۴۷) (اے پیغمبر!) جو لوگ تم سے اجازت لیتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کو دل سے مانتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ اپنے کسی کام کے لئے تم سے اجازت مانگیں تو اُن میں سے جن کو چاہو، اجازت دے دیا کرو، اور اُن کے لئے اللہ سے مغفرت کی دُعا کیا کرو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۶۲﴾ (اے لوگو!) اپنے درمیان رسول کے بلانے کو ایسا (معمولی) نہ سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلایا کرتے ہو۔ (۴۸)

(۴۷) یہ آیت غزوۂ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ اُس وقت عرب کے کئی قبیلوں نے مل کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے دفاع کے لئے مدینہ منورہ کے گرد ایک خندق کھودنے کے لئے تمام مسلمانوں کو جمع کیا تھا۔ سارے مسلمان خندق کھودنے میں مصروف تھے، اور اگر کسی کو اپنے کسی کام سے جانا ہوتا تو آپ سے اجازت لے کر جاتا تھا۔ لیکن منافق لوگ اوّل تو اس کام کے لئے آنے میں سستی کرتے تھے، اور اگر آجاتے تو کبھی کسی بہانے سے اُٹھ کر چلے جاتے، اور کبھی بلا اجازت ہی چپکے سے روانہ ہوجاتے۔ اس آیت میں اُن کی مذمت اور اُن مخلص مسلمانوں کی تعریف کی گئی ہے جو بلا اجازت نہیں جاتے تھے۔

(۴۸) برابر کے آدمی جب ایک دوسرے کو بلاتے ہیں تو اُس کی زیادہ اہمیت نہیں سمجھی جاتی، اگر کوئی اُس کے جواب میں نہ جائے تو اتنا برا نہیں سمجھا جاتا، اور اگر چلا بھی جائے تو بغیر اجازت کے واپس آجانے کو بھی گوارا کرلیا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں کسی کام کے لئے بلائیں تو اُسے

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ
اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۖ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا
عَمِلُوْا ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۹ ۱۵

اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ لہٰذا جو لوگ اُس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اُن کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں اُن پر کوئی آفت نہ آپڑے، یا اُنہیں کوئی دردناک عذاب نہ آپکڑے۔ ﴿۶۳﴾ یاد رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے۔ تم جس حالت پر بھی ہو، اللہ اُسے خوب جانتا ہے، اور جس دن سب کو اُس کے پاس لوٹایا جائے گا، اُس دن وہ اُن کو بتادے گا کہ انہوں نے کیا عمل کیا تھا، اور اللہ کو ہر بات کا پورا پورا علم ہے۔ ﴿۶۴﴾

آپس کا بلانا نہ سمجھو کہ چاہے گئے چاہے نہ گئے، بلکہ اہتمام کرکے جانا ہی ضروری ہے، دوسرے یہ بات بھی معمولی نہ سمجھو کہ جب چاہو، بلا اجازت اُٹھ کر چلے آؤ، بلکہ جب کہیں جانا ہو تو آپ سے اجازت لے کر جاؤ۔

اسی آیت کی ایک اور تفسیر یہ بھی ممکن ہے کہ جب تم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرو تو اس طرح نہ کرو جیسے ایک دوسرے کو نام لے کر مخاطب کرتے ہو، لہٰذا "یا محمد" کہہ کر نہ بلاؤ، بلکہ آپ کو تعظیم کے ساتھ "یا رسول اللہ" کہہ کر مخاطب کرو۔

الحمد للہ! سورۂ نور کا ترجمہ اور حواشی آج کراچی میں شب دوشنبہ ۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۴ اپریل ۲۰۰۷ء کو تکمیل تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ الفُرْقَان

تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی، اور اس کا بنیادی مقصد اسلام کے بنیادی عقائد کا اِثبات اور ان کے بارے میں کفارِ مکہ کے مختلف اعتراضات کا جواب دینا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسان کے لئے جو بیشمار نعمتیں پیدا فرمائی ہیں، اُنہیں یاد دِلا کر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری، اُس کی توحید کے اقرار اور شرک سے بیزاری کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں، اور اُن کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے آخرت میں جو اجر و ثواب رکھا ہے، اُس کا بیان فرمایا گیا ہے۔

ایاتها ۷۷ ۲۵ سورۃ الفرقان مکیۃ ۴۲ رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ لَهٗ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ
خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ
شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ
لَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ستتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

بڑی شان ہے اُس ذات کی جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کا فیصلہ کردینے والی یہ کتاب نازل کی، تاکہ وہ دُنیا جہان کے لوگوں کو خبردار کردے۔ ﴿۱﴾ وہ ذات جو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت کی تنہا مالک ہے اور جس نے نہ تو کوئی بیٹا بنایا ہے، اور نہ اُس کی بادشاہت میں کوئی شریک ہے، اور جس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اُس کو ایک نپا تلا انداز عطا کیا ہے۔ ﴿۲﴾ اور لوگوں نے اُسے چھوڑ کر ایسے خدا بنا رکھے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرتے، بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، اور جن کا خود اپنے نقصان یا فائدے پر بھی کوئی بس نہیں چلتا، اور نہ کسی کا مرنا یا جینا اُن کے اختیار میں ہے، نہ کسی کو دوبارہ زندہ کرنا۔ ﴿۳﴾

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرٰىهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُونَ ۚ
فَقَدْ جَاءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴿۴﴾ وَقَالُوْا أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ
بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا ﴿۵﴾ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۶﴾ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي
الْأَسْوَاقِ ۙ لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهُ نَذِيْرًا ﴿۷﴾

اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: "یہ (قرآن) تو کچھ بھی نہیں، بس ایک من گھڑت چیز ہے جو اس شخص نے گھڑ لی ہے، اور اس کام میں کچھ اور لوگ بھی اس کے مددگار بنے ہیں۔"(۱) اس طرح (یہ بات کہہ کر) یہ لوگ بڑے ظلم اور کھلے جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ ﴿۴﴾ اور کہتے ہیں کہ: "یہ تو پچھلے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیاں ہیں جو اس شخص نے لکھوالی ہیں، اور صبح و شام وہی اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔" ﴿۵﴾ کہہ دو کہ: "یہ کلام تو اُس (اللہ) نے نازل کیا ہے جو ہر بھید کو پوری طرح جانتا ہے، آسمانوں میں بھی، زمین میں بھی۔ بیشک وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔" ﴿۶﴾ اور یہ کہتے ہیں کہ: "یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے، اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے؟ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہ کر لوگوں کو ڈراتا؟ ﴿۷﴾

---

(۱) مکہ مکرمہ کے بعض کافروں نے یہ الزام لگایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلے انبیائے کرام کے واقعات کچھ یہودیوں سے سیکھ لئے ہیں، اور وہی واقعات لکھوا کر (معاذ اللہ) یہ قرآن بنالیا ہے، حالانکہ جن یہودیوں کا وہ ذکر کرتے تھے، وہ اسلام لا چکے تھے۔ اگر آپ (معاذ اللہ) اُنہی سے سیکھ کر اس کلام کے کلامِ الٰہی ہونے کا غلط دعویٰ کر رہے تھے تو یہ حقیقت سب سے پہلے اُن یہودیوں پر ظاہر ہوتی، پھر وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر مان کر آپ پر ایمان ہی کیوں لاتے؟

أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۚ وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن
تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ﴿٨﴾ انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا
يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴿٩﴾ تَبَارَكَ الَّذِي إِن شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّن ذَٰلِكَ جَنَّاتٍ ع
تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَل لَّكَ قُصُورًا ﴿١٠﴾ بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ۖ
وَأَعْتَدْنَا لِمَن كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ﴿١١﴾ إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ
سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ﴿١٢﴾

یا اس کے اوپر کوئی خزانہ ہی آپڑتا، یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس میں سے یہ کھایا کرتا۔" اور یہ ظالم (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ: "تم جس کے پیچھے چل رہے ہو، وہ اور کچھ نہیں، بس ایک شخص ہے جس پر جادو ہو گیا ہے۔" ﴿۸﴾ (اے پیغمبر!) دیکھو ان لوگوں نے تمہارے بارے میں کیسی کیسی باتیں بنائی ہیں، چنانچہ ایسے بھٹکے ہیں کہ راستے پر آنا ان کے بس سے باہر ہے۔ ﴿۹﴾ بڑی شان ہے اُس (اللہ) کی جو اگر چاہے تو تمہیں ان سب سے کہیں بہتر چیز، (ایک باغ کے بجائے) بہت سے باغات دیدے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اور تمہیں بہت سے محلات کا مالک بنادے۔ ﴿۱۰﴾ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے قیامت کی گھڑی کو جھٹلایا ہوا ہے،(۲) اور جو کوئی قیامت کی گھڑی کو جھٹلائے، اُس کے لئے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ ﴿۱۱﴾ جب وہ ان کو دور سے دیکھے گی تو یہ لوگ اُس کے بپھرنے اور پھنکارنے کی آوازیں سنیں گے۔ ﴿۱۲﴾

---

(۲) یعنی یہ لوگ جو باتیں بنا رہے ہیں، اُن کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ حق کے طلب گار ہیں، اور ان کے شبہات دور ہو جائیں تو یہ ایمان لے آئیں، بلکہ اصل وجہ ان کی بے فکری ہے۔ چونکہ ان کو قیامت اور آخرت پر ایمان نہیں ہے، اس لئے ان کو بے ہودہ اعتراضات کرتے ہوئے کوئی خوف نہیں ہوتا کہ آخرت میں ان پر سزا بھی مل سکتی ہے۔

وَإِذَآ أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ﴿١٣﴾ لَا تَدْعُوا
الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ﴿١٤﴾ قُلْ أَذَٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ
الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۚ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَمَصِيرًا ﴿١٥﴾ لَهُمْ فِيهَا مَا
يَشَآءُونَ خَالِدِينَ ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُولًا ﴿١٦﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَ
مَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ ءَأَنتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰٓؤُلَآءِ أَمْ هُمْ
ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿١٧﴾

اور جب ان کو اچھی طرح باندھ کر اُس کی ایک تنگ جگہ میں پھینکا جائے گا تو وہاں یہ موت کو آواز دے کر پکاریں گے۔ ﴿۱۳﴾ (اُس وقت ان سے کہا جائے گا کہ:) "آج تم موت کو صرف ایک بار نہ پکارو، بلکہ بار بار موت کو پکارتے ہی رہو۔"(۳) ﴿۱۴﴾ کہو کہ: یہ انجام بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے والی جنت، جس کا وعدہ متقی لوگوں سے کیا گیا ہے؟ وہ اُن کے لئے اِنعام ہوگی، اور اُن کا آخری انجام۔ ﴿۱۵﴾ وہاں اُنہیں ہمیشہ ہمیشہ رہتے ہوئے ہر وہ چیز ملے گی جو وہ چاہیں گے۔ یہ وہ ذمہ دارانہ وعدہ ہے جو تمہارے رَبّ نے اپنے اُوپر لازم کرلیا ہے۔ ﴿۱۶﴾ اور وہ دن (انہیں یاد دلاؤ) جب اللہ ان (کافروں) کو بھی حشر میں جمع کرے گا اور اُن (معبودوں) کو بھی جن کی یہ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے، اور (ان کے معبودوں) سے کہے گا کہ: "کیا تم نے میرے ان بندوں کو بہکایا تھا، یا یہ راستے سے خود بھٹکے تھے؟" ﴿۱۷﴾

---

(۳) یہ ترجمہ مشہور مفسر ابوالسعودؒ کی تفسیر پر مبنی ہے جسے علامہ آلوسیؒ نے بھی نقل فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی جس شدت سے گھبرا کر تم موت کو پکار رہے ہو، وہ تو آنے والی نہیں ہے، بلکہ تمہیں بار بار نئے عذاب سے سابقہ پڑے گا، اور ہر مرتبہ تمہیں اُس کی شدت سے گھبرا کر موت کو پکارنا پڑے گا۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ
وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ
فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَآ
اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي
الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع ۲ / ۱۷

وہ کہیں گے کہ: "آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ ہماری مجال نہیں تھی کہ ہم آپ کو چھوڑ کر دوسرے رکھوالوں کے قائل ہوں،[۴] لیکن ہوا یہ کہ آپ نے ان کو اور ان کے باپ داداوں کو دُنیا کا ساز و سامان دیا، یہاں تک کہ جو بات یاد رکھنی تھی، یہ اُسے بھلا بیٹھے، اور (اس طرح) یہ خود برباد ہو کر رہے۔" ﴿۱۸﴾ لو، (اے کافرو!) انہوں نے تو تمہاری وہ ساری باتیں جھٹلا دیں جو تم کہا کرتے ہو۔ اب نہ (عذاب کو) ٹالنا تمہارے بس میں ہے، نہ کوئی مدد حاصل کرنا۔ اور تم میں سے جو کوئی ظلم کا مرتکب ہے، ہم اُسے بڑے بھاری عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ ﴿۱۹﴾ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے، وہ سب ایسے تھے کہ کھانا بھی کھاتے تھے، اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔ اور ہم نے تم لوگوں کو ایک دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے۔ بتاؤ کیا صبر کرو گے؟[۵] اور تمہارا پروردگار ہر بات دیکھ رہا ہے۔ ﴿۲۰﴾

---

(۴) جن معبودوں کو انہوں نے خدائی کا درجہ دے رکھا تھا، اُن میں سے کچھ تو فرشتے تھے جنہیں یہ خدا کی بیٹیاں کہتے تھے یا بعض لوگوں نے پچھلے انبیاء یا بزرگوں کو خدا بنا رکھا تھا، اُن کی طرف سے تو یہ جواب ظاہر ہی ہے، لیکن جو لوگ بتوں کو پوجتے تھے، اُن کے بارے میں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ وہ تو پتھر تھے، اور اُن میں بولنے کی صلاحیت کہاں تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صرف اُن مشرکین کا ذکر ہے جو انسانوں یا فرشتوں کو خدا بنائے بیٹھے تھے، اور اُن کی علامت کے طور پر بتوں کو پوجتے تھے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اُن پتھروں میں بھی بولنے کی صلاحیت پیدا فرمادے۔

(۵) کفار کے اعتراضات کا جواب دینے کے بعد درمیان میں اب اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے خطاب فرمارہے ہیں

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا ۗ لَقَدِ
اسْتَكْبَرُوا فِي أَنفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا ﴿٢١﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ
يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٢٢﴾ وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ
عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا ﴿٢٣﴾

جن لوگوں کو یہ توقع ہی نہیں ہے کہ وہ (کسی وقت) ہم سے آملیں گے، وہ یوں کہتے ہیں کہ: "ہم پر فرشتے کیوں نہیں اُتارے جاتے؟ یا پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہم خود اپنے پروردگار کو دیکھ لیں؟" حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھے ہوئے ہیں،(۶) اور انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کی ہوئی ہے۔ ﴿۲۱﴾ جس دن ان کو فرشتے نظر آئیں گے، اُس دن ان مجرموں کے لئے کوئی خوشی کا موقع نہیں ہوگا، بلکہ یہ کہتے پھریں گے کہ خدایا! ہمیں ایسی پناہ دے کہ یہ ہم سے دُور ہوجائیں۔"(۷) ﴿۲۲﴾ اور انہوں نے (دنیا میں) جو عمل کئے ہیں، ہم اُن کا فیصلہ کرنے پر آئیں گے تو انہیں فضا میں بکھرے ہوئے گرد و غبار (کی طرح بے قیمت) بنادیں گے۔(۸) ﴿۲۳﴾

کہ تمہارے مخالفین تم پر طرح طرح کے اعتراضات کرکے تمہیں جو تکلیفیں دے رہے ہیں، وہ اس لئے کہ ہم نے تمہیں ان کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کہ یہ حق واضح ہوجانے کے باوجود اُسے مانتے ہیں یا نہیں، اور انہیں تمہاری آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کہ تم ان کی پہنچائی ہوئی تکلیفوں پر صبر کرتے ہو یا نہیں، کیونکہ تمہارے صبر ہی سے یہ ظاہر ہوگا کہ تم نے حق کو سچے دل سے قبول کیا ہے۔

(۶) یہ ان کا تکبر ہے جو اُن سے ایسی باتیں کہلوا رہا ہے۔ یہ اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھتے ہیں کہ اپنی ہدایت کے لئے کسی پیغمبر کی بات ماننا اپنی توہین سمجھتے ہیں، اور مطالبہ یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود آکر انہیں سمجھائیں، یا کم از کم کوئی فرشتہ بھیجیں۔

(۷) مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کو دیکھنے کی ان میں تاب ہی نہیں ہے، اور فرشتے انہیں اُس وقت دکھائے جائیں گے جب وہ انہیں دوزخ میں ڈالنے کے لئے آئیں گے، اُس وقت یہ ان کو دیکھنے سے پناہ مانگیں گے۔

(۸) جن اعمال کو انہوں نے نیکی سمجھ رکھا تھا، وہ آخرت میں گرد و غبار کی طرح بے حقیقت نظر آئیں گے۔ اور ان

أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّأَحْسَنُ مَقِيلًا ۝٢٤ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ
بِالْغَمٰمِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيلًا ۝٢٥ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۚ وَكَانَ يَوْمًا
عَلَى الْكٰفِرِينَ عَسِيرًا ۝٢٦ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُولُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ
مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝٢٧ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ۝٢٨ لَقَدْ أَضَلَّنِي
عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَآءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْإِنْسٰنِ خَذُولًا ۝٢٩ وَقَالَ
الرَّسُولُ يٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُورًا ۝٣٠

اُس دن جنتی لوگ ہوں گے جن کا مستقر بھی بہترین ہوگا، اور آرام گاہ بھی خوب ہوگی۔ ﴿۲۴﴾
اور جس دن آسمان پھٹ کر ایک بادل کو راہ دے گا، اور فرشتے اس طرح اُتارے جائیں گے کہ اُن کا
تار بندھ جائے گا۔ ﴿۲۵﴾ اُس دن صحیح معنی میں بادشاہی خدائے رحمٰن کی ہوگی، اور وہ دن کافروں
پر بہت سخت ہوگا۔ ﴿۲۶﴾ اور جس دن ظالم انسان (حسرت سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا،
اور کہے گا: "کاش میں نے پیغمبر کی ہمراہی اختیار کر لی ہوتی! ﴿۲۷﴾ ہائے میری بربادی! کاش
میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا! ﴿۲۸﴾ میرے پاس نصیحت آچکی تھی، مگر اس (دوست)
نے مجھے اُس سے بھٹکا دیا۔" اور شیطان تو ہے ہی ایسا کہ وقت پڑنے پر انسان کو بے کس چھوڑ جاتا
ہے۔ ﴿۲۹﴾ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہیں گے کہ: "یا رب! میری قوم اس قرآن کو بالکل
چھوڑ بیٹھی تھی۔"[۹] ﴿۳۰﴾

کے جو کام واقعی اچھے تھے، اُن کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دُنیا میں دے دیا ہوگا، لیکن آخرت میں تمام نیکیوں کے قبول ہونے کے لئے ایمان لازمی شرط ہے، اس لئے وہاں یہ نیکیاں بھی کام نہیں آئیں گی۔

(۹) اگرچہ سیاق وسباق کی روشنی میں یہاں قوم سے مراد کافر لوگ ہیں، لیکن یہ مسلمانوں کے لئے بھی ڈرنے کا مقام ہے کہ اگر مسلمان ہونے کے باوجود قرآن کریم کو پسِ پشت ڈال دیا جائے تو کہیں وہ بھی اس سنگین جملے کا مصداق نہ بن جائیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے بجائے شکایت پیش کریں۔ والعیاذ باللہ العلی العظیم۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾
ع وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ
بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ
تَفْسِيْرًا ﴿٣٣﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ
ع اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٣٤﴾

اور ہم نے اسی طرح مجرم لوگوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے۔(۱۰) اور تمہارا پروردگار ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لئے کافی ہے۔ ﴿۳۱﴾ اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ: ”ان پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ میں کیوں نازل نہیں کردیا گیا؟“ (اے پیغمبر!) ہم نے ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہارا دل مضبوط رکھیں،(۱۱) اور ہم نے اُسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھوایا ہے۔ ﴿۳۲﴾ اور جب کبھی یہ لوگ تمہارے پاس کوئی انوکھی بات لے کر آتے ہیں، ہم تمہیں (اُس کا) ٹھیک ٹھیک جواب اور زیادہ وضاحت کے ساتھ عطا کردیتے ہیں۔(۱۲) ﴿۳۳﴾ جن لوگوں کو گھیر کر منہ کے بل دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا، وہ بدترین مقام پر ہیں، اور اُن کا راستہ بدترین گمراہی کا راستہ ہے۔ ﴿۳۴﴾

---

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ کفارِ مکہ آپ کے ساتھ جو دشمنی کررہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں، ہر پیغمبر کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے، پھر جن کے مقدر میں ہدایت قبول کرنا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت دے دیتے ہیں، اور اپنے پیغمبروں کی مدد فرماتے ہیں۔

(۱۱) یعنی قرآن کریم کو تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کرنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کی طرف سے جو نت نئی تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں، ہم کوئی نئی آیت نازل کرکے آپ کو تسلی دے دیتے ہیں۔

(۱۲) یہ قرآن کریم کو تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کرنے کا دوسرا فائدہ ہے کہ جب کوئی نیا اعتراض کافروں کی طرف سے آتا ہے تو قرآن کریم کی کسی نئی آیت کے ذریعے اُس کا واضح جواب فراہم کردیا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى
الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا
الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾
وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ
الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾

بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، اور ان کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو مددگار کے طور پر مقرر کیا تھا۔ ﴿۳۵﴾ چنانچہ ہم نے کہا تھا کہ: "تم دونوں اُن لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ہے۔" آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُن کو تباہ کر کے نیست و نابود کر دیا۔ ﴿۳۶﴾ اور نوح کی قوم نے جب پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا، اور اُن کو لوگوں کے لئے عبرت کا سامان بنا دیا۔ اور ہم نے اُن ظالموں کے لئے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۳۷﴾ اسی طرح ہم نے عاد و ثمود اور اصحاب الرس کو[۱۳] اور اُن کے درمیان بہت سی نسلوں کو تباہ کیا۔ ﴿۳۸﴾ ان میں سے ہر ایک کو سمجھانے کے لئے ہم نے مثالیں دیں، اور (جب وہ نہ مانے تو) ہر ایک کو ہم نے پیس کر رکھ دیا۔ ﴿۳۹﴾

(۱۳) عاد و ثمود کا تعارف سورۂ اعراف (۷:۶۵ تا ۸۴) میں گزر چکا ہے، اور "اصحاب الرس" کے لفظی معنی ہیں "کنویں والے"۔ بظاہر یہ لوگ کسی کنویں کے پاس آباد تھے۔ قرآن کریم نے بس اتنا ذکر فرمایا ہے کہ انہیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کیا گیا، ان کے بارے میں مختلف تاریخی روایتیں ملتی ہیں، لیکن ان کے واقعے کی کوئی تفصیل نہ قرآن کریم نے بتائی ہے، نہ کسی مستند حدیث میں آئی ہے۔ اتنی بات ظاہر ہے کہ ان کے پاس کوئی پیغمبر بھیجے گئے تھے جن کی انہوں نے نافرمانی کی، اور اس کی وجہ سے ان کو ہلاک کیا گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کنویں میں لٹکا کر پھانسی دی تھی۔ واللہ اعلم

وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۚ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ
كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿٤٠﴾ وَإِذَا رَأَوْكَ إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا
الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿٤١﴾ إِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا
وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٢﴾ أَرَأَيْتَ مَنِ
اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿٤٣﴾

اور یہ (کفارِ مکہ) اس بستی سے ہو کر گذرتے رہے ہیں جس پر بری طرح (پتھروں کی) بارش برسائی گئی تھی۔(۱۴) بھلا کیا یہ اس بستی کو دیکھتے نہیں رہے؟ (پھر بھی انہیں عبرت نہیں ہوئی) بلکہ ان کے دل میں دوسری زندگی کا اندیشہ تک پیدا نہیں ہوا۔ ﴿۴۰﴾ اور (اے پیغمبر!) جب یہ لوگ تمہیں دیکھتے ہیں تو ان کا کوئی کام اس کے سوا نہیں ہوتا کہ یہ تمہارا مذاق بناتے ہیں کہ: "کیا یہی وہ صاحب ہیں جنہیں اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ ﴿۴۱﴾ اگر ہم اپنے خداؤں (کی عقیدت) پر مضبوطی سے جمے نہ رہتے تو ان صاحب نے تو ہمیں اُن سے بھٹکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔" (جو لوگ یہ باتیں کہہ رہے ہیں) جب اُنہیں عذاب آنکھوں سے نظر آجائے گا تب انہیں پتہ چلے گا کہ کون راستے سے بالکل بھٹکا ہوا تھا؟ ﴿۴۲﴾ بھلا بتاؤ جس شخص نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنا لیا ہو، تو (اے پیغمبر!) کیا تم اس کی ذمہ داری لے سکتے ہو؟(۱۵) ﴿۴۳﴾

---

(۱۴) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہے جس کا واقعہ سورۂ ہود (۱۱: ۷۷ تا ۸۳) میں گذر چکا ہے۔

(۱۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ اپنی اُمت پر بہت شفقت تھی، اس لئے آپ کی یہ خواہش رہتی تھی کہ جو لوگ کفر و شرک پر اڑے ہوئے ہیں، وہ کسی طرح ایمان لے آئیں، اور جب وہ ایمان نہیں لاتے تھے تو آپ کو صدمہ ہوتا تھا۔ قرآن کریم نے جابجا آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ کا فریضہ حق بات کو پہنچانے کی حد تک محدود ہے۔ جن لوگوں نے اپنی خواہشات کو خدا بنا رکھا ہے، اُن کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ
أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ
جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿٤٥﴾ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿٤٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ
لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ﴿٤٧﴾

یا تمہارا خیال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں؟ نہیں! ان کی مثال تو بس چار پاؤں کے جانوروں کی سی ہے، بلکہ یہ اُن سے زیادہ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ ﴿۴۴﴾ کیا تم نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح سائے کو پھیلاتا ہے؟ اور اگر وہ چاہتا تو اُسے ایک جگہ ٹھہرا دیتا۔ پھر ہم نے سورج کو اُس کے لئے رہنما بنادیا ہے ﴿۴۵﴾ پھر ہم اُسے تھوڑا تھوڑا کرکے اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔(۱۶) ﴿۴۶﴾ اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس بنایا، اور نیند کو سراپا سکون، اور دن کو دوبارہ اُٹھ کھڑے ہونے کا ذریعہ بنادیا۔ ﴿۴۷﴾

(۱۶) یہاں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کی کئی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جن پر انسان غور کرے تو ان میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی توحید پر واضح دلیل ہے۔ سب سے پہلے یاد دلایا گیا ہے کہ دھوپ چھاؤں کی تبدیلیاں انسان کی زندگی کے لئے کتنی ضروری ہیں۔ اگر دنیا میں ہمیشہ دھوپ رہتی تب بھی زندگی دوبھر ہوجاتی، اور اگر ہر وقت سایہ ہی سایہ رہتا تو بھی انسان کا کاروبارِ زندگی معطل ہوکر رہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہر روز ان دونوں کا حسین امتزاج اس طرح پیدا فرماتا ہے کہ صبح کے وقت سایہ زمین پر پھیلا ہوا ہوتا ہے، پھر جوں جوں سورج چڑھتا جاتا ہے، اُس کا سایہ سمٹتا رہتا ہے۔ "سورج کو سائے کا رہنما بنانے" کا مطلب یہی ہے کہ سورج کے چڑھنے کے ساتھ ساتھ سایہ گھٹنا شروع ہوتا ہے، یہاں تک کہ عین دوپہر کے وقت وہ کالعدم ہوجاتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سمیٹنے سے تعبیر فرمایا ہے، پھر جوں جوں سورج مغرب کی طرف ڈھلتا ہے، سایہ پھر رفتہ رفتہ بڑھنا شروع ہوتا ہے، یہاں تک کہ غروب کے وقت پورے اُفق کو گھیر لیتا ہے۔ اور اس طرح انسانوں کو دھوپ چھاؤں کی یہ تبدیلی دھیرے دھیرے حاصل ہوتی ہے، اور ناگہانی تبدیلی کے نقصانات سے بچاؤ ہوتا رہتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ
مَاۗءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ
كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ڮ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾
وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ
جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

اور وہی ہے جس نے اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے ہوائیں بھیجیں جو (بارش کی) خوشخبری لے کر آتی ہیں، اور ہم نے ہی آسمان سے پاکیزہ پانی اُتارا ہے۔ ﴿۴۸﴾ تاکہ ہم اُس کے ذریعے مردہ زمین کو زندگی بخشیں، اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے مویشیوں اور انسانوں کو اُس سے سیراب کریں۔ ﴿۴۹﴾ اور ہم نے لوگوں کے فائدے کے لئے اس (پانی) کی اُلٹ پھیر کر رکھی ہے،(۱۷) تاکہ وہ سبق حاصل کریں۔ لیکن اکثر لوگ ناشکری کے سوا ہر بات سے انکاری ہیں۔ ﴿۵۰﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک الگ آگاہ کرنے والا (پیغمبر) بھیج دیتے۔ ﴿۵۱﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم ان کافروں کا کہنا نہ مانو، اور اِس قرآن کے ذریعے اُن کے خلاف پوری قوت سے جدوجہد کرو۔ ﴿۵۲﴾

---

(۱۷) پانی کی اُلٹ پھیر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ پانی اللہ تعالیٰ انسانوں کے درمیان اپنی حکمت سے ایک خاص تناسب کے مطابق تقسیم فرماتے ہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پانی کا اصل ذخیرہ سمندر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ وہاں سے اُسے بادلوں کے ذریعے اُٹھاتے ہیں، اور پہاڑوں پر برف کی صورت میں جمادیتے ہیں جہاں سے وہ پگھل پگھل کر دریاؤں کی صورت اختیار کرتا ہے، اور لوگ اُس سے اپنی ضروریات پوری کر کے اُسے ضائع کردیتے ہیں، لیکن یہی مستعمل پانی ندی نالوں کے ذریعے دوبارہ سمندروں میں جا گرتا ہے، اور پاک پانی کے اس ذخیرے میں بہہ کر دوبارہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ اُسے پھر بادلوں کے ذریعے اُوپر اُٹھایا جائے۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ
بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٥٣﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا
فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿٥٤﴾ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا
يَنفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿٥٥﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا
مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٥٦﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَن شَاءَ أَن يَتَّخِذَ
إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٥٧﴾

اور وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو اس طرح ملا کر چلایا ہے کہ ایک میٹھا ہے جس سے تسکین ملتی ہے،
اور ایک نمکین ہے، سخت کڑوا۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ اور ایسی رکاوٹ حائل کردی ہے
جس کو (دونوں میں سے) کوئی عبور نہیں کرسکتا۔[۱۸] ﴿۵۳﴾ اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو
پیدا کیا، پھر اُس کو نسبی اور سسرالی رشتے عطا کئے، اور تمہارا پروردگار بڑی قدرت والا ہے۔ ﴿۵۴﴾
اور یہ لوگ ہیں کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کررہے ہیں جو نہ ان کو کوئی فائدہ پہنچاتی ہیں، نہ
نقصان۔ اور کافر انسان نے اپنے پروردگار ہی کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ ﴿۵۵﴾ اور (اے
پیغمبر!) ہم نے تمہیں کسی اور کام کے لئے نہیں، بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تم لوگوں کو خوشخبری دو، اور
خبردار کرو۔ ﴿۵۶﴾ کہہ دو کہ: ”میں اس کام پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا، ہاں جو شخص یہ چاہے
کہ اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرلے (تو یہی میری اُجرت ہے)“ ﴿۵۷﴾

---

(۱۸) دریاؤں اور سمندروں کے سنگم پر یہ نظارہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ دو الگ الگ قسم کے پانی ساتھ ساتھ چلتے ہیں لیکن ایک دوسرے میں گڈمڈ نہیں ہوتے، بلکہ دُور تک ان کی خصوصیات الگ الگ دیکھی اور محسوس کی جاسکتی ہیں۔ یہی وہ عجیب وغریب آڑ ہے جو دونوں کو ایک دوسرے کی سرحد عبور کرنے نہیں دیتی۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ
خَبِيرًا ﴿٥٨﴾ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا ﴿٥٩﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا
لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۩ ﴿٦٠﴾ تَبَارَكَ الَّذِي
جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ﴿٦١﴾

اور تم اُس ذات پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے، جسے کبھی موت نہیں آئے گی، اور اُسی کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو، اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لئے کافی ہے۔ ﴿۵۸﴾ وہ ذات جس نے چھ دن میں سارے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں پیدا کیں، پھر اُس نے عرش پر استواء فرمایا،(۱۹) وہ رحمٰن ہے، اس لئے اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھو۔ ﴿۵۹﴾ اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو یہ کہتے ہیں کہ: "رحمٰن کیا ہوتا ہے؟ کیا جسے بھی تم کہہ دو، ہم اُسے سجدہ کیا کریں؟"(۲۰) اور اس بات سے وہ اور زیادہ بدکنے لگتے ہیں۔(۲۱) ﴿۶۰﴾ بڑی شان ہے اُس کی جس نے آسمان میں برج بنائے،(۲۲) اور اُس میں ایک روشن چراغ اور نور پھیلانے والا چاند پیدا کیا۔ ﴿۶۱﴾

(۱۹) "استواء" کے لفظی معنی سیدھا ہو جانے اور مضبوطی سے بیٹھ جانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عرش پر استواء فرمانے کا کیا مطلب اور اُس کی کیا کیفیت ہے؟ یہ بات ہماری محدود عقل سے ماوراء ہے، اور اُن متشابہات میں سے ہے جن کا ذکر سورۂ آل عمران کے بالکل شروع میں آیا ہے۔ اس لئے اس پر جوں کا توں ایمان رکھنا چاہئے، اور اس کی کیفیت کی تحقیق وجستجو میں نہیں پڑنا چاہئے۔

(۲۰) مشرکینِ مکہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے "رحمٰن" کے نام کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس لئے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر اس نام کے ساتھ کیا جاتا تو وہ بڑی بدتمیزی سے اس مبارک نام کی تردید کرتے تھے۔

(۲۱) یہ سجدے کی آیت ہے، جو کوئی شخص عربی میں یہ آیت پڑھے یا سنے اُس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

(۲۲) "بروج" سے مراد ستارے بھی ہو سکتے ہیں، اور آسمان کے وہ مختلف حصے بھی جنہیں فلکیات والے بروج

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ
شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ
الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا
سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا
وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایسا بنایا کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے چلے آتے ہیں، (مگر یہ ساری باتیں) اُس شخص کے لئے (کارآمد ہیں) جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا شکر بجالانا چاہتا ہو۔ ﴿۶۲﴾

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں، اور جب جاہل لوگ اُن سے (جاہلانہ) خطاب کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں۔(۲۳) ﴿۶۳﴾ اور جو راتیں اس طرح گذارتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے آگے (کبھی) سجدے میں ہوتے ہیں، اور (کبھی) قیام میں۔ ﴿۶۴﴾ اور جو یہ کہتے ہیں کہ: "ہمارے پروردگار! جہنم کے عذاب کو ہم سے دُور رکھئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس کا عذاب وہ تباہی ہے جو چمٹ کر رہ جاتی ہے۔ ﴿۶۵﴾ یقیناً وہ کسی کا مستقر اور قیام گاہ بننے کے لئے بدترین جگہ ہے۔" ﴿۶۶﴾ اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں، نہ تنگی کرتے ہیں، بلکہ اُن کا طریقہ اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال کا طریقہ ہے۔ ﴿۶۷﴾

کہتے ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے بالائی فضا کے کچھ ایسے اَجسام مراد ہوں جن تک ابھی انسان کی تحقیق نہیں ہو سکی۔

(۲۳) یعنی ان کی بدکلامی اور گالی گفتار کا جواب برے الفاظ میں دینے کے بجائے شریفانہ انداز میں دیتے ہیں۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا
بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ
يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ وَمَن تَابَ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ

اور جو اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے، اور جس جان کو اللہ نے حرمت بخشی
ہے، اُسے ناحق قتل نہیں کرتے، اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔ اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا، اُسے اپنے
گناہ کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ﴿۶۸﴾ قیامت کے دن اُس کا عذاب بڑھا بڑھا کر دُگنا
کر دیا جائے گا، اور وہ ذلیل ہو کر اُس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔[۲۴] ﴿۶۹﴾ ہاں مگر جو کوئی توبہ
کرلے، ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل
کردے گا،[۲۵] اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۷۰﴾ اور جو کوئی توبہ کرتا اور نیک عمل کرتا ہے
تو وہ درحقیقت اللہ کی طرف ٹھیک ٹھیک لوٹ آتا ہے۔ ﴿۷۱﴾ اور (رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو
ناحق کاموں میں شامل نہیں ہوتے،[۲۶]

(۲۴) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر و شرک کا ارتکاب کریں، کیونکہ مؤمن عذاب میں ہمیشہ نہیں رہیں گے، اور اگر انہوں نے گناہ کیے ہوں گے تو اس کی سزا پاکر جنت میں جائیں گے۔

(۲۵) یعنی حالتِ کفر میں انہوں نے جو برے کام کیے تھے، وہ ان کے نامۂ اعمال سے مٹا دیے جائیں گے، اور اسلام لاکر جو نیک عمل کیے ہوں گے، وہ ان کی جگہ لے لیں گے۔

(۲۶) قرآن کریم میں اصل لفظ "زُور" استعمال ہوا ہے جس کے معنی جھوٹ کے ہیں، اور ہر باطل اور ناحق کو بھی "زُور" کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں ناحق اور ناجائز کام ہو رہے ہوں، اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اُن میں شامل نہیں ہوتے۔ اور اس کا ایک ترجمہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا
عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا
قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿٧٤﴾ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَ
يُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿٧٥﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا
يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾ ع

اور جب کسی لغو چیز کے پاس سے گذرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔(٢٧) ﴿٧٢﴾ اور جب انہیں اپنے ربّ کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے بن کر نہیں گرتے۔(٢٨) ﴿٧٣﴾ اور جو (دُعا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ: "ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بیوی بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا سربراہ بنادے۔"(٢٩) ﴿٧٤﴾ یہ لوگ ہیں جنہیں اُن کے صبر کے بدلے جنت کے بالاخانے عطا ہوں گے، اور وہاں دُعاؤں اور سلام سے اُن کا استقبال کیا جائے گا۔ ﴿٧٥﴾ وہ وہاں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کسی کا مستقر اور قیام گاہ بننے کے لئے وہ بہترین جگہ ہے۔ ﴿٧٦﴾ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: "میرے پروردگار کو تمہاری ذرا بھی پروا نہ ہوتی، اگر تم اُس کو نہ پکارتے۔(٣٠) اب جبکہ (اے کافرو!) تم نے حق کو جھٹلا دیا ہے تو یہ جھٹلانا تمہارے گلے پڑ کر رہے گا۔" ﴿٧٧﴾

(٢٧) یعنی نہ تو وہ اس لغو اور بے ہودہ کام میں شریک ہوتے ہیں، اور نہ ان لوگوں کی تحقیر کرتے ہیں جو ان کاموں میں مبتلا ہیں، البتہ اُس بُرے کام کو بُرا سمجھتے ہوئے وقار کے ساتھ وہاں سے گذر جاتے ہیں۔

(٢٨) یہ منافقین پر طنز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں سن کر وہ بظاہر تو بڑے اشتیاق کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ اُن کے آگے گرے اور جھکے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں انہوں نے حق بات کے لئے اپنے کان بند کئے ہوتے ہیں، اور آنکھیں اندھی بنائی ہوتی ہیں اس لئے ان آیتوں سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ

کے نیک بندے ان آیتوں کا شوق سے استقبال کرتے ہیں تو ان کے مضامین کو توجہ سے سنتے بھی ہیں، اور جن حقائق کی طرف وہ توجہ دلاتی ہیں، انہیں کھلی آنکھوں سمجھنے اور محسوس کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

(۲۹) باپ عام طور سے اپنے خاندان کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس کو یہ دُعا سکھائی جارہی ہے کہ بحیثیت باپ اور شوہر کے مجھے اپنے بیوی بچوں کا سربراہ تو بننا ہے، لیکن میرے بیوی بچوں کو متقی پرہیزگار بنا دیجئے تاکہ میں پرہیزگاروں کا سربراہ بنوں جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں، فاسق وفاجر لوگوں کا سربراہ نہ بنوں جو میرے لئے عذاب جان بن جائیں۔ جو لوگ اپنے گھر والوں کے رویے سے پریشان رہتے ہیں، اُنہیں یہ دُعا ضرور مانگتے رہنا چاہئے۔

(۳۰) یہ خطاب اُن لوگوں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے رُجوع نہ کرتے، اور اُس کی عبادت سے روگردانی کرتے تو اللہ تعالیٰ کو بھی تمہاری کوئی پروا نہیں تھی، لیکن جو لوگ اُس کی عبادت کرتے ہیں اور جن کے نیک کاموں کا اُوپر بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کے بہترانجام کا کفیل ہے۔ پھر آگے کافروں سے خطاب ہے کہ جب تمہیں یہ اصول معلوم ہوگیا، اور تم نے حق کو جھٹلانے کی روش اختیار کر رکھی ہے تو تمہارا وہ انجام نہیں ہوسکتا جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا ہوتا ہے۔ تمہارا یہ طرزِ عمل تمہارے گلے پڑے گا، اور آخرت کے عذاب کی شکل میں تم سے اس طرح چمٹ جائے گا کہ اس سے خلاصی ممکن نہیں ہوگی۔

الحمدللہ، آج بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۳۰ اپریل ۲۰۰۷ء سورۂ فرقان کا ترجمہ اور حواشی کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الشُّعَرَاءِ

تعارف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت کے مطابق یہ سورت سورۂ واقعہ (سورت نمبر ۵۶) کے بعد نازل ہوئی تھی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا وہ زمانہ تھا جس میں کفارِ مکہ آپ کی دعوت کی بڑے زور وشور سے مخالفت کرتے ہوئے آپ سے اپنی پسند کے معجزات دکھانے کا مطالبہ کررہے تھے۔ اس سورت کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دی گئی ہے، اور کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کی طرف توجہ دلاکر اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی کے دل میں انصاف ہو اور وہ سچے دل سے حق کی تلاش کرنا چاہتا ہو تو اُس کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ نشانیاں اُس کی توحید کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، اور اُسے کسی اور معجزے کی تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی ضمن میں پچھلے انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی اُمتوں کے واقعات یہ بیان کرنے کے لئے سنائے گئے ہیں کہ ان کی قوموں نے جو معجزات مانگے تھے، اُنہیں وہی معجزات دکھائے گئے، لیکن وہ پھر بھی نہ مانے جس کے نتیجے میں انہیں عذابِ الٰہی کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب منہ مانگے معجزات دیکھنے کے باوجود کوئی قوم ایمان نہیں لاتی تو اُسے ہلاک کردیا جاتا ہے۔ اس بنا پر کفارِ مکہ کو مہلت دی جارہی ہے کہ وہ نت نئے معجزات کا مطالبہ کرنے کے بجائے توحید ورسالت کے دوسرے دلائل پر کھلی آنکھوں سے غور کرکے ایمان لائیں، اور ہلاکت سے بچ جائیں۔

کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کاہن کہتے تھے، کبھی جادوگر اور کبھی آپ کو شاعر کا نام دیتے تھے۔ سورت کے آخری رکوع میں ان باتوں کی مدلل تردید فرمائی گئی ہے، اور کاہنوں اور شاعروں کی خصوصیات بیان کرکے جتایا گیا ہے کہ ان میں سے کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں پائی جاتی۔ اسی ضمن میں آیت: ۲۲۴ تا ۲۲۷ نے شعراء کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ اسی وجہ سے سورت کا نام شعراء رکھا گیا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں صفحہ نمبر ۱۱۴۱)۔

آیاتها ۲۲۷ ٢٦ سورة الشعرآء مکیة ٤٧ رکوعاتها ١١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ③
اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ ④ وَمَا
یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ ⑤

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں دوسو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

طٰسٓمّٓ (1) ﴿۱﴾ یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق کو واضح کرنے والی ہے۔ ﴿۲﴾ (اے پیغمبر!) شاید تم اس غم میں اپنی جان ہلاک کئے جارہے ہو کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے! ﴿۳﴾ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اُتار دیں کہ اُس کے آگے ان کی گردنیں جھک کر رہ جائیں۔ (2) ﴿۴﴾ (ان کا حال تو یہ ہے کہ) ان کے پاس خدائے رحمٰن کی طرف سے جو کوئی نئی نصیحت آتی ہے، یہ اُس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ﴿۵﴾

(۱) جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں عرض کیا گیا تھا، مختلف سورتوں کے شروع میں جو حروف آئے ہیں، اُنہیں حروفِ مقطعات کہا جاتا ہے، اور ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں تھا کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کردیتا، لیکن اس دُنیا میں انسان کو بھیجنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اُسے زبردستی مسلمان بنایا جائے، بلکہ انسان سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ کسی زور زبردستی کے بغیر اپنی عقل کو استعمال کرکے اور دلائل پر غور کرکے ایمان کا راستہ اختیار کرے۔ یہی وہ آزمائش ہے جس کے لئے اُسے دُنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اس لئے اگر یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں تو آپ کو اتنا صدمہ نہیں کرنا چاہئے کہ اپنی جان کو ہلکان کرلیں۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى
الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۷ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ
ع اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۹ وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ
مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝۱۱ قَالَ رَبِّ
اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝۱۲ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى
هٰرُوْنَ ۝۱۳ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝۱۴

اس طرح انہوں نے حق کو جھٹلا دیا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ جن باتوں کا مذاق اُڑاتے رہے ہیں، اب عنقریب اُن کے ٹھیک ٹھیک حقائق ان کے سامنے آجائیں گے۔ ﴿۶﴾ اور کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر نفیس قسم کی کتنی چیزیں اُگائی ہیں؟ ﴿۷﴾ یقیناً ان سب چیزوں میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۸﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بہت مہربان بھی۔ ﴿۹﴾ اور اُس وقت کا حال سنو جب تمہارے پروردگار نے موسیٰ کو آواز دے کر کہا تھا کہ: ”اس ظالم قوم کے پاس جاؤ، ﴿۱۰﴾ یعنی فرعون کی قوم کے پاس۔ کیا ان کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے؟“ ﴿۱۱﴾ موسیٰ نے کہا کہ: ”میرے پروردگار! مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھوٹا بتائیں گے۔ ﴿۱۲﴾ اور میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے، اور میری زبان نہیں چلتی۔ اس لئے آپ ہارون کو بھی (نبوت کا) پیغام بھیج دیجئے۔ ﴿۱۳﴾ اور میرے خلاف ان لوگوں نے ایک جرم بھی عائد کر رکھا ہے،(۳) جس کی وجہ سے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل نہ کر ڈالیں۔“ ﴿۱۴﴾

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مظلوم کو بچاتے ہوئے ظالم کو ایک مکا مارا تھا جس سے وہ مر ہی گیا۔ اس وجہ سے ان پر قتل کا الزام لگ گیا تھا۔ تفصیلی واقعہ سورۂ قصص (سورت نمبر: ۲۸) میں آنے والا ہے۔

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿١٥﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا
رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٧﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ
فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿١٨﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَ
اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٢٠﴾

اللہ نے فرمایا کہ: "ہرگز نہیں! تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ۔ یقین رکھو کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ساری باتیں سنتے رہیں گے۔ ﴿١٥﴾ اب تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اور کہو کہ: "ہم دونوں ربّ العالمین کے پیغمبر ہیں ﴿١٦﴾ (اور یہ پیغام لائے ہیں) کہ تم بنو اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو۔"(٤) ﴿١٧﴾ فرعون نے (جواب میں موسیٰ علیہ السلام سے) کہا: "کیا ہم نے تمہیں اُس وقت اپنے پاس رکھ کر نہیں پالا تھا جب تم بالکل بچے تھے؟(٥) اور تم نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہمارے یہاں رہ کر گذارے، ﴿١٨﴾ اور جو حرکت تم نے کی تھی وہ بھی کر گذرے،(٦) اور تم بڑے ناشکرے آدمی ہو۔" ﴿١٩﴾ موسیٰ نے کہا: "اُس وقت وہ کام میں ایسی حالت میں کر گذرا تھا کہ مجھے پتہ نہیں تھا۔(٧) ﴿٢٠﴾

(٤) بنو اسرائیل اصل میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا نام ہے۔ یہ فلسطین کے علاقے کنعان کے باشندے تھے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے حکمران بنے تو انہوں نے اپنے سارے خاندان کو مصر بلا کر آباد کر لیا تھا، جس کا واقعہ سورۂ یوسف میں گذر چکا ہے۔ کچھ عرصے یہ لوگ وہاں اطمینان سے رہے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد مصر کے بادشاہوں نے جنہیں فرعون کہا جاتا تھا، ان کو غلام بنا کر ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھانے شروع کر دیے۔

(٥) یہ واقعہ سورۂ طٰہٰ (٢٠: ٣٩) میں گذر چکا ہے۔

(٦) یہ اُسی قتل کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر اوپر حاشیہ نمبر ٣ میں کیا گیا ہے۔

(٧) یعنی یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ ایک ہی مکا کھا کر مر جائے گا۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾
وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ
الْعَالَمِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ﴿٢٤﴾
قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ
إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٧﴾

چنانچہ جب مجھے تم لوگوں سے خوف ہوا تو میں تمہارے پاس سے فرار ہوگیا، پھر اللہ نے مجھے حکمت عطا فرمائی، اور پیغمبروں میں شامل فرمادیا۔"(۸) ﴿۲۱﴾ اور وہ احسان جو تم مجھ پر رکھ رہے ہو، (اُس کی حقیقت) یہ ہے کہ تم نے سارے بنو اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔" ﴿۲۲﴾ فرعون نے کہا: "اور یہ رَبّ العالمین کیا چیز ہے؟" ﴿۲۳﴾ موسیٰ نے کہا: "وہ سارے آسمانوں اور زمین کا، اور اُن ساری چیزوں کا پروردگار ہے جو ان کے درمیان پائی جاتی ہیں، اگر تم کو واقعی یقین کرنا ہو۔" ﴿۲۴﴾ فرعون نے اپنے اِردگرد کے لوگوں سے کہا: "سن رہے ہو کہ نہیں؟" ﴿۲۵﴾ موسیٰ نے کہا: "وہ تمہارا بھی پروردگار ہے، اور تمہارے پچھلے باپ دادوں کا بھی۔" ﴿۲۶﴾ فرعون بولا: "تمہارا یہ پیغمبر جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے، یہ تو بالکل ہی دیوانہ ہے۔"(۹) ﴿۲۷﴾

---

(۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین چلے گئے تھے جہاں سے واپسی میں انہیں نبوت عطا ہوئی۔ تفصیلی واقعہ سورۂ قصص (سورت نمبر ۲۸) میں آنے والا ہے۔

(۹) فرعون نے جو سوال کیا تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ رَبّ العالمین کی حقیقت و ماہیت بتاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت و ماہیت کوئی نہیں جان سکتا، البتہ اُس کو اُس کی صفات سے پہچانا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں باری تعالیٰ کی صفات ہی بیان فرمائیں۔ اس پر فرعون نے کہا کہ "یہ بالکل دیوانہ ہے" کیونکہ سوال حقیقت کا کیا گیا تھا، اور جواب صفات سے دے رہے ہیں۔

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَئِنِ
اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ
مُبِينٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣١﴾ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ
مُبِينٌ ﴿٣٢﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا ع
لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾
قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿٣٦﴾

موسیٰ نے کہا: ''وہ مشرق و مغرب کا بھی پروردگار ہے، اور اُن کے درمیان ساری چیزوں کا بھی، اگر تم عقل سے کام لو۔'' ﴿٢٨﴾ کہنے لگا: ''یاد رکھو، اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو میں تمہیں ضرور اُن لوگوں میں شامل کردوں گا جو جیل خانے میں پڑے ہوئے ہیں۔'' ﴿٢٩﴾ موسیٰ بولے: ''اور اگر میں تمہیں کوئی ایسی چیز لا دکھاؤں جو حق کو واضح کردے، پھر؟'' ﴿٣٠﴾ فرعون نے کہا: ''اچھا، اگر واقعی سچے ہو تو لے آؤ وہ چیز۔'' ﴿٣١﴾ چنانچہ موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا، اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کھلا ہوا اژدھا بن گیا، ﴿٣٢﴾ اور انہوں نے اپنا ہاتھ (بغل میں سے) کھینچ کر نکالا تو پل بھر میں وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے سفید ہوگیا۔[(١٠)] ﴿٣٣﴾ فرعون نے اپنے اردگرد کے سرداروں سے کہا: ''یقیناً یہ کوئی ماہر جادوگر ہے۔ ﴿٣٤﴾ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال باہر کرے۔ اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟'' ﴿٣٥﴾ انہوں نے کہا: ''ان کو اور ان کے بھائی کو کچھ مہلت دیجئے، اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے ﴿٣٦﴾

---

(١٠) یعنی چمک دار ہوگیا۔

يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٣٨﴾ وَقِيلَ
لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٤٠﴾
فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿٤١﴾ قَالَ
نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿٤٣﴾
فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾ فَأَلْقَىٰ
مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٤٥﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ﴿٤٦﴾

جو ہر ماہر جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں (اور ان جادوگروں کا مقابلہ کریں)۔" ﴿۳۷﴾ چنانچہ ایک دن مقررہ وقت پر سارے جادوگر جمع کرلیے گئے۔ ﴿۳۸﴾ اور لوگوں سے کہا گیا کہ: "کیا تم لوگ جمع ہو رہے ہو؟ ﴿۳۹﴾ شاید اگر یہ جادوگر ہی غالب آگئے تو ہم انہی کے راستے پر چلیں۔" ﴿۴۰﴾ پھر جب جادوگر آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا: "یہ بات تو یقینی ہے نا کہ اگر ہم غالب آگئے تو ہمیں کوئی انعام ملے گا؟" ﴿۴۱﴾ فرعون نے کہا: "ہاں ہاں، اور تمہیں اُس صورت میں مقرب لوگوں میں بھی ضرور شامل کرلیا جائے گا۔" ﴿۴۲﴾ موسیٰ نے اُن جادوگروں سے کہا: "جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے، پھینکو۔" ﴿۴۳﴾ اس پر اُن جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں،(۱۱) اور کہا کہ: "فرعون کی عزت کی قسم! ہم ہی ہم غالب آئیں گے۔" ﴿۴۴﴾ اب موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈالا، تو اچانک اُس نے (اژدھا بن کر) اُس تماشے کو نگلنا شروع کردیا جو وہ جھوٹ موٹ بنا رہے تھے۔ ﴿۴۵﴾ بس پھر وہ جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے۔(۱۲) ﴿۴۶﴾

---

(۱۱) سورۂ طٰہٰ (۲۰: ۶۶) میں گذر چکا ہے کہ اچانک ان کی ڈالی ہوئی رسیاں اور لاٹھیاں اُن کے جادو کے نتیجے میں ایسی محسوس ہونے لگیں جیسے دوڑ رہی ہیں۔

(۱۲) یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قرآنِ کریم نے ان کے لئے "سجدے میں گر گئے" کے بجائے "سجدے

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ
اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ
اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّآ
اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع
فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾

کہنے لگے کہ: "ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے، ﴿۴۷﴾ جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے۔" ﴿۴۸﴾ فرعون بولا: "تم میرے اجازت دینے سے پہلے ہی موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ ثابت ہوا کہ یہ تم سب کا سرغنہ ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اچھا ابھی تمہیں پتہ چل جائے گا۔ میں تم سب کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹواؤں گا، اور تم سب کو سولی پر لٹکادوں گا۔" ﴿۴۹﴾ جادوگروں نے کہا: "ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا، ہمیں یقین ہے کہ ہم لوٹ کر اپنے پروردگار کے پاس چلے جائیں گے۔ ﴿۵۰﴾ ہم تو شوق سے امید لگائے ہوئے ہیں کہ ہمارا پروردگار اس وجہ سے ہماری خطائیں بخش دے گا کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔" ﴿۵۱﴾ اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ: "میرے بندوں کو لے کر راتوں رات روانہ ہو جاؤ، تمہارا پیچھا یقیناً کیا جائے گا۔" ﴿۵۲﴾ اس پر فرعون نے شہروں میں ہرکارے بھیج دیے ﴿۵۳﴾ (اور یہ کہلا بھیجا کہ:) "یہ (بنی اسرائیل) ایک چھوٹی سی ٹولی کے تھوڑے سے لوگ ہیں ﴿۵۴﴾

میں گرا دیے گئے" فرمایا ہے۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو معجزہ دکھلایا، وہ اس درجہ مؤثر تھا کہ اس نے انہیں بے ساختہ سجدے میں گرا دیا۔

وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ﴿٥٥﴾ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حٰذِرُونَ ﴿٥٦﴾ فَأَخْرَجْنٰهُم مِّن جَنّٰتٍ وَ
عُيُونٍ ﴿٥٧﴾ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنٰهَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ ﴿٥٩﴾
فَأَتْبَعُوهُم مُّشْرِقِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ أَصْحٰبُ مُوسٰى إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ﴿٦١﴾
قَالَ كَلَّا ۖ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٦٢﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلٰى مُوسٰى أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ
الْبَحْرَ ۖ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ﴿٦٣﴾

اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے دل جلائے ہوئے ہیں، ﴿۵۵﴾ اور ہم سب احتیاطی
تدبیریں کئے ہوئے ہیں (لہٰذا سب مل کر ان کا تعاقب کرو)" ﴿۵۶﴾ اس طرح ہم انہیں باہر
نکال لائے باغوں اور چشموں سے بھی ﴿۵۷﴾ اور خزانوں اور باعزت مقامات سے بھی ﴿۵۸﴾
ان کا معاملہ تو اسی طرح ہوا، اور (دوسری طرف) ان چیزوں کا وارث ہم نے بنی اسرائیل کو
بنادیا۔[۱۳] ﴿۵۹﴾ غرض ہوا یہ کہ یہ سب لوگ سورج نکلتے ہی اُن کا پیچھا کرنے نکل کھڑے
ہوئے۔ ﴿۶۰﴾ پھر جب دونوں جتھے ایک دوسرے کو نظر آنے لگے تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا
کہ: "اب تو پکی بات ہے کہ ہم پکڑے ہی لئے گئے۔"[۱۴] ﴿۶۱﴾ موسیٰ نے کہا: "ہرگز نہیں، میرے
ساتھ یقینی طور سے میرا پروردگار ہے، وہ مجھے راستہ بتائے گا۔" ﴿۶۲﴾ چنانچہ ہم نے موسیٰ کے
پاس وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو۔ بس پھر سمندر پھٹ گیا، اور ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی
طرح کھڑا ہوگیا۔[۱۵] ﴿۶۳﴾

---

(۱۳) اس کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف (۷: ۱۳۷) کا حاشیہ۔

(۱۴) موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کے سامنے سمندر آگیا تھا، اور پیچھے سے فرعون کا لشکر۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی سمجھے کہ اب بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے پانی کے کئی حصے کرکے اُن کو پہاڑ کی طرح کھڑا کردیا، اور اُن حصوں کے درمیان خشک راستے بن گئے۔

وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخَرِينَ ﴿٦٤﴾ وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ
أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿٦٦﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٦٧﴾
وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦٨﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ إِذْ قَالَ ع
لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ﴿٧١﴾ قَالَ
هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا
آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾

اور دوسرے فریق کو بھی ہم اُس جگہ کے نزدیک لے آئے۔(١٦) ﴿٦٤﴾ اور موسیٰ اور اُن کے تمام ساتھیوں کو ہم نے بچا لیا، ﴿٦٥﴾ پھر دوسروں کو غرق کر ڈالا۔ ﴿٦٦﴾ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿٦٧﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿٦٨﴾

اور (اے پیغمبر!) ان کو ابراہیم کا واقعہ سناؤ، ﴿٦٩﴾ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ: "تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟" ﴿٧٠﴾ انہوں نے کہا کہ: "ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں، اور انہی کے آگے دھرنا دیے رہتے ہیں۔" ﴿٧١﴾ ابراہیم نے کہا: "جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری بات سنتے ہیں؟ ﴿٧٢﴾ یا تمہیں کوئی فائدہ یا نقصان پہنچاتے ہیں؟" ﴿٧٣﴾ انہوں نے کہا: "اصل بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے۔" ﴿٧٤﴾

---

(١٦) یعنی فرعون کے لشکر نے جب دیکھا کہ سمندر کے درمیان راستے بنے ہوئے ہیں، تو اُس نے بھی اُس راستے سے گذرنے کی کوشش کی، لیکن جب وہ لوگ وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو اپنی اصل حالت پر لوٹا دیا، اور فرعون اور اس کے ساتھی اسی سمندر میں غرق ہوگئے۔ یہ تفصیل سورۂ یونس (١٠: ٩١، ٩٢) میں گذر چکی ہے۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ
عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِیْ هُوَ
یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ
یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ
حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾
وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾

ابراہیم نے کہا: "بھلا کبھی تم نے ان چیزوں کو غور سے دیکھا بھی جن کی تم عبادت کرتے رہے
ہو؟ ﴿۷۵﴾ تم بھی اور تمہارے پرانے باپ دادے بھی! ﴿۷۶﴾ میرے لئے تو یہ سب دشمن
ہیں، سوائے ایک ربّ العالمین کے ﴿۷۷﴾ جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر وہی میری رہنمائی
فرماتا ہے، ﴿۷۸﴾ اور جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے ﴿۷۹﴾ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا
ہے، (۱۷) ﴿۸۰﴾ اور جو مجھے موت دے گا، پھر زندہ کرے گا، ﴿۸۱﴾ اور جس سے میں یہ اُمید لگائے
ہوئے ہوں کہ وہ حساب وکتاب کے دن میری خطا بخش دے گا۔" ﴿۸۲﴾ میرے پروردگار! مجھے
حکمت عطا فرما، اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرمالے، ﴿۸۳﴾ اور آنے والی نسلوں میں میرے
لئے وہ زبانیں پیدا فرمادے جو میری سچائی کی گواہی دیں۔ ﴿۸۴﴾ اور مجھے اُن لوگوں میں سے
بنادے جو نعمتوں والی جنت کے وارث ہوں گے۔ ﴿۸۵﴾

---

(۱۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ادب ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے بیمار ہونے کی نسبت تو اپنی طرف فرمائی، اور شفا دینے کو اللہ تعالیٰ کا عمل قرار دیا۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیماری انسان کی کسی اپنی غلطی کے سبب آتی ہے، اور شفا براہِ راست اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔

وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا
يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ
لِلْمُتَّقِينَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾ وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾
مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾
وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾

اور میرے باپ کی مغفرت فرما۔ یقیناً وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔(۱۸) ﴿۸۶﴾ اور اُس دن مجھے
رُسوا نہ کرنا جس دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، ﴿۸۷﴾ جس دن نہ کوئی مال کام آئے گا،
نہ اولاد، ﴿۸۸﴾ ہاں جو شخص اللہ کے پاس سلامتی والا دل لے کر آئے گا، (اس کو نجات ملے
گی) ﴿۸۹﴾ اور جنت متقی لوگوں کے لئے قریب کردی جائے گی، ﴿۹۰﴾ اور دوزخ کھلے طور
پر گمراہوں کے سامنے کردی جائے گی ﴿۹۱﴾ اور اُن سے کہا جائے گا کہ: ''کہاں ہیں وہ جن
کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے؟ کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا خود اپنا بچاؤ کرلیں
گے؟'' ﴿۹۲ و ۹۳﴾ پھر اُن کو اور گمراہوں کو بھی اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے
گا، (۱۹) ﴿۹۴﴾ اور ابلیس کے سارے لشکروں کو بھی۔ ﴿۹۵﴾ وہاں یہ سب آپس میں جھگڑتے
ہوئے (اپنے معبودوں سے) کہیں گے ﴿۹۶﴾

---

(۱۸) سورۂ مریم (۱۹: ۴۷) میں گذر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اُس کی مغفرت کی دُعا کریں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت آگئی اور معلوم ہوگیا کہ وہ کبھی ایمان نہیں لائے گا تو اُنہوں نے بھی اس سے براءت کا اظہار فرمادیا، جیسا کہ سورۂ توبہ (۹: ۱۱۴) میں گذر چکا ہے۔

(۱۹) یعنی ان گمراہوں کے ساتھ ان کے جھوٹے معبودوں کو بھی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جنہوں نے خود اپنی خدائی کا دعویٰ کیا تھا، اور بعض پتھر کے بت ہیں، اُن کو یہ دکھانے کے لئے دوزخ میں ڈالا جائے گا کہ جن کو یہ گمراہ لوگ معبود سمجھتے تھے، ان کا حشر بھی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍۙ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۹۸﴾ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا
الْمُجْرِمُوْنَ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شٰفِعِیْنَۙ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً
فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴿۱۰۳﴾
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴿۱۰۴﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِیْنَ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ
اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ﴿۱۰۶﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌۙ﴿۱۰۷﴾

کہ: "اللہ کی قسم ہم تو اس زمانے میں کھلی گمراہی میں مبتلا تھے ﴿۹۷﴾ جب ہم نے تمہیں رَبّ العالمین کے برابر قرار دے رکھا تھا ﴿۹۸﴾ اور ہمیں تو ان بڑے بڑے مجرموں نے ہی گمراہ کیا تھا۔[20] ﴿۹۹﴾ نتیجہ یہ ہے کہ نہ تو ہمیں کسی قسم کی سفارش کرنے والے میسر ہیں ﴿۱۰۰﴾ اور نہ کوئی ایسا دوست جو ہمدردی کرسکے ﴿۱۰۱﴾ اب کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ دُنیا میں واپس جانے کا موقع مل جائے تو ہم مؤمن بن جائیں!"[21] ﴿۱۰۲﴾ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۰۳﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بہت مہربان بھی۔ ﴿۱۰۴﴾

نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا ﴿۱۰۵﴾ جبکہ اُن کے بھائی نوح نے اُن سے کہا کہ: "کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۱۰۶﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۱۰۷﴾

---

(۲۰) مجرموں سے یہاں مراد وہ بڑے بڑے سردار ہیں جو کفر پر قائم رہے، اور انہیں دیکھ کر دوسروں نے بھی کفر اختیار کئے رکھا۔

(۲۱) یہ وہ تقریر تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے فرمائی۔ باقی واقعہ یہاں بیان نہیں کیا گیا، اس کی تفصیل پیچھے سورۂ انبیاء (۲۱:۵۱) میں گذر چکی ہے، اور کچھ تفصیل سورۂ صافات (۳۷:۸۳) میں بھی آنے والی ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ
الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ
لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾

لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۰۸﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی پرورش کرتی ہے۔ ﴿۱۰۹﴾ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔" ﴿۱۱۰﴾ وہ لوگ بولے: "کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں، حالانکہ بڑے نیچے درجے کے لوگ تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں؟" ﴿۱۱۱﴾ نوح نے کہا: "میں کیا جانوں کہ وہ کیا کام کرتے ہیں؟ (۲۲) ﴿۱۱۲﴾ اُن کا حساب لینا کسی اور کا نہیں، میرے پروردگار کا کام ہے۔ (۲۳) کاش! تم سمجھ سے کام لو! ﴿۱۱۳﴾ اور میں ان مومنوں کو دھتکار کر اپنے سے دُور نہیں کرسکتا۔ ﴿۱۱۴﴾ میں تو بس ایک خبردار کرنے والا ہوں جو (تمہارے سامنے) حقیقت کھول کر رکھ رہا ہے۔" ﴿۱۱۵﴾

---

(۲۲) کافروں نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ طعنہ دیا تھا کہ اُن کے پیروکار اکثر ایسے لوگ ہیں جن کا پیشہ نچلے درجے کا سمجھا جاتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ مجھے اس سے کیا سروکار کہ اُن کا پیشہ کیا ہے، اور وہ کیا کام کرتے ہیں۔

(۲۳) کافروں کے مذکورہ اعتراض میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ یہ نچلے درجے کے لوگ سوچ سمجھ کر دل سے ایمان نہیں لائے ہیں، بلکہ کسی ذاتی مفاد کی خاطر آپ کے ساتھ ہولئے ہیں۔ اس جملے میں اس کا جواب ہے کہ اگر بالفرض اُن کے دل میں کوئی اور بات ہے بھی، تو میں اس کی تحقیق کا مکلف نہیں ہوں، اُن کا حساب اللہ تعالیٰ خود لے لیں گے۔

قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي
كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَن مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾
فَأَنجَيْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ﴿١٢٠﴾ إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ
الرَّحِيمُ ﴿١٢٢﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا
تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٢٦﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢٧﴾

وہ کہنے لگے: "اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔" ﴿۱۱۶﴾ نوح نے
کہا: "میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ ﴿۱۱۷﴾ اب آپ میرے اور ان کے درمیان
دوٹوک فیصلہ کر دیجئے، اور مجھے اور میرے مومن ساتھیوں کو بچا لیجئے۔" ﴿۱۱۸﴾ چنانچہ ہم نے انہیں اور
اُن کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں بچا لیا، ﴿۱۱۹﴾ پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا(۲۴) ﴿۱۲۰﴾
یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں
لاتے، ﴿۱۲۱﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بہت مہربان بھی۔ ﴿۱۲۲﴾
عاد کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا ﴿۱۲۳﴾ جب اُن کے بھائی ہود نے اُن سے کہا کہ: "کیا تم اللہ
سے ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۱۲۴﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۱۲۵﴾
لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۲۶﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اُجرت
نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی
پرورش کرتی ہے۔ ﴿۱۲۷﴾

---

(۲۴) پورا واقعہ سورۂ ہود (۱۱: ۲۵ تا ۴۸) میں گذر چکا ہے۔

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿١٢٩﴾
وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٣١﴾

کیا تم ہر اونچی جگہ پر کوئی یادگار بنا کر فضول حرکتیں کرتے ہو؟(۲۵) ﴿۱۲۸﴾ اور تم نے بڑی کاریگری سے بنائی ہوئی عمارتیں اس طرح رکھ چھوڑی ہیں جیسے تمہیں ہمیشہ زندہ رہنا ہے؟(۲۶) ﴿۱۲۹﴾ اور جب کسی کی پکڑ کرتے ہو تو پکے ظالم وجابر بن کر پکڑ کرتے ہو۔(۲۷) ﴿۱۳۰﴾ اب اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۳۱﴾

---

(۲۵) فضول حرکتوں کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر بلند جگہ پر کوئی یادگار تعمیر کرنے کو ہی فضول حرکت کہا گیا ہے، کیونکہ اس کا کوئی صحیح مقصد نہیں تھا، بلکہ محض دکھاوے اور بڑائی کے اظہار کے لئے یہ کام کیا جاتا تھا۔ دوسری تشریح بعض مفسرین، مثلاً حضرت ضحاکؒ نے یہ کی ہے کہ وہ لوگ ان اونچی تعمیروں پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نیچے سے گذرنے والوں کے ساتھ طرح طرح کی ناشائستہ حرکتیں کیا کرتے تھے۔ اس کو فضول حرکت سے تعبیر کیا گیا ہے (روح المعانی)۔

(۲۶) قرآن کریم میں یہاں "مصانع" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے اصل معنی ہیں وہ چیزیں جو کاریگری کا مظاہرہ کر کے بنائی گئی ہوں، اس میں ہر طرح کی وہ تعمیرات داخل ہیں جو نام ونمود کی خاطر بڑی شان وشوکت سے بنائی گئی ہوں، چاہے وہ زرق برق محل ہوں، یا پرشکوہ قلعے یا نہریں اور راستے۔ یہاں حضرت ہود علیہ السلام نے اس طرز عمل پر جو اعتراض فرمایا ہے، در اصل اس کا منشا یہ ہے کہ تم نے اپنی ساری دوڑ دھوپ کا مرکز اس نام ونمود اور شان وشوکت کو بنایا ہوا ہے، اور اسی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ بیٹھے ہو، جیسے تمہیں ہمیشہ اسی دنیا میں رہنا ہے، اور کبھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہیں ہونا۔

(۲۷) یعنی ایک طرف تو تمہارا حال یہ ہے کہ ان نام ونمود کی عمارتوں پر پانی کی طرح پیسہ بہاتے ہو، اور دوسری طرف غریبوں کے ساتھ تمہارا رویہ انتہائی ظالمانہ ہے کہ ذرا سی بات پر کسی کی پکڑ کرلی تو اس کی جان عذاب میں آگئی۔ حضرت ہود علیہ السلام کی یہ باتیں نقل کر کے قرآن کریم نے ہم سب کو توجہ دلائی ہے کہ کہیں ہمارا طرز عمل بھی اس زمرے میں تو نہیں آتا کہ بس دنیا کی شان وشوکت ہی کو سب کچھ سمجھ کر آخرت سے غافل ہوں، اور دولت مندی کے نشے میں غریبوں کو اپنے ظلم وستم کی چکی میں پیس رکھا ہو؟

وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُم بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿١٣٢﴾ أَمَدَّكُم بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ﴿١٣٣﴾ وَجَنَّاتٍ
وَعُيُونٍ ﴿١٣٤﴾ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٣٥﴾ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا
أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُن مِّنَ الْوَاعِظِينَ ﴿١٣٦﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ
بِمُعَذَّبِينَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم
ع مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٤٠﴾

اور اُس ذات سے ڈرو جس نے اُن چیزوں سے نواز کر تمہاری قوت میں اضافہ کیا ہے جو تم خود جانتے ہو۔ ﴿۱۳۲﴾ اُس نے تمہیں مویشیوں اور اولاد سے بھی نوازا ہے، ﴿۱۳۳﴾ اور باغوں اور چشموں سے بھی۔ ﴿۱۳۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ مجھے تم پر ایک زبردست دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔" ﴿۱۳۵﴾ وہ کہنے لگے: "چاہے تم نصیحت کرو، یا نہ کرو، ہمارے لئے سب برابر ہے۔ ﴿۱۳۶﴾ یہ باتیں تو وہی ہیں جو پچھلے لوگوں کی عادت رہی ہیں۔(۲۸) ﴿۱۳۷﴾ اور ہم عذاب کا نشانہ بننے والے نہیں ہیں۔" ﴿۱۳۸﴾ غرض ان لوگوں نے ہود کو جھٹلایا، جس کے نتیجے میں ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا۔(۲۹) یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿۱۳۹﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۱۴۰﴾

(۲۸) اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم جو ہمیں دنیا کی شان و شوکت سے بیزار کر کے آخرت کی باتیں کر رہے ہو، پچھلے زمانے میں بھی لوگ اس طرح کے جھوٹے دعوے کرتے آئے ہیں، اس لئے تمہاری بات توجہ کے لائق نہیں ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ پرانے زمانے سے لوگ یہی کرتے آرہے ہیں۔ اس لئے اس پر اعتراض درست نہیں۔

(۲۹) قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام کے مزید تعارف کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف (۷:۶۵) اور سورۂ ہود (۱۱:۵۰ تا ۵۹)۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾ اِنِّيْ
لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٥﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿١٤٦﴾ فِيْ
جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٤٧﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا
فٰرِهِيْنَ ﴿١٤٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٥٠﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٥١﴾ الَّذِيْنَ
يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿١٥٢﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٥٣﴾

قومِ ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا،(٣٠) ﴿١٤١﴾ جبکہ اُن کے بھائی صالحؑ نے اُن سے کہا کہ: "کیا تم اللہ
سے ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿١٤٢﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿١٤٣﴾
لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿١٤٤﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اُجرت
نہیں مانگتا۔ میرا اَجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی
پرورش کرتی ہے۔ ﴿١٤٥﴾ کیا تمہیں اطمینان کے ساتھ ان ساری نعمتوں میں ہمیشہ رہنے دیا
جائے گا جو یہاں موجود ہیں؟ ﴿١٤٦﴾ ان باغوں اور چشموں میں؟ ﴿١٤٧﴾ اور ان کھیتیوں اور
ان نخلستانوں میں جن کے خوشے ایک دوسرے میں پیوست ہیں؟ ﴿١٤٨﴾ اور کیا پہاڑوں کو بڑے
ناز کے ساتھ تراش کر تم (ہمیشہ) گھر بناتے رہو گے؟ ﴿١٤٩﴾ اب اللہ سے ڈرو، اور میری بات
مانو۔ ﴿١٥٠﴾ اور اُن حد سے گذرے ہوئے لوگوں کا کہنا مت مانو ﴿١٥١﴾ جو زمین میں فساد
پھیلاتے ہیں، اور اِصلاح کا کام نہیں کرتے۔" ﴿١٥٢﴾ وہ کہنے لگے کہ: "تم پر تو کسی نے بڑا
بھاری جادو کردیا ہے۔ ﴿١٥٣﴾

---

(٣٠) قومِ ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا تعارف پیچھے سورۂ اعراف (٧: ٧٣) اور سورۂ ہود (١١: ٦١ تا ٦٨)
میں گذر چکا ہے۔

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هٰذِهٖ
نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ
عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
ع ۱۲ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٥٩﴾

تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ہم جیسے ہی ایک انسان ہو۔ لہٰذا اگر سچے ہو تو کوئی نشانی لے کر آؤ۔"(۳۱) ﴿۱۵۴﴾ صالح نے کہا: "(لو) یہ اونٹنی ہے۔ پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہوگی، اور ایک متعین دن میں ایک باری تمہاری۔(۳۲) ﴿۱۵۵﴾ اور اس کو بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا، ورنہ ایک زبردست دن کا عذاب تمہیں آپکڑے گا۔" ﴿۱۵۶﴾ پھر ہوا یہ کہ انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، اور آخرکار پشیمان ہوئے۔ ﴿۱۵۷﴾ چنانچہ عذاب نے انہیں آپکڑا۔(۳۳) یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۱۵۸﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿۱۵۹﴾

(۳۱) نشانی سے مراد معجزہ ہے، اور انہوں نے خود فرمائش کی تھی کہ پہاڑ کے اندر سے ایک اونٹنی نکال کر دکھاؤ۔

(۳۲) چونکہ اونٹنی کا معجزہ انہوں نے خود مانگا تھا، اس لئے ان سے کہا گیا کہ اس اونٹنی کے کچھ حقوق ہوں گے، اور ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ ایک دن تمہارے کنویں سے صرف یہ اونٹنی پانی پیئے گی، اور ایک دن تم کنویں سے جتنا پانی بھر سکو، بھر کر رکھ لو۔

(۳۳) سورۂ ہود (۶۸:۱۱) میں قرآن کریم ہی نے بتایا ہے کہ یہ عذاب ایک خوفناک چنگھاڑ کی شکل میں آیا جس سے ان کے کلیجے پھٹ کر رہ گئے۔ مزید تفصیل وہیں پر گذر چکی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي
لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ
إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾
وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوا
لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾

لوط کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا، ﴿۱۶۰﴾ جبکہ اُن کے بھائی لوط نے اُن سے کہا کہ: ''کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۱۶۱﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۱۶۲﴾ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۶۳﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ میرا اَجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی پرورش کرتی ہے۔ ﴿۱۶۴﴾ کیا دُنیا جہان کے سارے لوگوں میں تم ہو جو مردوں کے پاس جاتے ہو، ﴿۱۶۵﴾ اور تمہاری بیویاں جو تمہارے رَبّ نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں، اُن کو چھوڑے بیٹھے ہو؟ حقیقت تو یہ ہے کہ تم حد سے بالکل گذرے ہوئے لوگ ہو۔''[۳۳] ﴿۱۶۶﴾ کہنے لگے: ''لوط! اگر تم باز نہ آئے تو تم بھی اُن لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے جنہیں (بستی سے) نکال باہر کیا جاتا ہے۔'' ﴿۱۶۷﴾ لوط نے کہا: ''یقین جانو، میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو تمہارے اس کام سے بالکل بیزار ہیں۔ ﴿۱۶۸﴾

---

(۳۳) حضرت لوط علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، اُن کے مرد فطرت کے خلاف مردوں ہی سے اپنی جنسی ہوس پوری کرتے تھے۔ اُن کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ ہود (۱۱:۷۷ تا ۸۳) اور سورۂ حجر (۱۵:۵۸ تا ۷۶) میں گذر چکا ہے، اور ہم نے ان کا مختصر تعارف سورۂ اعراف (۷:۸۰) میں کرایا ہے۔

رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٧٠﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي
الْغَابِرِينَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٧٢﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ
الْمُنذَرِينَ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٤﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٥﴾ ع ١٣

میرے پروردگار! جو حرکتیں یہ لوگ کر رہے ہیں، مجھے اور میرے گھر والوں کو اُن سے نجات دیدے۔"(٣٥) ﴿١٦٩﴾ چنانچہ ہم نے اُن کو اور اُن کے سب گھر والوں کو نجات دی، ﴿١٧٠﴾ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں شامل رہی۔(٣٦) ﴿١٧١﴾ پھر اور سب کو ہم نے تباہ کردیا۔ ﴿١٧٢﴾ اور اُن پر ایک زبردست بارش برسادی۔(٣٧) غرض بہت بری بارش تھی جو اُن پر برسی جنہیں پہلے سے ڈرادیا گیا تھا۔ ﴿١٧٣﴾ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿١٧٤﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحبِ اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿١٧٥﴾

(٣٥) یعنی اُس کڑھن سے نجات دیدے جو ان لوگوں کو ایسے گھناؤنے کردار میں ملوث دیکھ کر پیدا ہوتی ہے، اور اُس عذاب سے محفوظ رکھ جو ان کی حرکتوں کی وجہ سے ان پر نازل ہونے والا ہے۔

(٣٦) اس سے مراد خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو ایمان لانے کے بجائے اپنی بدکردار قوم کا ساتھ دیتی تھی۔ جب عذاب آنے سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کو شہر سے باہر نکلنے کا حکم ہوا تو یہ عورت اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے پیچھے رہ گئی تھی، اور جب بستی والوں پر عذاب آیا تو یہ بھی اُس کا شکار ہوئی۔

(٣٧) پتھروں کی بارش مراد ہے جو ان لوگوں پر برسائی گئی تھی، جیسا کہ سورۂ حجر میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔

كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ إِنِّيْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿١٧٩﴾ وَمَا أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ
أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٠﴾ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٨١﴾
وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي
الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾

اَیکہ کے باشندوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا، (۳۸) ﴿۱۷۶﴾ جبکہ شعیب نے اُن سے کہا کہ: "کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ ﴿۱۷۷﴾ یقین جانو کہ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں، ﴿۱۷۸﴾ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ ﴿۱۷۹﴾ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ میرا اَجر تو صرف اُس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دُنیا جہان کی پرورش کرتی ہے۔ ﴿۱۸۰﴾ پورا پورا ناپ دیا کرو، اور اُن لوگوں میں سے نہ بنو جو دوسروں کو گھاٹے میں ڈالتے ہیں۔ (۳۹) ﴿۱۸۱﴾ اور سیدھی ترازو سے تولا کرو، ﴿۱۸۲﴾ اور لوگوں کو اُن کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔ (۴۰) ﴿۱۸۳﴾

---

(۳۸) "اَیکہ" اصل میں گھنے جنگل کو کہتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، وہ ویسے ہی گھنے جنگل کے پاس واقع تھی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اسی بستی کا نام مدین تھا، اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ مدین کے علاوہ کوئی اور بستی تھی، اور حضرت شعیب علیہ السلام اُس کی طرف بھی بھیجے گئے تھے۔ اس قوم کا واقعہ سورۂ اعراف (۷: ۸۵ تا ۹۳) میں گذر گیا ہے۔ تفصیلات کے لئے ان آیات کے حواشی ملاحظہ فرمائیے۔

(۳۹) کفر و شرک کے علاوہ ان لوگوں کی ایک خرابی یہ تھی کہ یہ تجارت میں ڈنڈی مارنے کے عادی تھے۔

(۴۰) یہ لوگ مسافروں کو لوٹنے کے لئے ڈاکے بھی ڈالتے تھے۔

وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ
الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٨٥﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿١٨٦﴾ فَأَسْقِطْ
عَلَيْنَا كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا
تَعْمَلُونَ ﴿١٨٨﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيمٍ ﴿١٨٩﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٠﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
ع ١٢ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾

اور اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے، اور پچھلی خلقت کو بھی۔" ﴿١٨٤﴾ کہنے لگے: "تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے۔ ﴿١٨٥﴾ تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ہم جیسے ہی ایک انسان ہو، اور ہم تمہیں پورے یقین کے ساتھ جھوٹا سمجھتے ہیں۔ ﴿١٨٦﴾ لہٰذا اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔" ﴿١٨٧﴾ شعیب نے کہا: "میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو۔"(٤١) ﴿١٨٨﴾ غرض ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے آ پکڑا۔(٤٢) بیشک وہ ایک زبردست دن کا عذاب تھا۔ ﴿١٨٩﴾ یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، ﴿١٩٠﴾ اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار صاحب اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔ ﴿١٩١﴾

(٤١) یعنی کس وقت کونسا عذاب نازل کیا جائے، یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ جب چاہے گا، جس قسم کا عذاب مناسب ہوگا، نازل فرما دے گا، کیونکہ وہ تمہارے سب کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔

(٤٢) کئی دن تک سخت گرمی پڑنے کے بعد ایک بادل ان کی بستی کے قریب آیا جس کے نیچے بظاہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، بستی کے سب لوگ اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے تو اس بادل نے ان پر انگارے برسائے جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلۡبِكَ
لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِىۡ زُبُرِ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۱۹۶﴾
اَوَلَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ اٰيَةً اَنۡ يَّعۡلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوۡ نَزَّلۡنٰهُ عَلٰى
بَعۡضِ الۡاَعۡجَمِيۡنَ ﴿۱۹۸﴾

بیشک یہ قرآن رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ ﴿۱۹۲﴾ امانت دار فرشتہ اسے لے کر اترا ہے ﴿۱۹۳﴾ (اے پیغمبر!) تمہارے قلب پر اترا ہے تاکہ تم ان (پیغمبروں) میں شامل ہو جاؤ جو لوگوں کو خبردار کرتے ہیں، ﴿۱۹۴﴾ ایسی عربی زبان میں اترا ہے جو پیغام کو واضح کر دینے والی ہے۔ ﴿۱۹۵﴾ اور اس (قرآن) کا تذکرہ پچھلی (آسمانی) کتابوں میں بھی موجود ہے۔ (۲۳) ﴿۱۹۶﴾ بھلا کیا ان لوگوں کے لئے یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ بنو اسرائیل کے علماء اس سے واقف ہیں؟ (۲۴) ﴿۱۹۷﴾ اور اگر ہم یہ کتاب کسی عجمی لوگوں میں سے کسی پر نازل کر دیتے، ﴿۱۹۸﴾

(۲۳) یعنی تورات، زبور اور انجیل میں، نیز دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے صحیفوں میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ آخری پیغمبر تشریف لانے والے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہوگا۔ اگرچہ اب ان کتابوں میں بہت سی تحریفات ہو گئی ہیں، لیکن ان میں سے متعدد بشارتیں آج بھی ان کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اپنی کتاب "اظہار الحق" کے آخری باب میں یہ بشارتیں تفصیل کے ساتھ نقل فرمائی ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ راقم الحروف کی شرح و تحقیق کے ساتھ "بائبل سے قرآن تک" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

(۲۴) بنو اسرائیل میں سے جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، وہ تو کھلم کھلا یہ بتاتے تھے کہ یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت اور آپ کی علامتیں درج ہیں، لیکن بنی اسرائیل کے جو علماء ایمان نہیں لائے تھے، وہ بھی تنہائی میں کبھی کبھی اس حقیقت کا اعتراف کر لیتے تھے۔

فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾ كَذَٰلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٠٠﴾
لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٢٠١﴾ فَيَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا
يَشْعُرُونَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾

اور وہ ان کے سامنے پڑھ بھی دیتا تو یہ لوگ تب بھی اُس پر ایمان نہ لاتے۔(٢٥) ﴿١٩٩﴾ مجرموں کے
دلوں میں تو ہم نے اس کو اسی طرح داخل کیا ہے۔(٢٦) ﴿٢٠٠﴾ یہ لوگ اس پر اُس وقت تک ایمان نہیں
لائیں گے جب تک دردناک عذاب آنکھوں سے نہ دیکھ لیں، ﴿٢٠١﴾ اور وہ ان کے پاس اس
طرح اچانک آکھڑا ہو کہ ان کو پتہ بھی نہ چلے، ﴿٢٠٢﴾ پھر یہ کہیں کہ کیا ہمیں کچھ مہلت مل
سکتی ہے؟ ﴿٢٠٣﴾ تو کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں؟(٢٧) ﴿٢٠٤﴾

---

(٢٥) یعنی اگر ہم قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی اور زیادہ وضاحت اس طرح کر دیتے کہ یہ عربی زبان کی کتاب کسی غیر عرب پر نازل ہوتی جو عربی سے ناواقف ہوتا، اور وہ عربی نہ جاننے کے باوجود اس عربی قرآن کو پڑھ کر سناتا تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے، کیونکہ ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم کی حقانیت کے دلائل معاذ اللہ کمزور ہیں، بلکہ انہوں نے ضد کی بنا پر طے کر رکھا ہے کہ کیسے ہی دلائل سامنے آجائیں، یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(٢٦) مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم اگرچہ ہدایت کی کتاب ہے، اور جو لوگ حق کے طلب گار ہوں، اُن کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے اور ان کی ہدایت کا ذریعہ بنتی ہے، لیکن چونکہ انہوں نے ضد کا راستہ اپنا رکھا ہے، اس لئے ہم بھی ان کے دلوں میں قرآن اس طرح داخل کرتے ہیں کہ اُس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

(٢٧) اُوپر عذاب کا جو ذکر آیا، اُس کو سن کر کافر لوگ مذاق اُڑانے کے انداز میں یہ کہتے تھے کہ اگر ہم پر عذاب ہونا ہے تو ابھی جلدی ہو جائے۔ یہ آیات اُس کا جواب ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فوراً کسی پر عذاب نازل نہیں کرتا، بلکہ اُس کے پاس ایسے رہنما بھیجتا ہے جو اُسے خبردار کریں، اور پھر اُسے مہلت دیتا ہے کہ وہ اگر حق کو قبول کرنا چاہے تو کر لے۔

أَفَرَءَيْتَ إِن مَّتَّعْنَٰهُمْ سِنِينَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُم مَّا كَانُوا۟ يُوعَدُونَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ أَغْنَىٰ عَنْهُم
مَّا كَانُوا۟ يُمَتَّعُونَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَآ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرَىٰ وَمَا
كُنَّا ظَٰلِمِينَ ﴿٢٠٩﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ ٱلشَّيَٰطِينُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا يَنۢبَغِى لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٢١١﴾

بھلا بتاؤ اگر ہم کئی سال تک انہیں عیش کا سامان مہیا کرتے رہیں، ﴿۲۰۵﴾ پھر وہ (عذاب) ان کے اوپر آکھڑا ہو جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے ﴿۲۰۶﴾ تو عیش کا جو سامان ان کو دیا جاتا رہا وہ انہیں (عذاب کے وقت) کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ (۴۸) ﴿۲۰۷﴾ اور ہم نے کسی بستی کو اس کے بغیر ہلاک نہیں کیا کہ (پہلے) اُس کے لئے خبردار کرنے والے موجود تھے، ﴿۲۰۸﴾ تاکہ وہ نصیحت کریں، اور ہم ایسے تو نہیں ہیں کہ ظلم کریں۔ ﴿۲۰۹﴾ اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اُترے، (۴۹) ﴿۲۱۰﴾ نہ یہ قرآن اُن کے مطلب کا ہے، اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں، ﴿۲۱۱﴾

(۴۸) عذاب کے جلدی نہ آنے پر کافروں کا ایک استدلال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں بڑے عیش دے رکھے ہیں اگر ہم لوگ غلط راستے پر ہوتے تو یہ عیش ہمیں کیوں دیا جاتا؟ ان آیات میں جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مہلت سنبھلنے کے لئے دی ہوئی ہے، اگر یہ لوگ سنبھل گئے تو خیر، ورنہ جب مہلت ختم ہونے پر مثلاً مرنے کے بعد عذاب آئے گا تو یہ عیش و عشرت جس کے مزے تم دنیا میں اُڑا رہے ہو، کچھ بھی کام نہیں آئے گا، بلکہ اس وقت معلوم ہوگا کہ آخرت کی زندگی کے مقابلے میں اُس کی ذرہ برابر کوئی وقعت نہیں ہے۔

(۴۹) یہاں سے چند ان باتوں کی تردید کی جارہی ہے جو کفارِ مکہ قرآن کریم کے بارے میں کہا کرتے تھے۔ بنیادی طور پر اُن کے دو دعوے تھے۔ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاہن ہیں، اور بعض لوگ آپ کو شاعر کہہ کر قرآن کریم کو شاعری کی کتاب قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان دونوں باتوں کی تردید فرمائی ہے۔ ”کاہن“ اُن لوگوں کو کہا جاتا تھا جن کا دعویٰ یہ تھا کہ جنات اُن کے قبضے میں ہیں جو انہیں غیب کی خبریں لاکر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کاہنوں کی یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ جو جنات اُن کے پاس آتے ہیں، وہ دراصل شیاطین ہیں، اور قرآن کریم کے مضامین ایسے ہیں کہ شیاطین کو کبھی پسند نہیں آسکتے، اور نہ وہ ایسی نیکی کی باتیں کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ
الْمُعَذَّبِينَ ﴿٢١٣﴾ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ
اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢١٥﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢١٦﴾
وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي
السَّاجِدِينَ ﴿٢١٩﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٢٢٠﴾ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿٢٢١﴾

انہیں تو (وحی کے) سننے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ ﴿۲۱۲﴾ لہٰذا اللہ کے ساتھ کوئی معبود نہ مانو، کبھی تم بھی اُن لوگوں میں شامل ہو جاؤ جنہیں عذاب ہوگا۔ ﴿۲۱۳﴾ اور (اے پیغمبر!) تم اپنے قریب ترین خاندان کو خبردار کرو، (۵۰) ﴿۲۱۴﴾ اور جو مومن تمہارے پیچھے چلیں، اُن کے لئے انکساری کے ساتھ اپنی شفقت کا بازو جھکا دو، ﴿۲۱۵﴾ اور اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ: "جو کچھ تم کر رہے ہو، اُس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔" ﴿۲۱۶﴾ اور اُس (اللہ) پر بھروسہ رکھو جو بڑا اقتدار والا، بہت مہربان ہے، ﴿۲۱۷﴾ جو تمہیں اُس وقت بھی دیکھتا ہے جب تم (عبادت کے لئے) کھڑے ہوتے ہو، ﴿۲۱۸﴾ اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تمہاری آمد و رفت کو بھی دیکھتا ہے، ﴿۲۱۹﴾ یقین رکھو کہ وہی ہے جو ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔ ﴿۲۲۰﴾ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن لوگوں پر اُترتے ہیں؟ ﴿۲۲۱﴾

---

(۵۰) یہ وہ آیت ہے جس کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلی بار تبلیغ کا حکم ہوا، اور یہ ہدایت دی گئی کہ تبلیغ کا آغاز اپنے قریبی خاندان کے لوگوں سے فرمائیں، چنانچہ اسی آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے اپنے خاندان کے قریبی لوگوں کو جمع کر کے اُن کو دینِ حق کی دعوت دی۔ اس میں یہ سبق بھی دیا گیا ہے کہ اصلاح کا کام کرنے والے کو سب سے پہلے اپنے گھر والوں اپنے خاندان سے شروع کرنا چاہئے۔

تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ﴿۲۲۲﴾ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَ الشُّعَرَآءُ
یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا
یَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا
ع ١١ ١٥ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

وہ ہر ایسے شخص پر اترتے ہیں جو پرلے درجے کا جھوٹا گنہگار ہو، ﴿۲۲۲﴾ وہ سنی سنائی بات لا ڈالتے ہیں،(۵۱) اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ ﴿۲۲۳﴾ رہے شاعر لوگ، تو ان کے پیچھے تو بے راہ لوگ چلتے ہیں ﴿۲۲۴﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں؟(۵۲) ﴿۲۲۵﴾ اور یہ کہ وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں،(۵۳) ﴿۲۲۶﴾ ہاں مگر وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے، اور انہوں نے نیک عمل کیے، اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا، اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد اس کا بدلہ لیا۔(۵۴) اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب پتہ چل جائے گا کہ وہ کس انجام کی طرف پلٹ رہے ہیں۔ ﴿۲۲۷﴾

---

(۵۱) یعنی شیاطین کی باتوں پر بھروسہ کرنے والے کوئی نیک لوگ نہیں، گنہگار لوگ ہوتے ہیں، اور ان شیاطین کا یہ دعویٰ بھی بالکل غلط ہے کہ انہیں غیب کی خبریں معلوم ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ کبھی فرشتوں کی کوئی بات ان کے کانوں میں پڑ جاتی ہے تو وہ اس میں بہت سے جھوٹ شامل کر کے اپنے معتقدین کو آ کر بتا دیتے ہیں۔

(۵۲) یہ کفار کی دوسری بات کی تردید ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ شاعر ہیں، اور قرآن کریم شاعری کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شاعری تو ایک تخیلاتی چیز ہے جس کا بسا اوقات حقیقت سے تعلق نہیں ہوتا، چنانچہ وہ اپنی خیالی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں، طرح طرح کے مبالغے کرتے ہیں، اور تشبیہات اور استعاروں میں حد سے گذر جاتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ شاعری ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں ان کو کوئی بھی اپنا دینی پیشوا نہیں بناتا، اور اگر کوئی ان کو اپنا مقتدا بناتا بھی ہے تو وہ جو خود گمراہ ہو، اور حقیقت کے بجائے خیالی دنیا میں رہنا چاہتا ہو۔

(۵۳) یعنی اپنی شیخی بگھارتے ہوئے ایسے دعوے کرتے ہیں جن کا ان کی عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

(۵۴) یہ استثناء ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ اگر شاعری میں یہ خرابیاں نہ ہوں، اور ایمان اور عمل صالح کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی شاعری کرے، اور اپنے شاعرانہ تخیلات کو دین و مذہب کے خلاف استعمال نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ظلم کا بدلہ لینے کا ذکر بطور خاص اس لئے کیا گیا ہے کہ اس زمانے میں شاعری پروپیگنڈے کا سب سے مؤثر ذریعہ بھی جاتی تھی۔ کوئی شاعر کسی کے خلاف کوئی شاندار بہتر قصیدہ کہہ دیتا تو وہ لوگوں کی زبانوں پر چڑھ جاتا تھا۔ چنانچہ بعض بدنہاد کافروں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی اس قسم کے اشعار کہہ کر مشہور کر دیئے تھے۔ بعض صحابہ مثلاً حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتیہ قصیدے کہے، اور ان میں کفار کے اعتراضات کا جواب دیا۔ بلکہ ان کی اپنی حقیقت واضح فرمائی۔ اس آیت میں ان حضرات کی شاعری کی تائید کی گئی ہے۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۴ مئی ۲۰۰۴ء کو دبئی سے فرینکفرٹ جاتے ہوئے جہاز میں سورۂ شعراء کے ترجمے اور تشریحی حواشی کی تکمیل ہوئی۔ اور آیت نمبر ۱۶۰ کے حواشی سے لے کر آخر سورت تک کا سارا کام اسی سفر کے دوران جہاز ہی میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی خالص رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا الکریم وعلیٰ آلہٖ وأصحابہ أجمعین۔

سُورَةُ النَّحل

تعارف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت کے مطابق یہ سورت پچھلی سورت یعنی سورۂ شعراء کے فوراً بعد نازل ہوئی تھی۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور کفر کے برے نتائج کا بیان ہے۔ حضرت موسیٰ، اور حضرت صالح علیہما السلام کے واقعات کی طرف مختصر اشارہ کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی قوموں نے اس بنا پر اُن کی بات نہیں مانی کہ انہیں اپنی دولت اور اپنے سماجی رتبے پر گھمنڈ تھا۔ اسی طرح کفارِ مکہ بھی گھمنڈ میں مبتلا ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر رہے تھے۔ دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی دولت اور بے نظیر بادشاہت سے نوازا تھا، لیکن یہ دولت اور بادشاہت اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے سے مانع نہیں ہوئی۔ اسی طرح سبا کی ملکہ بلقیس بھی بہت دولت مند تھی، لیکن حق واضح ہونے کے بعد اُس نے اُس کو فوراً قبول کر لیا۔ اس سیاق میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور سبا کی ملکہ کا واقعہ اس سورت میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور اُس کے بعد کائنات میں پھیلی ہوئی قدرتِ خداوندی کی نشانیوں کو بڑے مؤثر انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ثابت ہوتی ہے۔ نمل کے معنی عربی میں چیونٹی کے ہوتے ہیں، اور چونکہ اس سورت کی آیت نمبر ۱۸ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس سے گذرے تھے، اس لئے، اس کا نام سورۂ نمل رکھا گیا ہے۔

آیاتها ۹۳ | ۲۷ سورۃ النمل مکیۃ ۴۸ | رکوعاتها ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۲﴾
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى
الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿۶﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ترانوے آیتیں اور سات رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

طٰسٓ۔ یہ قرآن کی اور ایک ایسی کتاب کی آیتیں ہیں جو حقیقت کھول دینے والی ہے، ﴿۱﴾ یہ اُن مومنوں کے لئے سراپا ہدایت اور خوشخبری بن کر آئی ہے ﴿۲﴾ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہی ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ﴿۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے اُن کے اعمال کو اُن کی نظروں میں خوشنما بنا دیا ہے،(۱) اس لئے وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ ﴿۴﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے برا عذاب ہے، اور وہی ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ ﴿۵﴾ اور (اے پیغمبر!) بلاشبہ تمہیں یہ قرآن اُس (اللہ) کی طرف سے عطا کیا جا رہا ہے جو حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک۔ ﴿۶﴾

---

(۱) یعنی اُن کی ضد کی وجہ سے انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے سارے برے اعمال کو اچھا سمجھتے ہیں، اور ہدایت کی طرف نہیں آتے۔

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُم بِشِهَابٍ
قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٧﴾ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَن بُورِكَ مَن فِي النَّارِ وَمَنْ
حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨﴾ يَا مُوسَىٰ إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ﴿٩﴾ وَأَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ
يُعَقِّبْ يَا مُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ﴿١٠﴾

اُس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا تھا کہ: "مجھے ایک آگ نظر آئی ہے۔ میں ابھی تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں، یا پھر تمہارے پاس آگ کا کوئی شعلہ اُٹھا کر لے آؤں گا، تاکہ تم آگ سے گرمی حاصل کر سکو۔"(٢) ﴿٧﴾ چنانچہ جب وہ اس آگ کے پاس پہنچے تو اُنہیں آواز دی گئی کہ: "برکت ہو اُن پر بھی جو اس آگ کے اندر ہیں، اور اُس پر بھی جو اس کے آس پاس ہے،(٣) اور پاک ہے اللہ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ ﴿٨﴾ اے موسیٰ! بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں، بڑے اقتدار والا، بڑی حکمت والا، ﴿٩﴾ اور ذرا اپنی لاٹھی کو نیچے پھینکو۔" پھر جب اُنہوں نے لاٹھی کو دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کر رہی ہے جیسے وہ کوئی سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے، اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (ارشاد ہوا:) "موسیٰ! ڈرو نہیں، جن کو پیغمبر بنایا جاتا ہے، ان کو میرے حضور کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ ﴿١٠﴾

---

(٢) یہاں یہ واقعہ محض ایک اشارے کے طور پر آیا ہے، مفصل واقعہ اگلی سورت یعنی سورۂ قصص میں آنے والا ہے۔

(٣) یہ حقیقت میں آگ نہیں تھی، بلکہ ایک نور تھا، اور اس میں فرشتے تھے، ان کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت کی دُعا دی گئی، اور اُس کے آس پاس موسیٰ علیہ السلام تھے، اُن کو بھی۔

إِلَّا مَن ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوٓءٍ فَإِنِّى غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١﴾ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِى
جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ فِى تِسْعِ ءَايَٰتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِۦٓ
إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَوْمًا فَٰسِقِينَ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ ءَايَٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا۟ هَٰذَا سِحْرٌ
مُّبِينٌ ﴿١٣﴾ وَجَحَدُوا۟ بِهَا وَٱسْتَيْقَنَتْهَآ أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَٱنظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَٰقِبَةُ ٱلْمُفْسِدِينَ ﴿١٤﴾ ع ۱۲ / ۱۱

بلا یہ کہ کسی نے کوئی زیادتی کی ہو۔(۴) پھر وہ برائی کے بعد اُسے بدل کر اچھے کام کرلے، تو میں بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہوں۔ ﴿۱۱﴾ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کرو، تو وہ کسی بیماری کے بغیر سفید ہو کر نکلے گا۔ یہ دونوں باتیں اُن نو نشانیوں میں سے ہیں جو فرعون اور اُس کی قوم کی طرف (تمہارے ذریعے) بھیجی جارہی ہیں۔(۵) حقیقت یہ ہے کہ وہ نافرمان لوگ ہیں۔" ﴿۱۲﴾ پھر ہوا یہ کہ جب اُن کے پاس ہماری نشانیاں اس طرح پہنچیں کہ وہ آنکھیں کھولنے والی تھیں، تو انہوں نے کہا کہ: "یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔" ﴿۱۳﴾ اور اگرچہ اُن کے دلوں کو ان (کی سچائی) کا یقین ہو چکا تھا، مگر انہوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے اُن کا انکار کیا۔ اب دیکھ لو کہ ان فساد مچانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟(۶) ﴿۱۴﴾

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور پیغمبروں کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہوتا، البتہ کسی سے کوئی قصور ہو گیا ہو، تو اُسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس پر ناراض نہ ہوں، لیکن جب ایسا کوئی شخص توبہ اور استغفار کے بعد اپنے حالات کی اصلاح کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرمادیتے ہیں۔

(۵) ان نشانیوں کا بیان سورۂ اعراف (۷: ۱۳۰ و ۱۳۳) میں گذر چکا ہے۔

(۶) اس انجام کا مفصل ذکر سورۂ یونس (۱۰: ۹۰ تا ۹۲) اور سورۂ شعراء (۲۶: ۶۰ تا ۶۶) میں گذر چکا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ۖ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ
عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٥﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ ۖ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ
الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِن كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ﴿١٦﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ
جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٧﴾

اور ہم نے داود اور سلیمان کو علم عطا کیا۔ اور انہوں نے کہا: ”تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔“ ﴿۱۵﴾ اور سلیمان کو داود کی وراثت ملی،(۷) اور انہوں نے کہا: ”اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے،(۸) اور ہمیں ہر (ضرورت کی) چیز عطا کی گئی ہے۔ یقیناً یہ (اللہ تعالیٰ کا) کھلا ہوا فضل ہے۔“ ﴿۱۶﴾ اور سلیمان کے لئے ان کے سارے لشکر جمع کردیئے گئے تھے جو جنات، انسانوں اور پرندوں پر مشتمل تھے، چنانچہ انہیں قابو میں رکھا جاتا تھا۔(۹) ﴿۱۷﴾

---

(۷) یاد رہے کہ ایک صحیح حدیث کے مطابق انبیاء علیہم السلام کا ترکہ ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا، اس لئے یہاں وراثت ملنے کا مطلب یہ ہے کہ نبوت اور سلطنت میں وہ اپنے والد حضرت داود علیہ السلام کے جانشین ہوئے۔

(۸) حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی بولیاں سکھادی تھیں جس کی وجہ سے اُن کو پتہ چل جاتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بلکہ آگے چیونٹی کا جو واقعہ آرہا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں پرندوں کے علاوہ دوسرے جانوروں کی بولی بھی سکھائی گئی تھی۔ بعض معاصرین نے نہ جانے اس بات کو تسلیم کرنے میں کیا دشواری محسوس کی ہے جس کی وجہ سے انہوں نے ان آیتوں میں دُور از کار تاویلات کا دروازہ کھول دیا ہے، حالانکہ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جانوروں کی ایک بولی ہوتی ہے۔ ہم چاہیں اُسے نہ سمجھیں، لیکن جس پروردگار نے انہیں پیدا کیا ہے، اور بولنے پر قدرت عطا فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ وہ اُن کی بولی کو بھی جانتا اور سمجھتا ہے۔ لہٰذا اگر وہ یہ بولی اپنے کسی پیغمبر کو سکھادے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

(۹) یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو سلطنت عطا فرمائی تھی، وہ صرف

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ
لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ
قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ
اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَتَفَقَّدَ
الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا
شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾

یہاں تک کہ ایک دن جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: "چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اُن کا لشکر تمہیں پیس ڈالے، اور انہیں پتہ بھی نہ چلے۔" ﴿۱۸﴾ اُس کی بات پر سلیمان مسکرا کر ہنس پڑے، اور کہنے لگے: "میرے پروردگار! مجھے اس بات کا پابند بنا دیجئے کہ میں اُن نعمتوں کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں، اور وہ نیک عمل کروں جو آپ کو پسند ہو، اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما لیجئے۔" ﴿۱۹﴾ اور انہوں نے (ایک مرتبہ) پرندوں کی حاضری لی تو کہا: "کیا بات ہے، مجھے ہدہد نظر نہیں آرہا، کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے؟" ﴿۲۰﴾ میں اُسے سخت سزا دوں گا، یا اُسے ذبح کر ڈالوں گا، الا یہ کہ وہ میرے سامنے کوئی واضح وجہ پیش کرے۔" ﴿۲۱﴾

انسانوں پر ہی نہیں، بلکہ جنات اور پرندوں پر بھی تھی، چنانچہ جب اُن کا لشکر چلتا تھا تو اس میں جنات، انسان اور پرندے سب شامل ہوتے تھے، اور اس طرح لشکر کے افراد اتنے زیادہ ہو جاتے تھے کہ انہیں قابو میں رکھنے کا خاص اہتمام کرنا پڑتا تھا، لیکن نظم و ضبط پھر بھی قائم رہتا تھا۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾
اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾
وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ
اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ
يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَآ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ السجدة

پھر ہدہد نے زیادہ دیر نہیں لگائی، اور (آکر) کہا کہ: "میں نے ایسی معلومات حاصل کی ہیں جن کا آپ کو علم نہیں ہے، اور میں ملکِ سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔[(۱۰)] ﴿۲۲﴾ میں نے وہاں ایک عورت کو پایا جو اُن لوگوں پر بادشاہت کر رہی ہے، اور اُس کو ہر طرح کا ساز و سامان دیا گیا ہے، اور اُس کا ایک شاندار تخت بھی ہے۔ ﴿۲۳﴾ میں نے اُس عورت اور اُس کی قوم کو پایا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کے آگے سجدے کرتے ہیں، اور شیطان نے اُن کو یہ سمجھا دیا ہے کہ اُن کے اعمال بہت اچھے ہیں، چنانچہ اُس نے اُنہیں صحیح راستے سے روک رکھا ہے اور اس طرح وہ ہدایت سے اتنے دور ہیں ﴿۲۴﴾ کہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر نکال لاتا ہے، اور تم جو کچھ چھپاؤ، اور جو کچھ ظاہر کرو، سب کو جانتا ہے۔ ﴿۲۵﴾ اللہ تو وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، (اور) جو عرشِ عظیم کا مالک ہے۔"[(*)] ﴿۲۶﴾

(۱۰) سبا ایک قوم کا نام تھا جو یمن کے ایک علاقے میں آباد تھی، اُسی قوم کے نام پر اُس علاقے کو بھی سبا کہا جاتا تھا۔ اُس وقت یہاں ایک ملکہ حکمرانی کر رہی تھی جس کا نام تاریخی روایتوں میں "بلقیس" بیان کیا گیا ہے۔

(*) یہ سجدے کی آیت ہے، جو کوئی شخص عربی میں یہ آیت پڑھے یا سنے اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

قَالَ سَنَنظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٧﴾ اذْهَب بِّكِتَابِي هَٰذَا فَأَلْقِهْ
إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ
كِتَابٌ كَرِيمٌ ﴿٢٩﴾ إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿٣٠﴾ أَلَّا تَعْلُوا
عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ
قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ﴿٣٢﴾ قَالُوا نَحْنُ أُولُو قُوَّةٍ وَأُولُو بَأْسٍ شَدِيدٍ وَ
الْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴿٣٣﴾

سلیمان نے کہا: "ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تم نے سچ کہا ہے، یا جھوٹ بولنے والوں میں تم بھی شامل ہوگئے ہو۔ ﴿۲۷﴾ میرا یہ خط لے کر جاؤ، اور اُن کے پاس ڈال دینا، پھر الگ ہٹ جانا، اور دیکھنا کہ وہ جواب میں کیا کرتے ہیں۔" ﴿۲۸﴾ (چنانچہ ہدہد نے ایسا ہی کیا اور) ملکہ نے (اپنے درباریوں سے) کہا: "قوم کے سردارو! میرے سامنے ایک باوقار خط ڈالا گیا ہے، ﴿۲۹﴾ وہ سلیمان کی طرف سے آیا ہے، اور وہ اللہ کے نام سے شروع کیا گیا ہے جو رحمٰن و رحیم ہے، ﴿۳۰﴾ (اس میں لکھا ہے) کہ: "میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو، اور میرے پاس تابع دار بن کر چلے آؤ۔"(۱۱) ﴿۳۱﴾ ملکہ نے کہا: "قوم کے سردارو! جو مسئلہ میرے سامنے آیا ہے، اُس میں مجھے فیصلہ کن مشورہ دو۔ میں کسی مسئلے کا حتمی فیصلہ اُس وقت تک نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔" ﴿۳۲﴾ انہوں نے کہا: "ہم طاقتور اور ڈٹ کر لڑنے والے لوگ ہیں، آگے معاملہ آپ کے سپرد ہے، اب آپ دیکھ لیں کہ کیا حکم دیتی ہیں۔" ﴿۳۳﴾

---

(۱۱) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یمن کا یہ علاقہ بھی اصل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ماتحت تھا، لیکن کسی وقت اس عورت نے خفیہ طور پر یہاں اپنی حکومت قائم کرلی تھی، جس کی خبر آکر ہدہد نے دی۔ اسی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مختصر مگر نہایت بلیغ خط میں کوئی تفصیلی بات کرنے کے بجائے بلقیس اور اُس کی قوم کو سرکشی سے باز رہنے اور تابع دار بننے کا حکم دیا۔

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۚ وَ
كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٣٤﴾ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ
الْمُرْسَلُونَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِمَّا
آتَاكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿٣٦﴾ ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَا
قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿٣٧﴾ قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ
يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿٣٨﴾

ملکہ بولی: "حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں گھس آتے ہیں تو اُسے خراب کر ڈالتے ہیں، اور اُس کے باعزت باشندوں کو ذلیل کرکے چھوڑتے ہیں، اور یہی کچھ یہ لوگ بھی کریں گے۔ ﴿۳۴﴾ اور میں ان کے پاس ایک تحفہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھوں گی کہ ایلچی کیا جواب لے کر واپس آتے ہیں؟" ﴿۳۵﴾ چنانچہ جب ایلچی سلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا: "کیا تم مال سے میری امداد کرنا چاہتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ مجھے دیا ہے، وہ اُس سے کہیں بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے، البتہ تم ہی لوگ اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو۔ ﴿۳۶﴾ اُن کے پاس واپس جاؤ، کیونکہ اب ہم اُن کے پاس ایسے لشکر لے کر پہنچیں گے جن کے مقابلے کی اُن میں تاب نہیں ہوگی، اور انہیں وہاں سے اس طرح نکالیں گے کہ وہ ذلیل ہوں گے، اور ماتحت بن کر رہیں گے۔" ﴿۳۷﴾ سلیمان نے کہا: "اے اہلِ دربار! تم میں سے کون ہے جو اُس عورت کا تخت ان کے تابع دار بن کر آنے سے پہلے ہی میرے پاس لے آئے؟"(۱۲) ﴿۳۸﴾

---

(۱۲) حضرت سلیمان علیہ السلام دراصل یہ چاہتے تھے کہ جب ملکہ آئے تو اُس کے سامنے اُن کا یہ معجزہ ظاہر ہو کہ اتنا بھاری تخت ملکہ کے آنے سے پہلے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا، اور اس طرح اُن کی طاقت کا بھی مظاہرہ ہو۔

قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن تَقُومَ مِن مَّقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ
لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿٣٩﴾ قَالَ الَّذِي عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن
يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِندَهُ قَالَ هَٰذَا مِن فَضْلِ رَبِّي ۖ
لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ
رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿٤٠﴾

ایک قوی ہیکل جن نے کہا: "آپ اپنی جگہ سے اُٹھے بھی نہ ہوں گے کہ میں اُس سے پہلے ہی اُسے آپ کے پاس لے آؤں گا، اور یقین رکھئے کہ میں اس کام کی پوری طاقت رکھتا ہوں، (اور) امانت دار بھی ہوں۔"(۱۳) ﴿۳۹﴾ جس کے پاس کتاب کا علم تھا، وہ بول اُٹھا: "میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی اُسے آپ کے پاس لے آتا ہوں۔"(۱۴) چنانچہ جب سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: "یہ میرے پروردگار کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری؟ اور جو کوئی شکر کرتا ہے، تو وہ اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرتا ہے، اور اگر کوئی ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے نیاز ہے، کریم ہے۔" ﴿۴۰﴾

(۱۳) یہ کوئی جن تھا جس نے یہ پیشکش کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار ختم کرنے سے پہلے ہی وہ تخت اُٹھا لائے گا۔ اور یہ اطمینان دلایا کہ نہ صرف یہ کہ اُس میں اتنی طاقت ہے، بلکہ وہ امانت دار بھی ہے، اس لئے اُس تخت میں جو سونا چاندی یا ہیرے جواہرات لگے ہوں گے، اُن میں کوئی خرد برد نہیں کرے گا۔

(۱۴) قرآن کریم نے اس شخص کا تعین نہیں فرمایا، صرف اتنا کہا ہے کہ اس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ بظاہر اس کتاب سے مراد تورات ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا تھے، اور ان کو اسم اعظم کا علم حاصل تھا جس کی بنا پر انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کی برکت سے پلک جھپکنے کی دیر میں تخت وہاں لے آئیں گے۔ دوسری طرف امام رازیؒ وغیرہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں، کیونکہ کتاب کا جتنا علم اُن کو حاصل تھا، اتنا کسی اور کو نہیں تھا، اور شروع میں تو آپ

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٤١﴾
فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا
وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿٤٢﴾

سلیمان نے (اپنے خدام سے) کہا کہ: "اس ملکہ کے تخت کو اس کے لئے اجنبی بنا دو، (۱۵) دیکھیں وہ اُسے پہچانتی ہے، یا وہ اُن لوگوں میں سے ہے جو حقیقت تک نہیں پہنچتے؟" ﴿۴۱﴾ غرض جب وہ آئی تو اُس سے پوچھا گیا: "کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟" کہنے لگی: "ایسا لگتا ہے کہ یہ تو بالکل وہی ہے۔ (۱۶) ہمیں تو اس سے پہلے ہی (آپ کی سچائی کا) علم عطا ہو گیا تھا، اور ہم سر جھکا چکے تھے۔ (۱۷)" ﴿۴۲﴾

نے اہلِ دربار اور خاص طور پر جنات کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ کون ہے جو اس ملکہ کا تخت اُس کے آنے سے پہلے ہی یہاں لے آئے، لیکن اس سے اُن کا مقصد جنات کا غرور توڑنا تھا۔ چنانچہ جب ایک جن نے بڑے فخریہ انداز میں یہ کہا کہ میں دربار ختم ہونے سے پہلے ہی تخت لے آؤں گا تو اُس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود یہ فرمایا کہ تم تو دربار ختم ہونے کی بات کر رہے ہو، میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے معجزے کے طور پر اُسے تمہاری پلک جھپکنے سے پہلے ہی یہاں لے آؤں گا۔ چنانچہ پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی ہوگی، اور اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت وہ تخت وہاں حاضر کرا دیا۔

(۱۵) یعنی اس کی شکل میں کوئی ایسی تبدیلی کر دو جس کی وجہ سے اُسے پہچاننے میں کچھ دِقت ہو، اور اس کی سمجھ کو آزمایا جا سکے۔

(۱۶) بلقیس سمجھ گئی کہ اس تخت کی شکل میں کچھ ردّ و بدل کیا گیا ہے، اس لئے اُس نے ایک طرف تو یقین ظاہر کرنے کے بجائے یہ کہا کہ: "ایسا لگتا ہے" لیکن دوسری طرف یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ اپنے تخت کو پہچان گئی ہے۔

(۱۷) یعنی مجھے آپ کی سچائی کا یقین کرنے کے لئے یہ معجزہ دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ آپ کے ایلچیوں کے ذریعے آپ کے جو حالات مجھے معلوم ہوئے تھے، اُن کی وجہ سے مجھے پہلے ہی آپ کی سچائی کا علم حاصل ہو گیا تھا، اور ہم نے آپ کی تابع داری میں سر جھکانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَت تَّعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ مِن قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٤٣﴾ قِيلَ
لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ
صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ
لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٤﴾ ١٨

اور (اب تک) اُس کو (ایمان لانے سے) اس بات نے روک رکھا تھا کہ وہ اللہ کے بجائے دوسروں کی عبادت کرتی تھی، اور ایک کافر قوم سے تعلق رکھتی تھی۔(١٨) ﴿٤٣﴾ اُس سے کہا گیا کہ: "اس محل میں داخل ہو جاؤ۔"(١٩) اُس نے جو دیکھا تو یہ سمجھی کہ یہ پانی ہے، اس لئے اُس نے (پائنچے چڑھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ سلیمان نے کہا کہ: "یہ تو محل ہے جو شیشوں کی وجہ سے شفاف نظر آ رہا ہے۔" ملکہ بول اُٹھی: "میرے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ میں نے (اب تک) اپنی جان پر ظلم کیا ہے، اور اب میں نے سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی فرماں برداری قبول کر لی ہے۔"(٢٠) ﴿٤٤﴾

(١٨) بلقیس نے چونکہ سمجھ کی بات کی تھی کہ ہمیں پہلے ہی آپ کی سچائی کا علم ہو چکا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اُس کی تعریف فرمائی کہ وہ ایک سمجھ دار عورت تھی، اور اب تک وہ جو ایمان نہیں لائی تھی، اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کی ساری قوم کافر تھی، اور انسان جب ایسے ماحول میں ہوتا ہے سوچے سمجھے ماحول کے مطابق کام کرتا رہتا ہے، لیکن جب اُسے توجہ دلائی گئی تو اُس نے حق بات کے ماننے میں دیر نہیں لگائی۔

(١٩) حضرت سلیمان علیہ السلام نے دُنیا پرستوں پر رُعب ڈالنے کے لئے ایک ایسا شیش محل بنوایا تھا جس کے صحن میں ایک پانی کا حوض تھا، اور اُس پر بھی پتلی اور شفاف شیشے کی چھت اس طرح ڈال دی تھی کہ غور سے دیکھے بغیر شیشہ نظر نہیں آتا تھا، اور سرسری نظر سے دیکھیں تو وہ کھلا ہوا حوض معلوم ہوتا تھا۔ محل میں داخل ہونے کے لئے اُسی حوض کے اُوپر سے گذرنا پڑتا تھا، چنانچہ جب بلقیس محل میں داخل ہونے کے لئے چلی تو سامنے وہ حوض نظر آیا جس کا پانی گہرا نہیں تھا، اس لئے اُس نے حوض سے گذرنے کے لئے اپنے پائنچے چڑھا لئے۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُسے بتایا کہ پائنچے چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس حوض کے اُوپر شیشہ چڑھا ہوا ہے، اور اس پر سے گذرتے ہوئے پانی میں بھیگنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

(٢٠) ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کی سچائی کی تو پہلے ہی قائل ہو چکی تھی، محل کی یہ شان وشوکت دیکھ کر

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ
يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يَا قَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۖ لَوْلَا
تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَن مَّعَكَ ۚ قَالَ
طَائِرُكُمْ عِندَ اللَّهِ ۖ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿٤٧﴾

اور ہم نے قومِ ثمود کے پاس اُن کے بھائی صالحؑ کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو،(۴۱) تو اچانک وہ دو گروہ بن گئے جو آپس میں جھگڑنے لگے۔ ﴿۴۵﴾ صالحؑ نے کہا: "میری قوم کے لوگو! اچھائی سے پہلے برائی کو کیوں جلدی مانگتے ہو؟(۴۲) تم اللہ سے معافی کیوں نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے؟" ﴿۴۶﴾ انہوں نے کہا: "ہم نے تو تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے برا شگون لیا ہے۔"(۴۳) صالحؑ نے کہا: "تمہارا شگون تو اللہ کے قبضے میں ہے، البتہ تم لوگوں کی آزمائش ہو رہی ہے۔"(۴۴) ﴿۴۷﴾

اُس کے دل میں آپ کی مزید عظمت پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دُنیا کے لحاظ سے بھی ایسی شان و شوکت سے نوازا ہے۔ اس لئے وہ بالکل فرماں بردار ہو کر رہی۔ اس واقعے کو ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے دُنیا کے مال و دولت اور اقتدار حاصل کرنے کے بعد ناشکری کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی اور زیادہ اطاعت اختیار کرتے ہیں، اور دُنیا کی رنگینیاں اُن کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نہیں روکتیں۔

(۴۱) قومِ ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا تعارف پیچھے سورۂ اعراف (۷: ۷۳) اور سورۂ ہود (۱۱: ۶۱ تا ۶۸) میں گذر چکا ہے۔

(۴۲) اچھائی سے مراد ایمان ہے، اور برائی سے مراد عذاب۔ مطلب یہ ہے کہ چاہئے تو یہ تھا کہ تم ایمان لا کر اچھائی حاصل کرتے، لیکن ایمان لانے کے بجائے تم نے عذاب جلدی لانے کا مطالبہ شروع کر دیا۔

(۴۳) یعنی آپ کے نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد ہماری قوم دو حصوں میں بٹ گئی ہے، اور ہم اسے آپ کی نحوست سمجھتے ہیں۔ نیز بعض روایات میں ہے کہ ان پر قحط بھی آپڑا تھا، اس کو بھی انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی نحوست قرار دیا۔

(۴۴) یعنی نحوست تو تمہارے اعمال کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، اور اس لئے آئی ہے کہ تمہیں آزمایا جائے کہ ان مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے ہو یا اپنی بداعمالیوں پر قائم رہتے ہو۔

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٤٨﴾ قَالُوا
تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا
لَصَادِقُونَ ﴿٤٩﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٠﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥١﴾

اور شہر میں نو آدمی ایسے تھے جو زمین میں فساد مچاتے تھے، اور اصلاح کا کام نہیں کرتے
تھے۔(۲۵) ﴿۴۸﴾ انہوں نے (آپس میں ایک دوسرے سے) کہا: "سب مل کر اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم
صالح اور اُس کے گھر والوں پر رات کے وقت حملہ کریں گے، پھر اُس کے وارث سے کہہ دیں گے
کہ ہم ان گھر والوں کی ہلاکت کے وقت موجود ہی نہ تھے، اور یقین جانو ہم بالکل سچے
ہیں۔" ﴿۴۹﴾ انہوں نے یہ چال چلی، اور ہم نے بھی ایک چال اس طرح چلی کہ اُن کو پتہ بھی
نہ لگ سکا۔(۲۶) ﴿۵۰﴾ اب دیکھو کہ اُن کی چال بازی کا انجام کیسا ہوا کہ ہم نے اُنہیں اور اُن کی
ساری قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ ﴿۵۱﴾

---

(۲۵) یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے نو سردار تھے، جن میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک جتھہ تھا۔ اور بالآخر یہی لوگ تھے جنہوں نے اُس اونٹنی کو ہلاک کیا جو معجزے کے طور پر پیدا ہوئی تھی۔ جب حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کو عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ وہ رات کے وقت اُن پر خفیہ طور پر حملہ کریں گے، اور اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو ہلاک کر دیں گے۔

(۲۶) قرآنِ کریم نے یہ تفصیل نہیں بتائی کہ اُن لوگوں کی سازش کس طرح ناکام ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جب یہ لوگ برا ارادہ لے کر چلے تو ایک چٹان ان پر آ گری، اور یہ سب ہلاک ہو گئے، اور بعد میں پوری قوم پر عذاب آ گیا۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ جب وہ مسلح ہو کر حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پہنچے تو فرشتوں نے اُن کا محاصرہ کر لیا، اور اُنہی کے ہاتھوں وہ مارے گئے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ابھی

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾ وَأَنجَيْنَا
الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٣﴾ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَ
أَنتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ
أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ
مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٥٦﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ
قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٥٧﴾

چنانچہ وہ رہے اُن کے گھر جو اُن کے ظلم کی وجہ سے ویران پڑے ہیں!(٢٧) یقیناً اس واقعے میں اُن لوگوں کے لئے عبرت کا سامان ہے جو علم سے کام لیتے ہیں۔ ﴿٥٢﴾ اور جو لوگ ایمان لائے تھے، اور تقویٰ اختیار کیے ہوئے تھے، اُن سب کو ہم نے بچا لیا۔ ﴿٥٣﴾

اور ہم نے لوط کو پیغمبر بنا کر بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: "کیا تم کھلی آنکھوں دیکھتے ہوئے بھی بے حیائی کا یہ کام کرتے ہو؟ ﴿٥٤﴾ کیا یہ کوئی یقین کرنے کی بات ہے کہ تم اپنی جنسی خواہش کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم بڑی جہالت کے کام کرنے والے لوگ ہو۔" ﴿٥٥﴾ اس پر یہ کہنے کے سوا ان کی قوم کا کوئی جواب نہیں تھا کہ: "لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو، یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔" ﴿٥٦﴾ پھر ہوا یہ کہ ہم نے لوط اور اُس کے گھر والوں کو بچا لیا، سوائے اُن کی بیوی کے جس کے بارے میں ہم نے یہ طے کر دیا تھا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہے گی۔ ﴿٥٧﴾

وہ اپنی سازش پر عمل نہیں کر پائے تھے کہ پوری قوم پر عذاب آ گیا، اور اپنی قوم کے دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہو گئے۔

(٢٧) حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی بستیاں عرب ہی کے علاقے میں تھیں، اور مدینہ منورہ سے کچھ ہی فاصلے پر

وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيۡرٌ اَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۵۹﴾

اور ہم نے اُن پر ایک زبردست بارش برسائی، چنانچہ بہت بری بارش تھی جو اُن لوگوں پر بری جنہیں پہلے سے خبردار کردیا گیا تھا۔ [۲۸] ﴿۵۸﴾

(اے پیغمبر!) کہو: "تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اور سلام ہو اُس کے اُن بندوں پر جن کو اُس نے منتخب فرمایا ہے! [۲۹] بتاؤ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو ان لوگوں نے اللہ کی خدائی میں شریک بنا رکھا ہے؟ ﴿۵۹﴾

واقع تھیں، اور اہلِ عرب جب شام کا سفر کرتے تو اُن کے پاس سے گذرا کرتے تھے۔ اس لئے قرآن کریم نے اُن کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا ہے جیسے وہ نظر آرہے ہوں۔ آج بھی یہ ویران بستیاں اور اُن کے کھنڈر "مدائنِ صالح" کے نام سے مشہور ہیں، اور سامانِ عبرت بنی ہوئی ہیں۔

(۲۸) حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ ہود (۱۱: ۷۷ تا ۸۳) اور سورۂ حجر (۱۵: ۵۸ تا ۷۶) میں گذر چکا ہے، نیز پچھلی سورت سورۂ شعراء میں (۲۶: ۱۶۰ تا ۱۷۵) بھی گذرا ہے اور ہم نے ان کا مختصر تعارف سورۂ اعراف (۷: ۸۰) میں کرایا ہے۔

(۲۹) مختلف پیغمبروں کے واقعات بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ عقیدۂ توحید کے دلائل بیان فرما رہے ہیں جو تمام پیغمبروں کا مشترک اور متفقہ عقیدہ تھا۔ کائنات میں پھیلی ہوئی قدرتِ خداوندی کی نشانیوں کی طرف توجہ دلا کر فرمایا جا رہا ہے کہ جو ذات اس کائنات کی تخلیق کرکے اُس کا محیر العقول انتظام کر رہی ہے، کیا اُسے اپنی خدائی کا نظام چلانے میں کسی اور کی مدد کی ضرورت ہو سکتی ہے؟ یہ توحید کے بارے میں ایک انتہائی بلیغ خطبہ ہے جس کے زورِ بیان کو کسی ترجمے میں منتقل کرنا ممکن نہیں، تاہم مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چونکہ یہ خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہی لوگوں تک پہنچنا تھا، اس لئے اُس کے شروع میں آپ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اُس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام بھیج کر کیا جائے، اور اس طرح یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ جب کوئی تقریر کرنی ہو تو اُسے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کے پیغمبروں پر درود وسلام بھیج کر کیا جائے۔

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ
ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ هُمْ قَوْمٌ
يَّعْدِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ
وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾
أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ۗ

بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اُتارا؟ ـــــ پھر ہم نے اُس پانی سے بارونق باغ اُگائے، تمہارے بس میں نہیں تھا کہ تم اُن کے درختوں کو اُگا سکتے۔ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟(۳۰) نہیں! بلکہ ان لوگوں نے راستے سے منہ موڑ رکھا ہے۔ ﴿۶۰﴾ بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو قرار کی جگہ بنایا، اور اُس کے بیچ بیچ میں دریا پیدا کئے، اور اُس (کو ٹھہرانے) کے لئے (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں، اور دو سمندروں کے درمیان ایک آڑ رکھ دی؟(۳۱) کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ﴿۶۱﴾ بھلا وہ کون ہے کہ جب کوئی بے قرار اُسے پکارتا ہے تو وہ اُس کی دُعا قبول کرتا ہے، اور تکلیف دُور کر دیتا ہے، اور جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟

---

(۳۰) واضح رہے کہ کفارِ مکہ یہ بات مانتے تھے کہ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، مگر ساتھ ہی وہ کہتے تھے کہ اُس نے کائنات کے انتظام کے بہت سے شعبے دوسرے خداؤں کو سونپ دیئے ہیں، اس لئے اُن کی عبادت کرنی چاہئے۔

(۳۱) جہاں دو دریا یا دو سمندر ملتے ہیں، وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دکھایا ہے کہ دونوں کے پانی آپس میں ملتے نہیں ہیں، بلکہ دُور تک دونوں دریا ساتھ ساتھ بہنے کے باوجود الگ الگ نظر آتے ہیں، گویا اُن کے درمیان ایک آڑ کھڑی کر دی گئی ہے۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ
مَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا
یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ
الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا یَعْلَمُ
مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾
بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع

کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ ﴿۶۲﴾ بھلا وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں تمہیں راستہ دکھاتا ہے، اور جو اپنی رحمت (کی بارش) سے پہلے ہوائیں بھیجتا ہے جو تمہیں (بارش کی) خوشخبری دیتی ہیں؟ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ (نہیں! بلکہ) اللہ اُس شرک سے بہت بالا و برتر ہے جس کا ارتکاب یہ لوگ کر رہے ہیں۔ ﴿۶۳﴾ بھلا وہ کون ہے جس نے ساری مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا، پھر وہ اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا، اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق فراہم کرتا ہے؟ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ کہو: "لاؤ اپنی کوئی دلیل، اگر تم سچے ہو۔" ﴿۶۴﴾ کہہ دو کہ: "اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کسی کو بھی غیب کا علم نہیں ہے،(۳۲) اور لوگوں کو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔" ﴿۶۵﴾ بلکہ آخرت کے بارے میں ان (کافروں) کا علم بے بس ہو کر رہ گیا ہے، بلکہ وہ اُس کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، بلکہ اُس سے اندھے ہوچکے ہیں۔ ﴿۶۶﴾

---

(۳۲) اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو غیب کی بہت سی باتیں وحی کے ذریعے بتا دیتے ہیں، اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ غیب کی خبریں حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی گئی تھیں، لیکن مکمل علمِ غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اس لئے اُس کے سوا کسی کو "عالم الغیب" نہیں کہا جا سکتا۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاؤُنَا أَئِنَّا لَمُخْرَجُونَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا
هَٰذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِن قَبْلُ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيرُوا فِي
الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُن فِي
ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٧١﴾ قُلْ
عَسَىٰ أَن يَكُونَ رَدِفَ لَكُم بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٧٢﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو
فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾

جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: "کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادے مٹی ہو چکے ہوں گے تو کیا اس وقت واقعی ہمیں (قبروں سے) نکالا جائے گا؟ ﴿٦٧﴾ ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے اس قسم کے وعدے پہلے بھی کئے گئے تھے، (لیکن) ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ قصے کہانیاں ہیں جو پرانے زمانے کے لوگوں سے نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں۔" ﴿٦٨﴾ کہو کہ: "ذرا زمین میں سفر کر کے دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا ہے۔" ﴿٦٩﴾ اور (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں پر غم نہ کرو، اور یہ جس مکاری کا مظاہرہ کر رہے ہیں، اس کی وجہ سے گھٹن محسوس نہ کرو۔ ﴿٧٠﴾ یہ (تم سے) یوں کہتے ہیں کہ: "یہ وعدہ کب پورا ہوگا، اگر تم سچے ہو؟" ﴿٧١﴾ کہہ دو کہ: "کچھ بعید نہیں ہے کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو، اُس کا کچھ حصہ تمہارے بالکل پاس آ لگا ہو۔"[٣٣] ﴿٧٢﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار لوگوں پر بہت فضل کرنے والا ہے، لیکن اُن میں سے اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ ﴿٧٣﴾

---

(٣٣) یعنی کفر کا اصل عذاب تو آخرت ہی میں ہوگا، لیکن اس کا کچھ حصہ دنیا میں بھی ظاہر ہو سکتا ہے، چنانچہ قریش کے بڑے بڑے سردار جنگ بدر میں مارے گئے، اور باقی لوگوں کو بری طرح شکست ہوئی۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝۷۴ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝۷۵ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ
أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝۷۶ وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝۷۷ إِنَّ
رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝۷۸ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّكَ
عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ۝۷۹ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا
مُدْبِرِينَ ۝۸۰ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ
بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ۝۸۱

اور یقین رکھو کہ تمہارا پروردگار وہ ساری باتیں بھی جانتا ہے جو ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں، اور وہ باتیں بھی جو وہ علانیہ کرتے ہیں۔ ﴿۷۴﴾ اور آسمان اور زمین کی کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جو ایک واضح کتاب میں درج نہ ہو۔[۳۴] ﴿۷۵﴾ واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن بنو اسرائیل کے سامنے اکثر اُن باتوں کی حقیقت واضح کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔[۳۵] ﴿۷۶﴾ اور یقیناً یہ ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ ﴿۷۷﴾ اور تمہارا پروردگار یقیناً اُن کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کرے گا، اور وہ بڑا اقتدار والا، بڑا علم والا ہے۔ ﴿۷۸﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم اللہ پر بھروسہ رکھو۔ یقیناً تم کھلے کھلے حق پر ہو۔ ﴿۷۹﴾ یاد رکھو کہ تم مُردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے، اور نہ تم بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہو، جب وہ پیٹھ پھیر کر چل کھڑے ہوں۔ ﴿۸۰﴾ اور نہ تم اندھوں کو اُن کی گمراہی سے بچا کر راستے پر لا سکتے ہو۔ تم تو انہی لوگوں کو اپنی بات سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں، پھر وہی لوگ فرماں بردار ہوں گے۔ ﴿۸۱﴾

---

(۳۴) اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔

(۳۵) یہ بھی قرآنِ کریم کی حقانیت کی دلیل ہے کہ جن معاملات میں بنی اسرائیل کے بڑے بڑے علماء میں بھی اختلاف رہا، قرآنِ کریم نے اُن کی حقیقت واضح فرما دی۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ
كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّن يُكَذِّبُ
بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُم بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا
عِلْمًا أَمَّاذَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا
يَنطِقُونَ ﴿٨٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٨٦﴾

اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان لوگوں پر آپہنچے گا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے بات کرے گا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔(۳۶) ﴿۸۲﴾ اور اُس دن کو نہ بھولو جب ہم ہر اُمت میں سے اُن لوگوں کی پوری فوج کو گھیر لائیں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے، پھر اُن کی جماعت بندی کی جائے گی۔ ﴿۸۳﴾ یہاں تک کہ جب سب آجائیں گے تو اللہ کہے گا کہ: ''کیا تم نے میری آیتوں کو پوری طرح سمجھے بغیر ہی جھٹلا دیا تھا، یا کیا کرتے رہے تھے؟'' ﴿۸۴﴾ اور اُنہوں نے جو ظلم کیا تھا، اُس کی وجہ سے اُن پر عذاب کی بات پوری ہو جائے گی، چنانچہ وہ کچھ بول نہیں سکیں گے۔ ﴿۸۵﴾ کیا اُنہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے رات اس لئے بنائی ہے کہ وہ اُس میں سکون حاصل کریں، اور دن اس طرح بنایا ہے کہ اُس میں چیزیں دکھائی دیں؟ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ ﴿۸۶﴾

---

(۳۶) قیامت کی آخری علامتوں میں سے ایک علامت قیامت کے بالکل قریب یہ ظاہر ہوگی کہ اللہ تعالیٰ زمین سے ایک عجیب الخلقت جانور پیدا کریں گے جو انسانوں سے بات کرے گا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فوراً بعد قیامت آجائے گی، اور اس جانور کے نکلنے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ
اللّٰهُ ۚ وَكُلٌّ أَتَوْهُ دٰخِرِينَ ﴿٨٧﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ
السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿٨٨﴾ مَنْ
جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا ۚ وَهُمْ مِنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ﴿٨٩﴾ وَمَنْ جَاءَ
بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٠﴾
إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ ۖ وَ
أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾

اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین کے سب رہنے والے گھبرا اٹھیں گے، ــــ سوائے
اُن کے جنہیں اللہ چاہے گا،(۳۷) ــــ اور سب اُس کے پاس جھکے ہوئے حاضر ہوں گے۔ ﴿۸۷﴾ تم
(آج) پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو سمجھتے ہو کہ یہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں، حالانکہ (اُس وقت) وہ اس طرح
پھر رہے ہوں گے جیسے بادل پھرتے ہیں۔ یہ سب اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مستحکم طریقے
سے بنایا ہے۔ یقیناً اُسے پوری خبر ہے کہ تم کیا کام کرتے ہو۔ ﴿۸۸﴾ جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اُسے
اُس سے بہتر بدلہ ملے گا،(۳۸) اور ایسے لوگ اُس دن ہر قسم کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔ ﴿۸۹﴾ اور
جو کوئی برائی لے کر آئے گا، تو ایسے لوگوں کو منہ کے بل آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ تمہیں کسی اور بات
کی نہیں، اُنہی اعمال کی سزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے۔ ﴿۹۰﴾ (اے پیغمبر! ان سے کہہ دو
کہ:) "مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر کے رَبّ کی عبادت کروں جس نے اس شہر کو حرمت بخشی
ہے، اور ہر چیز کا مالک وہی ہے، اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل رہوں۔ ﴿۹۱﴾

(۳۷) آگے آیت نمبر ۸۹ میں اس کی وضاحت آرہی ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو نیک اعمال لے کر آئیں گے، اور بعض روایات میں ہے کہ اس سے مراد وہ شہداء ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کیں۔

(۳۸) اللہ تعالیٰ نے ہر نیکی کا ثواب دس گنا دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور یہ کہ میں قرآن کی تلاوت کروں۔" اب جو شخص ہدایت کے راستے پر آئے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے راستے پر آئے گا، اور جو گمراہی اختیار کرے، تو کہہ دینا کہ: "میں تو بس اُن لوگوں میں سے ہوں جو خبردار کرتے ہیں۔" ﴿۹۲﴾ اور کہہ دو کہ: "تمام تعریفیں اللہ کی ہیں، وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا، پھر تم انہیں پہچان بھی لو گے۔(۳۶) اور تمہارا پروردگار تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے۔" ﴿۹۳﴾

(۳۶) اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور اپنی قدرت کی بہت سی نشانیاں دنیا میں بھی دکھاتا رہا ہے، مثلاً بہت سی پیشگی خبریں جو آپ نے وحی کی بنیاد پر دی تھیں، وہ لوگوں نے کھلی آنکھوں پوری ہوتی دیکھیں، جیسا کہ سورۂ رُوم کے شروع میں اس کی ایک مثال آنے والی ہے۔ یہاں اس قسم کی نشانیاں بھی مراد ہوسکتی ہیں، اور قیامت بھی مراد ہوسکتی ہے کہ اس وقت قیامت کے منکر بھی اُسے پہچان لیں گے، لیکن اس وقت کا پہچاننا فائدہ مند نہیں ہوگا، کیونکہ ایمان لانے کا وقت گذر چکا ہوگا۔

الحمدللہ! آج بروز اتوار ۲۰ رمئی ۲۰۰۷ء مطابق ۲ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ کو سورۂ نمل کا ترجمہ اور تفسیری حواشی دبئی سے کراچی جاتے ہوئے تکمیل کو پہنچے، اور یہ پوری سورت یورپ کے سفر میں مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بندہ کی خطاؤں سے درگذر فرماکر اس کاوش کو قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل بھی اپنی رضا کے مطابق کرنے کی توفیق سے نوازیں۔ آمین۔

سُورَةُ القَصَصِ

تعارف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ یہ سورت سورۂ نمل (سورت نمبر ۲۷) کے بعد نازل ہوئی تھی، اور مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری سورت ہے جو مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی، کیونکہ اس کی آیت نمبر ۸۵ اس وقت نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کی غرض سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ سورت کا مرکزی موضوع حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی دعوت کی سچائی کو ثابت کرنا ہے۔ سورت کی پہلی ۴۳ آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی زندگی کی وہ تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں جو کسی اور سورت میں بیان نہیں ہوئیں۔ اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد آیات ۴۴ تا ۴۷ میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان واقعات کو اتنی تفصیل سے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، اس کے باوجود جب آپ یہ واقعات بیان فرما رہے ہیں تو اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ کفارِ مکہ کی طرف سے آپ کی نبوت اور رسالت پر جو اعتراضات کئے جاتے تھے، اُن کا شافی جواب بھی اس سورت میں دیا گیا ہے، اور آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ جو لوگ ضد پر اَڑے ہوئے ہیں، ان کے طرزِ عمل کی کوئی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔ پھر کفارِ مکہ جن جھوٹے خداؤں پر ایمان رکھتے تھے، اُن کی تردید کی گئی ہے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار اپنی دولت پر غرور کی وجہ سے بھی آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ اُن کی عبرت کے لئے آیات ۷۶ تا ۸۲ میں قارون کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سب سے زیادہ دولت مند شخص تھا، لیکن اس کی دولت اُسے تباہی سے نہ بچا سکی جو غرور اور ضد کے نتیجے میں اُس پر آکر رہی۔ سورت کے آخر میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اگرچہ اس وقت آپ بے سروسامانی کی حالت میں مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور ہو رہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو فاتح کی حیثیت سے دوبارہ مکہ مکرمہ واپس آنے کا موقع عنایت فرمائے گا۔

آیاتہا ۸۸ ۲۸ سُوْرَۃُ الْقَصَصِ مَکِّیَّۃٌ ۴۹ رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ② نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ
بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا
یَّسْتَضْعِفُ طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ یَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ④

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

طٰسٓمّٓ۔ ﴿۱﴾ یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حقیقت واضح کرنے والی ہے۔ ﴿۲﴾ ہم ایمان والے لوگوں کے فائدے کے لئے تمہیں موسیٰ اور فرعون کے کچھ حالات ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں۔ ﴿۳﴾ واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی اختیار کر رکھی تھی، اور اُس نے وہاں کے باشندوں کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم کردیا تھا جن میں سے ایک گروہ کو اُس نے اتنا دبا کر رکھا ہوا تھا کہ اُن کے بیٹوں کو ذبح کردیتا،(1) اور اُن کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو فساد پھیلایا کرتے ہیں۔ ﴿۴﴾

(۱) جیسا کہ سورۂ طٰہٰ (۲۰:۴۰) کے حاشیے میں ہم نے عرض کیا ہے، فرعون کو کسی نجومی نے یہ کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص تمہاری سلطنت ختم کرے گا۔ اس لئے اُس نے یہ حکم جاری کردیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو کوئی بچہ پیدا ہو اُسے قتل کردیا جائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو فکر ہوئی کہ ان کو بھی فرعون کے آدمی قتل کرڈالیں گے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پر الہام فرمایا کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ
الْوَارِثِينَ ﴿٥﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم
مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ﴿٦﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ
فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۖ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ
الْمُرْسَلِينَ ﴿٧﴾ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ
وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ﴿٨﴾

اور ہم یہ چاہتے تھے کہ جن لوگوں کو زمین میں دبا کر رکھا گیا ہے، اُن پر احسان کریں، اُن کو پیشوا بنائیں، اُنہی کو (ملک و مال کا) وارث بنادیں، ﴿۵﴾ اور انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں، اور فرعون، ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھادیں جس سے بچاؤ کی وہ تدبیریں کر رہے تھے۔(۲) ﴿۶﴾ اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو اِلہام کیا کہ: ”تم اس (بچے) کو دودھ پلاؤ، پھر جب تمہیں اس کے بارے میں کوئی خطرہ ہو تو اُسے دریا میں ڈال دینا، اور ڈرنا نہیں، اور نہ صدمہ کرنا، یقین رکھو ہم اُسے واپس تمہارے پاس پہنچا کر رہیں گے، اور اُس کو پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر بنائیں گے۔“ ﴿۷﴾ اس طرح فرعون کے لوگوں نے اُس بچے (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو اٹھا لیا، تاکہ آخر کار وہ اُن کے لئے دشمن اور غم کا ذریعہ بنے۔ بیشک فرعون، ہامان اور اُن کے لشکر بڑے خطا کار تھے۔(۳) ﴿۸﴾

پہنچ گیا، اور فرعون کے کارندوں نے بچے کو اٹھا کر فرعون کے پاس پیش کیا، اور اس کی بیوی حضرت آسیہ نے اُسے آمادہ کرلیا کہ اُسے اپنا بیٹا بنا کر پالیں۔ یہی واقعہ آگے آیت نمبر ۷ تا ۸ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۲) انہیں جو خطرہ تھا کہ کوئی بچہ بڑا ہو کر ان کے زوال کا باعث بنے گا، اُسی سے بچنے کے لئے وہ تدبیریں کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم یہ چاہتے تھے کہ انہیں یہ دکھائیں کہ ان کی ساری تدبیریں ناکام ہوگئی ہیں، اور وہ خطرہ حقیقت بن کر سامنے آگیا ہے۔

(۳) خطا کار ہونے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کافر اور گناہگار لوگ تھے، اور یہ بھی کہ انہوں نے اس بچے کو اٹھا کر اپنے حق میں غلطی کی، کیونکہ وہی بچہ آخر اُن کے زوال کا سبب بنا۔

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ
نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۖ اِنْ كَادَتْ
لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ
قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝١١ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ
قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝١٢

اور فرعون کی بیوی نے (فرعون سے) کہا کہ: "یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو، کچھ بعید نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے، یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔" اور (یہ فیصلہ کرتے وقت) انہیں انجام کا پتہ نہیں تھا۔ ﴿۹﴾ ادھر موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار تھا۔ قریب تھا کہ وہ یہ سارا راز کھول دیتیں، اگر ہم نے ان کے دل کو سنبھالا نہ ہوتا تاکہ وہ (ہمارے وعدے پر) یقین کئے رہیں۔ ﴿۱۰﴾ اور انہوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ: "اس بچے کا کچھ سراغ لگاؤ۔" چنانچہ اس نے بچے کو دور سے اس طرح دیکھا کہ ان لوگوں کو پتہ نہیں چلا۔ ﴿۱۱﴾ اور ہم نے موسیٰ پر پہلے ہی سے یہ بندش لگادی تھی کہ دودھ پلانے والیاں انہیں دودھ نہ پلا سکیں، اس لئے ان کی بہن نے کہا: "کیا میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتاؤں جس کے لوگ تمہارے لئے اس بچے کی پرورش کریں، اور اس کے خیر خواہ ہیں؟"(۴) ﴿۱۲﴾

---

(۴) فرعون کی اہلیہ نے جب بچے کو پالنے کا ارادہ کرلیا تو ان کو دودھ پلانے والی کی تلاش شروع ہوئی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی بھی عورت کا دودھ منہ میں نہیں لیتے تھے۔ حضرت آسیہ نے اپنی کنیزیں بھیجیں کہ وہ کوئی ایسی عورت تلاش کریں جس کا دودھ یہ قبول کرلیں۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو دریا میں ڈالنے کے بعد بے چین تھیں۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو دیکھنے کے لئے بھیجا کہ بچے کا انجام کیا ہوا؟ یہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اسی جگہ پہنچ گئیں جہاں فرعون کی کنیزیں پریشانی کے عالم میں دودھ پلانے والی عورتوں کو تلاش کررہی تھیں۔ ان کو موقع مل گیا، اور انہوں نے اپنی والدہ کو یہ خدمت سونپنے کی تجویز پیش کی، اور انہیں وہاں لے بھی آئیں۔ جب انہوں نے بچے کو دودھ پلانا چاہا تو بچے نے آرام سے دودھ پی لیا، اور پھر اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق بچہ دوبارہ ان کے پاس آگیا۔

فَرَدَدْنٰهُ إِلٰىٓ أُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ
ع أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰىٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَ
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا
فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۤ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ
فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى
عَلَيْهِ ۤ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ إِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

اس طرح ہم نے موسیٰ کو اُن کی ماں کے پاس لوٹا دیا، تاکہ اُن کی آنکھ ٹھنڈی رہے، اور وہ غمگین نہ ہوں، اور تاکہ اُنہیں اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۱۳﴾

اور جب موسیٰ اپنی بھرپور توانائی کو پہنچے، اور پورے جوان ہوگئے تو ہم نے اُنہیں حکمت اور علم سے نوازا، اور نیک لوگوں کو ہم یوں ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ ﴿۱۴﴾ اور (ایک دن) وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جب اُس کے باشندے غفلت میں تھے،(۵) تو اُنہوں نے دیکھا کہ وہاں دو آدمی لڑ رہے ہیں، ایک تو اُن کی اپنی برادری کا تھا، اور دوسرا اُن کی دُشمن قوم کا۔ اب جو شخص اُن کی برادری کا تھا، اُس نے اُنہیں اُن کی دُشمن قوم کے آدمی کے مقابلے میں مدد کے لئے پکارا، اس پر موسیٰ نے اُس کو ایک مکا مارا جس نے اُس کا کام تمام کر دیا۔(۶) (پھر) انہوں نے (پچھتا کر) کہا کہ: "یہ تو کوئی شیطان کی کارروائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک کھلا دُشمن ہے جو غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔" ﴿۱۵﴾

---

(۵) یعنی اکثر لوگ دوپہر کے وقت بے خبر سوئے ہوئے تھے۔

(٦) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ اسرائیلی شخص کو اُس کے ظلم سے بچائیں، اُسے قتل کرنا مقصود نہیں تھا، لیکن وہ ایک ہی مکے سے مر گیا۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ
رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ﴿۱۷﴾ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ
خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ۚ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ
إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُبِينٌ ﴿۱۸﴾

کہنے لگے: "میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کرلیا، آپ مجھے معاف فرمادیجئے۔"(۷) چنانچہ اللہ نے انہیں معاف کردیا۔ یقیناً وہی ہے جو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۶﴾ موسیٰ نے کہا: "میرے پروردگار! آپ نے جو مجھ پر انعام کیا ہے، تو میں آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔"(۸) ﴿۱۷﴾ پھر صبح کے وقت وہ شہر میں ڈرتے ڈرتے حالات کا جائزہ لے رہے تھے، اتنے میں دیکھا کہ جس شخص نے کل اُن سے مدد مانگی تھی، وہ پھر انہیں فریاد کے لئے پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اُس سے کہا کہ: "معلوم ہوا کہ تم تو کھلم کھلا شرپسند آدمی ہو۔"(۹) ﴿۱۸﴾

---

(۷) چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جان بوجھ کر اُسے قتل نہیں کیا تھا، بلکہ وہ بلا ارادہ مارا گیا، اس لئے اصل میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام معذور تھے، لیکن بہرحال کسی کا قتل ہوجانا ایک سنگین معاملہ ہے، اور ایک ہونے والے پیغمبر کے شایانِ شان نہیں، اس لئے وہ شرمندہ بھی ہوئے، اور اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگی۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ مسلمان اور غیر مسلم آپس میں امن کے ساتھ رہ رہے ہوں، خواہ وہاں حکومت غیر مسلموں ہی کی ہو، وہاں کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کو قتل کرے، یا اُس کی جان و مال کو کسی اور طرح نقصان پہنچائے۔

(۸) اب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ساتھ رہ رہے تھے، اور اُس کے ساتھ آتے جاتے تھے۔ اس واقعے نے اُن کے دل میں ایک انقلاب پیدا کردیا، اور انہیں یہ محسوس ہوا کہ یہ سارا جھگڑا در حقیقت فرعون کے جابرانہ طرزِ حکومت کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے مصریوں کو اسرائیلیوں پر ظلم ڈھانے کی جرأت ہوئی ہے۔ اس لئے اس واقعے کے بعد انہوں نے تہیہ کرلیا کہ آئندہ میں فرعون اور اُس کے اہل کاروں سے مکمل علیحدگی اختیار کرلوں گا، تاکہ اُن کی بالواسطہ بھی کسی بھی قسم کی مدد کا ارتکاب نہ ہو۔

(۹) یعنی لڑائی جھگڑا تمہارا روز کا وطیرہ معلوم ہوتا ہے کہ کل کسی اور سے لڑ رہے تھے، اور آج اس شخص سے لڑ رہے ہو۔

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ
كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ
اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿١٩﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ
يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢٠﴾
ع فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢١﴾ وَلَمَّا
تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿٢٢﴾

پھر جب اُنہوں نے اُس شخص کو پکڑنے کا ارادہ کیا جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اُس (اسرائیلی) نے کہا: "موسیٰ! کیا تم مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہو جیسے تم نے کل ایک آدمی کو قتل کردیا تھا؟(۱۰) تمہارا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم زمین میں اپنی زبردستی جماؤ، اور تم مصلح بننا نہیں چاہتے۔" ﴿۱۹﴾ اور (اُس کے بعد یہ ہوا کہ) شہر کے بالکل دُور دراز علاقے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اُس نے کہا کہ: "موسیٰ! سردار لوگ تمہارے بارے میں مشورے کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کرڈالیں، اس لئے تم یہاں سے نکل جاؤ، یقین رکھو میں تمہارے خیرخواہوں میں سے ہوں۔" ﴿۲۰﴾ چنانچہ موسیٰ ڈرتے ڈرتے، حالات کا جائزہ لیتے شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے: "میرے پروردگار! مجھے ظالم لوگوں سے بچالے۔" ﴿۲۱﴾ اور جب اُنہوں نے مدین کی طرف رُخ کیا تو کہا کہ: "مجھے پوری اُمید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے راستے پر ڈال دے گا۔"(۱۱) ﴿۲۲﴾

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ تو اُس مصری قبطی کی طرف بڑھایا تھا، تاکہ اُسے مارنے سے روکیں، لیکن اسرائیلی نے جب اُن کا یہ جملہ سنا کہ: "تم بڑے شریر آدمی ہو" تو وہ یہ سمجھا کہ وہ اُس کو مارنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ اس لئے اُس نے یہ بات کہی۔

(۱۱) مدین حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی تھی اور وہ علاقہ فرعون کی حکومت سے باہر تھا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں جانے کا ارادہ کیا، لیکن شاید راستہ پوری طرح معلوم نہیں تھا، محض اندازے سے چل رہے تھے، اس لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے صحیح راستے پر ڈال دے گا۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۟ وَوَجَدَ مِنْ
دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ
الرِّعَآءُ ٠ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ
لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿٢٤﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ
قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ
الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۪ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٥﴾

اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ اُس پر ایسے لوگوں کا ایک مجمع ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں، اور دیکھا کہ اُن سے پہلے دو عورتیں ہیں جو اپنے جانوروں کو روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے اُن سے کہا: "تم کیا چاہتی ہو؟" اُن دونوں نے کہا: "ہم اپنے جانوروں کو اُس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک سارے چرواہے پانی پلا کر نکل نہیں جاتے، اور ہمارے والد بہت بوڑھے آدمی ہیں۔" (۱۲) ﴿۲۳﴾ اس پر موسیٰ نے اُن کی خاطر اُن کے جانوروں کو پانی پلا دیا، (۱۳) پھر مڑ کر ایک سائے کی جگہ چلے گئے، اور کہنے لگے: "میرے پروردگار! جو کوئی بہتری تو مجھ پر اُوپر سے نازل کردے، میں اُس کا محتاج ہوں۔" (۱۴) ﴿۲۴﴾ تھوڑی دیر بعد اُن دونوں عورتوں میں سے ایک اُن کے پاس شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی آئی۔ (۱۵) کہنے لگی: "میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں، تا کہ آپ کو اس بات کا انعام دیں کہ آپ نے ہماری خاطر جانوروں کو پانی پلایا ہے۔" (۱۶) چنانچہ جب وہ عورتوں کے والد کے پاس پہنچے اور اُن کو ساری سرگزشت سنائی، تو اُنہوں نے کہا: "کوئی اندیشہ نہ کرو، تم ظالم لوگوں سے بچ آئے ہو۔" ﴿۲۵﴾

---

(۱۲) مطلب یہ تھا کہ ہمارے والد بوڑھے ہونے کی وجہ سے جانوروں کو پانی پلانے کے لئے نہیں آسکتے، اور ہم

چونکہ عورت ذات ہیں، اس لئے مردوں میں گھس کر پانی نہیں پلا سکتیں، اس لئے اس انتظار میں ہیں کہ مرد چلے جائیں اور کنواں خالی ہو جائے تو ہم اپنے جانوروں کو لے جا کر پانی پلائیں۔ واضح رہے کہ ان عورتوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام تھے جنہیں مدین کے لوگوں کی اصلاح کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا، اور جن کا واقعہ سورۂ اعراف، سورۂ ہود وغیرہ میں تفصیل سے آچکا ہے۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت خواتین کا کسی کام کے لئے باہر نکلنا جائز ہے، البتہ اگر مرد وہ کام انجام دے سکتے ہوں تو مردوں ہی کو انجام دینا چاہئے، اسی لئے انہوں نے اپنے آنے کی وجہ یہ بیان کی کہ ہمارے والد ضعیف ہیں، اور گھر میں کوئی اور مرد نہیں ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواتین سے بات کرنا جائز ہے، خاص طور پر اگر انہیں کسی مشکل میں مبتلا دیکھیں تو ان کی مدد کے لئے اُن کا حال پوچھ کر حتی الامکان اُن کی مدد کرنی چاہئے، بشرطیکہ کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۱۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن عورتوں سے پوچھا کہ کیا یہاں کوئی اور کنواں بھی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ایک کنواں اور ہے، مگر اُس کے منہ پر ایک بہت بھاری پتھر رکھا ہوا ہے جسے اُٹھانا آسان نہیں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں گئے، اور پتھر کو اُٹھا کر اُن کی بکریوں کو پانی پلا دیا (رُوح المعانی بحوالہ عبد بن حمید ص:۶۷ ج:۲۰)۔

(۱۴) اس مختصر دُعا میں عبدیت کا عجیب مظاہرہ ہے، ایک طرف اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے محتاج ہونے کا ذکر فرما رہے ہیں کہ اس غریب الوطنی میں جہاں کوئی شخص آشنا نظر نہیں آتا، زندگی کی ہر ضرورت کی احتیاج ہے، اور دوسری طرف خود سے کوئی نعمت تجویز کرنے کے بجائے معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ رہے ہیں کہ آپ بھلائی کی جو صورت بھی تجویز کر کے مجھ پر اُوپر سے نازل فرمادیں گے تو سمجھو کہ اسی کی احتیاج ظاہر کر کے وہی میں نے مانگی ہے، میں اپنی طرف سے کوئی متعین حاجت مانگنے کی حالت میں نہیں ہوں۔

(۱۵) معلوم ہوا کہ اگرچہ اُس وقت پردے کے باقاعدہ احکام نہیں تھے جو قرآن کریم نے عطا فرمائے، لیکن خواتین شرم وحیا کے لباس میں رہتی تھیں، اور مردوں سے معاملات کرتے وقت شرم وحیا کو پوری طرح ملحوظ رکھتی

تھیں، چنانچہ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور سعید بن منصور نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ خاتون جب آئیں تو انہوں نے اپنی قمیص کی آستین اپنے چہرے پر رکھی ہوئی تھی۔

(۱۶) اگرچہ کسی نیکی کا انعام وصول کرنے کے لئے جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیرت اور شرافت کے خلاف تھا، لیکن اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تھی کہ آپ کی طرف سے جو بھلائی بھی آئے گی، میں اُس کا محتاج ہوں، اور اس خاتون کی دعوت سے ایک راستہ ایسا پیدا ہوا تھا کہ اس بستی میں کسی بزرگ سے جان پہچان ہو جائے، اور دوسری طرف اُن کے اپنی بیٹی کو بھیجنے سے اُن کی شرافت اور بزرگی ظاہر ہو رہی تھی، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس وقت یہ خیال فرمایا کہ اس دعوت کو رَد کرنا ناشکری اور اُس عبدیت کے خلاف ہوگا جس کے ساتھ دُعا مانگی گئی تھی، اور ہو سکتا ہے کہ ان بزرگ سے کوئی مفید مشورہ مل جائے۔ چنانچہ دعوت قبول کر کے اُن کے پاس چلے گئے، لیکن ابن عساکر کی ایک روایت میں حضرت ابو حازمؒ سے یہ تفصیل منقول ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے کھانا پیش کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' حضرت شعیب علیہ السلام نے پوچھا: ''کیوں؟ کیا آپ کو بھوک نہیں ہے؟'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''بھوک تو ہے، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ کھانا میرے اُس عمل کا معاوضہ بن جائے کہ میں نے بکریوں کو پانی پلا دیا تھا، اور ہم ایسے لوگ ہیں کہ جو کام آخرت کی خاطر کریں، اُس کے معاوضے میں کوئی پوری زمین سونے سے بھر کر بھی دیدے تو اُسے قبول نہیں کرتے۔'' حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب دیا کہ: ''اللہ کی قسم، ایسا نہیں ہے، لیکن میری اور میرے آباؤ اجداد کی یہ عادت رہی ہے کہ ہم مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔'' اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ گئے۔'' (روح المعانی، حوالہ بالا)۔ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاتون نے جو کہا تھا کہ میرے والد آپ کو اس لئے بلا رہے ہیں کہ آپ کو آپ کی نیکی کا انعام دیں گے، یہ اُنہوں نے اپنے خیال کے مطابق کہہ دیا تھا، حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ الفاظ استعمال نہیں فرمائے ہوں گے۔ واللہ سبحانہ اعلم

قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ
الْأَمِينُ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَن تَأْجُرَنِي
ثَمَانِيَ حِجَجٍ ۖ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِندِكَ ۖ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ
سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٧﴾ قَالَ ذَٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ ۖ أَيَّمَا
ع الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٢٨﴾

ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے کہا: "ابا جان! آپ ان کو اُجرت پر کوئی کام دے دیجئے۔ آپ کسی سے اُجرت پر کام لیں تو اس کے لئے بہترین شخص وہ ہے جو طاقتور بھی ہو، امانت دار بھی۔"(۱۷) ﴿۲۶﴾ اُن کے باپ نے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک سے تمہارا نکاح کردوں، بشرطیکہ تم آٹھ سال تک اُجرت پر میرے پاس کام کرو۔(۱۸) پھر اگر تم دس سال پورے کردو تو یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہوگا۔ اور میرا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ تم پر مشقت ڈالوں۔ ان شاء اللہ تم مجھے اُن لوگوں میں سے پاؤگے جو بھلائی کا معاملہ کرتے ہیں۔" ﴿۲۷﴾ موسیٰ نے کہا: "یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی۔ دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کردوں، تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی، اور جو بات ہم کررہے ہیں، اللہ اُس کا رکھوالا ہے۔" ﴿۲۸﴾

---

(۱۷) یہ وہی خاتون تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے گئی تھیں، ان کا نام صفورا تھا، اور پھر انہی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوا۔ گھر میں ایک ایسے مرد کی ضرورت تھی جو گھر کے باہر کے کاموں کی دیکھ بھال کرے۔ اور عورتوں کو بکریاں چرانے اور انہیں پانی پلانے کی ضرورت نہ پڑے۔ اس لئے انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ آپ انہیں اس کام پر رکھ لیں، اور اُس کی باقاعدہ اُجرت طے کرلیں۔ اور خاتون کا یہ جملہ کہ: "آپ کسی سے اُجرت پر کام لیں تو اس کے لئے بہترین شخص وہ ہے جو طاقتور بھی ہو، امانت دار بھی۔" ان کی کمالِ عقل مندی کا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ جملہ نقل فرما کر ملازمت کے فیصلے کے لئے بہترین معیار عطا فرمادیا ہے کہ ایک اچھے ملازم میں یہی دو بنیادی خصوصیات ہونی چاہئیں، ایک یہ کہ جو فرائض اُس کے سپرد

کئے گئے ہیں، وہ اُن کو بجالانے کی جسمانی اور ذہنی طاقت رکھتا ہو، اور دوسرے یہ کہ امانت دار ہو۔ خاتون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان دونوں باتوں کا تجربہ ہو چکا تھا۔ پانی پلانے کے لئے انہوں نے جو طریقہ اختیار فرمایا کہ ایک نہایت بھاری پتھر کو ہٹا کر کنویں سے پانی نکالا، یہ اُن کی جسمانی اور ذہنی صلاحیت کی دلیل تھی، اور جہاں تک امانت داری کا تعلق ہے، اُس کا تجربہ خاتون کو اس طرح ہوا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام خاتون کے ساتھ چلنے لگے تو اُن سے کہا کہ آپ میرے پیچھے رہیں، اور راستہ بتاتی جائیں، تا کہ اُن کی شرم و حیا اور عفت و عصمت کا پورا احترام ہو۔ اس قسم کی امانت چونکہ کم دیکھنے میں آتی ہے، اس لئے وہ سمجھ گئیں کہ امانت و دیانت ان کا خاص وصف ہے۔

(۱۸) اُس وقت تو حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں میں سے کسی ایک صاحبزادی کی تعیین نہیں کی، لیکن جب باقاعدہ نکاح ہوا تو تعیین کرکے معروف طریقے کے مطابق ہوا۔ اور اُجرت پر کام کرنے سے مراد بکریاں چرانا تھا۔ بہت سے فقہاء اور مفسرین نے یہ قرار دیا ہے کہ بکریاں چرانے کو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی کا مہر مقرر کیا تھا۔ لیکن اس پر اوّل تو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آیا بیوی کا کوئی کام کرنا مہر بن سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، دوسرے یہاں تو بیوی کا نہیں، بلکہ بیوی کے والد کا کام کرنے کا معاہدہ ہوا تھا۔ جو حضرات اس معاہدے کو مہر قرار دیتے ہیں اگرچہ انہوں نے اس اشکال کا بھی جواب دینے کی کوشش کی ہے، لیکن وہ تکلف سے خالی نہیں ہے۔ اس کے برعکس بعض مفسرین اور فقہاء نے یہ موقف اختیار فرمایا ہے کہ بکریاں چرانا بطور مہر نہیں تھا، بلکہ یہ دو الگ الگ باتوں کی مفاہمت تھی، حضرت شعیب علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کی بکریاں بھی چرائیں جس کی اُجرت الگ مقرر ہو، اور اُن کی صاحبزادی سے نکاح بھی کریں، جس کا مہر الگ سے قاعدے کے مطابق طے کیا جائے۔ ان دونوں باتوں کے بارے میں اُن کی مرضی معلوم کرنے کے لئے آپ نے دونوں باتیں ذکر فرمائیں، تا کہ جب وہ ان باتوں کو منظور کرکے وعدہ کرلیں تو نکاح اس کے اپنے طریقے سے کیا جائے جس میں لڑکی کا تعیین بھی ہو، گواہ بھی ہوں اور مہر بھی مقرر کیا جائے، اور ملازمت کا معاہدہ اپنے طریقے سے کیا جائے جس میں اُجرت باقاعدہ مقرر کی جائے۔ چنانچہ یہ دونوں معاملات اپنے اپنے اَحکام کے مطابق اپنے اپنے وقت پر انجام پائے، اور اس وقت صرف اُن معاملات کو آئندہ وجود میں لانے کا دونوں طرف سے وعدہ کیا گیا۔ لہٰذا اس پر یہ اشکال بھی نہیں ہو سکتا کہ ایک معاملے کو دوسرے معاملے کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ یہی موقف علامہ بدرالدین عینیؒ نے شرح بخاری میں اختیار فرمایا ہے (دیکھئے عمدۃ القاری، کتاب الاجارات، ص: ۸۵، ج: ۱۲)۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ
لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ
لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ
الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ
عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ
وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾

پھر جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کر لی، اور اپنی اہلیہ کو لے کر چلے (۱۹) تو انہوں نے کوہِ طور کی طرف
سے ایک آگ دیکھی۔ انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: "ٹھہرو! میں نے ایک آگ دیکھی ہے،
شاید میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لے آؤں، یا آگ کا کوئی انگارہ اٹھا لاؤں، تاکہ تم گرمائی
حاصل کر سکو۔" ﴿۲۹﴾ چنانچہ جب وہ اس آگ کے پاس پہنچے تو دائیں وادی کے کنارے پر جو
برکت والے علاقے میں واقع تھی، ایک درخت سے آواز آئی کہ: "اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں،
تمام جہانوں کا پروردگار!" ﴿۳۰﴾ اور یہ کہ: "اپنی لاٹھی نیچے ڈال دو۔" پھر ہوا یہ کہ جب انہوں
نے اس لاٹھی کو دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کر رہی ہے جیسے وہ سانپ ہو، تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے، اور
مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (۲۰) (ان سے کہا گیا:) "موسیٰ! سامنے آؤ، اور ڈرو نہیں، تم بالکل محفوظ ہو۔ ﴿۳۱﴾

---

(۱۹) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پورے کئے تھے۔ اس کے بعد غالباً انہوں نے اپنی والدہ اور دوسرے رشتہ داروں کے پاس مصر جانے کا ارادہ فرمایا، اور یہ سوچا کہ قبطی کے قتل کا قصہ اب بھولا بسرا ہو چکا ہوگا، اور واپس مصر جانے میں کوئی خطرہ نہیں رہا۔

(۲۰) یہ ایک طبعی خوف تھا جو نبوت کے منافی نہیں ہوتا۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ
الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا
فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِيْ
هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ
يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ
اِلَيْكُمَا ۛ بِاٰيٰتِنَآ ۛ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، وہ کسی بیماری کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا، اور ڈر دور کرنے کے لئے اپنا بازو اپنے جسم سے لپٹا لینا۔(۲۱) اب یہ دو زبردست دلیلیں ہیں جو تمہارے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اُس کے درباریوں کے پاس بھیجی جارہی ہیں۔ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔" ﴿۳۲﴾ موسیٰ نے کہا: "میرے پروردگار! میں نے اُن کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا، اس لئے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل نہ کردیں۔ ﴿۳۳﴾ اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے،(۲۲) اس لئے اُن کو بھی میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دیجئے کہ وہ میری تائید کریں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔" ﴿۳۴﴾ ارشاد ہوا: "ہم تمہارے بھائی کے ذریعے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے دیتے ہیں، اور تم دونوں کو ایسا دبدبہ عطا کردیتے ہیں کہ اُن کو ہماری نشانیوں کی برکت سے تم پر دسترس حاصل نہیں ہوگی۔ تم اور تمہارے پیروکار ہی غالب رہو گے۔" ﴿۳۵﴾

(۲۱) لاٹھی کے سانپ بننے اور ہاتھ سے اچانک روشنی نکلنے کے واقعات سے جو طبعی گھبراہٹ ہوئی، اُس کا علاج بھی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ جس ہاتھ کو بغل سے نکالا تھا، اور وہ چمکنے لگا تھا، اُسے دوبارہ اپنے جسم سے لپٹا لو تو گھبراہٹ دور ہو جائے گی۔

(۲۲) جیسا کہ سورۂ طٰہٰ (۲۰:۲۵) میں گذرا ہے، بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک انگارا زبان پر

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا
بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ
عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ
يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ
فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

چنانچہ جب موسیٰ اُن کے پاس ہماری کھلی ہوئی نشانیاں لے کر پہنچے تو اُنہوں نے کہا: "یہ کچھ نہیں، بس بناوٹی جادو ہے، اور ہم نے یہ بات اپنے پچھلے باپ دادوں میں نہیں سنی۔" ﴿۳۶﴾ اور موسیٰ نے کہا: "میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اُس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے، اور آخرکار بہتر ٹھکانا کس کے ہاتھ آئے گا۔ (۲۳) یہ پکی بات ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔" ﴿۳۷﴾ اور فرعون بولا: "اے دربار والو! میں تو اپنے سوا تمہارے کسی اور خدا سے واقف نہیں ہوں۔ ہامان! تم ایسا کرو کہ میرے لئے گارے کو آگ دے کر پکواؤ، اور میرے لئے ایک اُونچی عمارت بناؤ، تاکہ میں اُس پر سے موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں، (۲۴) اور میں تو پورے یقین کے ساتھ یہ سمجھتا ہوں کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔" ﴿۳۸﴾

رکھ لیا تھا جس کی وجہ سے ان کی زبان میں تھوڑی سی لکنت پیدا ہوگئی تھی۔ اس لئے اُنہوں نے درخواست کی کہ اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی اُن کے ساتھ نبی بنا کر بھیج دیا جائے، کیونکہ اُن کی زبان زیادہ صاف ہے۔

(۲۳) ٹھکانے سے مراد دُنیا بھی ہوسکتی ہے کہ دُنیا میں اچھا انجام کس کا ہوگا کہ خاتمہ بخیر ہو، اور آخرت بھی مراد ہوسکتی ہے کہ آخرت میں انجام بہتر ہو۔

(۲۴) یہ اُس نے محض مذاق اُڑانے کے طور پر کہا تھا۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ﴿٣٩﴾
فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾
وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنْصَرُونَ ﴿٤١﴾ وَأَتْبَعْنَاهُمْ فِي
هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ ﴿٤٢﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى ع
الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٤٣﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ
وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٤٤﴾

غرض یہ کہ اُس نے اور اُس کے لشکروں نے زمین میں ناحق گھمنڈ کیا، اور یہ سمجھ بیٹھے کہ انہیں ہمارے پاس واپس نہیں لایا جائے گا۔ ﴿۳۹﴾ اس لئے ہم نے اُس کو اور اُس کے لشکروں کو پکڑ میں لے کر سمندر میں پھینک دیا۔ اب دیکھ لو کہ ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔ ﴿۴۰﴾ ہم نے انہیں قائد بنایا تھا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے، اور قیامت کے دن اُن کو کسی کی مدد نہیں پہنچے گی۔ ﴿۴۱﴾ دُنیا میں ہم نے لعنت اُن کے پیچھے لگا دی ہے، اور قیامت کے دن وہ اُن لوگوں میں شامل ہوں گے جن کی بری حالت ہونے والی ہے۔ ﴿۴۲﴾ ہم نے پچھلی اُمتوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو ایسی کتاب دی تھی جو لوگوں کے لئے بصیرت کی باتوں پر مشتمل، اور سراپا ہدایت و رحمت تھی، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔(۲۵) ﴿۴۳﴾ اور (اے پیغمبر!) تم اُس وقت (کوہِ طور کی) مغربی جانب موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ کو احکام سپرد کئے تھے،(۲۶) اور نہ تم اُن لوگوں میں سے تھے جو اس کا مشاہدہ کر رہے ہوں۔ ﴿۴۴﴾

---

(۲۵) اس سے مراد تورات ہے۔

(۲۶) یہاں سے آیت نمبر ۶۱ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی سچائی کا بیان ہے۔ پچھلے پیراگل

وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ
تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا
وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا
لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾

— بلکہ اُن کے بعد ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں، جن پر طویل زمانہ گذر گیا — اور تم مدین کے بسنے والوں کے درمیان بھی مقیم نہیں تھے کہ اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہو، بلکہ (تمہیں) رسول بنانے والے ہم ہیں، ﴿۴۵﴾ اور نہ تم اُس وقت طور کے کنارے موجود تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) پکارا تھا، بلکہ یہ تمہارے رَبّ کی رحمت ہے (کہ تمہیں وحی کے ذریعے یہ باتیں بتائی جارہی ہیں) تاکہ تم اُس قوم کو خبردار کرو جس کے پاس تم سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا، شاید وہ نصیحت قبول کرلیں۔ ﴿۴۶﴾ اور تاکہ جب ان لوگوں پر ان کے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے کوئی مصیبت آئے تو وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ: "ہمارے پروردگار! آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان والوں میں ہم بھی شامل ہوجاتے؟" ﴿۴۷﴾

پیش کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو واقعات قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں، مثلاً کوہِ طور کے مغربی کنارے پر اُن کو تورات دیا جانا، اور صحرائے سینا میں اُن کو پکار کر نبوت عطا کرنا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عرصہ دراز تک مدین میں رہنا، یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت خود موجود تھے کہ ان واقعات کو دیکھتے، اور نہ ان کو معلوم کرنے کا آپ کے پاس کوئی اور ذریعہ تھا، اس کے باوجود آپ یہ واقعات اتنی تفصیل سے بیان فرمارہے ہیں، تو اس کا کوئی اور مطلب سوائے اس کے نہیں ہوسکتا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی ہے جس نے آپ کو ان واقعات سے باخبر کیا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ
يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ٙ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ
كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ
مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ع
وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾

پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آگیا تو کہنے لگے کہ: "اس پیغمبر کو اس جیسی چیز کیوں نہیں دی گئی جیسی موسیٰ (علیہ السلام) کو دی گئی تھی؟"(۲۷) حالانکہ جو چیز موسیٰ کو دی گئی تھی، کیا انہوں نے پہلے ہی اُس کا انکار نہیں کر دیا تھا؟ انہوں نے کہا تھا کہ: "یہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں، اور ہم ان میں سے ہر ایک کے منکر ہیں۔" ﴿۴۸﴾ (ان سے) کہو: "اچھا، اگر تم سچے ہو تو اللہ کے پاس سے کوئی اور ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت پر مشتمل ہو، میں اُس کی اِتباع کرلوں گا۔" ﴿۴۹﴾ پھر اگر یہ تمہاری فرمائش پوری نہ کریں، تو سمجھ لو کہ درحقیقت یہ لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہش کے پیچھے چلے؟ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ﴿۵۰﴾ اور واقعہ یہ ہے کہ ہم ان کے فائدے کے لئے ایک کے بعد ایک (نصیحت کی) بات بھیجتے رہے ہیں،(۲۸) تاکہ وہ متنبہ ہوں۔ ﴿۵۱﴾

(۲۷) یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوری تورات ایک ہی مرتبہ عطا کردی گئی تھی، اسی طرح آپ کو سارا قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نہیں دے دیا گیا؟ اس اعتراض کا یہ جواب آگے دیا گیا ہے کہ تم لوگ تورات پر کونسا ایمان لے آئے تھے جو قرآن کے بارے میں یہ مطالبہ کر رہے ہو؟

(۲۸) قرآن کریم ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ اس کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ اس میں تم لوگوں ہی کا

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا
بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿٥٣﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ
مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٥٤﴾

جن کو ہم نے قرآن سے پہلے آسمانی کتابیں دی ہیں، وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں،(٢٩) ﴿٥٢﴾ اور جب وہ اُن کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ: "ہم اس پر ایمان لائے، یقیناً یہ برحق کلام ہے جو ہمارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے۔ ہم تو اس سے پہلے بھی اسے مانتے تھے۔" ﴿٥٣﴾ ایسے لوگوں کو اُن کا ثواب دُہرا دیا جائے گا، کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا،(٣٠) اور وہ نیکی سے برائی کا دفعیہ کرتے ہیں،(٣١) اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے، اُس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں۔ ﴿٥٤﴾

فائدہ مقصود تھا کہ ہر موقع پر اس کے مناسب ہدایات دی جائیں، اور ایک کے بعد ایک ہدایات دے کر تمہیں اس بات کا موقع دیا جائے کہ تم کسی بات کو تو قبول کرلو۔

(٢٩) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی سچائی کی ایک اور دلیل ہے، اور وہ یہ کہ جن لوگوں کو پہلے آسمانی کتابیں دی جاچکی ہیں، یعنی یہودی اور عیسائی، اُن میں سے جو لوگ حق کے طالب تھے، وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور قرآن کریم کے نزول کی بشارت پچھلی کتابوں میں موجود ہے، اس لئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی آپ کو اور قرآن کریم کو مانتے تھے۔

(٣٠) جو شخص پہلے ایک دین کو اختیار کئے ہوئے ہو، اور جسے اس بات پر فخر بھی ہو کہ وہ ایک آسمانی کتاب کی پیروی کررہا ہے، اُس کے لئے نیا دین اختیار کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، اس لئے بھی کہ اپنی پرانی عادت چھوڑنا دُشوار ہے، اور اس لئے بھی کہ اس کے ہم مذہب اُسے تکلیفیں پہنچاتے ہیں، لیکن ان حضرات نے ان تمام تکلیفوں پر صبر کیا، اور حق پر ثابت قدم رہے، اس لئے ان کو دُہرا ثواب ملے گا۔

(٣١) یعنی برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں۔

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ
عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿٥٥﴾ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي
مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ وَقَالُوا إِنْ نَتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ
نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا ۚ أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ
شَيْءٍ رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾

اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اُسے ٹال جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: "ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں، اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ ہم تمہیں سلام کرتے ہیں۔(۳۲) ہم نادان لوگوں سے اُلجھنا نہیں چاہتے۔" ﴿۵۵﴾ (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم جس کو خود چاہو، ہدایت تک نہیں پہنچا سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے، ہدایت تک پہنچا دیتا ہے، اور ہدایت قبول کرنے والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔ ﴿۵۶﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: "اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں گے تو ہمیں اپنی زمین سے کوئی اُچک کر لے جائے گا۔"(۳۳) بھلا کیا ہم نے ان کو اُس حرم میں جگہ نہیں دے رکھی جو اتنا پُرامن ہے کہ ہر قسم کے پھل اُس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں، جو خاص ہماری طرف سے دیا ہوا رزق ہے؟ لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ﴿۵۷﴾

---

(۳۲) یعنی تم سے بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتے، ہاں یہ دُعا کرتے ہیں کہ تمہیں اسلام کی توفیق ملے، اور اس کے نتیجے میں تمہیں سلامتی عطا ہو۔

(۳۳) بعض کافروں نے اسلام لانے میں یہ رُکاوٹ ظاہر کی تھی کہ اسلام لانے کے بعد عرب کے لوگ ہماری عزت کرنا چھوڑ دیں گے، اور ہمارے خلاف قتل و غارت گری کا بازار گرم کر کے ہمیں یہاں سے نکال باہر کریں گے۔ قرآنِ کریم نے اس کے تین جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب تو اسی آیت میں یہ دیا ہے کہ ہم نے ان کے کفر کے باوجود ان کو حدودِ حرم میں اتنا محفوظ بنایا ہوا ہے کہ سارے عرب میں قتل و غارت گری ہو رہی ہے، لیکن حرم والوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا، بلکہ چاروں طرف سے ہر قسم کے پھل کھنچ کھنچ کر وہاں آتے ہیں، اور حرم آنے والے کسی

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ
بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿٥٨﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ
حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا
وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿٥٩﴾

اور کتنی ہی بستیاں وہ ہیں جو اپنی معیشت پر اِترا گئی تھیں، ہم نے اُن کو تباہ کر ڈالا، اب وہ اُن کی رہائش گاہیں تمہارے سامنے ہیں، جو اُن کے بعد تھوڑے عرصے کو چھوڑ کر کبھی آباد ہی نہ ہو سکیں، اور ہم ہی تھے جو اُن کے وارث بنے۔ ﴿۵۸﴾ اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ وہ بستیاں یونہی ہلاک کر ڈالے جب تک اُس نے اُن بستیوں کے مرکزی مقام پر کوئی رسول نہ بھیجا ہو جو اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے، اور ہم بستیوں کو اُس وقت تک ہلاک کرنے والے نہیں ہیں جب تک اُن کے باشندے ظالم نہ بن جائیں۔ (۳۴) ﴿۵۹﴾

سامان پر کوئی ڈاکا نہیں ڈالتا۔ جب تمہارے کفر کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حفاظت بخشی ہوئی ہے تو جب تم ایمان لے آؤ گے تو کیا اُس وقت اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت نہیں کرے گا؟ پھر آیت ۵۸ میں دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بربادی تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے آتی ہے، چنانچہ تم سے پہلی جن قوموں نے کفر کی راہ اختیار کی، آخر کار وہی تباہ ہوئیں، نہ کہ وہ لوگ جو ایمان لے آئے تھے۔ پھر آیت نمبر ۶۰ میں تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر بالفرض اسلام لانے کے نتیجے میں تمہیں دُنیا کے اندر کچھ تکلیفیں پہنچ بھی جائیں تو وہ آخرت کی تکلیفوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

(۳۴) یہ بیچ میں کفارِ عرب کے ایک اور اعتراض کا جواب دے دیا گیا ہے۔ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے مذہب اور طریقِ کار سے ناراض ہے، تو جس طرح اُس نے پچھلی قوموں کو ہلاک کیا ہے، جن کا حوالہ پچھلی آیت میں بھی دیا گیا ہے، اِسی طرح ہم کو اب تک کیوں ہلاک نہیں کیا؟ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ لوگوں کو ہلاک کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ وہ سب سے پہلے اپنا کوئی پیغمبر اُن کے

وَمَآ أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا ۚ وَمَا عِندَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۚ
أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۰﴾ أَفَمَن وَعَدْنَٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَن مَّتَّعْنَٰهُ مَتَاعَ
الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿۶۱﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ
أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۶۲﴾

اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے، وہ دُنیوی زندگی کی پونجی اور اُس کی سجاوٹ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ کہیں زیادہ بہتر اور کہیں زیادہ پائیدار ہے۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۶۰﴾ بھلا بتاؤ کہ جس شخص سے ہم نے اچھا سا وعدہ کر رکھا ہے، اور وہ اُس وعدے کو پا کر رہے گا، کیا وہ اُس جیسا ہو سکتا ہے جسے ہم نے دُنیوی زندگی کی پونجی کے کچھ مزے دے دیئے ہیں، پھر وہ اُن لوگوں میں شامل ہونے والا ہے جو قیامت کے دن دھر لئے جائیں گے؟ ﴿۶۱﴾ اور وہ دن (کبھی نہ بھولو) جب اللہ اُن لوگوں کو پکارے گا، اور کہے گا: ”کہاں ہیں (خدائی میں) میرے وہ شریک جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟“(۳۵) ﴿۶۲﴾

مرکزی علاقے میں بھیجتا ہے جو انہیں سیدھے راستے کی دعوت دے، اور بار بار دیتا رہے، تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں، اور انہیں سزا دینے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اگر وہ اپنی گمراہی سے باز آجاتے ہیں تو انہیں ہلاک نہیں کیا جاتا، البتہ اگر وہ اپنی ظالمانہ روش پر اَڑے رہتے ہیں، تب انہیں سزا دی جاتی ہے۔ یہی معاملہ پچھلی قوموں کے ساتھ ہوا، اور وہی سلوک تمہارے ساتھ ہو رہا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بار بار حق کو قبول کرنے کی دعوت دے رہے ہیں، اور تمہیں مہلت دی جا رہی ہے۔ اس کا یہ مطلب لینا پرلے درجے کی نادانی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہیں، اور تمہیں کبھی سزا نہیں ملے گی۔

(۳۵) اس سے مراد وہ شیاطین ہیں جن کو کافروں نے معبود بنا رکھا تھا۔

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا
غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ
فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾
وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ
يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾

جن کے خلاف (اللہ کی) بات پوری ہو چکی ہوگی،(۳۶) وہ کہیں گے: "اے ہمارے پروردگار! یہ لوگ جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا، ہم نے ان کو اسی طرح گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے۔(۳۷) ہم آپ کے سامنے ان سے دست بردار ہوتے ہیں، یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔"(۳۸) ﴿۶۳﴾ اور (ان کافروں سے) کہا جائے گا کہ: "پکارو ان کو جنہیں تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا تھا!" چنانچہ وہ ان کو پکاریں گے، مگر وہ ان کو جواب نہیں دیں گے، اور یہ عذاب آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ کاش یہ ایسے ہوتے کہ ہدایت کو قبول کر لیتے! ﴿۶۴﴾ اور وہ دن (بھی ہرگز نہ بھولو) جب اللہ ان کو پکارے گا، اور کہے گا: "تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا؟" ﴿۶۵﴾ اب پر ساری باتیں (جو یہ بنایا کرتے ہیں) اُس دن بے نشان ہو چکی ہوں گی، چنانچہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکیں گے۔ ﴿۶۶﴾

(۳۶) ان سے مراد بھی وہی شیاطین ہیں جن کو نفع نقصان کا مالک سمجھ کر کافر لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اور بات پوری ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ جو شیاطین دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں، انہیں آخرکار دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ان شیاطین کے دوزخ میں جانے کا وقت آ چکا ہوگا، اس وقت وہ یہ بات کہیں گے۔

(۳۷) یعنی جس طرح ہم نے اپنے اختیار سے گمراہی اختیار کی، ان لوگوں نے بھی اپنے اختیار سے گمراہی اپنائی، ورنہ ہم نے ان پر کوئی زبردستی نہیں کی تھی کہ یہ ضرور ہماری بات مانیں۔

(۳۸) یعنی درحقیقت یہ لوگ ہماری عبادت کرنے کے بجائے اپنی نفسانی خواہشات کی عبادت کرتے تھے۔

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ ﴿۶۷﴾ وَرَبُّكَ
یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا
یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ یَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَؕ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ٘ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ
اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ
یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾

البتہ جن لوگوں نے توبہ کرلی، اور ایمان لے آئے، اور نیک عمل کئے، تو پوری اُمید ہے کہ وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جنہیں فلاح حاصل ہوگی۔ ﴿۶۷﴾ اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور (جو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے۔ ان کو کوئی اختیار نہیں ہے۔(۳۹) اللہ ان کے شرک سے پاک اور بہت بالا و برتر ہے۔ ﴿۶۸﴾ اور تمہارا پروردگار اُن باتوں کو بھی جانتا ہے جو ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں، اور اُن باتوں کو بھی جو یہ کھلم کھلا کرتے ہیں۔ ﴿۶۹﴾ اللہ وہی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تعریف اُسی کی ہے، دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور حکم اُسی کا چلتا ہے، اور اُسی کی طرف تم سب واپس بھیجے جاؤ گے۔ ﴿۷۰﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو: ”ذرا یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تم پر رات کو ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک مسلط رکھے تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو تمہارے پاس روشنی لے کر آئے؟ بھلا کیا تم سنتے نہیں ہو؟“ ﴿۷۱﴾

(۳۹) یہ کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ پیغمبر ہمارے سرداروں اور دولت مند لوگوں میں سے کسی کو کیوں نہیں بنایا گیا؟ مختصر جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ ساری کائنات پیدا کی ہے، اور اُسی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کس کو اپنا پیغمبر بنائے۔ ان لوگوں کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِن جَعَلَ ٱللَّهُ عَلَيْكُمُ ٱلنَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ
ٱللَّهِ يَأْتِيكُم بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝﴿۷۲﴾ وَمِن رَّحْمَتِهِۦ جَعَلَ لَكُمُ ٱلَّيْلَ وَ
ٱلنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا۟ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا۟ مِن فَضْلِهِۦ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝﴿۷۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ
فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِىَ ٱلَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۝﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا
فَقُلْنَا هَاتُوا۟ بُرْهَٰنَكُمْ فَعَلِمُوٓا۟ أَنَّ ٱلْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَفْتَرُونَ ۝﴿۷۵﴾

کہو: ''ذرا یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تم پر دن کو ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک مسلط کردے تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو تمہیں وہ رات لاکر دیدے جس میں تم سکون حاصل کرسکو؟ بھلا کیا تمہیں کچھ بھائی نہیں دیتا؟ ﴿۷۲﴾ یہ تو اُسی نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات بھی بنائی ہے اور دن بھی، تاکہ تم اُس میں سکون حاصل کرو، اور اس میں اللہ کا فضل تلاش کرو،(۲۰) اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ﴿۷۳﴾ اور وہ دن (نہ بھولو) جب وہ ان (مشرکوں) کو پکارے گا، اور کہے گا کہ: ''کہاں ہیں (خدائی میں) میرے وہ شریک جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟'' ﴿۷۴﴾ اور ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہی دینے والا نکال لائیں گے، پھر کہیں گے کہ: ''لاؤ اپنی کوئی دلیل!'' اُس وقت اُن کو پتہ چل جائے گا کہ سچی بات اللہ ہی کی تھی، اور وہ ساری باتیں جو انہوں نے گھڑ رکھی تھیں، سب گم ہو کر رہ جائیں گی۔ ﴿۷۵﴾

---

(۲۰) یہ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام کا تذکرہ ہے کہ اُس نے رات کے وقت کو سکون حاصل کرنے کا ذریعہ بنادیا، اندھیرا طاری کرکے سب کو مجبور کردیا کہ وہ اُس وقت آرام کریں، ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ سب لوگ کسی ایک وقت پر متفق ہوکر اُسے آرام کا وقت قرار دے دیتے، اور نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک شخص آرام کرنا چاہتا ہے تو دوسرا اُس وقت کوئی کام کرنا چاہتا ہے، اور اُس کے کام میں مشغول ہونے سے پہلے شخص کے آرام میں خلل واقع ہوتا۔ اسی طرح دن کے وقت کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل تلاش کرنے یعنی روزی روزگار کمانے کا وقت بنادیا، تاکہ اُس وقت سب کام میں لگیں۔ اگر تمام وقت دن رہتا تو سکون حاصل کرنا مشکل ہوتا، اور اگر تمام وقت رات رہتی تو سارے کام ناممکن ہوجاتے۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ
مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ
الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا
يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ
قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۚ وَلَا يُسْأَلُ
عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٧٨﴾

قارون موسیٰ کی قوم کا ایک شخص تھا،(۴۱) پھر اُس نے اُنہی پر زیادتی کی۔(۴۲) اور ہم نے اُسے اتنے خزانے دیے تھے کہ اُس کی چابیاں طاقتور لوگوں کی ایک جماعت سے بھی مشکل سے اُٹھتی تھیں۔ ایک وقت تھا جب اُس کی قوم نے اُس سے کہا کہ: "اِتراؤ نہیں، اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ﴿۷۶﴾ اور اللہ نے تمہیں جو کچھ دے رکھا ہے، اُس کے ذریعے آخرت والا گھر بنانے کی کوشش کرو،(۴۳) اور دُنیا میں سے بھی اپنے حصے کو نظر انداز نہ کرو،(۴۴) اور جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، تم بھی (دوسروں پر) احسان کرو،(۴۵) اور زمین میں فساد مچانے کی کوشش نہ کرو۔ یقین جانو اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" ﴿۷۷﴾ کہنے لگا: "یہ سب کچھ تو مجھے خود اپنے علم کی وجہ سے ملا ہے۔" بھلا کیا اُسے اتنا بھی علم نہیں تھا کہ اللہ نے اُس سے پہلی نسلوں کے ایسے ایسے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا تھا جو طاقت میں بھی اُس سے زیادہ مضبوط تھے،(۴۶) اور جن کی جمعیت بھی زیادہ تھی۔ اور مجرموں سے اُن کے گناہوں کے بارے میں پوچھا بھی نہیں جاتا۔(۴۷) ﴿۷۸﴾

---

(۴۱) اتنی بات تو خود قرآن کریم سے واضح ہے کہ قارون بنو اسرائیل ہی کا ایک شخص تھا۔ بعض روایات سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے فرعون نے اُس کو بنو اسرائیل کی نگرانی پر متعین کیا ہوا تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنایا اور حضرت ہارون علیہ السلام آپ کے نائب قرار پائے تو اسے حسد ہوا، اور بعض روایات میں ہے کہ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ بھی کیا کہ اُسے کوئی منصب دیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا کہ اُسے کوئی منصب ملے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کرلی، اس پر اس کے حسد کی آگ اور زیادہ بھڑک اُٹھی، اور اُس نے منافقت شروع کردی۔

(۴۲) قرآن کریم نے یہاں جو لفظ استعمال فرمایا ہے، اُس کے معنی ظلم اور زیادتی کرنے کے بھی ہو سکتے ہیں، اور تکبر کرنے کے بھی۔ کہتے ہیں کہ جب اُس کو فرعون کی طرف سے بنو اسرائیل کی نگرانی سونپی گئی تھی تو اُس نے اپنے ہی قوم کے لوگوں پر زیادتیاں کی تھیں۔

(۴۳) مطلب یہ ہے کہ مال ودولت کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق استعمال کرو جس کے نتیجے میں آخرت کا ثواب حاصل ہو۔

(۴۴) یعنی آخرت کا گھر بنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دُنیا کی ضروریات کو بالکل نظرانداز کردو، بلکہ ضرورت کے مطابق دُنیا کا ساز وسامان رکھنے اور کمانے میں بھی کچھ گناہ نہیں ہے۔ البتہ دُنیا اس انداز سے نہ کماؤ جس سے آخرت میں نقصان اُٹھانا پڑے۔

(۴۵) یہاں اشارہ فرمادیا گیا کہ جو مال ودولت تمہیں دُنیا میں ملا ہے، حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اور اُس نے تم پر احسان کرکے تمہیں عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح تم بھی لوگوں پر احسان کرکے اُنہیں اس مال و دولت میں شریک کرو۔

(۴۶) ایک طرف تو قارون یہ دعویٰ کررہا تھا کہ میں نے جو مال ودولت حاصل کیا ہے اپنے علم وہنر سے حاصل کیا ہے، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ علم کا کوئی اعلیٰ درجہ تو درکنار اُسے اتنی معمولی بات بھی معلوم نہیں تھی کہ اگر بالفرض اُس نے اپنے علم وہنر ہی سے یہ سب کچھ حاصل کیا تو وہ علم وہنر کس کا دیا ہوا تھا؟ نیز یہ بات بھی اُس نے نظر انداز کردی کہ اللہ تعالیٰ ایسے بہت سے انسانوں کو ہلاک کرچکا ہے جو اُس سے زیادہ مضبوط تھے، اور اسی قسم کے دعوے کیا کرتے تھے۔

(۴۷) یعنی اللہ تعالیٰ کو مجرموں کے حالات کا پورا علم ہے، اس لئے اُس کو حالات جاننے کے لئے اُن سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں آخرت میں اُن سے جو سوالات ہوں گے، وہ اُن کا جرم خود اُن پر ثابت کرنے کے لئے ہوں گے۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ
مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ
ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ
وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ
مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ اَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ یَقُوْلُوْنَ وَیْكَاَنَّ
اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ ۚ لَوْ لَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا
لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیْكَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۸

پھر (ایک دن) وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی آن بان کے ساتھ نکلا۔ جو لوگ دُنیوی زندگی کے طلب گار تھے، وہ کہنے لگے: "اے کاش! ہمارے پاس بھی وہ چیزیں ہوتیں جو قارون کو عطا کی گئی ہیں۔ یقیناً وہ بڑے نصیبوں والا ہے۔" ﴿۷۹﴾ اور جن لوگوں کو (اللہ کی طرف سے) علم عطا ہوا تھا، اُنہوں نے کہا: "تم پر افسوس ہے (کہ تم ایسا کہہ رہے ہو)۔ اللہ کا دیا ہوا ثواب اُس شخص کے لئے کہیں زیادہ بہتر ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اور وہ اُنہی کو ملتا ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں۔"(۳۸) ﴿۸۰﴾ پھر ہوا یہ کہ ہم نے اُسے اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، پھر اُسے کوئی ایسا گروہ میسر نہ آیا جو اللہ کے مقابلے میں اُس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود اپنا بچاؤ کر سکا۔ ﴿۸۱﴾ اور کل جو لوگ اُس جیسا ہونے کی تمنا کر رہے تھے، کہنے لگے: "اوہو! پتہ چل گیا کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت کر دیتا ہے، اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو وہ ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ اوہو! پتہ چل گیا کہ کافر لوگ فلاح نہیں پاتے۔" ﴿۸۲﴾

(۳۸) "صبر" قرآن کریم کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ناجائز خواہشات پر قابو پا کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر ثابت قدم رکھے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٨٣﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا
يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾ إِنَّ الَّذِي فَرَضَ
عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ مَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي
ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾

وہ آخرت والا گھر تو ہم اُن لوگوں کے لئے مخصوص کردیں گے جو زمین میں نہ تو بڑائی چاہتے ہیں، اور
نہ فساد، اور آخری انجام پرہیزگاروں کے حق میں ہوگا۔ ﴿۸۳﴾ جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا تو
اُس کو اُس سے بہتر چیز ملے گی، اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا تو جنہوں نے برے کام کئے ہیں، اُن
کو کسی اور چیز کی نہیں، اُن کے کئے ہوئے کاموں ہی کی سزا دی جائے گی۔ ﴿۸۴﴾
(اے پیغمبر!) جس ذات نے تم پر اس قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے، وہ تمہیں دوبارہ اُس جگہ پر لا کر
رہے گا جو (تمہارے لئے) اُنسیت کی جگہ ہے۔(۴۹) کہہ دو: "میرا رب اُس سے بھی خوب واقف ہے
جو ہدایت لے کر آیا ہے، اور اُس سے بھی جو کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔" ﴿۸۵﴾

---

(۴۹) قرآن کریم میں اصل لفظ "معاد" استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ "عادت" سے نکلا ہے،
یعنی وہ جگہ جس میں رہنے اور آنے جانے کا انسان عادی اور اُس سے مانوس ہو۔ اور بعض حضرات نے اس کے
معنی "لوٹنے کی جگہ" بیان کئے ہیں۔ دونوں صورتوں میں اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اور یہ آیت اُس وقت نازل
ہوئی تھی جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے جارہے تھے، جب
جحفہ کے قریب اُس جگہ پہنچے جہاں سے مکہ مکرمہ کا راستہ الگ ہوتا تھا تو آپ کو اپنے وطن سے جدائی کا احساس
ہوا، اُس موقع پر اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تسلی دی، اور وعدہ فرمایا کہ آپ کو دوبارہ اس سرزمین پر فاتح
کی حیثیت سے لایا جائے گا۔ چنانچہ آٹھ سال کی مدت میں یہ وعدہ پورا ہوگیا، اور مکہ مکرمہ میں آپ فاتح بن کر

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ
ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى
رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور (اے پیغمبر!) تمہیں پہلے سے یہ امید نہیں تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی، لیکن یہ تمہارے رب کی طرف سے رحمت ہے، لہٰذا کافروں کے ہرگز مددگار نہ بننا۔ ﴿۸۶﴾ اور جب اللہ کی آیتیں تم پر نازل کردی گئی ہیں، تو اس کے بعد یہ لوگ تمہیں ہرگز ان (پر عمل کرنے) سے روکنے نہ پائیں۔ اور تم اپنے رب کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہو، اور ہرگز ان مشرکین میں شامل نہ ہونا۔ ﴿۸۷﴾ اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے، سوائے اُس کی ذات کے۔ حکومت اُسی کی ہے، اور اُسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔ ﴿۸۸﴾

داخل ہوئے۔ اور بعض مفسرین نے "انسیت کی جگہ" یا "لوٹنے کی جگہ" سے مراد جنت لی ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ آپ کو اگرچہ اس دنیا میں تکلیفیں پہنچ رہی ہیں، لیکن آخرکار آپ کا مقام جنت ہے۔

الحمدللہ! آج بروز اتوار مورخہ ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۳/ جون ۲۰۰۷ء کو ڈربن جنوبی افریقہ میں سورۂ قصص کا ترجمہ اور تشریحی حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضائے کامل کے ساتھ تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ العنكبوت

تعارف

یہ سورت مکہ مکرمہ کے اُس دور میں نازل ہوئی تھی جب مسلمانوں کو اُن کے دشمنوں کے ہاتھوں طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھانی پڑ رہی تھیں۔ بعض مسلمان ان تکلیفوں کی شدت سے بعض اوقات پریشان ہوتے، اور اُن کی ہمت ٹوٹنے لگتی تھی۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے مسلمانوں کو بڑی قیمتی ہدایات عطا فرمائی ہیں۔ اوّل تو سورت کے بالکل شروع میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کے لئے جو جنت تیار فرمائی ہے، وہ اتنی سستی نہیں ہے کہ کسی تکلیف کے بغیر حاصل ہوجائے۔ ایمان لانے کے بعد انسان کو مختلف آزمائشوں سے گذرنا ہی پڑتا ہے۔ دوسرے یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ یہ ساری تکلیفیں عارضی نوعیت کی ہیں، اور آخرکار ایک وقت آنے والا ہے جب ظالموں کو ظلم کرنے کی طاقت نہیں رہے گی، اور غلبہ اسلام اور مسلمانوں ہی کو حاصل ہوگا۔ اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں پچھلے کئی انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات سنائے ہیں جن میں سے ہر واقعے میں یہی ہوا کہ شروع میں ایمان لانے والوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آخرکار اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو برباد کیا، اور مظلوم مؤمنوں کو فتح عطا فرمائی۔ مکی زندگی کے اسی زمانے میں کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ اولاد مسلمان ہوگئی، اور والدین کفر پر بضد رہے، اور اپنی اولاد کو واپس کفر اختیار کرنے پر مجبور کرنے لگے۔ اُن کا کہنا تھا کہ والدین ہونے کی وجہ سے اُن کی اولاد کو دین و مذہب کے معاملے میں بھی اُن کی فرماں برداری کرنی چاہئے۔ اس سورت کی آیت نمبر ۸ میں اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں یہ معتدل اور برحق اُصول بیان فرمایا کہ والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ انسان کا فرض ہے، لیکن اگر وہ کفر یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں تو اُن کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ جن مسلمانوں کے لئے مکہ مکرمہ کے کافروں کا ظلم وستم ناقابلِ برداشت ہورہا تھا، اُن کو اس سورت میں نہ صرف اجازت، بلکہ ترغیب دی گئی ہے کہ وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے کسی ایسی جگہ چلے

جائیں جہاں وہ اطمینان کے ساتھ اپنے دین پر عمل کرسکیں۔ بعض کافر لوگ مسلمانوں پر زور دیتے تھے کہ دینِ اسلام کو چھوڑ دو، اور اگر اس کے نتیجے میں تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سزا آئی تو تمہاری طرف سے ہم اُسے بھگت لیں گے۔ اس سورت کی آیات ۱۲ اور ۱۳ میں اس لغو پیشکش کی حقیقت واضح کردی گئی ہے کہ آخرت میں کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اُٹھا سکے گا۔ اس کے علاوہ توحید، رسالت اور آخرت کے دلائل بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں، اور اس سلسلے میں جو اعتراضات کافروں کی طرف سے اُٹھائے جاتے تھے، اُن کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

''عنکبوت'' عربی میں مکڑی کو کہتے ہیں، اور اس سورت کی آیت نمبر ۴۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے مکڑی کے جالے پر بھروسہ کر رکھا ہو، اس لئے اس سورت کا نام سورۂ عنکبوت ہے۔

آیاتہا ۶۹ | ۲۹ سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْتِ مَکِّیَّۃٌ ۸۵ | رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾ اَمْ
حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾ مَنْ كَانَ
يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۵﴾

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں انہتر آیتیں اور سات رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓمّٓ۔ ﴿۱﴾ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ بس وہ یہ کہہ دیں کہ: "ہم ایمان لے آئے" اور ان کو آزمایا نہ جائے؟ ﴿۲﴾ حالانکہ ہم نے اُن سب کی آزمائش کی ہے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔ لہٰذا اللہ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ ہیں جنہوں نے سچائی سے کام لیا ہے، اور وہ یہ بھی معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ جھوٹے ہیں۔[1] ﴿۳﴾ جن لوگوں نے برے برے کام کیے ہیں، کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہم سے بازی لے جائیں گے؟ بہت برا اندازہ ہے جو وہ لگا رہے ہیں۔ ﴿۴﴾ جو شخص اللہ سے جا ملنے کی اُمید رکھتا ہو، اُسے یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی میعاد ضرور آکر رہے گی، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔ ﴿۵﴾

---

(۱) اگرچہ اللہ تعالیٰ کو شروع ہی سے سب کچھ معلوم ہے کہ کون فرماں بردار ہوگا، اور کون نافرمان، لیکن اللہ تعالیٰ اس ازلی علم کی بنیاد پر جزا و سزا کا فیصلہ کرنے کے بجائے لوگوں پر حجت تمام کرنے کے لئے انہیں موقع دیتا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے ہدایت یا گمراہی کا راستہ خود چنیں، اور یہاں یہی دیکھنا مراد ہے کہ کس نے کونسا راستہ عملاً چنا ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٦﴾ وَالَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي
كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٧﴾ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي
مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴿٩﴾

اور جو شخص(۲) بھی ہمارے راستے میں محنت اُٹھاتا ہے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے محنت اُٹھاتا ہے۔ یقیناً اللہ تمام دُنیا جہان کے لوگوں سے بے نیاز ہے۔ ﴿۶﴾ اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ہم اُن کی خطاؤں کو ضرور اُن سے جھاڑ دیں گے، اور جو عمل وہ کرتے رہے ہیں، اُن کا بہترین بدلہ اُنہیں ضرور دیں گے۔ ﴿۷﴾ اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور اگر وہ تم پر زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی ایسے (معبود) کو شریک ٹھہراؤ جس کے بارے میں تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو اُن کا کہنا مت مانو۔(۳) میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے، اُس وقت میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ ﴿۸﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور اُنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ہم اُنہیں ضرور نیک لوگوں میں شامل کریں گے۔ ﴿۹﴾

---

(۲) اس میں دین کے راستے میں کی ہوئی ہر محنت داخل ہے، چاہے وہ نفس اور شیطان کا مقابلہ کرنے کی محنت ہو، یا تبلیغ و دعوت کی محنت، یا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے کی محنت۔

(۳) اس آیت نے یہ اصول بتادیا ہے کہ اگر والدین کافر ہوں، تب بھی اُن کے ساتھ عام برتاؤ میں نیک سلوک کرنا چاہئے، اور ان کی توہین یا ان کو تکلیف پہنچانا مسلمان کا کام نہیں ہے، لیکن اگر وہ کفر و شرک پر مجبور کریں تو ان کا کہنا ماننا جائز نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ
اللَّهِ ۖ وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۚ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ
بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ۝١٠ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ
الْمُنَافِقِينَ ۝١١ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ
خَطَايَاكُمْ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُمْ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝١٢

اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ کہہ دیتے ہیں کہ: "ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں" پھر جب اُن کو اللہ
کے راستے میں کوئی تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو ایسا سمجھتے ہیں جیسا اللہ
کا عذاب۔(۴) اور اگر کبھی تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی مدد (مسلمانوں) کے پاس آگئی ہے
تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: "ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔"(۵) بھلا کیا اللہ کو وہ باتیں اچھی طرح معلوم نہیں
ہیں جو سارے دنیا جہان کے لوگوں کے سینوں میں چھپی ہیں؟ ﴿۱۰﴾ اور اللہ تعالیٰ ضرور معلوم
کر کے رہے گا کہ کون لوگ ایمان لائے ہیں، اور وہ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ منافق
ہیں۔(۶) ﴿۱۱﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، انہوں نے ایمان والوں سے کہا کہ: "ہمارے راستے
کے پیچھے چلو تو ہم تمہاری خطاؤں کا بوجھ اُٹھا لیں گے"، حالانکہ وہ اُن کی خطاؤں کا ذرا بھی بوجھ نہیں
اُٹھا سکتے، اور یہ لوگ یقیناً بالکل جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۲﴾

---

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب جتنا سنگین ہے، یہ لوگ انسانوں کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو بھی اتنا ہی سنگین سمجھتے ہیں، اور اس کی وجہ سے کفار کی بات مان کر واپس کفر کی طرف چلے جاتے ہیں، اور یہ بات منافقت کے طور پر مسلمانوں سے چھپاتے ہیں۔

(۵) یعنی جب مسلمانوں کو فتح ہوگی، اور فتح کے اچھے نتائج سامنے آئیں گے تو یہ لوگ مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم تو دل سے تمہارے ساتھ تھے، اس لئے ہم سے کافروں جیسا معاملہ کرنے کے بجائے ہمیں اس فتح کے نتائج میں شریک کرو۔

(۶) دیکھئے حاشیہ نمبر ۱۔

وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا
يَفْتَرُونَ ﴿١٣﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا ع ۱۲
خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٤﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ
السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٥﴾ وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَ
اتَّقُوهُ ۖ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٦﴾ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا
وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا
فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٧﴾

اور وہ اپنے گناہوں کے بوجھ بھی ضرور اُٹھائیں گے، اور اپنے بوجھ کے ساتھ کچھ اور بوجھ بھی۔(۷) اور یہ لوگ جتنے جھوٹ گھڑا کرتے تھے، قیامت کے دن ان سے اُن سب کی باز پرس ضرور کی جائے گی۔ ﴿۱۳﴾ اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ پچاس کم ایک ہزار سال تک وہ اُن کے درمیان رہے، پھر اُن کو طوفان نے آپکڑا، اور وہ ظالم لوگ تھے۔ ﴿۱۴﴾ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو بچالیا، اور ہم نے اُس کو دُنیا جہان والوں کے لئے ایک عبرت بنا دیا۔(۸) ﴿۱۵﴾ اور ہم نے ابراہیم کو بھیجا جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: "اللہ کی عبادت کرو، اور اُس سے ڈرو، یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم سمجھ سے کام لو۔ ﴿۱۶﴾ جو کچھ تم کرتے ہو وہ یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر تم بتوں کو پوجتے ہو، اور جھوٹی باتیں گھڑتے ہو۔ یقین جانو کہ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کی تم عبادت کرتے ہو، وہ تمہیں رزق دینے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے، اس لئے رزق اللہ کے پاس تلاش کرو، اور اُس کی عبادت کرو، اور اُس کا شکر ادا کرو۔ اُسی کے پاس تمہیں واپس لوٹایا جائے گا۔ ﴿۱۷﴾

---

(۷) یعنی جن لوگوں کو انہوں نے گمراہ کیا، اُن کے گناہوں کا بوجھ بھی ان کو اُٹھانا ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لوگ گناہوں کی سزا سے بچ جائیں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کو تو گناہ ہوگا ہی، لیکن ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی گناہ ہوگا جنہوں نے ان کو گمراہ کیا۔

(۸) حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ ہود (۱۱:۲۵) میں گذر چکا ہے۔

وَإِنْ تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ
الْمُبِينُ ﴿١٨﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ
يَسِيرٌ ﴿١٩﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنْشِئُ
النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ
مَنْ يَشَاءُ ۖ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي
ع ۱۲ السَّمَاءِ ۖ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ
اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَئِسُوا مِنْ رَحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٣﴾ فَمَا
كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ ۚ

اور اگر تم مجھے جھٹلا رہے ہو تو تم سے پہلے بہت سی قومیں جھٹلانے کی روش اختیار کر چکی ہیں، اور رسول پر اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی کہ وہ صاف صاف بات پہنچا دے۔" ﴿۱۸﴾ بھلا کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح مخلوق کو شروع میں پیدا کرتا ہے؟ پھر وہی اُسے دوبارہ پیدا کرے گا، یہ کام تو اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔ ﴿۱۹﴾ کہو کہ: "ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کو شروع میں پیدا کیا، پھر اللہ ہی آخرت والی مخلوق کو بھی اُٹھا کھڑا کرے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿۲۰﴾ وہ جس کو چاہے گا، سزا دے گا، اور جس پر چاہے گا رحم کرے گا، اور اُسی کی طرف تم سب کو پلٹا کر لے جایا جائے گا۔ ﴿۲۱﴾ اور تم نہ زمین میں (اللہ کو) عاجز کر سکتے ہو، اور نہ آسمان میں، اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی رکھوالا ہے، اور نہ کوئی مددگار۔" ﴿۲۲﴾ اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا اور اُس سے جا ملنے کا انکار کیا ہے، وہ میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں، اور ان کے لیے دُکھ دینے والا عذاب ہے۔ ﴿۲۳﴾ غرض ابراہیم کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ اُنہوں نے کہا: "قتل کر ڈالو اس کو یا جلا ڈالو اسے!" پھر اللہ نے ابراہیم کو آگ سے بچا لیا۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٤﴾ وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ
أَوْثَانًا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ
وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَآمَنَ لَهُ
لُوطٌ ۘ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٦﴾

یقیناً اس واقعے میں اُن لوگوں کے لئے بڑی عبرتیں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔(۹) ﴿۲۴﴾ اور ابراہیم نے یہ بھی کہا کہ: "تم نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو (خدا) مانا ہوا ہے جس کے ذریعے دُنیوی زندگی میں تمہاری آپس کی دوستی قائم ہے۔(۱۰) پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کروگے، اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجوگے، اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا، اور تمہیں کسی بھی طرح کے مددگار میسر نہیں ہوں گے۔" ﴿۲۵﴾ پھر لوط اُن پر ایمان لائے،(۱۱) اور ابراہیم نے کہا کہ: "میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرکے جارہا ہوں،(۱۲) وہی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔" ﴿۲۶﴾

---

(۹) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کے لئے دیکھئے سورۂ انبیاء (۲۱:۵۱)۔

(۱۰) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو لوگ بتوں کی عبادت کرتے ہیں، انہوں نے اسی بت پرستی کی بنیاد پر دوستیاں قائم کر رکھی ہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم لوگوں نے بت پرستی سوچ سمجھ کر اختیار نہیں کی، بلکہ اپنے دوستوں کو دیکھا کہ وہ بت پرستی کر رہے ہیں، تو انہی کے طریقے پر چل پڑے، اور صرف دوستی قائم رکھنے کے لئے اس مذہب کو اپنالیا۔ سبق یہ دیا گیا ہے کہ حق و باطل کے معاملے میں دوستوں اور رشتہ داروں کی مروّت میں کوئی راستہ اختیار نہیں کرنا چاہئے، بلکہ بصیرت کے ساتھ وہی راستہ اختیار کرنا چاہئے جو حق ہو۔

(۱۱) لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وطن یعنی عراق میں اُن پر حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی پیغمبر بنا کر سدوم اور عمورہ کی بستیوں کی طرف بھیجا تھا۔

(۱۲) مطلب یہ ہے کہ وطن چھوڑ کر اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جارہا ہوں۔

وَوَهَبْنَا لَهُۥٓ إِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِى ذُرِّيَّتِهِ ٱلنُّبُوَّةَ وَٱلْكِتَٰبَ وَءَاتَيْنَٰهُ أَجْرَهُۥ
فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُۥ فِى ٱلْءَاخِرَةِ لَمِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿٢٧﴾ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِۦٓ إِنَّكُمْ
لَتَأْتُونَ ٱلْفَٰحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٢٨﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ
ٱلرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ ٱلسَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِى نَادِيكُمُ ٱلْمُنكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ
قَوْمِهِۦٓ إِلَّآ أَن قَالُوا۟ ٱئْتِنَا بِعَذَابِ ٱللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ رَبِّ
ع ٱنصُرْنِى عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْمُفْسِدِينَ ﴿٣٠﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ إِبْرَٰهِيمَ بِٱلْبُشْرَىٰ
قَالُوٓا۟ إِنَّا مُهْلِكُوٓا۟ أَهْلِ هَٰذِهِ ٱلْقَرْيَةِ ۖ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا۟ ظَٰلِمِينَ ﴿٣١﴾

اور ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب (جیسے بیٹے) عطا فرمائے، اور اُن کی اولاد میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ جاری رکھا، اور اُن کا اجر ہم نے انہیں دُنیا میں (بھی) دیا اور یقیناً آخرت میں اُن کا شمار صالحین میں ہوگا۔ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے لوط کو بھیجا جبکہ اُس نے اپنی قوم سے کہا: "حقیقت یہ ہے کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دُنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ ﴿۲۸﴾ کیا تم مردوں کے پاس جاتے ہو، (۱۳) اور راستوں میں ڈاکے ڈالتے ہو، اور اپنی بھری مجلس میں بدی کا ارتکاب کرتے ہو؟" پھر اُن کی قوم کے لوگوں کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا کہ انہوں نے کہا: "لے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم سچے ہو!" ﴿۲۹﴾ لوط نے کہا: "میرے پروردگار! ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرمایئے۔" ﴿۳۰﴾ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس (اُن کے بیٹا ہونے کی) خوشخبری لے کر پہنچے، (۱۴) تو انہوں نے کہا کہ: "ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے باشندے بڑے ظالم بنے ہوئے ہیں۔" ﴿۳۱﴾

---

(۱۳) یعنی اپنی جنسی خواہش عورتوں کے بجائے مردوں سے پوری کرتے ہو۔

(۱۴) جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس یہ خوشخبری لے کر آئے تھے کہ اُن کے یہاں بیٹا پیدا ہوگا،

قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۚ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَن فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا
امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٢﴾ وَلَمَّا أَن جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ
وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا
امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا مُنزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ
رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٣٤﴾ وَلَقَد تَّرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً
لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٣٥﴾

ابراہیم نے کہا: "اس بستی میں تو لوط موجود ہیں۔" فرشتوں نے کہا: "ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس میں کون ہے۔ ہم انہیں اور ان کے متعلقین کو ضرور بچالیں گے، سوائے ان کی بیوی کے کہ وہ ان لوگوں میں شامل رہے گی جو پیچھے رہ جائیں گے۔"
﴿۳۲﴾ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو لوط ان کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے، اور ان کی وجہ سے ان کا دل تنگ ہونے لگا۔ ان فرشتوں نے کہا: "آپ نہ ڈریئے، اور نہ غم کیجئے۔ ہم آپ کو اور آپ کے متعلقین کو بچالیں گے، سوائے آپ کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہے گی۔
﴿۳۳﴾ اس بستی کے باشندے جو بدکاریاں کرتے رہے ہیں، ان کی وجہ سے ہم ان پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔"
﴿۳۴﴾ اور ہم نے اس بستی کی کچھ کھلی نشانی ان لوگوں کے لئے چھوڑ دی ہے جو عقل سے کام لیں۔(۱۵)
﴿۳۵﴾

انہی کو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھی بھیجا گیا تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ ہود (۶۹:۱۱) اور سورۂ حجر (۵۱:۱۵)۔

(۱۵) یعنی ان کی بستیوں کے کھنڈر آج بھی موجود ہیں، اور نشانِ عبرت بنے ہوئے ہیں۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَ
لَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٣٦﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي
دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٣٧﴾ وَعَادًا وَثَمُودَا وَقَد تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسَاكِنِهِمْ ۖ وَزَيَّنَ لَهُمُ
الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَارُونَ وَ
فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا
كَانُوا سَابِقِينَ ﴿٣٩﴾

اور مدین کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ چنانچہ اُنہوں نے کہا: "میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اور آخرت والے دن کی اُمید رکھو، اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔" ﴿۳۶﴾ پھر ہوا یہ کہ ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا، چنانچہ زلزلے نے اُن کو آ پکڑا، اور وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے۔[۱۶] ﴿۳۷﴾ اور ہم نے عاد اور ثمود کو بھی ہلاک کیا، اور اُن کی تباہی تم پر اُن کے گھروں سے واضح ہو چکی ہے۔[۱۷] اور شیطان نے اُن کے اعمال کو ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر اُنہیں راہِ راست سے روک دیا تھا، حالانکہ وہ سوجھ بوجھ کے لوگ تھے۔[۱۸] ﴿۳۸﴾ اور قارون، فرعون اور ہامان کو بھی ہم نے ہلاک کیا۔[۱۹] موسیٰ اُن کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تھے، مگر اُنہوں نے زمین میں تکبر سے کام لیا، اور وہ (ہم سے) جیت نہ سکے۔ ﴿۳۹﴾

(۱۶) دیکھئے سورۂ اعراف (۷:۸۴) اور سورۂ ہود (۱۱:۸۲)۔

(۱۷) دیکھئے سورۂ اعراف (۷:۶۴ و ۷:۷۲) و سورۂ ہود (۱۱:۴۹ و ۱۱:۶۰)۔

(۱۸) یعنی دُنیا کے معاملات میں بڑے سمجھدار اور ہوشیار تھے، مگر آخرت سے بالکل غافل اور جاہل۔

(۱۹) دیکھئے سورۂ قصص (۲۸:۷۶ تا ۲۸:۷۵)۔

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ
الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ ۚ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٠﴾ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ
أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ
الْعَنكَبُوتِ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾

ہم نے ان سب کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ میں لیا، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ تھے جن پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی،(۲۰) اور کچھ وہ تھے جن کو ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا،(۲۱) اور کچھ وہ تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا،(۲۲) اور کچھ وہ جنہیں ہم نے پانی میں غرق کردیا۔(۲۳) اور اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن یہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ ﴿۴۰﴾

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے رکھوالے بنا رکھے ہیں، ان کی مثال مکڑی کی سی ہے جس نے کوئی گھر بنا لیا ہو۔ اور کھلی بات ہے کہ تمام گھروں میں سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہوتا ہے۔ کاش کہ یہ لوگ جانتے!(۲۴) ﴿۴۱﴾

---

(۲۰) قوم عاد اسی طرح ہلاک ہوئی۔ دیکھئے سورۂ اعراف (۷:۷۲)۔

(۲۱) قوم ثمود اسی طرح تباہ ہوئی۔ دیکھئے سورۂ اعراف (۷:۷۸)۔

(۲۲) قارون کو زمین میں دھنسایا گیا تھا۔ دیکھئے سورۂ قصص (۲۸:۸۱)۔

(۲۳) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان آیا تھا جس میں وہ غرق ہوئی، اسی طرح فرعون اور اس کی قوم کو بھی سمندر میں غرق کیا گیا۔

(۲۴) یعنی کاش یہ لوگ جانتے کہ جن جھوٹے خداؤں پر انہوں نے بھروسہ کیا ہوا ہے، وہ مکڑی کے جالے سے زیادہ کمزور ہیں، اور انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٤٢﴾ وَتِلْكَ
الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿٤٣﴾ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ
ع وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٤﴾ اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ
الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۖ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللَّهِ
أَكْبَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿٤٥﴾

یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جس جس چیز کو پکارتے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے، اور وہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۴۲﴾ ہم یہ مثالیں لوگوں کے فائدے کے لئے دیتے ہیں، اور انہیں سمجھتے وہی ہیں جو علم والے ہیں۔ ﴿۴۳﴾ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق (مقصد کے لئے) پیدا کیا ہے۔(۲۵) درحقیقت اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔ ﴿۴۴﴾

(اے پیغمبر!) جو کتاب تمہارے پاس وحی کے ذریعے بھیجی گئی ہے، اُس کی تلاوت کرو، اور نماز قائم کرو۔ بیشک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے،(۲۶) اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سب کو جانتا ہے۔ ع ﴿۴۵﴾

---

(۲۵) یعنی یہ کائنات اس مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ اُس کے ذریعے لوگوں کو آزمایا جائے، اور پھر لوگوں کے اعمال کے مطابق انہیں جزا یا سزا ملے۔ اگر آخرت کی زندگی آنے والی نہ ہو تو کائنات کو پیدا کرنے کا یہ اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

(۲۶) یعنی اگر انسان نماز کو نماز کی طرح پڑھے، اور اس کے مقصد پر دھیان دے تو وہ اُسے بے حیائی اور ہر بُرے کام سے روکے گی، اس لئے کہ انسان نماز میں سب سے پہلے تکبیر کہہ کر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اعلان اور اقرار کرتا ہے، جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے کسی بات کو وقعت نہیں دیتا۔ پھر ہر رکعت میں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس بات کا اقرار اور عہد کرتا ہے کہ یا اللہ! میں آپ ہی کی بندگی کرتا ہوں، اور آپ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ لہٰذا جب اس کے بعد کسی گناہ کا خیال اُس کے دل میں آئے تو اگر اُس نے

وَلَا تُجَادِلُوٓا أَهْلَ الْكِتٰبِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ ۖ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ
وَقُوْلُوٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلٰهُنَا وَإِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ
مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ
بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ إِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور (مسلمانو!) اہلِ کتاب سے بحث نہ کرو، مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو، ــــ البتہ اُن میں سے جو زیادتی کریں، اُن کی بات اور ہے ــــ (۲۷) اور (ان سے) یہ کہو کہ: ''ہم اُس کتاب پر بھی ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے، اور اُس پر بھی جو تم پر نازل کی گئی تھی، اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہے، اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں۔'' ﴿۴۶﴾ اور (اے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے تم پر کتاب نازل کی ہے، اس لئے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور ان (بت پرستوں) میں سے بھی کچھ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لا رہے ہیں، اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو کافر ہیں۔ ﴿۴۷﴾

نماز دھیان سے پڑھی ہے تو اُسے اپنا یہ عہد یاد آنا چاہئے جو یقیناً اُسے گناہ سے روکے گا۔ نیز وہ رکوع، سجدے اور نماز کی ہر حرکت و سکون میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے زبانِ حال سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس لئے جو شخص نماز کو سوچ سمجھ کر اس طرح پڑھے جیسے پڑھنا چاہئے تو نماز یقیناً اُسے برائیوں سے روکے گی۔

(۲۷) یوں تو دعوتِ اسلام میں ہر جگہ یہی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ شائستگی کے ساتھ ہو، لیکن خاص طور پر اہلِ کتاب، یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں اس لئے یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ آسمانی کتابوں پر فی الجملہ ایمان رکھتے ہیں، اس لئے بت پرستوں کے مقابلے میں وہ مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں۔ تاہم اگر زیادتی اُن کی طرف سے ہو تو ترکی بہ ترکی جواب دینے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ
الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ
بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ
عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

اور تم اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے، اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل والے مین میخ نکال سکتے تھے۔ (۲۸) ﴿۴۸﴾ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قرآن ایسی نشانیوں کا مجموعہ ہے جو ان لوگوں کے سینوں میں بالکل واضح ہیں جنہیں علم عطا کیا گیا ہے، اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو ظالم ہیں۔ ﴿۴۹﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ''ان (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) پر ان کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اُتاری گئیں؟'' (۲۹) (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: ''نشانیاں صرف اللہ کے پاس ہیں، اور میں تو ایک واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔'' ﴿۵۰﴾

---

(۲۸) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اُمّی بنایا، یعنی آپ لکھتے پڑھتے نہیں تھے۔ اس آیت میں اس کی حکمت بیان فرمائی گئی ہے کہ اُمّی ہونے کے باوجود جب آپ کی زبانِ مبارک پر قرآنِ کریم جاری ہوا تو یہ بذاتِ خود ایک عظیم الشان معجزہ تھا کہ جس شخص نے کبھی نہ پڑھنا سیکھا، نہ لکھنا، وہ ایسا فصیح و بلیغ کلام پیش کر رہا ہے جس کی مثال پیش کرنے سے سارا عرب عاجز ہو گیا۔ قرآنِ کریم فرما رہا ہے کہ اگر آپ پڑھتے لکھتے ہوتے تو آپ کے مخالفین کو یہ کہنے کا کچھ نہ کچھ موقع مل جاتا کہ آپ نے کہیں سے پڑھ پڑھا کر یہ مضامین اکٹھے کر لئے ہیں۔ اگرچہ اعتراض اس پر بھی فضول ہی ہوتا، لیکن اب تو یہ کہنے کا کوئی موقع ہی باقی نہیں رہا۔

(۲۹) یعنی وہ معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جن کی ہم فرمائش کرتے ہیں۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات عطا فرمائے گئے تھے، لیکن کفارِ مکہ نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، جیسے سورۂ بنی اسرائیل (۱۷: ۹۳) میں تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ معجزات دکھانا اللہ تعالیٰ کی

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَ
ذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۖ يَعْلَمُ مَا فِي
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ
الْخَاسِرُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ
الْعَذَابُ ۚ وَلَيَأْتِيَنَّهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٣﴾ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَ
إِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٥٤﴾ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ
أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٥﴾

بھلا کیا ان کے لئے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب اُتاری ہے جو ان کو پڑھ کر
سنائی جا رہی ہے؟ یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے جو ماننے والے
ہوں۔ ﴿۵۱﴾ کہہ دو کہ: "میرے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کے لئے اللہ کافی ہے، اُسے
اُن تمام چیزوں کا علم ہے جو آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں۔ اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے
ہیں، اور اللہ کا انکار کیا ہے، وہی ہیں جو سخت نقصان اُٹھانے والے ہیں۔" ﴿۵۲﴾ اور یہ لوگ تم
سے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں۔ اگر (عذاب کا) ایک معین وقت نہ ہوتا تو ان پر ضرور عذاب
آجاتا، اور وہ آئے گا ضرور (مگر) اتنا اچانک کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ ﴿۵۳﴾ یہ تم سے
عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں، اور یقیناً جہنم ان کو گھیرے میں لے لے گی، ﴿۵۴﴾ اُس دن جب
عذاب اُن پر اُوپر سے بھی چھا جائے گا، اور ان کے پاؤں کے نیچے سے بھی، اور کہے گا کہ: "چکھو
اُن کاموں کا مزہ جو تم کیا کرتے تھے۔" ﴿۵۵﴾

قدرت میں ہے، میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبردار کرنے کے لئے آیا ہوں۔ نیز اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ
قرآن کریم بذاتِ خود ایک بڑا معجزہ ہے جو ایک طالبِ حق کے لئے بالکل کافی ہونا چاہئے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ
ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ
الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَاۗبَّةٍ لَّا
تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾

اے میرے بندو جو ایمان لاچکے ہو! یقین جانو میری زمین بہت وسیع ہے، لہٰذا خالص میری عبادت کرو۔(۳۰) ﴿۵۶﴾ ہر شخص کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، پھر ہماری ہی طرف تم سب کو واپس لایا جائے گا۔(۳۱) ﴿۵۷﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اُن کو ہم ضرور جنت کے ایسے بالا خانوں میں آباد کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ بہترین اجر ہے ان عمل کرنے والوں کا، ﴿۵۸﴾ جنہوں نے صبر سے کام لیا، اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ﴿۵۹﴾ اور کتنے جانور ہیں جو اپنا رزق اُٹھائے نہیں پھرتے! اللہ اُنہیں بھی رزق دیتا ہے، اور تمہیں بھی،(۳۲) اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔ ﴿۶۰﴾

(۳۰) جیسا کہ اس سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، یہ سورت اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب کفارِ مکہ نے مسلمانوں پر ظلم وستم کی انتہا کررکھی تھی، اور بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس صورتِ حال سے پریشان تھے۔ اس سورت کے شروع میں تو انہیں صبر و استقامت کی تلقین فرمائی گئی ہے، اور اب اس آیت میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر مکہ مکرمہ میں دین پر عمل کرنا مشکل ہورہا ہے تو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، ہجرت کرکے کسی اور ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں امن وسکون کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرسکو۔

(۳۱) یعنی اگر ہجرت کرنے سے اس لیے رکاوٹ محسوس ہو کہ اپنے عزیزوں دوستوں کو چھوڑنا پڑے گا تو یہ جدائی کبھی نہ کبھی تو ہونی ہی ہے، کیونکہ ہر انسان کو موت آنی ہے۔ پھر جب سب ہمارے پاس واپس آجاؤ گے تو پھر کبھی جدائی نہیں ہوگی۔

(۳۲) ہجرت کرنے میں ایک خوف یہ ہوسکتا تھا کہ یہاں تو ہمارے روزگار کا ایک نظام موجود ہے، کہیں اور جاکر

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ
فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٦١﴾ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّن نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ
مِن بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٣﴾ ع ۶

اور اگر تم اُن سے پوچھو کہ: ”کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور سورج اور چاند کو کام پر لگایا؟“ تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: ”اللہ!“ پھر آخر یہ لوگ کہاں سے اوندھے چل پڑتے ہیں؟[۲۳] ﴿۶۱﴾ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے، رزق میں کشادگی کر دیتا ہے، اور جس کے لئے چاہتا ہے، تنگی کر دیتا ہے۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھتا ہے۔ ﴿۶۲﴾ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ: ”کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اُس کے ذریعے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اُسے زندگی بخشی؟“ تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: ”اللہ!“ کہو: ”الحمد للہ!“[۲۴] لیکن ان میں سے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ ﴿۶۳﴾

معلوم نہیں کوئی مناسب روزگار ملے یا نہ ملے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دُنیا میں کتنے جانور ایسے ہیں جو اپنا رزق ساتھ لئے نہیں پھرتے، بلکہ وہ جہاں کہیں جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ وہیں ان کے رزق کا انتظام فرماتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں وطن چھوڑیں گے، کیا اللہ تعالیٰ اُن کے رزق کا انتظام نہیں فرمائے گا؟ البتہ رزق کی کمی اور زیادتی تمام تر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت پر موقوف ہے۔ لہٰذا وہی فیصلہ فرماتا ہے کہ کس کو کس وقت کتنا رزق دینا ہے۔

(۲۳) یعنی اس حقیقت کا اعتراف کرنے کا منطقی تقاضا یہ تھا کہ وہ اُسی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، کسی اور کی نہیں، لیکن اس کے بجائے نہیں کیا ہو جاتا ہے کہ اس منطقی تقاضے پر عمل کرنے کے بجائے شرک شروع کر دیتے ہیں۔

(۲۴) یعنی الحمد للہ! کہ انہوں نے خود اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کے خالقِ کائنات ہونے کا اعتراف کر لیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے مشرکانہ عقائد بے بنیاد اور سراسر باطل ہیں۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ
فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ڔ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫
فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ
اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي
اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾

اور یہ دنیوی زندگی کھیل کود کے سوا کچھ بھی نہیں،(۳۵) اور حقیقت یہ ہے کہ دارِ آخرت ہی اصل زندگی ہے،
اگر یہ لوگ جانتے ہوتے! ﴿۶۴﴾ چنانچہ جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو اس طرح پکارتے
ہیں کہ ان کا اعتقاد خالص اُسی پر ہوتا ہے۔(۳۶) پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو فوراً شرک
کرنے لگتے ہیں۔ ﴿۶۵﴾ کرلیں یہ لوگ ناشکری اُس نعمت کی جو ہم نے اُن کو دی ہے، اور
اُڑالیں کچھ مزے! پھر وہ وقت دور نہیں جب انہیں سب پتہ چل جائے گا۔ ﴿۶۶﴾ بھلا کیا انہوں
نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے (ان کے شہر کو) ایک پُرامن حرم بنادیا ہے، جبکہ ان کے ارد گرد لوگوں کا
حال یہ ہے کہ انہیں اُچک لیا جاتا ہے۔(۳۷) کیا پھر بھی یہ باطل پر ایمان لاتے ہیں، اور اللہ کی نعمت کی
ناشکری کرتے ہیں؟ ﴿۶۷﴾ اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے، یا
جب اُس کے پاس حق کی بات پہنچے تو وہ اُسے جھٹلائے؟ کیا جہنم میں (ایسے) کافروں کا ٹھکانا نہیں
ہوگا؟ ﴿۶۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہے، ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں
پر پہنچائیں گے،(۳۸) اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ﴿۶۹﴾

---

(۳۵) یعنی جس طرح کھیل کود میں کچھ دیر تو مزہ آتا ہے، مگر وہ کوئی پائیدار چیز نہیں ہے، ذرا دیر گذرنے کے بعد سارا تماشا ختم ہوجاتا ہے، اسی طرح دُنیا کی لذتیں بھی ناپائیدار ہیں، اور تھوڑی مدت میں سب ختم ہوجائیں گی۔

اس کے برخلاف آخرت کی زندگی ہمیشہ کے لئے ہے، اس لئے اُس کی لذتیں اور نعمتیں سدا بہار ہیں۔ اس لئے اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے۔

(۳۶) مشرکینِ عرب کا یہ عجیب طریقہ تھا کہ جب سمندر کی موجوں میں گھر کر موت نظر آنے لگتی تو اُس وقت انہیں نہ کوئی بت یاد آتا تھا، نہ کوئی دیوی یاد ہوتا۔ اُس وقت وہ مدد کے لئے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ لیکن جب ڈوبنے سے بچ کر کنارے پہنچ جاتے تو اللہ تعالیٰ کے بجائے پھر انہی بتوں کی عبادت شروع کردیتے تھے۔

(۳۷) پچھلی سورت یعنی سورۂ قصص (۲۸:۵۷) میں گذرا ہے کہ مشرکینِ مکہ ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ یہ پیش کرتے تھے کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو سارا عرب جو اس وقت ہماری عزت کرتا ہے، ہمارا مخالف ہوجائے گا، اور ہمیں اپنی سرزمین سے نکال باہر کرے گا۔ اس آیت میں اوّل تو اس بہانے کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی مکہ مکرمہ کو حرم بناکر اُسے اتنا پُرامن علاقہ بنادیا ہے کہ وہاں کوئی قتل وغارت گری کی جرأت نہیں کرتا، حالانکہ اُس کے اردگرد اچھے خاصے لوگوں کو دن دہاڑے اُچک کر قتل اور لوٹ مار کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ لہٰذا جب تمہاری نافرمانی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ چین کی زندگی دے رکھی ہے تو جب تم اُس کے فرماں بردار بن جاؤ گے تو کیا وہ تمہیں اس نعمت سے محروم کردے گا؟ دوسرے اس آیت نے اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ مکہ مکرمہ کو کیا کسی بت نے یا دیوتا نے حرم بنایا تھا جو تم اُن کی عبادت کے پیچھے پڑے ہوئے ہو؟ یقیناً اس خطے کو یہ تقدس تو اللہ تعالیٰ ہی نے عطا فرمایا ہے۔ پھر خود سوچ لو کہ عبادت کے لائق کون ہے؟

(۳۸) یہ اُن لوگوں کے لئے بڑی عظیم خوشخبری ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین پر خود چلنے اور دوسروں کو چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب تک انسان اس راستے میں کوشش جاری رکھے، اور مایوس ہوکر نہ بیٹھ جائے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اُس کی مدد فرماکر ضرور منزل تک پہنچادیں گے۔ لہٰذا راستے کی مشکلات سے ہار مان کر بیٹھنے کے بجائے نئے عزم وہمت کے ساتھ یہ کوشش ہمیشہ جاری رہنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی مکمل توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

الحمدللہ! سورۂ عنکبوت کا ترجمہ اور حواشی آج شب چہارشنبہ ۲۶؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۲؍جون ۲۰۰۷ء کو اذانِ عشاء کے وقت کراچی میں تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس خدمت کو قبول فرماکر نافع بنائیں، اور باقی سورتوں کا کام بھی اپنی رضائے کامل کے مطابق تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بخشیں۔ آمین ثم آمین۔

تصدیق نامہ

میں نے "مکتبہ معارف القرآن کراچی" کے مطبوعہ قرآن پاک
مترجم بنام "توضیح القرآن" (آسان ترجمہ قرآن) کے عربی متن کو
بغور پڑھا، الحمدللہ! بہت معیاری اور صحیح کتابت کرائی گئی ہے۔
تصدیق کی جاتی ہے کہ مذکورہ قرآن پاک کے عربی متن میں
کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

المصدق

(مولانا حافظ) محمد ایوب [illegible]

[illegible]

مولوی محمد اللہ وسایا خان بلوچ

مستند پروف ریڈر، وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان، اسلام آباد